6637

جملہ حقوق محفوظ

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی ؐ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد ششم

مشتمل بر تعلیمات اخلاق

اس میں پہلے اسلام میں اخلاق کی اہمیت بتائی گئی، اور اسلامی فلسفہ اخلاق کی تشریح کی گئی ہے، اور پھر اسلامی اخلاقی تعلیمات اور فضائل و رذائل اور اسلامی آداب کو تفصیل کیساتھ بیان کیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اخلاقی معلم کی حیثیت سے بھی رسول اسلام علیہ السلام کا پایہ کتنا اونچا ہے

تالیف

سید سلیمان ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی

در مطبع معارف واقع اعظم گڑھ مطبوع گردید

طبع سوم

سنہ ۱۳۷۲ھ

۱۹۵۳ء

Marfat.com

فہرست مضامین سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ششم

مضمون	صفحہ
اخلاق	۱ - ۲
اسلام اور اخلاق حسنہ	۳ - ۲۷
تزکیہ	۵
حکمت	۶
حقوق عبادت کی اہمیت	۸
اسلام کے ارکان پنجگانہ اور اخلاق	۱۰
اخلاق حسنہ اور ایمان	۱۲
اخلاق حسنہ اور تقوی	۱۳
اخلاق حسنہ اور خدا کے نیک بندہ ہونے کا شرف	۱۵
اہل ایمان کے اخلاقی اوصاف	۱۷
اخلاق حسنہ کا درجہ اسلام میں	۱۹
ایمان کے اوصاف و لوازم	۲۳
اخلاق حسنہ، صفات الٰہی کا پرتو ہیں،	۲۶
اخلاقی معلموں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز	۲۷ - ۳۸
بے پردہ زندگی	۳۰
قول کے ساتھ عمل	۳۲
کامل و مکمل	۳۵
اخلاقی تعلیم کا تنوع	۳۶
اسلام کا فلسفۂ اخلاق	۳۸ - ۱۱۲
بے غرضی	۴۴
نیت	
جدید فلسفۂ اخلاق کی تائید	
اخلاق کیلئے ایمان کی شرط	
غرض و غایت	۵۰
ضمیر کی آواز	۵۳
مسرت و انبساط	۵۷
رضائے الٰہی	۵۹
مذہب میں اخلاق کا بنیادی اصول	۶۴
خوف و رجا	۷۲
اخلاق اور رہبانیت	۷۶
امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۸۰
اس کے چند شرائط	۸۲
تجسس اور غیبت کی ممانعت	۸۷
توسط اور اعتدال	۹۰
عدل اور احسان	۹۲
قانون اور اخلاق	[illegible]
عفو اور انتقام	۹۵
عفو و درگذر کی تعلیم	۱۰۳
برائی کی جگہ نیکی	۱۰۷

Marfat.com

مضمون	صفحہ
اسلام کی اخلاقی تعلیم کا مکمل کارنامہ	١١٣ — ١٨٥
تفصیل اور ہمہ گیری	١١٤
اخلاقی تعلیمات کا احاطہ	١١٦
توراۃ کے اخلاقی احکام	″
انجیل کے اخلاقی احکام	١١٩
اسلام میں اخلاقی احکام کا استقصاء	١٢٠
قرآنی اخلاق کی فہرست	١٢١
احادیث کے اخلاقیات کی فہرست	١٢٣
اخلاقی جزئیات کا استقصاء	١٢٥
مسکرات کی مذمت میں جزئیات کا احاطہ	١٢٧
سود کی حرمت میں جزئیات کا احاطہ	١٣٤
شہوت کی حرمت میں استقصاء	″
مسیحی اخلاق کی کمزوری	١٣٨
نطشے کا اعتراض مسیحی اخلاق پر	″

مضمون	صفحہ
اسلامی اخلاق کا اعتدال	١٣٩
نفوس کا اختلاف استعداد	″
ہر شخص کی حسب ضرورت اصلاح	١٤٠
قوت غضب اور قوت شہوت میں تعدیل	١٤١
مسیحی اور اسلامی اخلاقیات کا فرق	١٤٢
مسیحی اخلاق کی کمزوریاں	″
لیکی کا اعتراض مسیحی اخلاق پر	١٤٤
اسلام اور بلند اخلاق	١٤٥
تقیید توکل صبر اور شکر	١٤٦
اپنے دشمنوں کو پیار کرو	١٤٩
کفار و مشرکین سے عدم موالات	١٥٥
سختی کا جائز موقع	١٦٦
خدا کے لیے محبت اور خدا کے لیے ناراضی	١٦٣
اسلام میں کیوں دائمی یا موقتی تجرد کی تعلیم نہیں	١٦٧
ترک دنیا	١٨٠
اخلاق اور محبت الٰہی	١٨٣
رذائل جو محبت الٰہی کے فیضان سے محروم کردیتے ہیں	١٨٤

مضمون	صفحہ
تعلیم اخلاق کے طریقے اور اسلوب	١٨٦ — ٢٠٢
اخلاقی تعلیمات کی قسمیں	٢٠٣
حقوق اور فرائض	٢٠٣
فضائل اخلاق اور رذائل اخلاق	″
آداب	″
حقوق و فرائض	٢٠٤ — ٣٥٠
حقوق کے معنی	٢٠٤
حقوق کی وسعت	٢٠٦
حقوق کی ترتیب	٢٠٩
والدین کا حق	٢١٣
اولاد کا حق	٢٢٩
عصری تعلیم	″
اولادکشی کا انسداد	٢٣١
رضاعت وحضانت	٢٤٢
تعلیم و تربیت	٢٤٤
حقوق زوجین	٢٤٨

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
مرد کو کس عورت کے مارنے کا اختیار دیا گیا ہے	۲۶۴	عفت و پاکبازی	۴۰۳	**رذائل**	
		دیانت داری اور امانت	۴۲۶		
اہل قرابت کے حقوق	۲۷۱	شرم و حیا	۴۳۰	۵۸۸ - ۶۸۹	
ہمسایہ کے حقوق	۲۷۸	رحم	۴۴۵	رذائل کے معنی	۵۸۸
یتیموں کے حقوق	۲۸۷	عدل و انصاف	۴۵۲	رذائل کے قرآنی نام	״
بیوہ کے ساتھ حسن سلوک	۲۹۶	عہد کی پابندی	۴۶۲	فحشاء، منکر اور بغی	۵۹۰
حاجتمندوں کے حقوق	۳۰۱	احسان	۴۷۴	فحشاء کے معنی	۵۹۱
بیمار کے حقوق	۳۰۷	عفو و درگذر	۴۸۹	منکر کے معنی	۵۹۲
غلاموں کے حقوق	۳۱۱	حلم و بردباری	۵۰۲	بغی کے معنی	۵۹۴
مہمان کے حقوق	۳۱۹	رفق و لطف	۵۰۹	رذائل [illegible]	״
مسلمانوں کے باہمی حقوق	۳۲۲	تواضع و خاکساری	۵۱۸	کبیرہ گناہ	
انسانی برادری کا حق	۳۳۷	خوش کلامی	۵۲۳	رذائل کی ترتیب	۵۹۶
جانوروں کے حقوق	۳۴۳	ایثار	۵۲۷	جھوٹ	۵۹۶
فضائل اخلاق		اعتدال اور میانہ روی	۵۳۰	جھوٹی قسمیں کھانا	۶۱۱
		خود داری یا عزت نفس	۵۳۴	وعدہ خلافی	۶۲۱
۳۵۱ - ۵۸۶		شجاعت اور بہادری	۵۴۰	خیانت اور بددیانتی	۶۲۳
فضائل کی مختصر فہرست	۳۵۳	اقوام کی قلت و کثرت	۵۴۴	غداری اور دغابازی	۶۲۸
صدق	۳۶۱	موت کا وقت مقرر ہے	۵۵۰	بہتان	۶۳۲
زبان کی سچائی	۳۶۹	شہادت اور غزا کا رتبہ	۵۶۱	چغلخوری	۶۳۶
دل کی سچائی	۳۷۰	استقامت	۵۶۸	غیبت اور بدگوئی	۶۴۶
عمل کی سچائی	۳۷۱	حق گوئی	۵۶۹	دو رخا پن	۶۵۵
سخاوت	۳۸۰	استغناء	۵۸۳	بدگمانی	۶۵۶

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
مداحی اور خوشامد	۶۵۹	فخر و غرور	۷۳۴	آداب مجلس	۸۰۸
بخل	۶۶۳	ریا	۷۴۹	آداب ملاقات	۸۱۳
حرص و طمع	۶۶۷	خود بینی اور خود نمائی	۷۵۷	آداب گفتگو	۸۲۵
بے ایمانی	۶۸۲	فضول خرچی	۷۶۱	باہر نکلنے اور چلنے پھرنے	۸۳۲
چوری	۶۸۷	حسد	۷۶۵	کے آداب	
ناپ تول میں کمی بیشی	۶۹۲	فحش گوئی	۷۷۵	آداب سفر	۸۳۶
چھپا کر لینا	۶۹۷	رذائل پر مختصر تبصرہ	۷۸۵	آداب خواب	۸۳۹
رشوت	۷۰۱	**آداب**		آداب لباس	۸۴۳
سود خواری	۷۰۶	۷۸۷ - ۸۷۰		آداب مسرت	۸۵۰
شراب خواری	۷۱۲			آداب ماتم	۸۵۹
غیظ و غضب	۷۱۹	فطری آداب	۷۸۹	متفرق آداب	۸۶۵
بغض و کینہ	۷۲۳	طہارت اور اسکے آداب	۷۹۲	آداب کا فلسفہ	۸۶۷
ظلم	۷۲۷	کھانے پینے کے آداب	۸۰۱	حکمت لاتبالی کا چشمۂ نور	۸۷۱

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل الکتاب والحکمة والصلوٰة والسلام علی رسوله
نبی الرحمة وعلی آله واصحابه اولی العزم والهمة

اے تو بہمین صفت سزاوار — نامِ تو گرہ کشائے ہر کار
اے کردہ ز گنج خانہ راز — بر آدمیان درِ سخن باز
عالم ز تو شد بحکمت آباد — حکمت ز تو یافت آدمی زاد

در قربتِ حضرتِ مقدس — پیغمبرِ پاک رہبرم بس
گنجینۂ کیمیائے عالم — بیش از ہمہ پیشوائے عالم
نامش بسرِ یہ پادشاہی — توقیعِ سپیدی و سیاہی

(خسرو)

سیرت نبوی کے سلسلہ کی چھٹی جلد آج ناظرین کے سامنے ہے یہ اُن اخلاقی تعلیمات

Marfat.com

کی تفصیل اور تشریح میں ہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے مسلمانوں کو بتائی اور سکھائی گئیں، یہ عجیب بات ہی کہ مذہب کے ضروری اور مفید ہونے کے ثبوت میں اخلاقی تعلیم کو نظری حیثیت سے جتنی اہمیت ہی عملی حیثیت سے عام لوگ اس کو اتنا ہی کم درجہ دیتے ہیں، اسی لئے عوام کے اس وہم کو دور، اور قوموں کی ترقی و تہذیب میں اخلاق کی صحیح اہمیت کو واضح کرنے کے لئے ان اوراق میں اس باب کے ہر گوشہ پر اچھی طرح روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہی کہ ملت کی تعمیر کا اہم جزء اخلاق کی صحیح تربیت ہی،

کتاب میں اس نکتہ کی طرف کہ اخلاقِ حسنہ اسمائے حسنٰی کا پرتو ہیں، بار بار اشارہ کیا گیا ہی لیکن یہ بات ذہن میں رہی کہ کوئی مخلوق خالقِ تعالیٰ کی کسی صفت میں برابر کی شریک نہیں ہو سکتی ایسا سمجھنا سراسر شرک ہی، بات اتنی ہی کہ بندہ کے جس وصف کو خدائے تعالیٰ کی جس صفت سے مناسبت ہوتی ہے، اس پر اُس صفت کا اطلاق مجازاً کر دیتے ہیں جیسے خدا کے علم کے سامنے بندہ کے علم کا مرتبہ اتنا بھی نہیں ہی جتنا سمندر کے سامنے قطرہ کا ہی، مگر خدا کی اس صفتِ علم کے ساتھ ساتھ بندہ کے اس وصف کو بھی علم کہدیتے ہیں حالانکہ حقیقی صفتِ علم خدا ہی میں ہے، بندہ میں نہیں لیکن چونکہ خدائے تعالیٰ اپنی صفتِ علم سے بندہ میں ایک انکشافی شان پیدا کر دیتا ہی اسلئے بندہ کی اس ادنی انکشافی شان کو بھی علم کہدیتے ہیں[1]، ورنہ درحقیقت ان دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں یہی حال اللہ تعالیٰ اور بندہ کے دوسری صفات و اوصاف کے اشتراک کا ہی اسی لئے بہت سے اہلِ حق اور اہلِ تحقیق کے نزدیک ان دونوں میں اوصاف کے اشتراک

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے معارفِ لدنیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷، مطبوعہ مدینہ بجنور،

Marfat.com

اشتراک یا دنی مناسبت ہے، اور بس لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (شوریٰ - ۲)

کتاب میں چند موقعوں پر مختلف مذہبوں سے اسلام کا موازنہ کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی تعلیمات کا ذکر بھی آیا ہے، اس سے مقصود وہ تعلیمات و ہدایات ہیں، جو آج اُن کی طرف منسوب صحیفوں میں پائی جاتی ہیں، یا اُن کے موجودہ پیرو اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ ہر پیغمبر صادق کی تعلیم ہر اعتراض سے بلند اور ہر خردہ گیری سے پاک ہے، اور نبوت کے جس دور میں جو ربانی تعلیم آئی وہ اس کے لئے بالکل مناسب تھی، یہاں تک کہ خاتم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی ہمیشہ کے لئے تکمیل فرما دی گئی،

کتاب میں کہیں کہیں فقہی مسئلے آگئے ہیں، چونکہ اس کتاب کا اصل موضوع احکام کا اخلاقی پہلو ہے، اس لئے فقہی جزئیات اور تفصیلات میں الجھا نہیں گیا ہے، ایسے موقع پر اگر کوئی شک و شبہ ہو تو ضروری ہے کہ ان جزئیات اور تفصیلات کو فقہ کی کتابوں میں دیکھ لیا جائے،

کتاب کی ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے ایک مقدمہ ہے، جس میں اخلاق کی مذہبی اہمیت ظاہر کی گئی ہے، پھر کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی اخلاق کا ایک فلسفہ مرتب کیا جائے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ تعلیم کی کچھ خصوصیتیں گنائی گئی ہیں، پھر حقوق، فضائل، رذائل اور آداب کے مختلف عنوانوں سے اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی تفصیل کی گئی ہے،

فضائل، رذائل اور آداب کے بعض بعض عنوان میرے رفیق کار مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے لکھے ہیں جن کو میں نے گھٹا بڑھا کر شامل کر لیا ہے، موصوف کی اس قلمی اعانت کا شکر گزار ہوں،

آیات و احادیث سے احکام کے استنباط، اور مصالح و حکم کی تشریح میں اپنے ذوق و فکر

Marfat.com

کی رہبری سے چارہ نہ تھا، سہو وخطا انسان کی فطرت ہی، پھر کیونکر دعوی کرون کہ اس سے میرا فکر وذوق آزاد رہا ہے،

سلسلۂ سیرت کے بانی حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کو مدت سے خواب مین نہین دیکھا تھا، اس حصہ کے جب آخری ابواب زیر ترتیب تھے تو مین نے اُن کو خواب مین دیکھا کہ اُن کے سامنے اس کے بعض اجزا پڑے ہین، اور وہ اس کا کوئی صفحہ پڑھ رہے ہین، اور مسکرا رہے ہین، رحمہ اللہ تعالیٰ،

دعا ہی کہ اللہ تعالیٰ ان اوراق کو قبول فرمائے اور ابناے ملت مین اس آئینۂ محمدیؐ کو دیکھ کر اپنی اخلاقی شکل وصورت کی تزئین وآرائش کا ذوق پیدا کرے، اور وہ سمجھین کہ ایمان وعبادت کی درستی کی بڑی عملی نشانی اسلام کی روشنی مین اخلاق وعادات کی درستی ہے،

طالب رحمت

سید سلیمان ندوی

۴ ذیحجہ ۱۳۵۶ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اُس نے اپنے ایک حقیر بندہ کی خدمت کو عام مسلمانوں میں اور مخصوص اہلِ علم کی نگاہوں میں مقبولیت کی نعمت عطا فرمائی، وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراھیم - ۵) خدا کی نعمتوں کا شمار کون کر سکتا ہے،

قدردانوں کا تقاضا تھا کہ اس کی چھوٹی جلد جلد شائع ہو، مگر کتاب کی ضخامت اور کاغذ کی گرانی کے سبب سے اس میں رکاوٹیں پر رکاوٹیں پیش آتی رہیں، اور آخر کئی برسوں کے بعد وہ دن آیا کہ پوری کتاب دوبارہ چھپ کر ختم ہوئی، اور اب وہ آپ کے سامنے ہے،

اب ساتویں جلد (معاملات) کا معاملہ درپیش ہے، بقدرِ توفیق اس کے کچھ صفحات لکھے بھی گئے ہیں، مگر ابھی کام بہت باقی ہے، احباب سے اس کے حسنِ انجام کی دعا کا خواستگار ہوں،

والسلام

۲۹ - شوال ۱۳۶۰ھ   ہیچمدان

۱۹ - نومبر ۱۹۴۱ء   سلیمان

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین

تعلیماتِ نبوی کا تیسرا باب

اخلاق

عقائد اور عبادات کے بعد تعلیماتِ نبوی کی کتاب کا تیسرا باب اخلاق ہے، اخلاق سے مقصود باہم بندوں کے حقوق و فرائض کے وہ تعلقات ہیں جن کو ادا کرنا ہر انسان کے لئے مناسب بلکہ ضروری ہے۔ انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس کی ہر شے سے تھوڑا بہت اس کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے، اسی تعلق کے فرض کو حسن و خوبی انجام دینا اخلاق ہے، اس کے اپنے ماں باپ، اہل و عیال، عزیز و رشتہ دار، دوست و احباب سب سے تعلقات ہیں، بلکہ

ہر اُس انسان کے ساتھ اس کا تعلق ہے جس سے وہ محلہ، وطن، قومیت، جنسیت، یا اور کسی نوع کا علاقہ رکھتا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر حیوانات تک سے اُس کے تعلقات ہیں، اور اُن تعلقات کے سبب سے اُس پر کچھ فرائض عائد ہیں،

دنیا کی ساری خوشی، خوشحالی، اور امن و امان اسی اخلاق کی دولت سے ہے، اسی دولت کی کمی کو حکومت و جماعت اپنے طاقت و قوت کے قانون سے پورا کرتی ہے، اگر انسانی جماعتیں اپنے اخلاقی فرائض کو پوری طرح از خود انجام دیں، تو حکومتوں کے جبری قوانین کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو، اس لئے بہترین مذہب وہ ہے جس کا اخلاقی دباؤ اپنے ماننے والوں پر اتنا ہو کہ وہ اُن کے قدم کو سیدھے راستہ سے بھٹکنے نہ دے، دنیا کے سارے مذہبوں نے کم و بیش اسی کی کوشش کی ہے اور دنیا کے آخری مذہب اسلام نے بھی یہی کیا ہے، آئندہ ابواب میں اسلام کی ان ہی کوششوں کا جائزہ لینا ہے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں جو کچھ کہا ہے اور کیا ہے اُس کو تفصیل سے بتانا ہے،

Marfat.com

اسلام اور اخلاقِ حسنہ

اس مین شک نہین کہ دنیا کے سارے مذہبون کی بنیاد اخلاق ہی پر ہے، چنانچہ اس عرصۂ ہستی مین جس قدر پیغمبر اور مصلح آئے، سب کی یہی تعلیم رہی کہ سچ بولنا اچھا اور جھوٹ بولنا برا ہے، انصاف بھلائی، اور ظلم برائی ہے، خیرات نیکی اور چوری بدی ہے، لیکن مذہب کے دوسرے ابواب کی طرح اس باب مین بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تکمیلی حیثیت رکھتی ہے، خود آپ نے ارشاد فرمایا

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الاخلاق — مین حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہون،

(موطا مالک حسن اخلاق)

یہ امام مالک کی موطا کی روایت ہے، مسند احمد، بیہقی اور ابن سعد[۱] وغیرہ مین اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح الفاظ ہین، آپ نے فرمایا:-

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِم — مین تو اسی لیے بھیجا گیا کہ اخلاقی[illegible]

---

[۱] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۵ حیدرآباد، زرقانی شرح موطا جلد ۴ ص ۹۲ مطبعہ استقلیہ مصر [illegible]

الاخلاق، کی تکمیل کرون،

چنانچہ آپ نے اپنی بعثت کے ساتھ ہی اس فرض کو انجام دینا شروع کردیا، ابھی آپ مکہ ہی مین تھے، کہ ابوذرؓ نے اپنے بھائی کو اس نئے پیغمبر کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کے لئے مکہ بھیجا، انھون نے واپس آکر اُس کی نسبت اپنے بھائی کو جن الفاظ مین اطلاع دی، وہ یہ تھے،

رأیتہ یامُر بمکارم الاخلاقؒ، مین نے اس کو دیکھا کہ وہ لوگون کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے،

حبشہ کی ہجرت کے زمانہ مین نجاشی نے جب مسلمانون کو بلوا کر اسلام کی نسبت تحقیقات کی، اس وقت حضرت جعفر طیارؓ نے جو تقریر کی، اُس کے چند فقرے یہ ہین:-

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بتون کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریان کرتے تھے، ہمسایون کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست زیردستون کو کھا جاتے تھے، اس اثنا مین ایک شخص ہم مین پیدا ہوا، ....

.... اُس نے ہم کو سکھایا کہ ہم پتھرون کو پوجنا چھوڑ دین، سچ بولین، خونریزی سے باز آئین، یتیمون کا مال نہ کھائین، ہمسایون کو آرام دین، عفیف عورتون پر بدنامی کا داغ نہ لگائین؎"

؎ صحیح مسلم مناقب ابی ذر جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ مصر ؁۵۲، ابن حنبل بغدادی ص ۲۰۲ و مستدرک حاکم حیدرآباد ج ۲ ص ۳۱۰ و ابن ہشام ذکر واقعۂ ہجرت،

Marfat.com

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو ابھی تک کافر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی دعوت کا جو مختصر خاکہ کھینچا اس میں یہ تسلیم کیا کہ وہ خدا کی توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ "وہ پاکدامنی اختیار کریں، سچ بولیں، اور قرابت کا حق ادا کریں"۔

قرآن مجید نے جابجا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ،	یہ پیغمبر ان ان پڑھ جاہلوں کو پاک و صاف کرتا، اور اُن کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے،

(جمعہ ۔۱)

اس آیت میں دو لفظ تفصیل کے قابل ہیں، ایک پاک و صاف کرنا جس کو قرآن پاک نے تزکیہ کہا ہے اور دوسرا حکمت،

۱۔ تزکیہ کے لفظی معنی پاک و صاف کرنا، نکھارنا، میل کچیل دور کرنا ہیں، قرآن پاک نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہے کہ نفس انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے نکھار کر صاف ستھرا کیا جائے، یعنی اس آئینہ کے زنگ کو دور کر کے اس میں صیقل اور جلا پیدا کر دی جائے، سورۂ والشمس میں ہے،

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا، فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا، قَدْ اَفْلَحَ	قسم ہے نفس کی اور جیسا اس کو ٹھیک کیا، پھر اس میں اس کی بدی اور نیکی

لہ صحیح بخاری کتاب الوحی و کتاب الجہاد ۱۳۰

مَنْ زَکّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ	الہام کر دی، بے شبہ جس نے اس
دَسّٰهَا ہ	نفس کو صاف ستھرا بنایا وہ کامیاب
(شمس)	ہوا اور جس نے اُس کو مٹی میں ملایا، وہ

دوسری جگہ ہے:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسْمَ	بے شبہہ وہ جیتا جس نے اپنے کو پاک
رَبِّهٖ فَصَلّٰی،	وصاف کیا، اور اپنے رب کا نام
(اعلیٰ)	لیا، اور نماز پڑھی،

ایک جگہ اسلام کی دعوت کے نتیجہ کو تزکیہ اور تزکّی کے لفظ سے ادا کیا ہے،

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی	پیغمبر نے تیوری چڑھائی اور منھ موڑا،
وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی ہ اَوْ	کہ اُس کے پاس وہ اندھا آیا، اور تجھے
یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی ہ	کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنور جاتا، یا وہ
(عبس)	سوچتا تو تیرا سمجھانا اس کے کام آتا،

ان آیتوں سے اندازہ ہوگا کہ قرآنِ پاک میں "اس تزکیہ" کا مفہوم کیا ہے جس کو اس نے پیغمبر اسلام علیہ السلام کی خاص خصوصیت قرار دی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ وہ نفوسِ انسانی کو جلا دیں ان کو برائیوں اور نجاستوں کی آلودگیوں سے پاک کریں، اور ان کے اخلاق و اعمال کو درست اور صاف ستھرا بنائیں چنانچہ جو واقعات اوپر بیان کئے گئے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دوست

Marfat.com

اور دشمن دونوں آپ کی اس خصوصیت کے قائل تھے،

۲۔ **حکمت**۔ اس کے بعد دوسرا لفظ حکمت کا ہے گو اس لفظ کی پوری تشریح اس سے پہلے چوتھے حصہ میں کی جا چکی ہے، مگر اس موقع کے لحاظ سے یہ کہنا ہے کہ حکمت کا لفظ قرآن پاک میں جہاں اُس علم و عرفان کے معنی میں ہے جو نورِ الٰہی کی صورت میں نبی کے سینہ میں ودیعت رکھا جاتا ہے، اور جس کے آثار و مظاہر رسولؐ کی زبان سے کبھی مصالح و اسرار اور کبھی سنن و احکام کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، وہیں، اس کا دوسرا اطلاق اس علم و عرفان کے اُن عملی آثار و نتائج پر بھی ہوتا ہے جن میں بڑا حصہ اخلاقی تعلیمات کا ہے، قرآن میں دو موقعوں پر یہ بتایا گیا ہے کہ اس دوسرے معنی کی حکمت میں کون کون باتیں داخل ہیں، سورہ بنی اسرائیل میں توحید، والدین کی اطاعت و تعظیم، قرابت داروں اور محتاجوں کی امداد کی نصیحت اور فضول خرچی، بخل، اولاد کُشی، بدکاری، کسی بے گناہ کی جان لینے، اور یتیموں کے ستانے کی ممانعت کے بعد ایفائے عہد کرنے، ٹھیک ناپنے اور تولنے اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنے کی تاکید کی گئی ہے، اس کے بعد ارشاد ہے،

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ (ع ۴)

یہ حکمت کی اُن باتوں میں ہے جن کو تیرے رب نے تجھ پر وحی کیا،

سورہ لقمان میں ہے کہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ (ع ۲)

اور ہم نے لقمان کو حکمت کی باتیں سکھائیں کہ خدا کا شکر ادا کر،

Marfat.com

اس کے بعد حکمت کی ان باتوں کی مزید تشریح کی گئی ہے کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بنا والدین کے ساتھ مہربانی سے پیش آ، نماز پڑھا کر، لوگوں کو بھلی بات کرنے کو کہہ، اور بری بات سے باز رکھ مصیبتوں میں استواری، اور مضبوطی دکھا، مغرور نہ بن، زمین پر اکڑ کر نہ چل، نیچی آواز میں باتیں کر، ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن کی اصطلاح میں ان فطری امور خیر کو بھی جن کا خیر ہونا فطرۃً تمام قوموں اور مذہبوں میں مسلم ہے، اور جن کو دوسرے معنی میں اخلاق کہہ سکتے ہیں حکمت کہا گیا ہے،

اس تفصیل سے معلوم ہو گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اخلاق کا مرتبہ اور پایہ یہ ہے کہ ان کو حکمت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور قرآن پاک کے اس اظہار حقیقت سے کہ وحی محمدی کتاب اور حکمت دونوں پر برابر مشتمل ہے، یہ راز ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں عبادات اور دوسرے احکام کو جو اہمیت حاصل ہے، اس سے کم اخلاق کی اہمیت اس کی نگاہ میں نہیں، خود قرآن پاک نے اس کی تصریح کی ہے، فرمایا،

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَ	اے ایمان والو، رکوع کرو، سجدہ کرو،
اسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَ	اپنے رب کو پوجو، اور نیکی کرو، تاکہ تم
افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الحج-۱۰)	فلاح پاؤ،

گویا ایمان کی روح کے بعد دعوت محمدیؐ کے جسم کے دو بازو ہیں، ایک عبادت اور دوسرا اخلاق، ایک خالق کا حق اور دوسرا مخلوق کا، اور انہی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے،

حقوق عباد کی اہمیت ایک اور نظر سے دیکھا جائے، تو معلوم ہو گا کہ تعلیم محمدیؐ نے اخلاق

Marfat.com

کی اہمیت کو عبادات سے بھی زیادہ بڑھا دیا ہے، اخلاق حقوق عباد یعنی باہم انسانوں کے معاملات اور تعلقات کا نام ہے، اور عبادات حقوق اللہ یعنی خدا کے فرائض ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو ارحم الراحمین ہے، اور جس کی رحمت کا دروازہ کسی نیک و بد پر بند نہیں ہے شرک اور کفر کے سوا ہر گناہ کو اپنے ارادہ و مشیت کے مطابق معافی کے قابل قرار دیا ہے، مگر حقوق عباد یعنی باہم انسانوں کے اداے فرائض کی کوتاہی اور تقصیر کی معافی خدا نے اپنے ہاتھ میں نہیں بلکہ اُن بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے حق میں وہ ظلم اور تعدی ہوئی ہو، اور ظاہر ہے کہ اُن سے اس رحم و کرم کی توقع نہیں ہو سکتی، جو اس ارحم الراحمین کی بے نیاز ذات سے ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بھائی نے دوسرے بھائی پر کوئی ظلم کیا ہو، تو اُس (ظالم بھائی) کو چاہئے کہ اسی دنیا میں وہ اُس (مظلوم بھائی) سے اُس کو معاف کرالے، ورنہ وہاں تاوان ادا کرنے کے لئے کسی کے پاس کوئی درہم یا دینار نہ ہوگا، صرف اعمال ہوں گے، ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی، اور نیکیاں نہ ہوں گی، تو مظلوم کی بدیاں ظالم کے نامۂ اعمال میں لکھ جائیں گی[1] ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت میں نامۂ اعمال کی تین فردیں ہوں گی ایک وہ جس کی کوئی پروا نہ کرے گا، دوسری وہ جس میں سے خدا ایک حرف کو بھی نہ چھوڑیگا اور تیسری وہ جس میں سے کچھ نہ معاف فرمائیگا جس فرد کے گناہ معاف نہ ہونگے وہ شرک ہے اور جس فرد کی کوئی پروا اس کو نہ ہوگی، تو وہ ظلم ہے، جو انسان نے خود اپنے اوپر کیا ہے، اور جس کا معاملہ خود اس بندہ اور اس کے خدا کے درمیان ہے، جیسے اس نے روزہ نہ رکھا ہو، یا نماز نہ پڑھی ہو، تو اللہ تعالیٰ

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق باب القصاص یوم القیامۃ ص ۹۶۷،

Marfat.com

جس کو چاہے گا اس کے اس فرد کے گناہ کو معاف کر دے گا، اور بخش دے گا، لیکن وہ فرد جس کا ایک حرف بھی چھوٹ نہیں سکتا، وہ ظلم ہے، جو ایک بندہ نے دوسرے بندہ پر کیا ہے (مسند احمد و حاکم عن عائشہؓ) اس سے معلوم ہوا کہ معاملاتِ انسانی میں جو تجاوز اور ظلم ہوگا، اس کی اہمیت کتنی زیادہ ہے؟ چنانچہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حج کی فرضیت اس وقت تک بندہ پر نہیں کی ہے، جب تک وہ اپنے اہل و عیال کے نفقہ کا پورا سامان نہ کرلے، اور زکوٰۃ بندہ کے اسی مال میں فرض کی ہے، جو اس کے اور اس کے اہل و عیال کے مصارف سے زیادہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا حق اس وقت تک بندہ پر واجب نہیں کیا، جب تک وہ بندوں کے حقوق سے عہدہ برآنہ ہولیا،

اسلام کے ارکانِ پنجگانہ اور اخلاق

بعض ان حدیثوں کی بنا پر جن میں اسلام کی عمارت کو ایمان کے بعد نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے چار ستونوں پر قائم بتایا گیا ہے. بظاہر یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ اسلام کی اس عمارت میں اخلاقِ حسنہ کو کوئی جگہ ہی نہیں دی گئی ہے، اور بے سمجھ واعظوں کی غلط بیانی سے اس غلط فہمی میں اور اضافہ ہوگیا ہے، حالانکہ جیسا کہ عبادات کے شروع میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ دوسرے اہم مقاصد کے علاوہ ان عبادات سے ایک مقصد انسان کے اخلاقِ حسنہ کی تربیت اور تکمیل ہے، قرآنِ پاک میں یہ نکتہ ہر جگہ نمایاں طریقہ سے واضح کر دیا گیا ہے، چنانچہ نماز کا ایک فائدہ اس نے یہ بتایا ہے کہ وہ بری باتوں سے باز رکھتی ہے، روزہ کی نسبت بتایا ہے کہ وہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے، زکوٰۃ سرتاپا انسانی ہمدردی

سلہ یہ اصولِ فقہ کا مسئلہ ہے، دیکھو ہدایہ کتاب الحج ص ۲۱۳ مترجمہ مولانا عبدالحی مرحوم،

اور غمخواری کا سبق ہے، اور حج بھی مختلف طریقوں سے ہماری اخلاقی اصلاح و ترقی کا ذریعہ، اپنی اور دوسروں کی امداد کا وسیلہ ہے،

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے ان چاروں ارکان کے نام الگ الگ جو کچھ ہوں مگر ان کے بنیادی مقاصد میں اخلاقی تعلیم کا راز مضمر ہے، اگر ان عبادات سے یہ روحانی اور اخلاقی ثمرہ ظاہر نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ احکام الٰہی کی محض لفظی تعمیل، اور عبادت کے جوہر معنی سے یکسر خالی اور معرا ہیں، وہ درخت ہیں جن میں پھل نہیں، وہ پھول ہیں جن میں خوشبو نہیں وہ قالب ہیں جن میں روح نہیں، قرآن پاک اور تعلیم نبوی کے جو اشارات اس باب میں ہیں حضرات صوفیہ نے اپنی تالیفات میں اُن کی پوری تشریح کر دی ہے،

امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:

"خدا فرماتا ہے کہ نماز کو میری یاد کے لئے کھڑی کرو، اور فرمایا کہ بھولنے والوں میں نہ ہو، اور فرمایا کہ نشہ کی حالت میں اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ تم کیا کہہ رہے ہو، کتنے نمازی ہیں، جنھوں نے گو شراب نہیں پی، مگر جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو نہیں جانتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت بھی نماز ایسی ادا کرے جس میں کسی دنیاوی چیز کا دھیان نہ آوے، تو خدا اس کے گناہ کو معاف کر دے گا، پھر فرمایا کہ نماز عاجزی، فروتنی، زاری، دردمندی، اور شرمندگی کا نام ہے، اور یہ کہ ہاتھ باندھ کر کہو کہ اے میرے اللہ! جس نے یہ بات نہیں پیدا کی، اس کی نماز ناقص ہے، اور اگلی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہر ایک کی نماز قبول نہیں کرتا، میں اس کی نماز قبول

کرتا ہون، جو میری بڑائی کے سامنے سرنگون ہے، میرے بندون پر اپنی بڑائی نہین جتاتا، اور جو بھوکے محتاج کو میرے لئے کھانا کھلاتا ہے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز اسی لئے فرض کی گئی اور اسی لئے حج کے ارکان بنائے گئے، تاکہ خدا کی یاد کی جائے"۔ تو اگر دل مین یہ کیفیت پیدا نہ ہو جو مقصود ہے، تو اس یاد الٰہی کی قدر و قیمت کیا ہے؟ حدیث مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے، تو ایسی نماز اس کو خدا سے اور دور کر دیتی ہے[۱]"

اس اخیر حدیث کو ابن جریر، ابن ابی حاتم اور دوسرے اہل تفسیر محدثون نے اپنی کتابون مین بسند ذکر کیا ہے، اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (سورۂ عنکبوت) مین ان تمام روایتون کو یکجا کر دیا ہے۔ اس حدیث کی دوسری روایت مین الفاظ یہ ہین کہ جس کو اس کی نماز برائی، اور بدی سے باز نہ رکھے، اس کی نماز ہی نہین[۲]"۔ اسی قسم کے الفاظ روزون کے متعلق آپ نے فرمائے، ارشاد ہوا کہ "روزہ رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہ چھوڑے، تو خدا کو اس کی ضرورت نہین کہ انسان اپنا کھانا پینا چھوڑ دے[۳]"۔ ان تعلیمات سے اندازہ ہوگا کہ عبادات کا ایک اہم مقصد اخلاق کا تزکیہ بھی ہے،

اخلاق حسنہ اور ایمان اس سے بھی زیادہ مقدم یہ بات ہے کہ ایمان جو گو مذہب کا اصل الاصول ہے لیکن اس بنا پر کہ وہ دل کے اندر کی بات ہے جس کو کوئی دوسرا جانتا نہین، اور زبان سے ظاہری اقرار ہر شخص کر سکتا ہے، اس لئے اس ایمان کی پہچان اس کے نتائج و آثار یعنی

---

[۱] جلد اول باب فضیلۃ الخشوع [۲] تفسیر ابن کثیر سورۂ عنکبوت آیت مذکورہ [۳] صحیح بخاری و جامع ترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ کتاب الصوم۔

Marfat.com

اخلاقِ حسنہ کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مومنون میں عبادات کے ساتھ ساتھ اخلاق کو بھی اہلِ ایمان کی ان ضروری صفات میں گنایا گیا ہے جن پر اُن کی کامیابی کا مدار ہے، فرمایا،

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ، الَّذِیْنَ	بے شبہہ وہ ایمان والے کامیاب ہو گئے
هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ	جو اپنی نماز میں خضوع و خشوع کرتے
وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ	ہیں، اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ	کرتے، اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں، اور
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ	جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
حٰفِظُوْنَ	کرتے ہیں ....
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ	.... اور جو اپنی امانتوں
عَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ، وَالَّذِیْنَ	اور اپنے وعدوں کا لحاظ رکھتے ہیں
عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ٥	اور جو اپنی نمازوں کی پابندی
(مومنون-۱)	کرتے ہیں،

ان آیتوں میں اہلِ ایمان کی کامیابی جن اوصاف کا نتیجہ بتائی گئی ہے، ان میں وقار و تمکنت (لغویات سے اعراض) فیاضی (زکوٰۃ) پاک دامنی اور ایفائے عہد کو خاص رتبہ دیا گیا ہے،

اخلاقِ حسنہ اور تقویٰ اسلام کی اصطلاح میں انسان کی اس قلبی کیفیت کا نام جو ہر قسم کی

Marfat.com

نیکیون کی محرک ہے، وحی محمدیؐ نے تصریح کر دی ہے کہ تقویٰ والے لوگ وہی ہین جن کے یہ اوصاف ہین،

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	نیکی یہی نہین ہے کہ تم نماز مین اپنا منھ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	پورب یا پچھم طرف کرو، بلکہ اصل نیکی
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ	اس کی ہے، جو خدا پر، قیامت پر، فرشتون
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	پر کتاب پر اور پیغمبرون پر ایمان لایا،
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى	اور مال کی خواہش کے باوجود (یا خدا
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى	کی محبت کے سبب سے) اپنا مال رشتہ دارون
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ	کو، یتیمون کو، غریبون کو، مسافر کو،
السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى	مانگنے والون کو، اور غلامون کے
الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ	آزاد کرنے مین دیا، اور نماز ادا کرتا
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ	رہا، اور زکوٰۃ دیتا رہا، اور جو وعدہ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا	کر کے اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہین
وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَ	اور جو مصیبت، تکلیف اور لڑائی
الضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ	مین ثابت قدم رہتے ہین، یہی وہ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	ہین، جو راستباز ہین، اور یہی
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (بقرہ)	تقویٰ والے ہین،

Marfat.com

اس سے ظاہر ہوا کہ راستبازی، اور تقوی کا پہلا نتیجہ جس طرح ایمان ہے، اسی طرح اُن کا دوسرا لازمی نتیجہ اخلاق کے بہترین اوصاف فیاضی، ایفاے عہد اور صبر و ثبات وغیرہ بھی ہیں،

اخلاق حسنہ اور خدا کے نیک بندہ ہونے کا شرف

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم میں خدا کے نیک اور مقبول بندے وہی قرار دیے گئے ہیں جن کے اخلاق بھی اچھے ہوں، اور وہی باتیں خدا کے نزدیک اُن کے مقبول ہونے کی نشانی ہیں، چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا،

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ	اور رحم والے خدا کے بندے وہ ہیں
عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا	جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں،
خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا	جب ناسمجھ لوگ اُن سے بات کرتے ہیں
سَلٰمًا، وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ	تو وہ سلام کہیں، اور جو اپنے پروردگار
لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا	کی عبادت کی خاطر قیام اور سجدہ
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا	میں رات گذارتے ہیں، اور جو کہتے
اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ	ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے
اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا،	جہنم کا عذاب دور کر کہ اس کا عذاب
اِنَّهَا سَاۤءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ	بڑا تاوان ہے، بے شک وہ بُرا ٹھکانا اور
مُقَامًا، وَالَّذِيْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا	مقام ہے، اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں

لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ
بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔ وَالَّذِيْنَ
لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ
اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ج
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا

....

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ
وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا
وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ
لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا
قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ
اِمَامًا ۔

(فرقان ۔ ۶)

تو نہ فضول خرچی کریں اور نہ تنگی کریں،
بلکہ ان دونوں کے بیچ سے وہ سیدھے
گذریں، اور جو خدا کے ساتھ کسی اور
خدا کو نہیں پکارتے، اور جو کسی جان
کا بے گناہ خون نہیں کرتے جس کو خدا
نے منع کیا ہے، اور نہ بدکاری کرتے
ہیں کہ جو ایسا کریگا وہ گناہ سے پیوستہ ہوگا۔۔۔
اور یہ جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے
اور جب کسی لغو بات پر گذر رہے ہوں
تو سنجیدگی اور وقار سے گذر جاتے ہیں
اور جب خدا کی نشانیاں ان کو سنائی
جائیں، تو وہ اندھے اور بہرے نہ ہو بیٹھیں
اور یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے
پروردگار ہم کو ہماری بیویوں بچوں سے
آنکھ کی ٹھنڈک بخش اور ہم کو پرہیزگاروں
کا پیشوا بنا،

دیکھو کہ ایک ایمان کی حقیقت میں عفو و درگذر، میانہ روی اور قتل و خونریزی اور بدکاری

Marfat.com

نہ کرنا، اور مکروزور میں شریک نہ ہونا، وغیرہ اخلاق کے کتنے مظاہر پوشیدہ ہیں،

اہلِ ایمان کے اخلاقی اوصاف وہ لوگ جو خدا کے پیارے اور مقبول بندے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اُن کے اخلاقی اوصاف یہ بیان ہوئے ہیں،

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ، وَالَّذِيْنَ	اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے
يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ	ہیں، اور جو بڑے بڑے گناہوں اور
وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ وَ	بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے
الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ	ہیں، اور جو غصہ کی حالت میں معاف
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ	کرتے ہیں، اور اپنے پروردگار کی پکار
شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ	کا جواب دیتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں
يُنْفِقُوْنَ، وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ	اور اُن کے کام باہم مشورہ سے ہوتے
الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ٥ وَ	ہیں، اور ہم نے اُن کو جو دیا ہے اس
جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا	میں سے کچھ خدا کی راہ میں دیتے ہیں
فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى	اور جب اُن پر چڑھائی ہو تو وہ بدلہ
اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ	لیتے ہیں، اور برائی کا بدلہ ویسی ہی
وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ	برائی ہے، تو جو کوئی معاف کر دے
فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ	اور نیکی کرے، تو اس کا ثواب اللہ
اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ	کے ذمہ ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو پیار

Marfat.com

النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ، وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ
ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

(شوریٰ-۴)

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ
الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(آلِ عمران-۴)

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ
مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا
سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ
وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

نہین کرتا، اور اگر کوئی مظلوم ہو کر بدلے
لے، تو اس پر کوئی ملامت نہین، ملامت
تو اُن پر ہے جو لوگون پر از خود ظلم کرتے
ہین، اور زمین مین ناحق فساد مچاتے ہین
اُن کے لئے بڑا دردناک عذاب ہی، اور بیشبہ
جو مظلوم ہونے پر بھی ظالم کو معاف کردے اور
جنت اُن پرہیزگارون کے لئے تیار
کی گئی ہے، جو خوشی اور تکلیف دونون حالتون
مین خدا کی راہ مین کچھ خرچ کرتے ہین اور
جو غصہ کو دباتے ہین، اور لوگون کو معاف
کرتے ہین، اور خدا اچھے کام کرنے والون
یہ وہ ہین جن کو دُہرا ثواب ملیگا، اس لئے
کہ انھون نے صبر کیا، اور وہ برائی کو بھلائی
سے دور کرتے ہین، اور جو ہم نے دیا ہے
اس سے کچھ خدا کی راہ مین خرچ کرتے ہین
اور جب کوئی بیہودہ بات سنتے ہین تو
اس سے کنارہ کرلیتے ہین اور کہدیتے ہین کہ

أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ	ہمارے لئے ہمارا عمل اور تمہارے لئے
لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ،	تمہارا عمل ہے، تم سلامت رہو، ہم نا سمجھوں
(قصص ۔ ۶)	کو نہیں چاہتے ،
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ	اور کھانے کی خود ضرورت ہوتے ہوئے
مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ہ	مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے
(دھر ۔ ۱)	ہیں ،

ان آیتوں کی اور اسی قسم کی دوسری آیتوں کی جو تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمائی، وہ احادیث میں محفوظ ہے، ہم ان حدیثوں کو مختلف عنوانوں کے نیچے بیان لکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی نصاب میں اخلاق کے سبق کی کیا اہمیت اور کیا رتبہ ہے ؟

اخلاقِ حسنہ کا درجہ اسلام میں اسلام میں اخلاق کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ اس سے ظاہر ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جو دعا مانگتے تھے، اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا ،

وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ	اور اے میرے خدا! تو مجھ کو بہتر سے بہتر
لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ	اخلاق کی رہنمائی کر، تیری سوا کوئی بہتر
وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ	سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا ،
عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ ،	اور برے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے اور
(مسلم باب الدعاء فی الصلوٰۃ)	اُن کو نہیں پھیر سکتا لیکن تو ،

Marfat.com

ان الفاظ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک پیغمبر اپنے تقرب اور استجابت کے بہترین موقع پر بارگاہ الٰہی سے جو چیز مانگتا ہے، وہ حسن اخلاق ہے،

ایمان سے بڑھ کر اسلام میں کوئی چیز نہیں لیکن اسکی تکمیل بھی اخلاق ہی سے ممکن ہے فرمایا،

اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقاہ	مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے،

یہ حدیث ترمذی، ابن حنبل، ابوداؤد، حاکم اور ابن حبان میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ایمان کے کمال کا معیار جس چیز کو ٹھہرایا گیا ہے وہ حسن اخلاق ہے کہ یہی وہ پھل ہے جس سے ایمان کے درخت کی پہچان ہوتی ہے،

اسلام میں نماز اور روزہ کی جو اہمیت ہے وہ ظاہر ہے لیکن اخلاق حسنہ کو بھی انکی قائم مقامی کا شرف کبھی کبھی حاصل ہو جاتا ہے ارشاد ہوا،

ان الرجل لیدرک بحسن خلقہ درجۃ قائم اللیل وصائم النھار	انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ پاسکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے،

یہ حدیث چند ہم معنی لفظوں کے الٹ پھیر سے ابوداؤد، ابن حنبل، حاکم، ابن حبان اور طبرانی میں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفل نمازوں میں رات بھر کی شب بیداری اور نفل روزوں میں دن بھر کی بھوک پیاس سے جو درجہ حاصل ہو سکتا ہے، وہی درجہ حسن خلق سے بھی حاصل ہو سکتا ہے حسن اخلاق کی یہ حیثیت اس کو یک گونہ عبادات

کی کثرت سے بڑھا دیتی ہے۔

اسلام میں اخلاق ہی وہ معیار ہے جس سے باہم انسانوں میں درجہ اور رتبہ کا فرق نمایاں ہوتا ہے، فرمایا

خیارکم احسنکم اخلاقاً	تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے
(بخاری کتاب الادب)	اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے

ما من شیئ یوضع فی المیزان	(قیامت کی) ترازو میں حسن خلق سے
اثقل من حسن الخلق فان صاحب	زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی کہ حسن
حسن الخلق لیبلغ بہ درجۃ	اخلاق والا اپنے حسن خلق سے ہمیشہ
صاحب الصوم والصلوۃ	کے روزہ دار اور نمازی کا درجہ حاصل
	کر سکتا ہے۔

یہ حدیث ترمذی میں ان ہی الفاظ کے ساتھ ہے لیکن حدیث کی دوسری کتابوں (حاکم، ابن حبان، ابن حنبل، ابوداؤد) میں مختصراً صرف پہلا ٹکڑا ہے یعنی یہ کہ "حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز ترازو میں نہیں"۔ اس حدیث نبوی نے پوری طرح واضح کر دیا کہ اسلام کی میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ گراں کوئی چیز نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ بندہ کو خدا کی طرف سے جو کچھ ملا ہے اس میں حسن اخلاق کا عطیہ سب سے بڑھ کر ہے۔

Marfat.com

خیر ما اعطی النّاس خلق حسن، — لوگون کو قدرتِ الٰہی کی طرف سے جو چیزین عطا ہوئین ان مین سب سے بہتر اچھے اخلاق ہین،

مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث حاکم، نسائی، ابن ماجہ، ابن حنبل، طبرانی اور ابن ابی شیبہ مین ہے، اس بشارت نے اخلاق حسنہ کی نعمت کو تمام انسانی نعمتون سے بالاتر بنا دیا، ایک اور حدیث مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

احبّ عباد اللہ الی اللہ احسنھم اخلاقاً (طبرانی) — اللہ کے بندون مین اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہون،

اس سے معلوم ہوا کہ حسن خلق خدا کی محبت کا ذریعہ ہے، اور درحقیقت رسول کی محبت کا بھی یہی ذریعہ ہے، فرمایا،

ان احبّکم الیّ واقربکم منّی فی الاٰخرۃ مجالس محاسنکم اخلاقاً وان ابغضکم الیّ و ابعدکم منّی فی الاٰخرۃ مساویکم اخلاقاً (ابن حنبل وطبرانی وحبان و) (مسند ابن حنبل ج ۴) — تم مین میرا سب سے پیارا اور آخرت مین مجھ سے سب سے نزدیک وہ ہین جو تم مین خوش خلق ہین، اور مجھے ناپسند اور قیامت مین مجھ سے دور وہ ہون گے جو تم مین بد اخلاق ہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک مین دو صحابی بیویان تھین، ایک رات بھر

---

[1] یہ تمام حدیثین کنز العمال جلد ثانی کتاب الاخلاق باب اوّل سے ماخوذ ہین،

139128

نماز پڑھتین، دن کو روزہ رکھتین، اور صدقہ دیتین، مگر اپنی زبان درازی سے پڑوسیون کا دم ناک مین کئے رکھتی تھین، دوسری بیوی صرف فرض نماز پڑھتین، اور غریبون کو چند کپڑے بانٹ دیتین، مگر کسی کو تکلیف نہ دیتین، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان دونون کی نسبت پوچھا گیا، تو آپ نے پہلی کی نسبت فرمایا کہ "اس مین کوئی نیکی نہین، وہ اپنی بدخلقی کی سزا بھگتے گی" اور دوسری کی نسبت فرمایا کہ "وہ جنتی ہوگی"[1] ان دونون بیویون کی سیرتون کے جو مختلف نتیجے پیغمبر اسلام علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہوئے ہین، وہ اسلام مین اخلاق کی حیثیت کو پوری طرح نمایان کر دیتے ہین،

حضرت براء بن عازب کہتے ہین کہ ایک بدوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے وہ کام سکھائیے جو مجھے جنت کو لے جائے۔ فرمایا: "انسان کو غلامی سے آزاد کر، انسان کی گردن کو قرض کے بندھن سے چھڑا، اور ظالم رشتہ دار کا ہاتھ پکڑ، اگر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کھلا، اور پیاسے کو پلا، اور نیکی بتا، اور برائی سے روک، اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بھلائی کے سوا اپنی زبان روک"[2] غور کیجئے کہ یہ حدیث اخلاقی عظمت کو کہان تک بڑھا رہی ہے،

ایمان کے اوصاف و لوازم

ان کے علاوہ کثرت سے ایسی حدیثین ہین جن مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ فلان فلان اوصاف و اخلاق، ایمان کے لوازم اور خصوصیات مین جس قدر ان لوازم اور خصوصیات مین زیادتی اور کمی ہوگی، گویا اسی قدر اس ایمان کے نشا

[1] ادب المفرد امام بخاری باب من لا یوذی جارہ [2] مشکل الآثار امام طحاوی جلد ۴ ص ۴ حیدر آباد دکن،

Marfat.com

میں زیادتی و کمی ہو گی یعنی ہمارے یہ ظاہری اخلاق، ہماری اندرونی ایمانی کیفیت کا معیار اور پیمانہ ہیں، ہمارے دل کے اندر کا ایمان ہمارے گھر کا چراغ زیر دامن ہے جس کی چمک دمک اور روشنی کا اندازہ اس کی باہر نکلنے والی شعاعوں سے کیا جائے گا، آپؐ نے فرمایا،

۱۔ ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جن میں سے ایک حیا ہے،

۲۔ ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں جن میں سب سے بڑھ کر توحید کا اقرار ہے اور سب سے کم درجہ یہ ہے کہ تم راستہ سے کسی تکلیف کی چیز کو ہٹا دو، (تاکہ تمہارے دوسرے بھائی کو تکلیف نہ ہو)

۳۔ جس میں تین باتیں ہوں اُس نے ایمان کا مزہ پایا، جس کو خدا اور اس کا رسولؐ سب سے پیارا ہو، جو دوسرے کو صرف خدا کے لیے پیار کرے، اور جس کو ایمان کے بعد پھر کفر میں مبتلا ہو جانے سے اتنا ہی دکھ ہو جتنا آگ میں پڑنے سے۔

۴۔ جس میں یہ تین باتیں ہوں اس نے ایمان کا مزہ پایا، حق بات کے سامنے جھگڑنے سے باز رہنا، مزاحمت کے باوجود جھوٹ نہ بولنا اور یقین کرنا کہ جو کچھ پیش آیا، وہ ہٹ نہیں سکتا تھا،

۵۔ تین باتیں ایمان کا جز ہیں، مفلسی میں بھی خدا کی راہ میں دینا، دنیا میں امن اور سلامتی پھیلانا، اور خود اپنے نفس کے مقابلہ میں بھی انصاف کرنا،

۶۔ تم میں سے کوئی اُس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا ہے جب تک اپنے بھائی

Marfat.com

کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔

۷۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں، اور مومن وہ ہے جس پر لوگ اتنا بھروسہ کریں کہ اپنی جان و مال اُس کی امانت میں دے دیں،

۸۔ ایک شخص آکر پوچھتا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسا اسلام سب سے بہتر ہے؟ فرمایا (بھوکوں کو) کھانا کھلانا، اور جانے انجانے ہر ایک کو سلامتی کی دعا دینا (یعنی سلام کرنا)

۹۔ ایک شخص پوچھتا ہے کہ اے خدا کے رسول! اسلام کیا ہے؟ فرمایا اچھی بات بولنا اور کھانا کھلانا، پھر پوچھا ایمان کیا ہے؟ فرمایا صبر کرنا، اور اخلاقی جوانمردی دکھانا (سماحت)

۱۰۔ مومن وہ ہے جو دوسروں سے الفت کرتا ہے، اور جو نہ دوسرے سے الفت کرتا اور نہ کوئی اس سے الفت کرتا ہے، اس میں کوئی بھلائی نہیں،

۱۱۔ مومن نہ تو کسی پر طعن کرتا ہے، نہ کسی کو بد دعا دیتا ہے، اور نہ گالی دیتا ہے، اور نہ بدزبان ہوتا ہے،

۱۲۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر وہ ظلم کرے، اور نہ اس کو گالی دے، جو اپنے کسی بھائی کی مدد میں ہوگا، خدا اس کی مدد میں ہوگا، جو کسی مسلمان کی کسی مصیبت کو دور کریگا تو خدا اس کی مصیبت دور فرمائے گا،

۱۳۔ مومن وہ ہے جس کو لوگ امین سمجھیں، مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سلامت رہیں، مہاجر وہ ہے جس نے بدی کو چھوڑ دیا ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتا جب تک اس کا پڑوسی

اس کے غصّہ سے محفوظ نہ رہا ہو،

۱۴۔ جو صاحبِ ایمان ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے،

۱۵۔ بے ایمان (منافق) کی پہچان تین ہے، بولے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف کرے، اس کو امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرے،[1]

ان مذکورہ بالا حدیثوں میں سے ایک ایک حدیث پر غور کرنا چاہیے کہ اسلام اور ایمان کا اخلاقی تخیل کتنا اونچا اور کتنا بلند ہے،

اخلاقِ حسنہ صفاتِ الٰہی کا سایہ ہیں

لیکن اسلام نے اخلاقِ حسنہ کا اس سے بھی ایک اور بلند تخیل پیش کیا ہے، اور وہ یہ ہے اخلاقِ حسنہ درحقیقت صفاتِ الٰہی کا ستا اور ظل ہیں، اور اسی کی صفاتِ کاملہ کے ادنیٰ ترین مظاہر ہیں، حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا حسن الخلق خلق اللہ الاعظم (طبرانی) یعنی خوش خلقی اللہ تعالیٰ کا خلقِ عظیم ہے ہم انہی اخلاق کو اچھا کہتے ہیں جو صفاتِ ربانی کا عکس ہیں، اور انہی کو بُرا کہتے ہیں جو خدا کی صفات کے منافی ہیں، البتہ یہ ظاہر ہے کہ خدا کی بعض خاص صفتیں ایسی بھی ہیں جو اسی کے ساتھ مخصوص ہیں، اور جن کا تصوّر بھی دوسرے میں نہیں کیا جا سکتا، جیسے اس کا واحد ہونا، خالق ہونا، نیز بعض ایسی پُرجلال صفتیں بھی ہیں، جو صرف خدا ہی کو زیبا ہیں

---

[1] یہ تمام حدیثیں معتبر و مستند کتبِ حدیث کی کتاب الایمان میں موجود ہیں ہم نے ان کو جمع الفوائد، اور کنز العمال جلد اول کتاب الایمان سے لیا ہے، کنز العمال میں ہر قسم کی حدیثیں ہیں، مگر ہم نے ان کے انتخاب میں مشہور و معتبر حدیثوں کو ترجیح دی ہے،

Marfat.com

جیسے اس کی کبریائی اور بڑائی وغیرہ۔ اس قسم کی صفات کا بندہ مین کمال یہ ہے کہ اُن کی مقابل کی صفتین اس مین پیدا ہون، خدا کی کبریائی کے مقابلہ مین بندہ مین خاکساری اور تواضع ہو اور خدا کی بلندی کے مقابلہ مین بندہ مین پستی اور فروتنی ہو، الغرض اسلام نے انسان کی روحانی تکمیل کا ذریعہ اخلاق کو اسی لئے قرار دیا ہے کہ وہ صفاتِ الٰہی کے انوار کے کسب وفیض کا سبب ہے، ہم جس حد تک اس کسب وفیض مین ترقی کرین گے، ہماری روحانی ترقی کا سلسلہ جاری رہے گا، اور یہی ہماری زندگی کی روحانی سیر کی آخری منزل ہے[1] اخلاق کا اس سے بلند تر تخیل ممکن نہین،

اخلاقی معلمون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز

دنیا مین اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے جن کے مکتب مین آکر بڑی بڑی قومون نے ادب کا زانوتہ کیا، اور آداب واخلاق کے وہ سبق اُن سے حاصل کئے جو سینکڑون اور ہزارون برس گذر جانے کے بعد بھی اب تک اُن کو یاد ہین، اور سچ یہ ہے کہ آج جہان کہین بھی حسنِ اخلاق کا کوئی نمونہ ہے، وہ انہی کے صحیفۂ تعلیم کا ایک ورق ہے، مگر ایک تنقیدی نظر یہ بتادے گی کہ ان اخلاقی اُستادون مین باہمی نسبت کیا ہے؟ اُن کے تعلیمی نصاب کی ترتیب کن کن اصولون پر مبنی ہے، اور ان مین درسگاہِ عالم کے سب سے آخری معلم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کیا امتیاز حاصل ہے،

---

[1] ہم نے اسمائے الٰہی کی بحث مین اس اجمال کی پوری تفصیل بیان کردی ہے، دیکھو سیرۃ جلد چہارم طبع اول صفحات ۱۳۸-۱۴۵،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نوعِ انسانی کے اخلاقی معلمین کی دو جماعتیں ہیں، ایک وہ جس نے اپنی تعلیم کی بنیاد کسی اخروی مذہب پر رکھی، جیسے عام انبیاء علیہم السلام اور بعض مذہبوں کے بانی، دوسری وہ ہے جس نے اپنے فلسفہ و حکمت اور عقل و دانائی کی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کی ہم ان میں سے اول کو انبیاء اور مصلحین دین اور دوسری کو حکماء کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں، ان دونوں جماعتوں نے اپنے درس و تعلیم کے اصول اور طریقے الگ الگ اختیار کیے پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں نے اپنی تعلیمات کا ماخذ "حکم خداوندی" کو قرار دیا، اور اس حکم و فرمانِ الٰہی کے سوا اُن کی تعلیم کی کوئی اور بنیاد نہیں، نہ اُن کی تعلیمات میں علت و معلول کا سلسلہ ہے نہ اخلاق کے دقیق نکتوں کی گرہ کشائی ہے، اور نہ ان احکام و تعلیمات کی اخلاقی تعلیل یا عقلی حکمتوں کی تصریح ہے، دوسرے فریق کی تعلیمات میں علت و معلول کی تحقیق، نفسیاتی خواص کی بحث، اخلاق کی غرض و غایت کی تعیین، قواے عملی کی تحدید، یہ سب کچھ ہے مگر بحث و نظر سے آگے عمل کا درجہ صفر محض ہے، اگر ہے تو بے کیف اور بے لذت مگر ع

یا بہ با ایں راز دو آں خیزہم

دنیا کے آخری معلم کی تعلیم میں حکم خداوندی اور عقلی رقیقہ رسی، فرمانِ الٰہی اور اخلاقی نکتہ وری، امر ربانی اور حکم فطرت، کتاب اور حکمت دونوں کی آمیزش ہے،

انبیاء اور حکماء میں جو اصلی فرق ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء کی اخلاقی تعلیمات کے ساتھ ساتھ اُن کی مقدس زندگی، اُن کے مؤثر کارنامے، اور اُن کے پاک اثرات ہوتے ہیں جن کا فیض اُن کے ہر پیرو کے سینے سے خیر و برکت کی سلسبیل بن کر نکلتا ہے، اور پیاسوں کو

Marfat.com

سیراب کرتا ہے لیکن بلند سے بلند حکیم اور اخلاق کا دانا ئے رموز فلسفی جس کی اخلاقی سخن طرازی اور نکتہ پروری سے دنیا محو حیرت ہے، اور جس نے انسان کے ایک ایک اندرونی جذبۂ باطنی قوت اور اخلاقی فطرت کا سراغ لگایا ہے، عمل کے لحاظ سے دیکھو تو اس کی زندگی ایک معمولی بازاری سے ایک انچ بلند نہ ہوگی، وہ گو دوسروں کو روشنی دکھا سکتا ہے، مگر خود تاریکی سے باہر نہیں آتا، وہ دوسروں کی رہنمائی کا مدعی بنتا ہے، مگر خود عمل کی ہر راہ میں بھٹکتا پھرتا ہے، وہ رحم و محبت کے طلسمات کے ایک ایک راز سے واقف ہے، مگر غریبوں پر رحم کھانا اور دشمنوں سے محبت کرنا وہ نہیں جانتا، وہ سچائی اور راستبازی کی حقیقت پر بہترین خطبہ دے سکتا ہے، مگر وہ خود سچا اور راستباز نہیں ہوتا،

اس واقعہ کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ محض زبان یا دماغ ہوتا ہے، دل اور ہاتھ نہیں، اس لئے اس کے منہ کی آواز کسی دل کی لوح پر کوئی نقش نہیں بناتی، بلکہ ہوا کے تموج میں مل کر بے نشان ہو جاتی ہے، اور انبیاء علیہم السلام چونکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں، جو اُن کی تعلیم ہے وہی اُن کا عمل ہے، جو اُن کے منہ پر ہے وہی دل میں ہے، اسی لئے اُن کی تعلیم اور صحبت کا فیضان خوشبو بن کر اڑتا اور ہمنشینوں کو معطر بنا دیتا ہے،

یہی وہ فرق ہے جو انبیاء اور حکماء یعنی موسیٰ، عیسیٰ، محمد رسول اللہ علیہم السلام اور سقراط افلاطون اور ارسطو میں نمایاں ہے، سقراط اور افلاطون کے مکالمات اور ارسطو کے اخلاقیات کو پڑھ کر ایک شخص بھی صاحب اخلاق نہ بن سکا، مگر یہاں قوموں کی قومیں ہیں، جو موسیٰ، عیسیٰ اور محمد رسول اللہ علیہم السلام کی تعلیم و تلقین سے اخلاق کے بڑے بڑے مدارج اور مراتب

پہنچیں، اور آج زمین کے کرہ پر جہاں کہیں بھی حسنِ اخلاق کی کوئی کرن ہے۔ وہ نبوت ہی کے کسی مطلع انوار سے چھن کر نکل رہی ہے،

مگر اس وصف میں سارے انبیاء علیہم السلام یکساں نہیں ہیں، بلکہ اُن کے مختلف مدارج ہیں، اُن کی عملی حیثیت کے کامل ہونے کے ساتھ ضرورت یہ ہے کہ اُن کے اس درجۂ کمال کی ایک ایک ادا عمل کی صورت میں نمایاں ہو تاکہ ہر ذوق اور ہر رنگ کے رفیق اور اہلِ صحبت اپنی اپنی استعداد کے مطابق اُن کی عملی مثالوں سے متاثر ہوں، اور پھر وہ روایتوں کے اوراق میں محفوظ رہیں، تاکہ بعد کے آنے والے بھی اُس نشانِ قدم پر چل کر مقصود کی منزل تک پہنچ سکیں، الغرض ایک کامل و مکمل اور آخری معلم کے لئے حسبِ ذیل معیاروں پر پورا اترنا نہایت ضروری ہے،

۱- اس کی زندگی کا کوئی پہلو پردہ میں نہ ہو،

۲- اس کی ہر زبانی تعلیم کے مطابق اُس کی عملی مثال بھی سامنے موجود ہو،

۳- اس کی اخلاقی زندگی میں یہ جامعیت ہو کہ وہ انسانوں کے ہر کار آمد گروہ کے لئے اپنے اندر اتباع اور پیروی کا سامان رکھتی ہو،

بے پردہ زندگی تنقید کے ان معیاروں پر اگر ہم سارے انبیاء اور مذہبوں کے بانیوں کی زندگیوں کو جانچیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کسی کی زندگی بھی پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی حیاتِ پاک کے برابر جامعِ کمالات نہیں، دنیا کا کوئی پیغمبر یا بانیٔ مذہب ایسا نہیں ہے جس کی اخلاقی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے اس طرح بے نقاب ہو کہ گویا وہ خود ہمارے

سامنے موجود ہے، توراۃ کے پیغمبروں میں سے کونسا پیغمبر ہے جس کے اخلاقی کمالات ہمارے علم میں ہیں، اُن غیر اخلاقی قصّوں کا ذکر فضول ہے، جن کو توراۃ کے راویوں نے ان معصوم بزرگوں کے حالات میں شامل کر دیا ہے، اور قرآن نے ہر جگہ ان کو ان بیہودہ الزامات سے پاک اور بری قرار دیا ہے، حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰ علیہما السلام تک توراۃ کے ایک ایک پیغمبر پر نگاہ ڈال جاؤ، ان کی معصوم زندگی کے حالات کی کتنی سطریں تمہارے سامنے ہیں، اور کیا اُن کی اخلاقی شکل و صورت کی پوری شبیہ دنیا کے سامنے کبھی موجود رہی ؟

حضرت عیسیٰؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تینتیس ۳۳ برس کی زندگی میں سے صرف تین برس کا حال ہم کو معلوم ہے، اور ان تین برسوں کے حالات میں سے بھی معجزات و خوارق کے سوا کوئی اور حال بہت کم معلوم ہے، ایسی صورت میں کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اخلاقی زندگی کا کوئی پہلو پردہ میں نہیں ؟

ان انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہندوستان، ایران اور چین کے بانیانِ مذاہب کی اخلاقی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہو تو معلوم ہوگا کہ اس کے لئے دنیا میں کوئی سامان ہی موجود نہیں، کیونکہ ان کی اخلاقی زندگی کے ہر پہلو پر ناواقفیت کا پردہ پڑا ہوا ہے، صرف اسلام ہی کے ایک معلّم کی زندگی ایسی ہے جس کا حرف حرف دنیا میں محفوظ اور سب کو معلوم ہے، اور بقول باسورتھ اسمتھ[1] کے کہ یہاں (سیرتِ محمدی) پورے دن کی روشنی ہے جس میں محمدؐ کی زندگی کا ہر پہلو روزِ روشن کی طرح نمایاں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود یہ حکم تھا کہ میرے ہر قول اور

[1] باسورتھ اسمتھ کی کتاب سیرت محمد ص ۱۰۸

عمل کو ایک سے دوسرے تک پہنچا و، محرمانِ راز کو اجازت تھی کہ جو مجھے خلوت مین کرتے دیکھو اس کو جلوت مین بہ ملا بیان کرو، جو حجرہ مین کہتے سنو، اس کو چھتون پر چڑھ کر پکارو، الا فلیبلغ الشاھد الغائب،

قول کے ساتھ عمل | اب دوسری حیثیت سے غور کیجیے، ان مقدس ہستیون کی تعلیم کی اچھائی اخلاقی احکام کی خوبی اور مواعظ ونصائح کی عمدگی مین کوئی شبہہ نہین لیکن کیا دنیا کو خود ان بزرگون کے عملی اخلاق کا بھی تجربہ اور علم ہے؟ کوہ زیتون کے پُر تاثیر واعظ حضرت عیسیٰ کی معصومانہ باتین، سچائی اور راست بازی کی نصیحتین، اور لفظی صنائع و بدائع اور دلکش تشبیہون سے بھری ہوئی تقریرین دنیا نے سنین، اور اُن کی فصاحت اور شیرینی کا مزہ آج تک اس کے کام و دہن مین ہے، مگر کیا اس کی آنکھون نے اس معصوم واعظ کی عملی مثالین بھی دیکھین؟ کیا اس سلبی پہلو کے سوا اس کے اخلاق کا کوئی ایجابی پہلو بھی ہمارے سامنے ہے؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "سب کچھ جو تمھارے پاس ہے، جب تک اس کو خدا کی راہ مین لٹا نہ دو، آسمان کی بادشاہت مین داخل نہ ہو گے" کیا اس نے اپنا بھی سب کچھ خدا کی راہ مین لٹایا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "شریرون کا مقابلہ نہ کرو" کیا اس نے خود بھی شریرون کا مقابلہ نہین کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "دشمنون کو بھی پیار کرو" کیا اس نے بھی کبھی اپنے دشمن کو پیار کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "تو اپنے پڑوسی کو اپنے سارے جان و دل سے پیار کر" کیا خود بھی اس کا ایسا ہی عمل تھا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "اگر تمھاری داہنی گال پر کوئی

لوقا ۵ انجیل،

Marfat.com

تھپڑ مارے تو بایان گال بھی اس کے سامنے کر دو"، کیا اس نے خود بھی ایسا کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ تم سے اگر کوئی تمھارا کرتہ مانگے تو اپنی قبا بھی اس کے حوالہ کر دو، کیا ایسی فیاضی اس سے خود بھی ظہور مین آئی؟ ہم یہ نہین کہتے کہ حضرت مسیح مین یہ صفتین موجود نہ تھین، بلکہ کہنا ہے کہ انجیل نے ان کی اس حیثیت کو محفوظ نہین رکھا ہے،

مگر اسلام کے اخلاقی معلم کی شان اس حیثیت سے بھی بلند ہے، اس نے جو کچھ کہا سب سے پہلے خود اس کو کر کے دکھایا، اس کا جو قول تھا وہی اس کا عمل تھا، اُس نے یہودیون کو طعنہ دیا کہ

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ	کیا اورون کو نیکی کی بات بتاتے ہو
اَنْفُسَكُمْ ۔ (بقرہ ۵-۵)	اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو،

اور مسلمانون کو تنبیہ کیا کہ

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ	تم کیون کہتے ہو جو کرتے نہین بڑی
مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا	بیزاری ہے اللہ کے یہان کہ کہو وہ
لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (صف ۱)	جو نہ کرو،

ایک شخص نے آکر اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا، کیا تم نے قرآن نہین پڑھا، کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن[1] جو قرآن مین الفاظ کی صورت مین ہے، وہی حال قرآن کی سیرت مین بصورت عمل تھا اگر

---

[1] ابو داؤد باب صلوٰۃ اللیل

Marfat.com

غریبوں اور مسکینوں کی امداد و اعانت کا حکم دیا تو پہلے خود اس فرض کو ادا کیا، خود بھوکے رہ کر اور دوسروں کو کھلایا، اگر آپ اپنے دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کرنے کی نصیحت کی تو پہلے خود اپنے دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کیا، کھانے میں زہر دینے والوں سے درگذر کیا اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا، جنھوں نے آپ پر تیر برسائے، اور تلواریں چلائیں مسلح ہوکر بھی کبھی اُن پر ہاتھ نہیں اٹھایا، کپڑوں کی شدید ضرورت کے وقت میں بھی جس نے آپ سے کپڑا مانگا، خود اپنی چادر اتار کر اس کے حوالہ کر دی، سیرت کی دوسری جلد میں یہ واقعات پوری شرح و تفصیل کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں، الغرض یہی وجہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ انسانوں کو اپنے ہادیوں اور رہنماؤں کے صرف تعلیمات اور اقوال سناتے ہیں، اور اُن کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں، اور مسلمان اپنے پیغمبر کے صرف اقوال و نصائح کو بلکہ اس کے عملی نمونوں اور کارناموں کو بھی پیش کرتے، اور ان کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں، دنیا کے کسی پیغمبر اور بانی دین کے صحیفہ نے خود اپنے پیغمبر یا بانی کی اخلاقیت کو تحدی اور اعلان کے ساتھ اس کے ہمعصروں کے سامنے پیش نہیں کیا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفہ نے سب سے آگے بڑھ کر بلا خوف و خطر اپنے داعی اور مبلغ کی زندگی کی اخلاقیت کو خود اُس کے معاصرین کے سامنے نقد و تبصرہ کے لیے پیش کیا، فرمایا،

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ	(اے منکرو!) میں تو تمہارے درمیان
قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ،	اس سے پہلے ایک زمانہ بسر کر چکا ہوں
(یونس - ۲)	کیا تم نہیں سمجھتے،

Marfat.com

پھر آپ کو خطاب کر کے خود آپ سے فرمایا گیا

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝	(اے محمدؐ!) بیشک تو اخلاق کے بڑے
(ن - ۱)	درجہ پر ہے،

کامل و مکمل اخلاقی معلم کے کمال کی ایک اور شرط یہ ہے کہ اس کی تعلیم میں یہ تاثیر ہو کہ وہ دوسروں کو بھی اپنے فیض سے بہرہ مند کر سکے، یعنی وہ خود کامل ہو، اور دوسرے ناقصوں کو بھی کامل بناتا ہو، وہ خود پاک ہو، اور دوسرے ناپاکوں کو بھی دھو کر پاک صاف کر دیتا ہو، اخلاق کے سارے معلموں کی فہرست پر ایک نظر ڈال جاؤ کہ یہ تکمیل کی شان سب سے زیادہ کس میں تھی، کیا اس میں جس کو قدم قدم پر اپنی امت کی سنگدلی اور کجروی کا گلہ کرنا پڑا ہے، کیا اس میں جس کے پورے گیارہ شاگرد بھی امتحان کے وقت پورے نہ اتر سکے، یا اس میں تھی جس کی نسبت اس کے خدا نے بار بار اعلان کیا،

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ	وہ ان کو خدا کی آیتیں سناتا اور ان کو
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	پاک و صاف بناتا، اور ان کو کتاب
(جمعہ - ۱)	اور حکمت سکھاتا ہے،

اس تحدی اور اعلان میں یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ اس میں اسلام کے معلم کی نسبت صرف یہی دعویٰ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا اور خدا کے احکام سناتا ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ ان کو اپنے فیض و اثر سے پاک و صاف و

مصفا بنا بھی دیتا ہے، وہ ناقصون کو کامل، گنہگارون کو نیک، اندھون کو بینا، اور تاریک دلون کو روشن دل بنا دیتا ہے، چنانچہ جس وقت اُس نے اپنی حیات کا کارنامہ ختم کیا، کم از کم ایک لاکھ انسان اُس کی تعلیم سے عملاً بہرہ مند ہو چکے تھے، اور وہ عرب جو اخلاق کے پست ترین نقطہ پر تھا تیئیس برس کے بعد وہ اخلاق کے اس اوجِ کمال پر پہنچا جس کی بلندی تک کوئی ستارہ آج تک نہ پہنچ سکا،

تعلیم اخلاق کا تنوع

اگر کسی معلّم مین تکمیل کی یہ تاثیر بھی ہو، پھر بھی یہ دیکھنا ہے کہ اس عالم کی تکمیل اور نظم ونسق کے لئے ایک ہی قوت کے انسانون کی نہین، بلکہ جنگڑون مختلف قوتون کے انسانون کی ضرورت ہے، اخلاق کے دوسرے معلّمین کی درسگاہون پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ وہان صرف ایک فن کے طالب العلم تعلیم پاتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت گاہ میں فوجی تعلیم کے سوا کوئی اور فن نمایان نہین، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مکتب مین عفو ودرگذر کے سوا کوئی اور سبق نہین، بودھ کے وہار! درخانقاہ مین دربدر بھیک مانگنے والے مرتاض فقیرون کے سوا کوئی اور موجود نہین، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہِ اعظم مین آکر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک عمومی جامعہ ہے جس مین انسانی ترقی کی ہر قوت نشو ونما پارہی ہے، خود معلّم کی ذات ایک پوری یونیورسٹی ہے، جس کے اندر علم وفن کا ہر شعبہ اپنی جگہ پر قائم ہے، اور ہر جنس اور ہر مذاق کے طالب العلم آتے ہین، اور اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق کسب کمال کر رہے ہین،

آپ کی حیثیت ایک انسان، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک خاوند

ایک کاروباری تاجر، ایک افسر، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک بادشاہ، ایک استاد، ایک واعظ، ایک مرشد، ایک زاہد عابد اور آخر ایک پیغمبر کی نظر آتی ہے، یہ تمام انسانی طبقے آپ کے سامنے آکر زانوے ادب تہ کرتے ہین، اور اپنے اپنے پیشہ و فن کے مطابق آپ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتے ہین، مدینۃ النبیؐ کی اس درسگاہ اعظم کو غور سے دیکھو جس کی چھت کھجوروں کے پتون سے اور ستون کھجور کے تنون سے بنائے گئے تھے، اور جس کا نام مسجد نبوی تھا، اس کے الگ الگ گوشون مین ان انسانی جماعتون کے الگ الگ درجے کھلے ہوے ہین، کہین ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ جیسے فرمانروا زیر تعلیم ہین، کہین طلحہؓ و زبیرؓ و معاویہؓ و سعدؓ بن معاذ و سعدؓ بن جبیر جیسے ارباب رائے و تدبیر ہین، کہین خالدؓ، ابو عبیدہؓ سعدؓ بن ابی وقاص، اور عمرؓو بن العاص جیسے سپہ سالار ہین کہین وہ ہین، جو بعد کو صوبون کے حکمران، عدالتون کے قاضی اور قانونون کے مقنن بنے کہین ان زہاد و عباد کا مجمع ہے، جن کے دن روزون مین اور راتین نمازون مین کٹتی تھین کہین ابوذرؓ، سلمانؓ و ابودرداءؓ جیسے وہ خرقہ پوش ہین، جو مسیح اسلام کہلاتے تھے کہین وہ صفہ والے طالب العلم تھے، جو جنگل سے لکڑی لاکر بیچتے، اور گذارہ کرتے، اور دن رات علم کی طلب مین مصروف رہتے تھے کہین حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ جیسے فقیہ و محدث تھے جن کا کام علم کی خدمت اور اشاعت تھا، ایک جگہ غلامون کی بھیڑ ہے، تو دوسری جگہ آقاؤن کی محفل ہے، کہین غریبون کی نشست ہے، اور کہین دولتمندون کی مجلس ہے، مگر ان مین ظاہری عزت اور دنیاوی اعزاز کی کوئی تفریق نہین پائی جاتی، سب مساوات کی ایک ہی

Marfat.com

سطح پر اور صداقت کی ایک ہی شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہین، سب پر توحید کا یکسان نشہ چھایا اور سینون مین حق پرستی کا ایک ہی ولولہ موجین لے رہا ہے، اور سب اخلاق و اعمال کے ایک ہی آئینہ قدس کا عکس بننے کی کوشش مین لگے ہین[۱]۔

اسلام کا فلسفۂ اخلاق

ان اصول کی تفصیل و تشریح کے لئے ہم کو تھوڑی دیر کے لئے فلسفۂ اخلاق کے کامعون مین الجھنا ہوگا، اخلاق کا وجود تو یقیناً اُس وقت سے ہے جب سے انسان کی زندگی اور اوس کے ذہنی و جسمانی اعمال کا وجود ہے، مگر ان اعمال کی حقیقت پر بحث، اُن کے اسباب وعلل کی تلاش، اُن کے اصول و قوانین کی تحقیق، اور اُن کی غرض و غایت کی تعین، یونانیون کے عہد مین شروع ہوئی، اور موجودہ عہد مین علم نفسیات کے زیر سایہ پرانے نظریون پر نظر ثانی کی گئی، ان اسباب وعلل اصول و قوانین اور غرض و غایت کی تحقیق مین شروع سے آج تک فلسفیون مین قدم قدم پر اختلافات رونما ہوئے، ہر سوال کے جواب مین متعدد نظریے بنتے اور بگڑتے رہے، اور نئے نئے فرقے اور اصول پیدا ہوتے رہے، اور ان مین سے ہر ایک کا الگ الگ نام پڑ چکا ہے، تاہم اگر ان سب کو سمیٹنا چاہین، تو اساسی اور کلی طور پر یہ تمام مذاہب انھی دو قدیم مسلکون کی تشریح ہین، جنھین یونانی اصطلاح مین "رواقیہ" اور "لذتیہ" کہا گیا ہے، موجودہ اصطلاح مین پہلے کو "ضمیریہ" اور دوسرے کو "افادیہ" کہہ لیجئے، یا ایک اور تعبیر کے لحاظ

---

[۱] اس موقع پر مدراس والے میرے چھ خطبون پر ایک نظر ڈال لینی چاہیئے،

سے یوں کہئے، پہلا فریق اخلاق کی بنا جذبات پر قرار دیتا ہے، اور دوسرا عقل پر، پھر ان منشاء اخلاق کے تحت ان تعبیر کے اختلاف سے اور بہت سے فرقے پیدا ہو گئے ارسطو اور اس کے متبعین نے اخلاق کا مبنی نفس کی تکمیل کو قرار دیا ہے۔

اخلاقی قوانین کی حقیقت اور اصل ماخذ کی نسبت بھی بے انتہا اختلافات ہیں، علمائے اخلاق کے مختلف فرقوں نے بادشاہ کا قانون، خدا کا قانون، فطرت کا قانون، حاسہ اخلاق کی آواز، ضمیر کا قانون، وجدانیت اور پھر بالآخر عقل کا قانون کہکر الگ الگ اپنے نظریوں کی بنیاد ڈالی ہے لیکن درحقیقت ان کی بھی دو ہی اصلی تقسیمیں ہیں یعنی یہ کہ قوانین اخلاق کسی وحی و الہام سے ماخوذ ہیں، یا کسی بیرونی ماخذ سے جو لوگ وحی والہام پر ایمان نہ لاسکے انھوں نے ان قوانین کا کوئی بیرونی ماخذ قرار دینا چاہا، پھر کسی نے اس بیرونی ماخذ کو خود انسان کے اندر تلاش کیا، اور کسی نے اس سے باہر جنھوں نے خود انسان کے اندر تلاش کیا، انھوں نے باختلاف مذاق انسان کی اصل فطرت کو انسان میں ایک خاص حاسۂ اخلاقی کو انسان کے وجدان کو، انسان میں ضمیر کو، اور آخری طور پر خود انسان کی عقل کو ان کا ماخذ قرار دیا جنھوں نے انسان سے باہر ڈھونڈا، انھوں نے قبیلہ کے سردار، اور بادشاہ کے حکم، اور سوسائٹی کے رسم ورواج کو ان کا ماخذ قرار دیا، مگر سوال تو یہ ہے کہ قبیلہ کے سردار کے حکم، یا بادشاہ کے حکم، یا سوسائٹی کے رسم ورواج کی بنیاد خود کس اصول پر ہے؟ اس لئے لامحالہ اس بیرونی ماخذ کو چھوڑ کر پھر کسی اندرونی ہی ماخذ کو اصل مبنی قرار دینا ہوگا ورنہ اخلاقی اصول کو فطری ہونے کے بجائے مصنوعی اور ساختہ پرداختہ ماننا پڑے گا، جو اخلاق

Marfat.com

کے اقدامات مسائل مین کبھی قبول نہین کیا جا سکتا،

بہرحال دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہین جو اخلاق کا ماخذ خدا کے حکم کے سوا کسی اور شے کو تسلیم کرتا ہو، لیکن اسلام اس کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ خدا نے اپنے ان احکام کو وحی کے الفاظ مین بیان بھی کیا ہے، اور اپنے بندون کی فطرت مین ودیعت بھی رکھا ہے، تاکہ فطرت اگر کسی سبب سے خاموش رہے، تو احکام الٰہی کی آواز اس کو پکار کر ہشیار کر دے، فلسفیانہ کا دشون اور موشگافیون کو چھوڑ کر عملی حیثیت سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ نظریے باہم کسی قدر متخالف ہونے کے باوجود بھی باہم اس قدر متضاد نہین کہ وہ ایک جگہ جمع نہ ہوسکین، ہوسکتا ہے کہ ہمارے اخلاق کا ماخذ خدا کا حکم ہونے کے ساتھ اس کے تائیدی ماخذ اور محرکات ضمیر فطرت وجدان اور عقل سب ہون، اسی طرح معیار اخلاق کے اختلافات مین بھی توافق ممکن ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان بغیر کسی ذاتی غرض و غایت کو خیال مین لائے ہوئے محض اپنی فطرت کے اصرار یا ضمیر کی پکار سے مجبور ہو کر ایک کام کو انجام دے، یا اپنا فرض سمجھ کر اس کو پورا کرے، یا اس کے ساتھ کسی مصلحت عامہ کی افادی حیثیت بھی اس مین ملحوظ ہو، اور وہ روحانی تکمیل کا بھی ذریعہ ہو، اسلام کے اخلاقی فلسفہ مین یہ سب جہتین ایک کام مین مجمع ہوسکتی ہین،

فرض کیجئے کہ ایک مظلوم کی امداد خدا کا حکم بھی ہے، اور ہماری فطرت کے اندر بھی یہ ودیعت ہے، ہمارے ضمیر کا بھی یہی تقاضا ہے، اور وجدان بھی اسی طرح اس کام کو اچھا کہتا ہے جس طرح وہ ایک خوبصورت چیز کو خوبصورت یقین کرنے پر مجبور ہے، ساتھ ہی

اس کے اندر عام فائدے اور مصلحتین بھی ہین اور ہم کو اس سے مسرت بھی ہوتی ہے، اور عقل بھی یہی کہتی ہے لیکن اس مین بھی شک نہین کہ بہت سے ایسے موقع بھی ہو سکتے ہین جہان خدا، ضمیر، فطرت، جذبات، اور وجدان کا ایک حکم ہو، اور ہماری خود پسند اور مصلحت شناس عقل دوسری طرف جا رہی ہو، اسی لیے اخلاق کے باب مین وہ عقل جو ہمارے قوی کے مجموعی احکام کے خلاف جانا چاہتی ہے اصلاح کے لائق ہے،

الغرض خدا کے حکم ہونے کے ساتھ اسلام ان کو انسان کے اندر کی آواز بھی کہتا ہے اس اندر کی آواز کو خواہ فطرت کہیے، وجدان کہئے، حاسۂ اخلاقی کہئے، ضمیر کہیے، اس فلسفیانہ تدقیق سے اس کو بحث نہین، اور باوجود اس کے وہ اُن کو عقل اور مصلحت اور فوائد پر بھی مبنی سمجھتا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بات بدیہی طور سے ثابت ہے کہ انسان مین زیادہ تر اخلاقی اصول ایسے ہین جن کی اچھائی یا برائی پر آب و ہوا، خصوصیات اقلیم، زبان، مذہب، رسم و رواج، طرز حکومت وغیرہ صدہا اختلافات کے باوجود دنیا کی ساری قومین بلا دلیل متفق اور متحد ہین، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ اخلاقی حس ہمارے اندر اسی طرح فطرۃً ودیعت ہے جس طرح دوسرے قوی اور حواس ودیعت ہین، اب یہ کاوش کہ جس طرح مرئیات، مسموعات، اور ملموسات وغیرہ کے لیے ہمارے اندر باصرہ، سامعہ اور لامسہ کے نام سے الگ الگ مانتے ہین اسی طرح اخلاقی تمیز کے لیے ہمارے اندر کوئی خاص اخلاقی حاسہ ہے جس سے ہم اخلاق کی اچھائی اور برائی کا احساس اور تمیز کرتے ہین، یا کوئی اخلاقی وجدان ہمارے اندر ہے، جس کے ذریعہ سے ہم اس طرح اس کا احساس کرتے ہین جس طرح ہم دوسرے وجدانیات

جیسے حسن وقبح، خوبصورتی، اور بدصورتی کا، یا یہ کہ ہمارے اندر کوئی روحانی آواز ہے، جو ہم کو ہر وقت ہمارے فرائض یاد دلاتی ہے، اور بتاتی ہے کہ یہ اچھا ہے یا بُرا، عملی حیثیت سے کوئی اہمیت نہیں رکھتی،

تعلیم محمدیؐ نے گو اخلاق کے ان اصول ومبانی کی طرف کہین تفصیلی اور کہین اجمالی اشارات کیے ہین، مگر اُس نے اس نکتہ کو فراموش نہین کیا ہے، کہ اخلاق کی خوبی اُن کے علم وفلسفہ مین نہین، بلکہ اُن کے عمل مین ہے، اس نے علم بلاعمل کی کوئی قدر وقیمت اُس کی نگاہ مین نہین، لیکن اسی کے ساتھ عمل بلاعلم کو بھی اُس نے پسندیدہ نہین سمجھا ہے، اسی بنا پر اُس نے ان امورون کی طرف اشارے تو کیے ہین، مگر اخلاق کے باب مین اُن کی عالمانہ تحقیق وتلاش کو کوئی اہمیت نہین دی ہے،

اسلام نے اخلاق کا کمال یہ قرار دیا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ادا کیے جائین کہ یہ خدا کے احکام ہین، وہ خدا کے دوسرے فطری احکام کی طرح ہمارے اندر ودیعت ہین، انہی احکام الٰہی کے مطابق ہمارا ضمیر، وجدان، اخلاقی حاسہ، اور عقل ہین، جس کو ایک کو یا سب کو اصل کہئے، ہونا چاہئے ان مین باہم جس حد تک باہمی مطابقت وموافقت زیادہ ہوگی، اسی قدر انسان کا روحانی کمال بلند ہوگا، اور جس حد تک ان مین کمی ہوگی، اسی حد تک اس کے کمال مین نقص ہوگا،

ایک مسافر کی امداد یا ایک بیمار کی تیمارداری یہ سمجھ کر کی جائے، کہ یہ خدا کا حکم ہے، پھر کرنے والے کے ضمیر کی آواز بھی یہی ہونی چاہئے، اُس کا وجدان بھی یہی ہو، اُس کو وہ

اپنا فرض بھی جانے، اُس کے کرنے مین وہ اپنے اندر روحانی مسرت بھی محسوس کرے، اور اسی کی پیروی مین نوعِ انسان کی کثیر جماعت کا فائدہ بھی سمجھے، الغرض جس حد تک اس کے ان تمام قوی مین اس بارہ مین باہم موافقت اور یکسانی ہوگی، اتنا ہی اس کا روحانی کمال بلند ہوگا، اور جس قدر اس توافق مین کمی ہوگی، کہ خدا کا حکم سمجھکر بھی اس کے اندر کے ضمیر اور وجدان کی یہ آواز نہ ہو، یا وہ اس کو اپنا انسانی فرض نہ سمجھے، یا اُس سے اُس کو روحانی مسرت اور انبساط پیدا نہ ہو، اتنی قدر اس کے روحانی و ایمانی کمال مین نقص پیدا ہے کتنا ہی نیک کام ہم خدا کا حکم سمجھکر انجام دین لیکن اگر ہمارا اندرونی احساس اور ضمیر اس کو نیک نہین سمجھتا، اور ہماری عقل اس کے خلاف ہم کو راہ سمجھاتی ہے، تو اُس کے یہ صاف معنی ہین، کہ ابھی تک اس کے خدا کے حکم ہونے پر ہمارا یقین پختہ نہین ہوا ہے جس کے دوسرے معنی ایمان اور روحانی تکمیل کا نقص ہے، اسی طرح اگر کسی نیک سے نیک کام کو کوئی انسان صرف اپنے ضمیر کی آواز یا صرف فرض یا وجدان یا حصولِ مسرت یا نا وہ عام کی غرض سے انجام دے، مگر خدا کے حکم کی حیثیت اس مین ملحوظ نہ رکھے، تو وہ کام بھی اسلام کی نظر مین ثواب اور تزکیہ روح کا ذریعہ نہین،

بے غرضی | چونکہ اسلام مین اخلاق بھی دوسری مذہبی چیزون کی طرح عبادت ہے، اس لیے اوس کی غرض وغایت بھی ہر قسم کی دنیاوی، نفسانی، اور ذاتی اغراض سے پاک ہونی چاہیئے اگر ایسا نہین ہے تو ان کامون مین کوئی نیکی اور ثواب نہین، اور نہ اُن کی حیثیت عبادت کی باقی رہے گی، مذہبی کامون کو چھوڑکر دنیاوی کامون پر بھی نظر ڈالیے، تو معلوم ہوگا کہ

ہمارے کام اِن میں جس قدر اخلاص کا حصہ شامل ہوتا ہے، اسی قدر وہ قابلِ قدر ہوتا ہے ہم کسی مہمان کی کتنی ہی خاطر کریں، اور اس کے سامنے کتنے ہی الوانِ نعمت چُن دیں لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس خاطر داری کی تہ میں ذاتی نفع یا دنیا کا رنگ یا نمائش یا خوشامد کرنے والے کی کوئی ذاتی غرض ہے، تو ہماری یہ تمام خاطر تواضع اور تعظیم و تکریم اس کی نگاہ میں بے قیمت ہو جاتی ہے لیکن اگر ہم کسی کے سامنے اخلاص اور بے غرضی کے ساتھ نان نمک ہی رکھدیں، تو اس کی وقعت اور قدر و قیمت کی کوئی انتہا نہ رہے گی، تو جب دنیاوی کاموں میں اخلاص اور عدمِ اخلاص کے یہ اثرات ہیں، تو روحانی عالم میں انکے نتائج کہاں تک ہوں گے

نیت اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں نیت یعنی قلبی ارادہ اور انسان کی اندرونی غرض و غایت کو ہر اچھے اور بُرے کام کی بنیاد قرار دیا ہے، بلکہ حقیقت میں روحانی حیثیت سے کوئی کام اپنے نتیجہ کے لحاظ سے اتنا اچھا یا بُرا نہیں ہوتا، جتنا قلب کی کیفیت اور اُس کی اندرونی نیت کے لحاظ سے ہوتا ہے، ایک دو مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی، ایک شخص نے نہایت اصرار سے کسی کو رات کی تاریکی میں اپنے گھر اس لئے بلایا کہ اُس کو یقین تھا کہ راہ کے ڈاکو اُس کو مار ڈالیں گے، یا سخت تکلیف پہنچائینگے اتفاق یہ کہ وہ اندھیرے میں بھٹک کر دوسرے راستہ پر جا پڑا، اور وہاں اس کو اشرفیوں کی تھیلی راستہ میں پڑی ملی، تو گو اس سفر کا نتیجہ کتنا ہی اچھا ہو، مگر اس بلانے والے کی نیت کی بُرائی میں اب بھی کوئی شک نہیں، اور نہیں کہا جا سکتا کہ اُس نے رات کو اندھیرے میں بلوا کر اس پر احسان کیا، لیکن ایک اور شخص نے اس کو رات کے اندھیرے

Marfat.com

میں درحقیقت اُس کے ساتھ احسان کرنے ہی کی نیت سے اس کو بلایا، لیکن اتفاق سے وہ
راستہ میں کسی گڑھے یا کنوئیں میں گر کر مر گیا، تو وہ بلانے والا بدی کے گناہ کا مرتکب ہوگا
کہ گو جانے والے کے سفر کا نتیجہ خراب نکلا، مگر پہلے شخص کی طرح اس دوسرے شخص کی نیت بُری تھی

ایک دوسری مثال فرض کیجئے، میری جیب میں روپیوں کا ایک بٹوا تھا، اتفاق
سے وہ راستہ میں گر گیا، جب میں راستے سے واپس پلٹا، تو ایک بٹوا پڑا دیکھا، اور دل میں
خیال کرکے کہ کسی دوسرے کا ہے چپکے سے اٹھا لیا، تو اگرچہ واقعہ کے لحاظ سے میں کسی
بُرائی کا مرتکب نہیں ہوا، مگر اپنے ارادہ اور نیت کے لحاظ سے بُرائی کر چکا،
لیکن فرض کیجئے کہ کسی دوسرے موقع پر اسی قسم کا بٹوا مجھ کو سڑک پر پڑا ملا، اور میں نے اُس
کو اپنا سمجھ کر اٹھا لیا، تو گو واقعہ کتنا ہی مختلف ہو لیکن میرا دامن گناہ کی بُرائی سے پاک رہے گا
راستہ میں کوئی چل رہا ہو، اور ایک عورت سامنے سے نظر آئے، اُس نے اس کو بیگانہ اور
غیر سمجھ کر کسی بُری نیت سے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا، مگر درحقیقت وہ اس کی بیوی تھی، یا
اس نے کسی غیر عورت کی طرف یہ سمجھ کر ہاتھ بڑھایا کہ وہ اُس کی بیوی ہے، حالانکہ یہ واقعہ
نہ تھا، تو پہلی صورت میں اس کا دل گنہگار ہو چکا، اور دوسری صورت میں اس کی بےگناہی
بالکل ظاہر ہے، تمام مسلمانوں کو کوئی نیک کام کیا ہو سکتا ہے، لیکن اگر وہ کبھی فخر، نمائش، ریا
اور دکھاوے کی خاطر سے کیا جائے، تو وہ ثواب کے بجائے الٹا عذاب کا باعث ہوگا، اسی
طرح آپ اگر کسی معذور کی امداد اس لئے کریں کہ لوگ آپ کی تعریف کریں گے تو اسلام کی

نگاہ میں یہ نیکی کا کام نہیں ... سورۂ آل عمران میں ہے،

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ	اور جو دنیا کا بدلہ چاہے گا اس کو وہ
مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ	دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا
نُؤْتِهٖ مِنْهَا (آل عمران - ١٥١)	اس کو وہ دیں گے،

ایک اور آیت میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے، کہ جس کام کا مقصد صرف نمائش اور دکھاوا ہو اس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں، فرمایا،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا	اے ایمان والو! تم اپنی خیراتوں کو
صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى	احسان دھر کر اور ستا کر برباد نہ
كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ	کرو جس طرح وہ اپنے مال کو ریا
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ	کرتا ہے، جو لوگوں کے دکھاوے کے
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط	لئے صرف کرتا ہے اور خدا اور قیامت
(بقرہ ۳۶ - ۳۶)	پر یقین نہیں رکھتا،

اسی قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں، جن کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مختصر لیکن جامع و مانع الفاظ فرمائے ہیں،

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ،	انسان کے اعمال اس کی نیت پر
(صحیح بخاری باب اول)	موقوف ہیں،

اور اس کی مزید تصریح کے لئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے،

وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى	ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ

Marfat.com

كانت هجرته الى الله و	نیت کرے، تو جس کی ہجرت خدا و
رسوله فهجرته الى الله	رسول کی طرف ہے، تو اس کی ہجرت
ورسوله ومن كانت هجرته	خدا و رسول کی طرف ہے، اور جس کی
الى دنيا يصيبها او امرءة	ہجرت کی غرض دنیا کمانا ہو، یا کسی
يتزوجها فهجرته الى ما	عورت کو پانا ہو کہ اس سے نکاح کرے
هاجر اليه[1]،	تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس
	کی غرض سے اس نے ہجرت کی،

الغرض عمل کا نیک و بد ہونا تمامتر نیت اور ارادہ پر موقوف ہے، اور اسی لئے اخلاق کی بحث میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے حسن نیت نہ ہو، تو اخلاق کا بڑا سے بڑا کام بھی حسنِ خلق کے دائرہ سے خارج، دنیاوی تعریف و ستائش کے حدود سے باہر اور روحانی خیر و برکت اور ثواب سے محروم رہ جاتا ہے،

فلسفۂ اخلاق کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم کا یہ وہ اصول ہے، جس کی حرف بحرف تائید جدید فلسفۂ اخلاق سے ہوئی ہے، چنانچہ جان ایس میکنزی اپنی تصنیف مینول آف ایتھکس کی پہلی کتاب کے چھٹے باب میں لکھتا ہے:

"جس چیز پر حکم لگایا جاتا ہے، وہ صاف صاف یہی عمل ارادی جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے، یہی وہ چیز ہے جس سے اخلاقیات کو شروع سے آخر تک بحث ہوتی ہے، اس کا کام

[1] صحیح بخاری جلد اول باب ما جاء ان الاعمال بالنیۃ،

Marfat.com

تمامتر ارادہ کی صحیح جہت ہی کا بتلانا ہے، جو اخلاقی احکام ہم لگاتے ہیں، ان کا تعلق بھی ارادہ ہی سے ہوتا ہے جس فعل میں ارادہ شامل نہیں، اس کی اخلاقی حیثیت نہیں اس مسئلہ کی ایک دو مثالیں دے کر کینٹ کی رائے نقل کی ہے،

اسی سے کینٹ نے اپنی اخلاقیات کی کتاب کو جس مشہور و معروف دعوی کے ساتھ شروع کیا ہے، اس کی ہم کو تصدیق کرنی پڑتی ہے، وہ کہتا ہے کہ بجز اچھے ارادہ کے دنیا بھر میں، بلکہ دنیا کے باہر بھی کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کو علی الاطلاق بلا کسی قید و شرط کے اچھا کہا جا سکے[1]

اخلاق کے لئے ایمان کی شرط

جب یہ ظاہر ہو چکا کہ اخلاق کی تمامتر بنا ارادہ و نیت یعنی قلب کے عمل پر ہے، تو قلب کی اندرونی کیفیت اور حالت کی درستی کے لئے یہ عقیدہ ضروری ہے کہ کوئی ہستی ہے جو ہمارے دل کے ہر گوشہ کو ہر طرف سے جھانک رہی ہے، ہم مجمع میں ہوں یا تنہائی میں، اندھیرے میں ہوں یا روشنی میں تاہم کوئی ہے جس کی آنکھیں اس کے دل کی تہ کو ہزار پردوں میں بھی دیکھ رہی ہیں، تمام قوتیں صرف جسم پر حکمران ہیں، مگر ایک قدرت والا ہے جو دل پر حکمران ہے پھر یہ اعتقاد بھی ضروری ہے کہ ہم کو اس ہستی کے آگے اپنے تمام کاموں کا جوابدہ ہونا ہے، اور ایک دن آئے گا، جب ہم کو اپنے اعمال کی جزا یا سزا ملے گی، جب تک یہ دو خیال دل و دماغ میں جاگزین نہ ہوں گے، اچھے اعمال کا اچھے ارادہ سے وجود قطعی محال ہے، اسی لئے وحی محمدی نے

[1] علم اخلاق، کتاب اول باب ششم مترجمہ پروفیسر عبدالباری ندوی شائع کردہ جامعہ عثمانیہ ۱۳۲۱ھ

خدا اور قیامت پر ایمان لانا، ہر ایک عمل کی بنیاد قرار دی ہے کہ بے اس کے ہر کام محض ریا، اور نمایش بن جاتا ہے، فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا	اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو جتا کر
صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ	یا ستا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ برباد
كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ	کرتا ہے جو اپنے مال کو لوگوں کے
وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	دکھانے کو خرچ کرتا ہے، اور خدا اور
(بقرہ ۔ ۳۶)	آخری دن پر یقین نہیں رکھتا،

یہی ایمان صحیح جس سے حسنِ نیت پیدا ہوتا ہے، آبِ حیات کا وہ سرچشمہ ہے، جو نہ ہو تو ہمارے اعمال سراب سے زیادہ بے حقیقت ہیں،

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ	اور جو خدا اور قیامت کو نہیں مانتے، ان
كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ	کے کام ایسے ہیں جیسے میدان میں ریت
مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ	کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے جب وہاں
شَيْئًا ۔ (نور ۔ ۵)	جائے تو اس کو کچھ نہیں پائے،

یہی وہ مشعل ہے جو ہماری تیرہ و تار زندگی کی روشنی ہے، یہ نہ ہو تو ہم کو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آئے، اور اپنے کسی کام کی کوئی غایت معلوم نہ ہو،

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ	یا (خدا اور قیامت کے) نہ ماننے والوں
مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن	کے کاموں کی مثال ایسی ہے کہ اندھیر

Marfat.com

نُوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌ	میں اگہرے دریا میں اُس کو لہر ڈھانکے ہو،
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ	اس لہر پر دوسری لہر ہے، اس پر گھٹا
اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ	چھائی ہے تاریکیان ہین ایک پر ایک
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا	جب اپنا ہاتھ نکالے تو سوجھتا نہین اور
فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ؕ	جس کو اللہ نے روشنی نہین دی اُس کو
(نور - ۵)	کہین روشنی نہین،

جب تک کسی واقف اسرار، عالم الغیب، دانا ے راز اور دل کی ہر جنبش اور ہر حرکت سے باخبر ہستی کا اور اُس کے سامنے عمل کے مواخذہ، بازپرس، اور جوابدہی کا یقین نہ ہوگا دل مین اخلاص اور نفس مین دنیاوی اغراض سے پاکی پیدا نہین ہوسکتی، اور نہ بے غرضانہ بلند پایہ اخلاق کا وجود ہوسکتا ہے،

غرض وغایت اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا علم مین نفس عمل مطلوب نہین بلکہ وہ عمل مطلوب ہے جس کی غرض وغایت صحیح ہو، عمل قالب ہے، تو صحیح غرض وغایت اُس کی روح ہے، روح نہین تو بے جان قالب کس کام آسکتا ہے، حکماے اخلاق کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ انسان کا کوئی فعل غرض وغایت سے خالی نہین ہوتا لیکن یہ غرض وغایت ہو کیا؟ اس پر آج تک وہ متفق نہین ہوسکے، سقراط، افلاطون اور ارسطو کے زمانہ سے لیکر آج تک بیسیون نظریے قائم ہوچکے ہین لیکن حقیقت کا راز اب تک آشکارا نہین،

اسلام کو اس سے بحث نہین کہ اخلاق کی غرض وغایت کیا ہوتی ہے، بلکہ اس سے بحث ہے

کہ اخلاق کی غرض وغایت کیا ہونی چاہئیے، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے کام کی ادنی اور اعلیٰ، پست اور بلند متعدد غرضین اور غایتین ہوسکتی ہین، ہم راہ مین ایک بوڑھے کی گردن سے بوجھ اتار کر خود اٹھا لیتے ہین، اور اس کو اس کے گھر تک آرام پہنچا دیتے ہین، ہمارے اس کام کی غرض یہ ہوسکتی ہے کہ گھر پہنچ کر بڈھا خوش ہوکر ہم کو مزدوری اور انعام دے گا، یہ بھی مقصد ہوسکتا ہے کہ لوگ ہم کو دیکھ کر ہماری تعریف کرین گے، اور کسی پبلک منصب اور عہدہ کے انتخاب مین وہ ہم کو اپنی راے دین گے، یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ راستہ چلتے لوگ ہم کو اس حالت مین دیکھ کر ہمین بڑا نیک اور دیندار سمجھین گے یہ بھی غرض ہوسکتی ہے کہ آج اگر جوانی مین اس بوڑھے کی مدد کرین گے تو کل ہماری بڑھاپے مین کل کے نوجوان ہماری مدد کرین گے، بعض نیک لوگون کو ایسے کامون کے کرنے سے طبعاً خوشی ہوتی ہے، وہ اپنی خوشی کے لئے اس قسم کے کامون کو کرتے ہین بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہین جو ایک بوڑھے کو اس حال مین دیکھ کر ترس کھاتے ہین، اور اس سے متاثر ہوکر یہ کام کرتے ہین، غرض ایک ہی قسم کے کام کے یہ تمام مختلف اغراض، مختلف اشخاص کے کامون کی غایت اور محرک ہوسکتے ہین لیکن اس فہرست پر دوبارہ غور کی نظر ڈالئیے تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام اغراض بتدریج پستی سے بلندی کی طرف جارہے ہین، اور جس حد تک جو غرض فاعل کی ذاتی ونفسانی غرض وغایت سے پاک ہے، اسی قدر وہ بلند اور قابل قدر ہے، کسی مالی یا جسمانی معاوضہ کی خاطر کوئی نیک کام کرنا سب سے پست مقصد ہے، اس کے بعد عزت وشہرت کی طلب اور نیک نامی کے حصول کے لئے کرنا بھی گو

پست مقصد ہے مگر پہلے سے بلند ہے، پھر روحانی خوشی، اور ضمیر کی فطری خواہش کی تسلی کرنا پہلے سے اعلیٰ مقصد ہے، مگر پھر بھی ذاتی منفعت اور اس دنیا کا لگاؤ باقی ہے، یہ بالکل فطری بات ہے کوئی انسان کسی کے ساتھ کتنا ہی عمدہ برتاؤ کرے، مگر جب اُس کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کی تہ مین اس کی فلان ذاتی غرض تھی، تو اس کام کی قدر وقیمت اس کی نگاہون سے گر جاتی ہے اور یہ سارا جادو بے اثر ہو جاتا ہے،

اس سے آگے بڑھ کر مذہبی لوگ اپنے کامون کی غرض وغایت جنّت کی طلب قرار دیتے ہین لیکن درحقیقت اس مین بھی گو اس دنیا کی نہین لیکن اس دنیا کی ذاتی غرض و غایت شامل ہے۔ اس لئے یہ اعلیٰ ترین مقصد ہونے کے باوجود بھی ہنوز پست ہے، اس لئے یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تعلیم محمدی مین بہشت کو ایک مومن کے نیک کام کا لازمی نتیجہ بتایا ضرور گیا ہے مگر اس کو نیک کام کی غرض ونہایت قرار نہین دی گئی ہے یہان تک کہ ایک بادہ خوار مسلمان شاعر بھی اس نکتہ سے بے خبر نہین،

طاعت مین تا رہے نہ مے وانگبین کی لاگ
دوزخ مین لے کے ڈال دے کوئی بہشت کو

ضمیر کی آواز یعنی انسان کی نفسیاتی کیفیت کا وہ زندہ احساس جس کے ذریعہ سے وہ بُرائی اور بھلائی مین تمیز کر لیتا ہے اور جس کے سبب سے اُس کے دل کے اندر سے خود نیکی کی دعوت کی آواز اٹھتی ہے، غریب ولاچار آدمی کو دیکھ کر ہر شخص پر فطرۃً رحم کا جذبہ طاری ہوتا ہے، قاتل اور ظالم سے طبعاً ہر شخص کو نفرت ہوتی ہے، یہ قلب کی فطری صلاحیت ہر انسان کے ضمیر

ہین ہے ہر اچھے یا بُرے کام کے کرتے وقت اس کے دل کے پردہ سے تحسین یا نفرین کی آواز آتی ہے لیکن بری صحبت بُری تربیت یا کسی خاص شدید جذبہ کے اثر سے یہ آواز اور اس کا اثر دب بھی جاتا ہے یہی سبب ہے کہ ہر گناہ کے پہلے پہل کرنے مین انسان خوف کھاتا ہے اس کے ہاتھ پاؤن لرزتے ہین، وہ اپنی گنہگاری کے تخیل سے شدید ذہنی اذیت محسوس کرتا ہے، وہ کبھی کبھی ندامت کے دریائے احساس مین غرق ہو جاتا ہے۔ اس کے ذکر سے اس کی خجالت کی پیشانی عرق عرق ہو جاتی ہے لیکن جب وہ بار بار اپنے ضمیر کی اس آواز کو دبا رہتا ہے، تو وہ دب کر رہ جاتی ہے۔ اور اس کی پشیمانی اور ندامت کے احساس کا شیشہ اس ٹھوکر سے چور چور ہو جاتا ہے۔

یہ اثرات کس چیز کا نتیجہ ہین؟ اسلام کے اصولِ اخلاق کی بنا پر اس کا جواب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان مین نیکی و بدی کے جو فطری الہامات ودیعت رکھے ہین، یہ اس کے نتائج ہین۔ قرآن کہتا ہے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا،	ہر نفس مین اس کی بدی اور نیکی الہام
(الشمس)	کردی ہے،

وہ جذبہ جس کا نام ضمیر ہے، اور جو ہم کو ہمارے ہر برے کام کے وقت ہشیار کرتا ہے، وحی محمدی کی اصطلاح مین اس کا نام **نفس لوامہ** (ملامت کرنے والا نفس) ہے، اور یہ خود ہمارے دل کے اندر ہے۔ سورۂ قیامت مین ہے،

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ	اور قسم کھاتا ہون اس نفس کی جو ملامت

(قیامت - ۱) کہ اُس کی بُرائیون پر ملامت کرتا ہی،

آگے چل کر فرمایا،

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ

(قیامت - ۱)

کہ انسان اپنے نفس پر آپ سمجھ بوجھ ہے، گرچہ وہ اپنے اوپر طرح طرح کے بہانون (کے پردے) ڈال لیتا ہے،

نواس بن سمعانؓ انصاری ایک سال تک اس انتظار مین مدینہ مین ٹھہرے رہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کی حقیقت سمجھین، آخر ایک دن اُن کو موقع مل گیا، اور انھون نے دریافت کیا، فرمایا، نیکی حسن اخلاق کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل مین کھٹک جائے، اور تجھ کو پسند نہ ہو کہ تیرے اس کام کو لوگ جانین" اسی طرح وابصہؓ بن معبد نام ایک صاحب خدمت نبوی مین نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کرنے کی غرض سے آئے، چارون طرف جان نثارون کا ہجوم تھا، اور وہ شوق و ذوق مین سب کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے، لوگ اُن کو روک رہے تھے، مگر وہ آگے بڑھتے ہی گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا" وابصہ قریب آجاؤ" جب وہ قریب جاکر بیٹھے تو فرمایا" اے وابصہ مین بتاؤن کہ تم کیون آئے ہو یا تم بتاؤ گے" عرض کی" حضور ہی ارشاد فرمائین" فرمایا" وابصہ! تم مجھ سے نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کرنے آئے ہو" عرض کی" سچ ہے یا رسول اللہ" فرمایا:-

يا وابصة استفت قلبك — اے وابصہ! اپنے دل سے پوچھا کرو اور

واستفت نفسك البرّ — اپنے نفس سے فتوی لیا کر، نیکی وہ ہے

ما اطمأنّ اليه القلب — جس سے دل اور نفس میں طمانیت

واطمأنّت اليه النفس — پیدا ہو، اور گناہ وہ ہے جو دل

والاثم ما حاك في القلب — میں کھٹکے، اور نفس کو ادھیڑبن میں

وتردّد في النفس وان افتاك — ڈالے، اگرچہ لوگ تجھے اس کا جواز

الناس[1]، — ہی کیوں نہ بتائیں،

یہی وہ حاسۂ اخلاقی ہے، جس کا نام لوگوں نے ضمیر کی آواز رکھا ہے،

پہلے پہل جب انسان اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف کوئی بات کرتا ہے تو اس کے دل کی صاف وسادہ لوح پر داغ کا ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر ہوش میں آکر وہ توبہ واستغفار کرتا ہے، اور پشیمان ونادم ہوتا ہے، تو وہ داغ مٹ جاتا ہے، لیکن پھر اگر وہی گناہ بار بار اسی طرح کرتا رہے، تو وہ داغ بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ پورے دل کو سیاہ کرکے ضمیر کے ہر قسم کے احساس سے اس کو محروم کر دیتا ہے، اسی مفہوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ادا فرمایا،

انّ العبد اذا اخطاء خطيئة — بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے

نكتت في قلبه نكتةٌ سوداءُ — دل میں داغ کا ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۲۸ مصر؛

فاذاھو نزع واستغفر وتاب — تو اگر اُس نے پھر اپنے کو علٰحدہ کر لیا،

صقل قلبہ وان عاد زید فیھا — اور خدا سے مغفرت مانگی، اور توبہ کی

حتّٰی یعلو قلبہ، — تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور

اگر اوس نے پھر وہی گناہ کیا تو وہ

داغ بڑھ جاتا ہے، یہان تک کہ وہ

پورے دل پر چھا جاتا ہے،

اس کے بعد فرمایا یہی وہ دل کا زنگ ہے جس کا ذکر اس آیت مین ہے،

کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا — کبھی نہین، بلکہ اُن کے (بُرے)

کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ، [1] — کامون کی وجہ سے ان کے دلوں پر

(تطفیف - ۱) — زنگ چھا گیا ہے،

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک تمثیل مین فرمایا کہ منزلِ مقصود کی جانب ایک سیدھا راستہ جاتا ہے، راستہ کے ادھر اودھر دونون طرف دو دیوارین کھچی ہین، اور ان دونون مین کچھ دروازے کھلے ہین لیکن ان پر پردے پڑے ہین، راستہ کے سرے پر ایک آواز دینے والا آواز دے رہا ہے کہ راستہ پر سیدھے چلے چلو، اور ادھر اودھر مڑو نہین جب کوئی راہ گیر خدا کا بندہ چاہتا ہے کہ ان دائین بائین کے دروازون مین سے کسی ایک دروازے کا پردہ اٹھائے، تو اوپر سے ایک منادی پکار کر کہتا ہے "خبردار پردہ نہ اٹھانا

[1] جامع ترمذی تفسیر آیت مذکور،

Marfat.com

اٹھاؤگے تو اندر چلے جاؤگے۔ پھر فرمایا یہ راستہ اسلام ہے اور یہ دروازے اللہ تعالیٰ کے ممنوعات ہیں، اور یہ پردے اس کے حدود ہیں اور راستہ کے سرے پہ پکارنے والا قرآن ہے اور اوپر کا منادی جو پکارتا ہے،

هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِیْ قَلْبِ کُلِّ مُؤْمِنٍ؎	وہ خدا کا وہ واعظ ہے جو ہر مومن کے قلب میں ہے،

کیا کسی بڑے سے بڑے حکیم نے بھی اخلاقی ضمیر کی اس سے بہتر تشریح کی ہے۔

مسرت و انبساط — یہ بات کہ نیکی کے کاموں سے کرنے والے کو جو خوشی اور برائی کی باتوں سے اس کو جو رنج ہوتا ہے، وہی اس کو نیکی کے حصول کی ترغیب دیتا اور برائیوں سے بچنے پر آمادہ کرتا ہے، گو تمام تر صحیح نہیں ہے تاہم اتنا درست ہے کہ نیکی کے کاموں سے حقیقۃً کرنے والے کے دل کو انشراح اور خوشی ہوتی ہے، اور برائی سے اس کو انقباض اور غم ہوتا ہے لیکن یہ نیکی اور بدی کے محرک نہیں، اور نہ ان کو ہمارے کاموں کی غرض و غایت ہونی چاہیے کہ یہ بھی مادی خودغرضی ہے، بلکہ درحقیقت یہ نیکی اور بدی کے فطری اور طبعی نتائج ہیں، ایک غریب و لاچار کی امداد سے بے شبہ ہم کو خوشی ہوتی ہے، لیکن یہ خوشی ہماری مخلصانہ کوشش کا طبعی اور لازمی نتیجہ ہے لیکن وہ اس کی محرک علت اور غرض و غایت نہیں، اسلام کے نزدیک ایک مسلمان کے کاموں کی غرض و غایت تو صرف ایک ہی ہوتی ہے اور وہ خدا اور اس کی رضامندی کا حصول۔

؎ مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ بحوالہ احمد و بیہقی فی شعب الایمان و رزین و ترمذی مختصراً۔

اس تشریح کے بعد معلوم ہوگا کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوات کی تعلیم نے حکماے اخلاق کی اس جماعت کے نظریہ مین جو اخلاق کی بنیاد اسی خوشی اور رنج یا روحانی لذت والم کے اصول پر قائم کرتی ہے، تھوڑی سی ترمیم کر دی ہے، اور وہ یہ کہ خوشی حاصل کرنا اور قلبی غم سے بچنا نیکی کی غرض و غایت نہین، بلکہ اُس کا لازمی اور طبعی نتیجہ ہے، علماے اخلاق مین مین بڑی جماعت کا آج کل یہی مسلک ہے کہ مسرت نیکی کی غرض نہین، اسی نکتہ کو اسلام کے صحیفہ الٰہی نے ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ	لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنایا
وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ	اور اس کو تمھارے دلون مین اچھا
اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ	کرکے دکھایا، اور کفر اور گناہ، اور
الْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ	نافرمانی سے گھن لگا دی، یہی لوگ نیک
الرّٰشِدُوْنَ (حجرات-۱)	چلن ہین،

اسی آیت پاک کی تفصیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ مین اس طرح فرمائی،

اذا سرتک حسنتک وساءتک	جب تمھاری نیکی تم کو خوشی بخشے، اور
سیئتک فانت مومن[۱]	تمھاری بدی تم کو غمگین کر دے تو تم مومن ہو،
من سرتہ حسنتہ وساءتہ سیئتہ	جس کو نیکی خوش اور برائی غمزدہ بنادے وہ مومن ہے[۲]

۱ مسند احمد بن حنبل عن ابی امامۃ الباہلی جلد ۵ صفحہ ۲۵۱ و ۲۵۲ و مستدرک حاکم کتاب الایمان جلد اول ص ۱۴ حیدرآباد و مختصر شعب الایمان بیہقی ص ۵۲ مطبع سعادت مصر و ابن حبان و ابو داؤد عن عمر بن الخطاب،

۲ طبرانی فی الکبیر عن ابی موسیٰ کنز العمال جلد اول ص ۲۶،

Marfat.com

مَنْ عَمِلَ سیئۃً فکرھھاحین	جس نے جب کوئی برائی کی تو اس کو اس
یعمل، وعمل حسنۃً فسرّہ فھو	سے سخت نفرت آئی اور جب کوئی اچھا
مومنٌ[1]،	کام کیا، تو اس کو مسرت ہوئی وہ مومن ہے

غرض نیکی پر مسرت وانبساط اور انشراحِ خاطر کی لذّت کو اسلام نے ایمان کی پہچان مقرر کیا ہے اور اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسلام کے اصولِ اخلاق میں سابق الذکر ترمیم کے ساتھ فرقۂ لذتیہ کے لئے بھی قدم رکھنے کی گنجایش باقی رکھی ہے، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ نظر سے یہ نکتہ بھی پوشیدہ نہیں رہا ہے، بلکہ اس نظریہ میں جس حد تک غلطی تھی، اس کی تصحیح فرمادی ہے،

رضائے الٰہی اسلام میں ہر قسم کے نیک کاموں کی غرض وغایت صرف ایک ہی قرار دی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی ہے، ایک سچے مسلمان کو صرف اسی کی خاطر کام کرنا چاہئے، اور اس کے سوا کسی دوسری غرض کو اپنے کام کی بنیاد نہیں بنانا چاہئے، یہیں آکر فلسفۂ اخلاق اور اسلامی اخلاق کے اصول کا فرق نمایاں ہوتا ہے، حکمائے اخلاق یہ ڈھونڈتے ہیں کہ انسانی اخلاق کی غرض وغایت کیا ہوتی ہے؟ اور معلمِ حکمت علیہ السلام یہ تعلیم دیتے ہیں کہ انسان کو اپنے اخلاق کی غرض وغایت کیا قرار دینی چاہئے، انسان کے پاس دو ہی دولتیں ہیں، جان اور مال اور انہی دونوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا، ایثار اور حسنِ عمل ہے، پہلے ایک مومن کی جان کے متعلق فرمایا،

[1] مستدرک حاکم کتاب الایمان جلد اوّل ص ۱۳ حیدرآباد،

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ	بعض ایسے ہیں جو اپنی جان کو خدا کی
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ	خوشنودی چاہنے کے لئے بیچتے ہیں
رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ، (بقرہ ۲۵)	اور اللہ بندوں پر مہربان ہے ،

پھر مال کے متعلق فرمایا :-

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ	اور اُن کی مثال جو اپنی دولت
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ،	خدا کی خوشنودی کے لئے خرچ
(بقرہ ۳۶)	کرتے ہیں ،
وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ	اور تم تو خرچ نہیں کرتے ، مگر اللہ
اللّٰهِ ، (بقرہ ۳۷)	کی ذات کو چاہ کر ،
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ	اور جو یہ تمام کام خدا کی خوشنودی
مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ	کے لئے کرے گا ، تو ہم اس کو بڑا
اَجْرًا عَظِيْمًا ۔ (نساء ۱۷)	اجر دیں گے ،
وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ	اور جنہوں نے خدا کے لئے صبر کیا
وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ	نماز کھڑی کی ، اور ہم نے جو اُن کو
وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ	دیا ہے اس میں کچھ چھپے اور کھلے
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ	طریقے سے خرچ کیا ، اور برائی کو نیکی
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ	سے دور کرتے ہیں ، ان ہی کیلئے

Marfat.com

لھم عقبی الدار (رعد - ۳) پچھلا گھر،

سب سے صاف اور واضح طور سے یہ حقیقت سورۂ لیل میں کھولی گئی ہی،

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰیۚ	جو اپنا مال صفائی اور پاکی حاصل کرتے
وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ	ہوئے دیتا ہے کسی کا اس پر احسان
تُجْزٰۤیۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ	نہین ہے جس کو ادا کرنے کے لئے
الْاَعْلٰیۚ	دیتا ہو، بلکہ وہ خدا کی ذات کی طلب
(لیل)	کے لئے دیتا ہے،

ان آیات کی تفسیر و توضیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث مین فرمائی ہی، ایک صحابی پوچھتے ہین، یا رسول اللہ کوئی اس لئے لڑتا ہے کہ غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے، کوئی اس لئے کہ وہ بہادر کہلائے، کوئی اسلیے کہ اسکو شہرت حاصل ہو، تو ان میں سے راہ خدا مین لڑتا کس کو کہین گے، فرمایا اس کو جو اس لئے لڑتا ہو کہ خدا کی بات بلند ہو[۱]، ایک دفعہ ارشاد فرمایا "گھوڑا باندھنا کسی کے لئے اجر کا موجب کسی کے لئے پردہ پوشی، اور کسی کے لئے گناہ ہے، اجر کا موجب اس کے لئے ہے جو خدا کی راہ مین اس کو باندھتا ہے، تو اس کے چرنے اور پانی پینے کا بھی اس کو ثواب ملتا ہے، پردہ پوشی اس کیلئے ہے جو ضرورۃً اس لئے باندھتا ہے، کہ خدا نے اس کو دولت دیا ہے، تو اس کو اپنی ضرورت کی چیز دوسرون سے مانگنی نہ پڑے، تو وہ رحم و شفقت

[۱] صحیح بخاری کتاب الجہاد باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا ۲۰۷،

کے ساتھ اس سے کام لیتا ہے، اور اس کا حق ادا کرتا ہے۔ اور گناہ اس کے لئے ہے جو فخر اور نمائش کے لئے باندھتا ہے۔[1]

اس تعلیم کا سب سے مؤثر بیان وہ ہے جس کو ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے، اور جس کو دہراتے ہوئے حضرت ابوہریرہؓ تین دفعہ غش کھا کر گرے، اور جس کو سن کر حضرت معاویہؓ زار زار روئے، حضرت ابوہریرہؓ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ عدالت کے لئے اتریگا اور ہر امت اپنی جگہ پر گھٹنے ٹیکے ہوگی، اس وقت سب سے پہلے ان کی پیشی کا حکم ہوگا جو قرآن کے عالم تھے، اور جو جہاد میں مارے گئے تھے، اور جو دولت والے تھے، پھر اللہ تعالیٰ عالم سے پوچھے گا کیا میں نے تجھ کو وہ سب نہیں سکھایا، جو اپنے پیغمبر پر اتارا تھا تو تم نے اس پر کیا عمل کیا، ؟ وہ عرض کرے گا، بار الٰہا میں شب و روز نماز میں قرآن پڑھتا تھا، خدا فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، فرشتے بھی کہیں گے، یہ جھوٹا ہے، پھر خدا فرمائے گا تو تو اس لئے یہ کرتا تھا تاکہ لوگ کہیں کہ تو بڑا عالم اور قرآن خوان ہے تو دنیا میں تجھ کو یہ کہا جا چکا (یعنی تو اپنا بدلہ پا چکا) پھر دولت مند سے خدا فرمائے گا کیا میں نے تجھ پر دنیا کو کشادہ نہیں کیا یہانتک کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا، عرض کرے گا کیوں نہیں اے میرے رب! دریافت کرے گا تو میں نے جو کچھ تجھ کو دیا اس میں تو نے کیا کیا؟ جواب دیگا، میں اہل استحقاق کا حق

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد، کتاب المناقب آخر باب علامات النبوۃ فی الاسلام، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب الاحکام التی تعرف بالدلائل و باب تفسیر اذا زلزلت، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ،

ادا کرتا تھا، اور خیرات دیتا تھا، ارشاد ہوگا، تو جھوٹا ہے، فرشتے بھی کہنے لگے یہ جھوٹا ہے، پھر خدا فرمائے گا تو تو اس لئے کرتا تھا کہ لوگ کہیں کہ تو بڑا سخی ہے تو یہ تجھ کو دنیا میں کہا جا چکا، تو اپنا بدلہ پا چکا، اس کے بعد وہ لایا جائے گا، جو جہاد میں مارا گیا، تو خدا اس سے دریافت کرے گا تو کس بات کے لئے مارا گیا، کہے گا خدایا تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تھا، تو میں لڑا یہاں تک کہ مارا گیا، خدا فرمائے گا تو جھوٹا ہے، فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے، خدا کہے گا تو تو اس لئے لڑا تھا کہ لوگ تجھ کو بہادر کہیں تو دنیا میں تجھ کو یہ کہا جا چکا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے،[له]

حضرت معاویہؓ اس حدیث کو سن کر بہت روئے پھر بولے خدا اور اس کا رسول سچا ہے، اور اس حدیث کی تائید میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی،

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی رونق
وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ	چاہتا ہو، تو ہم اس کا عمل اسی دنیا میں
فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ	پورا کر دیں گے، بے کم و کاست، ان
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ	لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں،
فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ	بجز دوزخ کے، اور دنیا میں انہوں نے
مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا	جو بنایا تھا وہ ملیامیٹ ہو گیا اور جو کیا وہ
يَعْمَلُوْنَ، (ہود - ۲)	برباد ہوا،

له جامع ترمذی: ابواب الزہد باب ما جاء فی الریاء والسمعۃ،

Marfat.com

غرض اگر ہمارے اخلاق و اعمال کی غایت، خود غرضی اور کسی نہ کسی طرح کی ذاتی منفعت ہے تو وہ ثواب کی روح سے خالی ہے، اور اسلام کی اخلاقی تعلیم اس پستی سے بہت بلند ہے، بلکہ ایک مقام اس کا وہ بھی ہے، جہان اس کی منزل رضاے الٰہی کی طلب نہین، بلکہ خود ذات الٰہی ہو جاتی ہے،

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ (بقرہ - ۳۷)	اور تم تو خرچ نہین کرتے، مگر اللہ کی ذات کو چاہ کر،
وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ (رعد - ۳)	اور جھون نے اپنے پروردگار کی طلب کے لئے صبر کیا،
وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (لیل)	اور جو کسی کے احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے نہین، بلکہ اپنے برتر پروردگار کی طلب کے لئے کرتا ہے،

اخلاقی احکام کی تعمیل اور اداے حقوق کی تاکید کے سلسلہ مین ارشاد فرمایا:-

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الروم - ۴)	تو رشتہ دار کا حق ادا کر اور غریب کا، اور مسافر کا، ایسا کرنا ان لوگون کے لئے بہتر ہے، جو خدا کی ذات کو چاہتے ہین، اور وہی کامیاب ہین،

مذاہب مین اخلاق کا بنیادی اصول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اصول اخلاق کی

Marfat.com

جو تکمیل ہوئی اس کا پتہ اخلاق کے نفس بنیادی اصول سے چلتا ہے، توراۃ نے اپنے اخلاقی تعلیمات میں شاہی احکام کی شان رکھی ہے جس میں کسی اصول اور غرض و غایت اور علت مصلحت کی کوئی تشریح نہیں کی جاتی، انجیل میں لفظی صناعیوں کے سوا ان اخلاقی احکام کی کوئی دوسری بنیاد ہی قائم نہیں کی گئی ہے تاہم عیسائی مذہب میں کچھ اصول ضرور موجود ہیں، مگر ان کی بنیاد حد درجہ کمزور ہے، ان میں سے پہلا مسئلہ خود اصل خلقت انسانی کا ہے سوال یہ ہے کہ انسان کی ہستی کا صحیفہ اپنی اصل خلقت میں سادہ ہے، یا گناہوں سے داغدار ہے، عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اصل میں گنہگار پیدا ہوتا ہے، گناہ اس کا مایۂ خمیر ہے، کیونکہ اس کے باپ اور ماں حضرت آدم اور حوا گنہگار تھے، اور یہ موروثی گناہ ہر انسان کی فطرت میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے جس سے بچنا انسان کے لیے ممکن نہیں، اس مسئلہ میں مسیحی تعلیم کا غلو اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ اس کے نزدیک ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ جب تک بپتسمہ نہ پالے پاک نہیں ہوتا، اگر کسی عیسائی کا بچہ بھی اس سے پہلے مرجائے، تو وہ گنہگار مرا، اور آسمانی بادشاہی کے حدود میں وہ داخل نہ ہوگا، بلکہ وہ جہنم میں جھونکا جائیگا کیونکہ مسیح کے نام سے اس نے نجات نہیں پائی تھی،

لیکن اسلام کا اصول اس سے بالکل جداگانہ ہے، اس کے نزدیک تو ہر انسان اصل فطرت پر ہے، فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا (روم) یہ وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا پھر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے ازلی سوال کے جواب میں بلیٰ کہہ کر خدا کا اقرار ہر انسان ازل ہی میں کرچکا ہے اس لیے اس دنیا میں اگر کسی نے اپنے فطری اور ازلی اقرار کے بعد اس کا انکار کیا تو

اس کا وہ اقرار و اعتراف اس کی بے گناہی کے لیے کافی ہے، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی لوحِ فطرت پر جو زرین حروف لکھے ہیں، وہ اپنے ہوش و تمیز کے بعد یا اُن کو اُبھار کر چمکا دیتا ہے یا مٹا ڈالتا ہے، فرمایا:-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین)	ہم نے انسان کو اچھی سے اچھی راستی پر پیدا کیا۔

یعنی ہم نے اس کی خلقت بہترین تقویم اور راستی پر بنائی ہے، دوسری جگہ ارشاد ہوا:-

اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ (انفطار-۱)	جس خدا نے تجھ کو بنایا، پھر تجھ کو برابر کیا، پھر تجھ کو ٹھیک کیا، پھر جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا۔

یہ آیت سورۂ انفطار کی ہے اس میں قیامت اور حشر و نشر یعنی انسان کی جزا و سزا کے مقررہ دن کا بیان ہے، اس کے بعد یہ آیت ہے جس لفظ کا ترجمہ "ہم نے ٹھیک کیا" کیا گیا ہے، اس کے لفظی معنی "معتدل کیا" کے ہیں یعنی اس کو قویٰ کا ہر قسم کا اعتدال بخشا بینائی وغیرہ مفسرین نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس میں کمالات کے حصول کی پوری استعداد عنایت کی، اس سے ثابت ہوا کہ اعتدال کے عموم میں اس کے جسمانی اور روحانی دونوں قویٰ کا اعتدال داخل ہے، دوسری آیتوں میں یہ مفہوم اور زیادہ واضح بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ انعام میں ہے،

Marfat.com

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى، وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى،

(اعلیٰ - ۱)

اپنے بلند و برتر پروردگار کی پاکی بیان کر جس نے پیدا کیا، پھر برابر کیا، اور جس نے ہر قسم کا اندازہ درست کیا، پھر راہ دکھائی۔

راہ دکھانا یعنی ہدایت، انسان کی فطرت میں اس نے اسی طرح ودیعت رکھا ہے جس طرح اس میں دوسرے بیسیوں قویٰ اس نے ودیعت رکھے ہیں، سورۂ دہر میں اس سے بھی زیادہ صاف ہے،

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا، إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝

(دھر - ۱)

ہم نے انسان کو ایک بوند کے لچھے سے پیدا کیا، پلٹتے رہے اس کو، پھر کر دیا اس کو سنتا دیکھتا ہم نے اس کو راہ سوجھا دی تو دیا شکر گذار (نیکوکار) ہوتا ہے یا ناشکر (بدکردار)

غرض اس کو یہ رہنمائی اور ہدایت پہلے ہی دن دے دی گئی، اب عقل و تمیز آنے کے بعد خدا کا شکر گذار یا ناشکر، نیکوکار یا بدکردار، اچھا یا برا ہو جانا خود اس کا کام ہے سورۂ شمس میں اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا، قَدْ أَفْلَحَ

قسم ہے ہر نفس کی اور اس کو ٹھیک بنانے کی، پھر ہم نے اس کو الہام کر دیا برا یا

Marfat.com

مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا، (شمس - ۱)

سوجھا دیا،) اس کی نیکی اور بدی، تو کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک وصاف رکھا، اور ناکام ہوا، وہ جس نے اوس کو مٹی میں ملا دیا (گندہ کر دیا)

الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے رو سے انسانی فطرت کو پیدائش کے ساتھ ہی گناہگار اور عصیان کار نہیں ٹھہرا گیا ہے، بلکہ اس کی اصلی فطرت میں ہدایت اور صحیح الہام ودیعت ہی، اسی لئے یہ کہا گیا،

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا، فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ، (روم - ۴)

سو تو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت، جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا، خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے،

یہ دین فطرت اسلام اور اس کی تعلیمات ہیں جن کی بنیادی چیز توحید ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جس طرح ہر جانور کا بچہ اصل

ہیں یعنی صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے، وہ کن کٹا نہیں پیدا ہوتا؟[۱] اسی طرح انسان کا بچہ بھی اپنی صحیح فطرت اور صالح خلقت پر پیدا ہوتا ہے، وحی محمدی نے اسی مسئلہ کو ایک اور ازلی مکالمہ کی صورت میں بیان کیا ہے، انسان کی موجودہ جسمانی پیدایش کے سلسلہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسانی ارواح سے دریافت فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ انھوں نے اپنی زبان حال یا قال سے بالاتفاق جواب دیا، بَلٰی ہاں بیشک تو ہمارا پروردگار ہے" یہی ازلی اور فطری اعتراف انسان کا وہ عہد ہے جس کو قرآن نے بار بار یاد دلایا ہے، اور کہا ہے کہ "دیکھو شیطان نے تمہارے باپ آدم کو بہکایا تھا، تو تم اس کے بہکانے میں نہ آؤ؛

ان تعلیمات کا لازمی نتیجہ یہ عقیدہ ہے کہ انسان اپنی اصل فطرت میں معصوم اور بے داغ پیدا ہوتا ہے، وہ پیدا ہونے کے ساتھ اپنے باپ کے موروثی گناہ کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد کر نہیں لاتا، قرآن کا فیصلہ یہی کہ

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (فاطر - ۳) اور ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا،

کُلُّ امْرِئٍ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ (طور - ۱) ہر نفس اپنے ہی عمل میں گروی ہے،

اور اسی کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الا لا یجنی جان علی ولدہ ولا مولود علی والدہ[۲] ماں باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں اور نہ بیٹے کے جرم کا باپ،

[۱] صحیح بخاری و مسلم کتاب الایمان
[۲] سنن ابن ماجہ کتاب الحج باب الخطبہ یوم النحر

Marfat.com

اسی طرح اُن مذہبون نے بھی جنھون نے انسانون کو آواگون اور تناسخ کے چکر مین پھنسا رکھا ہے، انسانیت کی پیدائش کو ایک طرح سے گنہگار، اور داغدار ٹھرایا ہے انھون نے انسانیت کی پیٹھ پر ایک بڑا بھاری بوجھ رکھدیا ہے، اس کی ہر پیدائش کو دوسری پیدائش کا، ہر زندگی کو دوسری زندگی کا، اور ہر جنم کو دوسرے جنم کا نتیجہ بتاکر اس کو اپنے پچھلے کرمون کے ہاتھون مین مقید کر رکھا ہے، یعنی اس سے پہلے کہ وہ پیدا ہو، اس کے اعمال کا دفتر سیاہ ہوچکا ہے،

اب غور کیجیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم کہ انسان اپنی فطرت مین بے گناہ، اور بے داغ ہے، غمگین دنیا کے لئے کتنی بڑی عظیم الشان خوشخبری ہے. اسی کا نتیجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اس سراسر ظلم اور بے انصافی کے عقیدہ سے پاک ہے کہ معصوم اور ناکردہ گناہ بچے بھی گناہگار اور جہنم کا ایندھن ہے، آپ کی تعلیم یہ ہے کہ ہر بچہ اپنے ہوش وحواس، عقل وتمیز سے پہلے تک معصوم اور بے گناہ ہے فرمایا کہ خدا کا قلم بچہ سے اس وقت کے لئے اٹھا دیا گیا، جب تک وہ عقل وتمیز کو نہ پہنچے[1]

باغ ہستی کی یہ انسانی کلیان جو بن کھلے مرجھا گئین، اسلام کی نگاہ مین جنت کے پھول ہین، آپ نے فرمایا کہ جس مسلمان کے بچے بچپن مین مرگئے، وہ خدا کے دربار مین اپنے ماں باپ کے شفیع ہون گے، اور ان کو جنت مین لے جائین گے[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شیرخوار صاحبزادہ نے جب وفات پائی، تو فرمایا "یہ جنت مین جاکر جنتی دایون کا دودھ پیے گا"[3]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الطلاق وترمذی فی من لایجب علیہ الحد [2] صحیح مسلم باب فضل من یموت لہ ولد [3] ابن ماجہ کتاب الجنائز،

Marfat.com

اس سے زیادہ یہ کہ مشرکین کے کم سن بچوں کی نسبت آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ بے گناہ کہاں رہیں گے، فرمایا خدا کو علم ہے کہ یہ کیا ہوتے[۱] لیکن دوسرے موقع پر اس کی تصریح فرمادی۔ ایک دفعہ رویا میں حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا کہ وہ جنت میں بیٹھے ہیں، اور ان کے چاروں طرف کمسن بچوں کا ہجوم تھا فرمایا یہ وہ کمسن بچے تھے جو دین فطرت پر مرگئے، صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! اور مشرکوں کے بچے! فرمایا اور مشرکوں کے بچے بھی[۲] ان تصریحات کا نتیجہ یہ تھا کہ بعض صحابہ کمسنی میں مرجانے والے بچہ کو بہ تخصیص جنتی کہہ اٹھتے تھے لیکن چونکہ غیب پر حکم لگانا صرف خدا کا کام ہے، اس لئے تعیناً کسی خاص بچہ کی نسبت ایسا کہہ دینا آپ نے مناسب نہیں سمجھا، ایک دفعہ ایک صحابی کا بچہ مرگیا تھا، ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اس سانحہ کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، یا رسول اللہ! اس کو مبارک ہو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا تھی، نہ گناہ کیا نہ گناہ کرنے کا زمانہ پایا، فرمایا اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے کچھ لوگ پیدا کئے ہیں اور جہنم کے لئے کچھ لوگ[۳] ایک طرف عیسائیت ہے، جو بپتسمہ پانے سے پہلے مرجانے والے کمسن بچوں کو جہنم میں جھونکتی ہے، دوسری طرف اسلام ہے جو ان کے لئے جنت کا دروازہ کھولتا ہے، اور ان کے لئے جنازہ کی نماز میں یہ دعا مانگنے کی تعلیم دیتا ہے، خداوندا! اس کو میرے لئے پیشگی کا ذخیرہ بنانا، اس کو میرا ایسا شافع بنانا جس کی شفاعت تیری بارگاہ میں مقبول ہو۔ احادیث میں ایسے موقعوں پر جب

۱؎ صحیح مسلم کتاب القدر ۲؎ صحیح بخاری کتاب التعبیر باب تعبیر الرؤیا بعد صلوٰۃ الصبح ۳؎ یہ حدیثیں صحیح مسلم کتاب القدر میں ہیں نیز امام نووی کی شرح مسلم میں بھی یہ باب دیکھو اور باب فضل من یموت له ولد جلد ۲ ص ۳۳۰ و ۳۳۲ نولکشور،

Marfat.com

کسی ایک نیک عمل سے سارے گناہوں کے معاف ہو جانے کا ذکر آتا ہے، اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فقرہ استعمال کیا ہو کہ وہ پھر ایسا معصوم ہو جاتا ہے کہ گویا اُس کی ماں نے اُسکو آج ہی جنا ہے۔[1]

خوف و رجا

اسی مسئلہ کے قریب قریب ایک اور مسئلہ ہے یونان کے فلسفیوں میں دو گروہ گذرے ہیں، ایک کو رونے والے فلسفی، دوسرے کو ہنسنے والے فلسفی کہتے ہیں، پہلا گروہ وہ ہے جو ہر واقعہ سے نا اُمیدی اور مایوسی کا نتیجہ پیدا کرتا ہے، اس کو دنیا تمامتر تاریک اور خارزار نظر آتی ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جس کو دنیا میں چہل پہل عیش و آرام، اور بہار و رونق کے سوا کچھ سوجھائی نہیں دیتا، پہلے گروہ کی تعلیم یہ ہے کہ خاموش رہو، اور زندگی میں موت کی صورت بنالو کہ دنیا کی آخری منزل یہی ہے، دوسرے کا نظریہ یہ ہے کہ کھاؤ پیو، اور خوش رہو، اور کل کے غم کی فکر نہ کرو، اخلاقی لحاظ سے یہ دونوں راہیں ترمیم کے قابل ہیں پہلے نظریہ پر اگر یقین ہو تو انسان کے تمام قویٰ سرد ہو کر رہ جاتے ہیں، اور وہ دنیا میں کسی کام کے سرانجام دینے کا اہل نہیں باقی رہتا، اور جو دوسرے عقیدہ پر ایمان رکھتا ہے، وہ بادۂ غفلت میں مست و سرشار ہوتا ہے، اور اس کو نیک و بد کی تمیز نہیں رہتی، اسلام کی تعلیم کی شاہراہ ان دونوں گلیوں کی بیچ سے نکلی ہے، وہ ایک طرف دنیا کی فنا اور زوال کا قصہ بار بار سناتا ہے، کہ دل بادۂ غفلت میں سرشار نہ ہو، اور دوسری طرف وہ اس کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونے دیتا، وہ اخیر اخیر وقت تک خدا کے سہارے جینے کی تعلیم

[1] صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیہا و صحیح بخاری و مسلم ترمذی کتاب الحج،

کرتا ہے، اُس کی شریعت میں خدا سے نااُمیدی اور کفر ایک ہے، وہ ایک مسلمان کے دل کو مشکل سے مشکل اوقات میں بھی ناامید بنا کر بے سہارا نہیں ہونے دیتا، قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتہ کی زبانی کہا گیا،

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقَانِطِينَ (حجر-۴) (ابراہیم) ناامیدوں میں سے نہ بن،

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبانی تعلیم ملی،

وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ ۖ اور اللہ کے فیض سے ناامید مت ہو،
إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ اللہ کے فیض سے ناامید وہی ہیں جو
إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (یوسف-۱) خدا کے منکر ہیں،

اس اُمت کے گنہگاروں کو کس پیار سے خطاب ہوتا ہے،

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی
أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ جانوں پر آپ ظلم کیا، تم خدا کی رحمت
اللَّهِ ۚ (زمر-۶) سے ناامید مت ہو،

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں انسان کو ہمیشہ پُراُمید رہنے کی تاکید کی ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے پاس رہتا ہوں[۱] یعنی جیسا وہ میری نسبت گمان کرتا ہے، وہی اُس کے لئے ہوجاتا ہوں، اس بارہ میں اسلام کے عقیدہ کی صحیح آئینہ دار یہ آیت کریمہ ہے،

---

[۱] جامع ترمذی، کتاب الزہد باب فی حسن ظن باللہ تعالیٰ،

Marfat.com

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَائِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ (زمر - ۱)	بھلا ایک وہ جو بندگی مین لگا ہے، رات کی گھڑیون مین سجدہ کرتا ہوا اور کھڑا ہوتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے

یعنی اُس کے دل مین یہ دونون کیفیتین یکجا ہین، گناہون اور تقصیرون کے مواخذہ اور بازپرس کا ڈر بھی ہے، اور خدا کی رحمت کی امّید کا سہارا بھی ہے، خدا کے غضب سے ڈرنا، اور اس کی رحمت کا امیدوار رہنا یہی اسلام کی تعلیم ہے، یہ ڈر اُس کو غافل بیباک اور گستاخ نہین ہونے دیتا، اور یہ امید اس کو مایوس، غمزدہ اور شکستہ خاطر نہین ہونے دیتی اسی لئے ایک مسلمان کا دل ہمیشہ سوء انجام سے خائف لیکن توقعات سے لبریز رہتا ہے اسی کی طرف اشارہ کرکے قرآن اہل ایمان سے کہتا ہے،

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ (نساء - ۱۵)	اور تم کو تو خدا سے وہ امید ہے جو کافرون کو نہین،

یہی وہ ذہنی فرق ہے جو مشکلات کے عالم مین ایک مومن اور کافر کے دل مین پیدا ہوتا ہے، کافر اپنے ہر کام اور ہر عمل کی دنیاوی جزا کا خواہان ہے، اور جب وہ اس کو نہین پاتا، تو دل شکستہ ہو جاتا ہے، وہ کامیابی صرف مادّی ہی کامیابی کو سمجھتا ہے، اور جب وہ نہین ملتی، تو افسردہ ہو جاتا ہے لیکن مومن اگر ظاہری اور دنیاوی مادّی کامیابی سے ہم آغوش نہین بھی ہوتا، تب بھی اس کا دل شادان اور فرحان رہتا ہے،

Marfat.com

کہ اُس نے نیکی کا کام کیا، اور بہر حال اس نیکی کا یہان نہین تو وہان معاوضہ ضرور ملے گا اگر دنیا کی کامیابی نصیب نہ ہوئی تو نہ ہو، خدا کی خوشنودی اور ثواب تو بہر حال ملے گا اسی یقین کا نتیجہ ہے کہ اُس نے مسلمانون کو ہر نیک کام مین جری اور بہادر بنا دیا ہے، اور اُن کو بغیر کسی مادی غرض کے اخلاص کے ساتھ کام کرنا سکھا دیا ہے، اسی کا اثر ہے کہ دنیا کی تمام غیر اسلامی قومون مین ناکامی اور نا اُمیدی کی خودکشیون کا عام طور سے رواج ہے ہندوستان مین ہندو عورتون کے جان دینے کے واقعات ہر روز اخبارات مین پڑھے جاتے ہین، یورپ اور امریکہ کے متمدن ملکون مین ذرا ذرا سی ناامیدی پر خودکشی کر لینا ایک معمولی واقعہ بن گیا ہے، جس وقت یہ سطرین لکھ رہا ہون وارسا (پولینڈ) مین ناکام نوجوان لڑکیون کو خودکشی پر آمادہ کرنے کی ایک مجلس کے قیام کی خبرین اخبارون مین چھپ رہی ہین، مگر کسی مسلمان مین آخیر سے آخیر لحہ مین بھی ناامیدی کا یہ جذبہ پیدا نہین ہوتا، اور خدا کے فضل و کرم سے اُس کی آس نہین ٹوٹتی۔ امیر ہو کہ غریب، تندرست ہو کہ بیمار، اولاد والا ہو کہ بے اولاد، کامیاب ہو یا ناکام، دولت مند ہو یا دیوالیہ، ہر حالت مین وہ پُرامید رہتا ہے، مشکلات مین، بیماریون مین، محتاجیون مین، ناکامیون مین ہر وقت وہ ہمت کے ساتھ خدا کی رحمت کا امیدوار ہے، اور یقین رکھتا ہے کہ ناامیدی اور کفر دونون اس کے مذہب مین ایک ہین، اور اس کے عمل کا معاوضہ اگر یہان نہین تو وہان ضرور ملے گا کہ اس کے خدا کا یہ وعدہ ہے کہ

اِنِّی لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ — مین تم مین سے کسی کام کرنے والے

مّنکمؕ (آلِ عمران ۔۲۰) کے کام کو ضائع نہین کرتا،

اخلاق اور رہبانیت

اخلاق درحقیقت انسانون کے باہمی تعلقات مین خوش نیتی، اور اچھائی برتنے کا نام ہے یا یون کہیے کہ ایک دوسرے پر جو انسانی فرائض عائد ہین ان کو ادا کرنے کو کہتے ہین، اخلاق کی اس حقیقت ہی سے واضح ہے کہ اخلاق کے وجود کیلئے باہم انسانون مین تعلقات اور وابستگی کا وجود ضروری ہے، جو رہبانیت، تجرد اور جوگی پن مین نہین پائی جاتی ہے، اسی لیے گوشہ نشینی، عزلت گزینی، خلق سے کم آمیزی، جماعت سے علیحدگی، اہل وعیال، عزیز وقریب اور دوست واحباب کے تعلقات سے آزادی اخلاق کے استعمال کے موقع ہی کو کھو دیتی ہے، یا کم کردیتی ہے،

اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت اس لیے ہے کہ خلق سے قطعِ تعلق اور گوشہ نشینی نے مذہب مین اکثر نیکی اور دینداری کی بہترین شکل کی حیثیت حاصل کرلی ہے، اسلام سے پہلے راہب اور جوگی اسی اصول پر اپنی زندگی بسر کرتے تھے، اور وہ خود اور اُن کے عقیدتمند بھی اس کو اُن کی انتہائی نیکوکاری اور دینداری قرار دیتے تھے، لیکن حقیقۃً ان مذہبی افراد اور جماعتون نے زیادہ تر اس پردہ اور حجاب کو اس لئے اختیار کیا کہ اس سے ایک طرف اپنے کو عام نظرون سے چھپاکر بادشاہون کی طرح اپنے رعب داثر کو نمایان کرنے اور اپنے کو بالاتر ہستی تصوّر کرانے مین مدد ملے، اور دوسری طرف اپنی زندگی کو زیرِ پردہ رکھ کر جھوٹا تقدس اور جھوٹی دینداری کا ڈھونگ کھڑا کرسکین، اور تیسری طرف اپنی اس عزلت نشینی کے جھوٹے غدر کی بنا پر کسی ملامت کا نشانہ نہ بنے بغیر اہل وعیال،

اعزہ و اقارب، دوست واحباب اور قوم وملت کے فرائض وحقوق بجالانے کی تکلیف سے بچ جائیں، اسی لئے اسلام نے اپنے اصولِ اخلاق میں رہبانیت، جوگیانہ اور مجردانہ زندگی کی ہمت افزائی نہیں کی ہے، نبوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری ۲۳ برس کی زندگی اسی مجمعِ انسانی میں رہ کر اور تمامتر انسانی جدوجہد میں شریک ہو کر گذاری ہے، یہی طرزِ عمل خلفائے راشدینؓ اور چند کے سوا تمام اکابر صحابہؓ کا تھا، اور پورا قرآن پاک اسی انسانی جدوجہد اور انسانی مجمع کے ساتھ عمل صالح کی تعلیم سے بھرا ہوا ہے، تجرد، علیحدگی، خلوت نشینی، ترک عمل اور ترک جماعت کے لئے ایک اشارہ بھی پورے قرآن میں موجود نہیں ہے۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ جماعتی حقوق اور فرائض جماعتوں کے اندر ہی رہ کر ادا ہو سکتے ہیں ان سے ہٹ کر نہیں، وہ لوگ جو آبادی سے دور کسی جنگل یا ویرانہ میں گوشہ گیر اور عزلت نشین ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں، کیا وہ جماعتی مشکلات کو حل کرتے ہیں؟ کیا وہ قوم کی اخلاقی نگرانی کا خاص فرض انجام دیتے ہیں؟ کیا وہ غریبوں کا سہارا بنتے ہیں؟ کیا وہ یتیموں کے سرپرست ہیں؟ کیا وہ خلقِ الٰہی کی کوئی خدمت کرتے ہیں؟ کیا وہ لوگوں کو گمراہی اور ضلالت سے بچاتے ہیں؟ کیا وہ اپنے دست وبازو سے اپنی روزی کماتے ہیں؟ کیا وہ تبلیغ و دعوت، تعلیم وموعظت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور جہاد جیسے فریضوں سے عہدہ برآ ہیں؟ حالانکہ اخلاقی عبادتوں کے یہی بہترین مواقع ہیں اس لئے اسلام کی نظر میں نجات کی کامیابی کا یہ مستحسن طریقہ نہیں، قرآن پاک کہتا ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ۔ تم اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو بھی

(تحریم - ۱) دوزخ کی آگ سے بچاؤ،

یعنی انسان کا فرض اپنے ہی کو آگ سے بچانا نہین، بلکہ اپنے ساتھ دوسرون کو بھی بچانا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور سے تمام مسلمانون کو خطاب کرکے فرمایا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ تم مین سے ہر ایک دوسرے کا ذمہ دار اور نگران ہے، اور اس سے اُس کی ذمہ داری اور نگرانی مین آئے ہوئے لوگون کی نسبت پوچھا جائے گا، امیر اپنی رعیت کا چرواہا، مرد اپنے اہل و عیال کا رکھوالا، اور بیوی اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے[1]۔

جماعتی مصیبتین جب آتی ہین تو کنارہ گیر اشخاص کو بھی نہین چھوڑتین، یہ آگ اندر اور باہر سب کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، اسی لئے وحی محمدی نے اس نکتہ کو علی الاعلان ظاہر کر دیا، اور کہا،

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (انفال ۳) اور اس فساد سے بچو جو چُن کر صرف گنہگارون ہی پر نہین پڑے گا،

بلکہ اس کی لپٹ گنہگار و بے گناہ سب تک پہنچے گی کہ اگر جماعت اپنے نزدیکی مجرم ہوتی ہے تو کنارہ گیر اپنے تبلیغ کے فرض سے غافل رہے، چنانچہ قرآن پاک مین اصحاب سبت کے قصہ مین ان کنارہ گیر اور فرضِ تبلیغ سے بے پروا رہنے والے اشخاص کو بھی گنہگارون

[1] صحیح بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجہا، ص ۸۳۴۔

ہی میں شامل کیا ہے،

دنیا درحقیقت جدوجہد اور دار وگیر کا ایک میدان ہے، جس میں تمام انسان باہمی معاونت سے اپنا اپنا راستہ طے کر رہے ہیں، راستہ میں سب لوگوں کے ساتھ چلنے میں یقیناً بہت کچھ تکلیفیں ہیں، ہر ایک کو دوسرے کی تکلیف و آرام کا خیال دکھانا کرنا پڑتا ہے، اسی لئے وہ شخص جو ان جماعتی مشکلات سے گھبرا کر الگ ہو جاتا ہے، اور صرف اپنا بوجھ اپنے کندھے پر رکھ کر چل کھڑا ہوتا ہے، دنیا کے معرکہ کا ایک نامرد سپاہی ہے، بیہقی نے شعب الایمان میں اور ترمذی نے جامع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے،

انّ المسلم الّذی یخالط	وہ مسلمان جو لوگوں میں مل جل کر رہتا
النّاس ویصبر علیٰ اذا ھم	ہے، اور اُن کی تکلیف دہی پر صبر کرتا
افضل من الذی لا یخالط	ہے، اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے
النّاس ولا یصبر علیٰ	نہیں ملتا اور اُن کی تکلیف دہی پر صبر
اذا ھم[1]	نہیں کرتا،

گوشہ گیری اور جماعت سے علیحدگی کی اجازت اسلام نے صرف ایک ہی صورت میں دی ہے کہ جماعت کا قوام اتنا بگڑ جائے کہ ان کا کوئی مرکزی نظام باقی نہ رہے، اور فتنہ وفساد کے شعلے اتنے بھڑک اٹھے ہوں کہ ان کا بجھانا قابو سے باہر ہو جائے، تو ایسے

---

[1] شعب الایمان بیہقی و جامع ترمذی کتاب الزہد ص ۱۲۴،

وقت میں وہ اشخاص جو اس فساد کے روکنے اور اس آگ کے بجھانے کی طاقت اپنے میں نہ پائیں، وہ مجمع سے الگ ہو جائیں، فتنہ میں عزلت نشینی کی حدیثیں اسی موقع سے تعلق رکھتی ہیں، ورنہ ہر قدمی ہمت مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس حالت میں تبلیغ اور امر معروف کے فرض کو ادا کر کے جماعت کے بچانے میں پوری کوشش صرف کردے یہی وہ نمونہ ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پیش کر دیا اور تمام بڑے بڑے صحابہ نے اپنے اپنے دائرہ میں اسی کی پیروی کی،

آپ نے فرمایا کہ "بدی کو اپنے ہاتھ سے روکنا اور مٹانا ہر مسلمان کا فرض ہے، اگر ہاتھ سے نہ مٹا سکے تو زبان سے مٹائے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کو دل سے برا سمجھے، اور یہ سب کمزور ایمان ہے"[1]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسلام کے اس اصولِ اخلاق کو پیش نظر رکھنے سے اسلام کا ایک دوسرا اخلاقی اصول بھی خود بخود سامنے آجاتا ہے کہ تعلیم محمدی میں جماعت کے افراد پر ان کی قوت کے بقدر جماعت کے دوسرے افراد کی نگرانی فرض ہے، اسی اخلاقی فرض کا شرعی نام "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" (یعنی اچھی باتوں کے لئے کہنا اور بری باتوں سے روکنا) ہے، قرآن پاک نے مسلمانوں کا یہ ممتاز وصف قرار دیا ہے،

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ — تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان،

Marfat.com

لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	کے لئے باہر لائی گئی، اچھی بات کا حکم
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)	دیتے ہو اور بری بات سے روکتے ہو۔
يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ	وہ اچھی بات کا حکم دیتے ہیں اور
عَنِ الْمُنْكَرِ (توبہ-۹)	بری بات سے باز رکھتے ہیں۔

پھر خاص طور سے حکم ہوا،

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ	اچھی بات کا حکم دے اور بری بات
الْمُنْكَرِ (لقمان-۲)	سے روک۔

مسلمانوں کی تصویر یہ ہے کہ

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا	اور وہ آپس میں سچائی اور ثبات قدم
بِالصَّبْرِ (العصر)	کی ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا	اور آپس میں ثابت قدم رہنے اور مہربانی
بِالْمَرْحَمَةِ،	کرنے کی ایک دوسرے کو نصیحت
(بلد-۱)	کرتے ہیں۔

یہ وہ تعلیم ہے جو تمام دنیا کے مذاہب میں اسلام کی اخلاقی نگرانی کے اصول کو نمایاں کرتی ہے، اور قومی دل اور قومی ہمت افراد کا یہ فرض قرار دیتی ہے کہ وہ جماعت اور سوسائٹی کے مزاج اور قوام کی نگہبانی اور اس کے بھلائی کی دیکھ بھال کرتے رہیں،

توراۃ میں قابیل کا یہ فقرہ کہ کیا میں اپنے بھائی کا رکھوالا ہوں؟ جو عیسائی مذہب کے

اخلاق کا ایک اہم اصول بن گیا ہے۔ اسی اخلاقی اصول نے یورپ کے اس قانونی مسئلہ کی صورت اختیار کر لی ہے جس کا نام "شخصی آزادی کی بحالی" ہے لیکن اسلام کے قانون مین اس کے برخلاف واقعی ہر شخص اپنے بھائی کا رکھوالا بنایا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرمایا جیسا کہ ابھی گذرا کہ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ "تم مین ہر شخص نگہبان ہے۔ اور تم مین ہر شخص سے اُس کے زیر ذمہ داری لوگون کی نسبت بازپرس ہوگی" قرآن پاک مین صراحت کے ساتھ لوگون کو نیکی کی ہدایت کرنے اور بدی سے بچنے اور باز رکھنے کا فرض مسلمانون پر واجب ٹھرایا گیا ہے تاکہ سوسائٹی کی شرم اور جماعت کا خوف لوگون کی نیک چلنی کا ضامن ہو سکے۔ اور ساتھ ہی جماعت کا ہر فرد اپنے دوسرے بھائی کو ضلالت کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی مین لانے کا ذمہ دار ٹھرے،

قرآن پاک مین اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ایک قصہ بیان فرمایا ہے بنی اسرائیل کے لئے سبت کے دن کسی قسم کا دنیاوی کام کرنا حرام تھا، بنی اسرائیل کی ایک آبادی سمندر کے کنارہ آباد تھی، وہ حیلہ کر کے سبت کے دن مچھلی پکڑ لیتی تھی، اس موقع پر اس آبادی مین تین گروہ ہوگئے ایک وہ جو اس گناہ کا علانیہ مرتکب ہوتا تھا، دوسرا وہ جو اس فعل سے اُن کو باز رکھنے کی کوشش کرتا تھا، اور اس کو سمجھاتا تھا تیسرا وہ جو گو اس فعل مین شریک نہ تھا لیکن اُن کو سمجھانے اور باز رکھنے کی کوشش بھی نہین کرتا تھا، بلکہ خود سمجھانے والون سے کہتا تھا کہ ایسے ناشنوا لوگون کو سمجھانے سے کیا فائدہ؟ جن کو اللہ تعالیٰ اُن کے اُس جرم کی پاداش مین ہلاک کرنے والا ہے لیکن اُن پر عذاب الٰہی آیا تو صرف دوسرا

Marfat.com

گروہ بچ گیا جو اپنے تبلیغ کے فرض کو ادا کر رہا تھا، بقیہ پہلا اور تیسرا گروہ برباد ہو گیا، پہلا تو اپنے گناہ کے بدولت، اور دوسرا اپنے فرض تبلیغ کو ترک کرنے کے سبب سے، سورۂ اعراف کے بیسویں رکوع میں یہ پورا قصہ مذکور ہے، آخر میں ہے،

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ	اور جب ان میں سے ایک فرقہ بولا
تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ	کہ تم کیوں ایسے لوگوں کو نصیحت
اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ	کرتے ہو، جن کو خدا برباد کرنے والا
قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ	یا سزا دینے والا ہے، انھوں نے
وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ فَلَمَّا	جواب دیا کہ ہم تمھارے رب کے
نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا	آگے اپنے سے الزام اتارنے کے لئے
الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ	اُن کو نصیحت کرتے ہیں، اور شاید
وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا	کہ یہ نیک بن جائیں، تو جب وہ
بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا	بھول گئے جو ان کو سمجھایا گیا تھا تو
يَفْسُقُوْنَ ،	ہم نے اُن کو جو منع کرتے تھے بچا لیا،
(اعراف - ۲۱)	اور گنہگاروں کو ان کی بے عملی کے
	سبب برے عذاب میں پکڑا،

یہ قصہ بتاتا ہے کہ اسلام کی نظر میں اپنے دوسرے بھائیوں کو گرنے سے بچانا، اور گرتوں کو سنبھالنا اور سہارا دینا کتنا اہم ہے! اور اس کے اخلاقی فرائض کا یہ کیسا

Marfat.com

ضروری حصہ ہے، کہ اگر اس کو ادا نہ کیا جائے تو وہ بھی ایسا ہی گنہگار ہے، جیسا وہ اس فعل کا مرتکب ہوا، البتہ بھائی کا فرض اُس کو سمجھا دینے اور بتا دینے کے بعد ختم ہو جاتا ہے، زبردستی منوا دینا اس کا فرض نہین، اور اُس کا کیا، بلکہ خود رسولؐ کا بھی یہ فرض نہین، فرمایا،

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ — رسول کا کام فقط پیام پہنچا دینا ہے،
(مائدہ ۱۳ و نور)

اگر یہ فرض ادا ہو گیا تو اس کے سر سے ذمہ داری اُتر گئی، اسی لئے سورۂ مائدہ مین فرمایا:-

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ — اے ایمان والو! تم پر اپنی جان کی فکر لازم ہے، تم اگر سیدھے راستہ پر ہو تو جو کوئی بھٹکا وہ تمھارا کچھ نہین بگاڑتا،
(مائدہ - ۱۴)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس آیت پاک کو پڑھ کر لوگون سے کہا کہ لوگو! تم کو اس آیت کے ظاہری معنی دھوکے مین نہ ڈالین کہ مین نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے، کہ اگر ظالم کو ظلم کرتے لوگ دیکھین اور پھر اُس کے دونون ہاتھ نہ پکڑلین تو ہو سکتا ہے کہ وہ سب کے سب عذاب مین گرفتار ہو جائین، ایک دوسرے صحابی ابو ثعلبہؓ سے اس آیت کے معنی پوچھے گئے، تو جواب دیا کہ مین نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے معنی

دریافت کئے تو فرمایا کہ نہیں بلکہ نیکی کا باہم حکم کرو، اور بدی سے ایک دوسرے کو روکو، لیکن جب دیکھو کہ حرص اور بخل کی اطاعت ہو، اور خواہش نفسانی کی پیروی ہے، اور دنیا کو دین پر ترجیح دی جارہی ہے، اور ہر ایک اپنی رائے پر آپ مغرور ہے، تو اس وقت عوام کو چھوڑ کر اپنی خبر لو، کہ تمھارے بعد وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں ثابت قدم رہنا شعلہ کو ہاتھ سے پکڑنا ہے[1]

ان تعلیمات نے اخلاق کے اس غلط اصول کو کہ "کیا میں اپنے بھائی کا رکھوالا ہوں" منسوخ کردیا، واقعہ یہ ہے کہ جب تک اخلاقی تعلیمات کو جماعت اپنے ہاتھ میں نہیں رکھے گی، ان کی حفاظت نہیں ہوسکتی، قوموں کے رسوم و آداب اور اٹیکیٹس اسی اصول پر قائم ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ بظاہر اخلاقی امور ہر شخص کے پرائیوٹ اور نج کی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا نفع و نقصان کرنے والے کی ذات تک محدود ہے، مگر ذرا گہری نظر سے دیکھئے، تو معلوم ہوگا کہ ان کے اثرات اور نتائج پوری سوسائٹی کو متاثر کرتے ہیں، ان کا اثر ایک سے دوسرے تک اور دوسرے سے تیسرے تک پہونچتا ہے، اور اسی طرح رفتہ رفتہ پوری سوسائٹی میں پھیل جاتا ہے، دوسرے یہ کہ اگر ان کی روک تھام نہ کی جائے، تو ان برائیوں کی برائی نہایت ہلکی ہوکر رہ جاتی ہے، اور لوگ اس کو ایک معمولی بات سمجھنے لگتے ہیں، اور آہستہ آہستہ یہ زہر اتنا پھیلتا ہے کہ ان برائیوں کا برا ہونا بھی مشکوک معلوم ہونے لگتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند روز میں پوری قوم کا اخلاقی

---

[1] یہ دونوں حدیثیں ترمذی کتاب التفسیر (مائدہ) میں ہیں، ص ۴۹۸ و ۴۹۹۔

مزاج فاسد ہو جاتا ہے، اور وہ اپنی بلندی کے معیار سے نیچے گر جاتی ہے، ترمذی مین ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی مجلس مین فرمایا کہ بنی اسرائیل مین اخلاقی تنزل اسی طرح شروع ہوا کہ جب اُن مین بُرائی پھیلنے لگی، تو پہلے تو اُن کے علمار نے منع کیا لیکن جب وہ نہ رُکے تو وہ اُن کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے اور کھانے پینے لگے صحبت کے اثر سے وہ بھی ایسے ہی ہو گئے، اللہ تعالی نے داوُدؑ اور عیسیٰؑ کی معرفت اُن پر لعنت کی، اس کے بعد آپ سنبھل کر بیٹھ گئے، اور فرمایا "نہین جب تک تم ظالم کا ہاتھ نہ پکڑو، اور اس کو حق پر نہ جھکا دو۔"[۱]

یہ ہے اس باب مین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم!

اس کے چند شرائط

لیکن یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر جاہل و عامی کا فرض نہین ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو وہ اس کے بہانہ سے فتنہ و فساد پیدا کر دے گا، یہ حق سب سے اول اسی شخص کو حاصل ہے جو خود ان برائیون سے بچا ہے، قرآن نے کہا،

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ	کیا تم دوسرون کو نیکی کا حکم دیتے ہو،
أَنْفُسَكُمْ (بقرہ - ۵)	اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو،

اسی طرح یہ ضروری ہے کہ نصیحت اور فہمایش، خوش اسلوبی، نرمی اور مصلحت کے ساتھ کی جائے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا،

اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	تو اپنے رب کے راستہ کی طرف دانائی

[۱] جامع ترمذی تفسیر مائدہ،

Marfat.com

وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (نحل ۱۶) سے اور اچھی نصیحت سے بلا،

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا گیا تو کہہ دیا گیا،

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ ۲) تم دونوں اس سے نرمی سے باتیں کرنا

ایک اور جگہ تعلیم دی گئی،

وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ اور تو ان کو نصیحت کر، اور ان سے کہہ

قَوْلًا بَلِيغًا، (نساء ۹) ان کے دل تک پہنچ جانے والی بات

یہ تمام احتیاطیں اور تاکیدیں اس لئے ہیں کہ لوگوں میں ضد اور کد نہ ہونے پائے، اور نیکی کے بجائے برائی کا اندیشہ نہ پیدا ہو جائے،

امن و امان کا قائم رکھنا امام کے ہاتھ میں ہے اس لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ایسے فوجدارانہ اور زبردستی کے کارنامے انتظامات جن کے لئے تنفیذی قوت درکار ہو صرف حکومت کا فرض ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ایک برائی کے روکنے کے لئے دوسری قسم کی اور بیسیوں برائیوں کا ارتکاب ہو جائے،

تجسس اور غیبت کی ممانعت یہ بات کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصل مقصد سوسائٹی کی اصلاح اور جماعت کی اخلاقی حفاظت ہے، اس سے واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے دوسروں کے ذاتی معائب کی تحقیق و تفتیش کی جس کا نام تجسس اور ٹوہ لگانا ہے، ممانعت کی ہے، کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کے گھر گھس کر اس کی حالت و کیفیت کی جستجو کرے، یہاں تک کہ اسلام کے لٹریچر کا یہ عام محاورہ بن گیا ہے کہ

Marfat.com

ع محتسب را درونِ خانہ چہ کار

اس کا سبب یہی ہے کہ اس طریقۂ اصلاح سے فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جاتا اور کوئی شخص اپنے گھر میں بھی محفوظ نہ رہتا لیکن اس کی ممانعت کا اصلی راز یہ ہے کہ جو شخص گھر میں چھپ کر کوئی برا کام کرتا ہے اس کا اثر صرف اس کی ذات تک محدود رہتا ہے جماعت تک اس کا اثر نہیں پہنچتا اس لئے جماعت کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں، اور اسی کے ساتھ ایک اور نکتہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی مخفی گناہ کرتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں شرم و حیا کا جوہر ابھی موجود ہے، جو ممکن ہے کہ آگے چل کر اس کی ہدایت کا سبب بن جائے لیکن اگر لوگ اسکو چھپ چھپ کر دیکھتے پھریں تو ڈر ہے کہ ضد اور ہٹ کی باد تند سے اُس کے دل کی یہ دھندلی روشنی بھی گل نہ ہوجائے، اسلام میں کسی گھر یا کمرہ میں بے اجازت داخلہ کی جو ممانعت ہے اُس کی غلت بھی یہی ہے جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ظاہر فرمادیا ہے، کہ انما الاذن لاجل الرؤیۃ یعنی کسی کے گھر میں داخلہ کی اجازت مانگنا اسی لئے ہے کہ وہ اُس کو نہ دیکھے،

اس سلسلہ میں ایک اور اصول یہ ہے کہ اس کی غیبت نہ کی جائے یعنی اس کی بُرائی اُس کے پیچھے دوسروں سے نہ کی جائے کہ یہ اصلاح کی تدبیر نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ اُس کو جب یہ معلوم ہو تو واعظ و ناصح کی طرف سے اس کو ملال ہو اور اس میں مخالفت کی ضد پیدا ہوجائے اور پھر اُس کی اصلاح کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجائے چنانچہ وحیِ محمدیؐ نے اسی لئے تجسّس اور غیبت ان دونوں چیزوں کی قطعی طور سے ممانعت کی، فرمایا،

Marfat.com

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا	اے ایمان والو! بہت سارے گمانوں
كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ	سے بچتے رہو کہ بیشک بعض گمان گناہ
اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ	ہے اور نہ کسی کا اندر کا بھید ٹٹولا کرو اور
بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ	نہ پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہو، بھلا تم میں سے
اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا	کوئی یہ پسند کر سکتا ہے کہ وہ اپنے مرے
فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ	بھائی کا گوشت کھائے ہو سو تم کو گھن
اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ	آئے، اللہ سے ڈرو، بے شبہ اللہ معاف
(حجرات - ۲)	کرنے والا مہربان ہے۔

پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی مردہ لاش کا گوشت اپنے دانتوں سے نوچنا، کہ جس طرح مردہ اپنے اس جسم کی حفاظت نہیں کر سکتا، وہ بھی جس کو تم اس کی غیر حاضری میں برا کہہ رہے ہو اپنے الزام کی مدافعت نہیں کر سکتا، اس غیبت کی ایسے قابل نفرت کام سے تشبیہ جس سے ہر انسان کو فطرۃً گھن آجاتی ہے اس سے زیادہ بلیغ نہیں ہو سکتی، اس کی کراہت کی یہ شدت اسی لئے اختیار کی گئی ہے کہ اس طریقہ سے امر بالمعروف کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، اور نہ اس شخص کی جس کی غیبت کی جاتی ہے اصلاح ہو سکتی ہے، اور نیز اس سے غیبت کرنے والے شخص کی اخلاقی کمزوری برملا ظاہر ہوتی ہے، جو ایک مسلمان کی شان ایمان کے شایان نہیں، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر تم لوگوں کی کمزوریوں کی

Marfat.com

توہ لگاتے پھروگے تو اُن کو برباد کروگے"

غور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات میں اخلاق کے کتنے لطیف نکتے پنہان ہیں،

توسط اور اعتدال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہودیت اور نصرانیت کا دور گذر چکا تھا، اور دنیا ایک ایسے مذہب کا انتظار کر رہی تھی جو ان دونوں کا جامع ہو، اسلام دنیا کی اسی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے آیا اور سلسلۂ نبوت کی ان دونوں بکھری ہوئی کڑیوں کو باہم ملا دیا،

عدل و انصاف ایک ایسی چیز ہے جس نے دنیا کے نظام کو قائم رکھا ہے، اور احسان و رفق و ملاطفت کی آمیزش نے اس کو اور بھی خوشنما بنا دیا ہے لیکن اسلام سے پہلے مذہبی سیاست کے یہ دونوں جزء بالکل الگ الگ تھے جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اب تک دنیا کا نظام غیر مکمل تھا،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت مجسم عدل ہے، اس میں احسان و درگذر کی اخلاقی کشش بہت کم رکھی گئی ہے[1] اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجسم رحمت کا پیام بن کر آئے، اُن کی شریعت میں عدل و انصاف کے قائم کرنے کی روح بہت کم پائی جاتی ہے[2] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے دنیا کے لئے عدل و انصاف کے جو اصول قائم کر دئے تھے، اُس کے مقابل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اخلاقی تعلیم کا اعلان ان لفظوں میں فرمایا :-

---

[1] یہود کی سنگدلی کے سبب سے [2] یہود کی قانونی لفظ پرستی کی اصلاح کے لئے،

Marfat.com

تم نے یہ سنا ہوگا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت[1] لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ برائی کا بُرائی کے ساتھ مقابلہ نہ کرو، بلکہ جو شخص تمہارے داہنے گال پر طمانچہ مارے، اس کے سامنے دوسرا گال بھی حاضر کردو، جو شخص لڑنے جھگڑنے میں تمہارے کپڑے پکڑ لے، اس کو چادر بھی دیدو، جو شخص تم کو ایک میل تک بیگار میں پکڑ لے جائے اُس کے ساتھ دو میل تک چلے جاؤ، جو تم سے مانگے، اس کو دو، جو تم سے قرض لینا چاہے، اُس کو واپس نہ کرو،

تم نے یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ اپنے عزیزوں سے محبت اور اپنے دشمنوں سے بغض رکھو لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو" (متی باب ۵)

حضرت عیسٰی علیہ السلام سے پہلے دنیا سے جو کچھ کہا یا سنا گیا تھا، وہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کا قانون تھا، جو بالکل عدل وانصاف پر مبنی تھا لیکن اب جو کچھ دنیا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے سن رہی تھی، وہ سراسر اخلاق، رحمت، اور احسان تھا لیکن اسلام نے عدل واحسان دونوں میں امتزاج پیدا کرکے دنیا کے نظامِ حکومت کو کامل تر کردیا،

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ، (نحل-۱۳) — بے شبہ خدا، عدل اور احسان (دونوں) کا حکم دیتا ہے،

یہ ایک اصولی تعلیم تھی جس نے شریعتِ موسوی وعیسوی کی دو الگ الگ

---

[1] یہ موسوی شریعت کی طرف اشارہ ہے،

Marfat.com

خصوصیتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

عدل اور احسان

"عدل" اور "احسان" کے صحیح مفہوم کے سمجھنے کے لئے تھوڑی تفصیل کی ضرورت ہے۔ قانون کی بنیاد درحقیقت "عدل" پر ہے، عدل کے معنی برابر کے ہیں، جو شخص کسی کے ساتھ برائی کرے، اُس کے ساتھ اتنی ہی برائی کی جائے، یہ عدل ہے، اور اُس کو چھوڑ دینا اور معاف کر دینا اور درگذر کرنا یہ احسان ہے۔ اسلام میں ان دونوں کے الگ الگ مراتب ہیں، قانون عدل کو جماعت اور سلطنت کے ہاتھ میں اُس نے دیا ہے، یہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے۔ اور احسان ہر شخص کے ہاتھ میں ہے، اور یہ محض شخصی معاملہ ہے۔ قانون عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے، اگر اس کو مٹا دیا جائے تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے، اور کسی کی جان و مال و آبرو سلامت نہ رہے۔ اس لئے قانون کو سرے سے مٹانا جیسا کہ پال نے عیسائیت کو اس رنگ میں پیش کر کے ہمیشہ کے لئے تورات کے قانون عدل کا خاتمہ کر دیا، کبھی دنیا کے لئے قابل عمل نہیں رہا، خود عیسائی سلطنتوں کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے کہ کسی قانون عدل کے بغیر صرف اخلاق کے بھروسہ پر زمین کے ایک چپہ پر بھی امن و امان قائم نہیں رہ سکا، اور نہ برائیوں کی روک تھام ہو سکی۔

ایک اور نکتہ یہ ہے کہ ایک شخص جب جماعت کے کسی فرد کا کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ گناہ درحقیقت اُس شخص کا نہیں ہوتا، بلکہ پوری جماعت کے نظام کا ہوتا ہے، اب اگر پہلی ہی دفعہ اس کی باز پرس نہ کی جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ جرأت پا کر

Marfat.com

اسی گناہ کا ارتکاب جماعت کے کسی دوسرے فرد کے ساتھ کرے، اس لیے کسی مظلوم کو اپنے ظالم کے معاف کر دینے کا پورا پورا حق نہیں ہے، کیونکہ وہ اس طرح ایک فرد کے ساتھ نیکی کر کے جماعت کے ہزاروں لاکھوں افراد کے ساتھ گویا بُرائی کا ارتکاب کر رہا ہے، اس لئے اخلاق کو قانونِ عدل کی جگہ دینے میں بہت کچھ غور و فکر اور احتیاط کی ضرورت ہے، جو شریعتِ محمدیؐ میں پوری طرح برتی گئی ہے، کیونکہ وہ دنیا کی دائمی شریعت بننے والی تھی،

پھر سب لوگ دنیا میں ایک طبیعت اور فطرت کے پیدا نہیں ہوتے، بعض نیک نرم مزاج صابر اور متحمل پیدا ہوتے ہیں، جن کے لئے معاف کر دینا درگذر کرنا، اور بدلہ نہ لینا آسان ہے، اور بعض غصہ ور تند مزاج اور خود پسند پیدا ہوتے ہیں، جو بدلہ اور بدلہ سے زیادہ لئے بغیر چین نہیں لے سکتے، اُن کے لئے اتنی ہی اصلاح بہت ہے کہ بدلہ سے زیادہ کرنے سے اُن کو روک دیا جائے، اور بُرائی کے بقدر کے اصول پر عمل کرنے کے لئے اُن کو رضامند کر لیا جائے، اس لئے ایک عالمگیر شریعت کے لئے جو تمام دنیا کی اصلاح کے لئے آئی ہو، عدل اور احسان دونوں، سو دونوں کی جامعیت کی ضرورت تھی،

قانون اور اخلاق اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ دنیا میں امن و امان اور عدل و انصاف کے قیام اور فتنہ و فساد اور برائیوں کے انسداد کے لئے دو چیزیں ہیں، قانون اور اخلاق، اور گو ان دونوں کا منشا ایک ہی ہے مگر ان کے

منزل مقصود تک پہنچنے کے راستے مختلف ہیں، اور تنہا اُن میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کمی ہے جس کی تلافی دوسرے سے ہوتی ہے، قانون برائیوں کو تو روک دیتا ہے، مگر دل میں اُس بُرائی کی طرف سے کراہت کا کوئی روحانی کیف پیدا نہیں کرتا، جو انسانیت کی جان ہے، اور اخلاق پر عمل کرنے کے لئے ہر شخص کو بزور مجبور نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس کے ذریعہ عدل و انصاف کا قیام اور برائیوں کا استیصال کلیۃً نہیں ہو سکتا، توراۃ محض قانون ہے، اور انجیل محض اخلاق، اسی لئے یہ دونوں الگ الگ امن و امان اور عدل و انصاف کے قیام اور فتنہ و فساد اور بدیوں اور برائیوں کے انسداد کے لئے پوری طرح کافی نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی کامل شریعت لیکر آئے، جو عدل و احسان اور قانون و اخلاق دونوں کو جامع ہے،

اس جامعیت کا اصول شریعتِ محمدیؐ میں دو حیثیتوں سے پایا جاتا ہے، ایک تو یہ کہ اُس نے نہ تو یہودیت کی طرح اخلاق کو بھی قانون کی شکل دے دی، اور نہ عیسائیت کی طرح قانون کو مذہب کے ہر حصہ سے خارج کرکے قانون کو بھی اخلاق بنا دیا، بلکہ اس نے قانون اور اخلاق دونوں کے درمیان حدِ فاصل قائم کرکے ہر ایک کی حد مقرر کر دی، اور اپنی شریعت کی کتاب میں قانون کو قانون کی جگہ اور اخلاق کو اخلاق کی جگہ رکھ کر انسانیت کو تکمیل تک پہنچا دیا،

اسلام نے ان برائیوں کے انسداد کو جن کا اثر براہ راست دوسروں تک پہونچتا قانون کے تحت میں رکھا، مثلاً قتل، سرقہ، رہزنی، تہمت لگانا، چنانچہ ان جرائم کیلئے قرار

Marfat.com

سزا مقرر کی ہے، جو حکومتِ اسلام کی طرف سے دی جا سکتی ہے، اور جو باتین ایک انسان کی ذاتی تکمیلِ نفس کے متعلق تھین، اُن کو اخلاق کے دائرہ مین رکھا، مثلاً جھوٹ نہ بولنا، رحم کھانا، غریبون کی امداد وغیرہ، اس طرح شریعتِ محمدیؐ اس حیثیت سے قانون اور اخلاق دونون کا مجموعہ ہے،

اسلام ایک اور حیثیت سے بھی قانون اور اخلاق کا مجموعہ ہے، قانوناً اُس نے ہر مظلوم اور صاحبِ حق کو یہ اختیار بخشا ہے، کہ وہ چاہے تو توراۃ کے حکم کے مطابق اس کا بدلہ لے، لیکن اس سے بلند تر بات یہ رکھی ہے کہ وہ انجیل کے مطابق اس ظالم کو معاف کر دے، بلکہ برائی کے بجائے اس کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرے، اس مجموعی تعلیم نے حکومت کے قانونِ انتقام وعدل اور شخص کی اخلاقی روحانیت کی تکمیل دونون کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھا ہے، اور اسی لئے وہ نسلِ انسانی کی حفاظت، ترقی اور نشو و نما کی پوری طرح متکفل ہے، وہ عدل و انصاف کے بزور قائم کرنے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے، اور ذاتی اخلاق کے ذریعہ سے لوگون کی روحانی تکمیل مین بھی کسی طرح حارج نہین، وہ یہودیون کی شریعت کی طرح صرف مردہ جسم ہے، اور نہ عیسائیون کی تعلیم کی طرح غیر محسوس روح ہے، بلکہ وہ جسم و جان کا مجموعہ اور زندہ اور محسوس پیکر ہے،

عفو اور انتقام موسوی، عیسوی اور محمدی اخلاقی تعلیمات میں باہم جو بنیادی فرق ہے، وہ اسی قانون اور اخلاق کی علحدگی، اور ترکیب کا نتیجہ ہے، اسلامی قوانین کو پیشِ نظر رکھکر مخالفین نے اکثر کہا ہے کہ پیغمبرِ اسلام کی تعلیم مین اخلاقی روح نہین، لیکن اگر وہ

قانونِ محمدی کے ساتھ ساتھ اخلاقِ محمدی کو بھی سامنے رکھتے تو ان کو یہ شبہ پیش نہ آتا۔ [illegible]
ہو چکا کہ توراۃ کا اصول عادلانہ انتقام پر مبنی ہے، اُس کا حکم ہے،

اور جو انسان کو مار ڈالے گا سو مار ڈالا جائے گا .... اور
اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے سو جیسا کرے گا ویسا پائے گا، توڑنے کے بدلے
توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت (احبار ۲۴-۱۷ خروج ۲۱، ۱۲،
گنتی ۳۵-۳۰ استثناء ۱۹-۲۱)

انجیل کی تعلیم سراسر عفو ہے، اس کا تیکھا وعظ یہ ہے:
تم سن چکے ہو کہ کہا گیا، آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، پر میں تمہیں کہتا ہوں
کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے، دوسرا گال بھی اس کی طرف
پھیر دے۔ (متی ۵-۳۸)

لیکن اس سراپا روحانی اخلاقیت پر ایک دن بھی دنیا کا نظام قائم رہ سکتا ہے؟
اور کبھی کسی عیسائی قوم اور عیسائی ملک اس رحیمانہ وعظ پر عمل کر سکا؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے جو تعلیم پیش کی، وہ عفو اور عادلانہ انتقام یعنی اخلاق اور قانون دونوں کا مجموعہ ہے،
عدل قانون ہے اور احسان اخلاق ہے، اسلام کے تمام احکام میں یہ دونوں اصول جاری
ہیں، اور جس مسئلہ کے متعلق توراۃ اور انجیل کے احکام نقل کئے گئے ہیں، اس کی نسبت محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ تعلیم تم کو ملی ہے؛

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ ‏ ‏ ‏ ‏ اے ایمان والو! تم پر مقتولوں میں

عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ	برابری کے بدلے کا حکم ہوا، آقا کے
بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى	بدلے آقا، غلام کے بدلے غلام، عورت
بِالْأُنْثَى ۚ (بقرہ ۲۲-۲۲)	کے بدلے عورت،

یہ تو معاوضہ کا عادلانہ قانون تھا، اس کے بعد ہی اخلاق کا حکم ہے،

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ	تو اگر اس کے بھائی کی طرف سے
شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ	کچھ معاف کر دیا گیا، تو دستور کے
وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ	مطابق اس کی پیروی کرنا، اور نیکی
ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ	کے ساتھ اس کو ادا کرنا ہے، یہ
وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ	تمہارے رب کی طرف سے آسانی
بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ	اور مہربانی ہوئی، تو جو کوئی (مقتول
أَلِيمٌ ۝	کے رشتہ داروں میں سے) اس معافی
	یا خونبہا لینے کے بعد پھر زیادتی
(بقرہ - ۲۲)	کرے تو اس کے لئے دکھ کی سزا ہے،

ان آیتوں کی بلاغت پر غور کیجئے کہ قاتل اور مقتول کے رشتہ داروں کے درمیان کھلی دشمنی کے باوجود ان کے جذبۂ رحم کی تحریک کی غرض سے قاتل کے رشتہ داروں کا بھائی کہہ کر بتایا گیا، ساتھ ہی چونکہ توراۃ کے حکم میں خونبہا لے کر معافی کی دفعہ نہ تھی اس لئے اس عفو کو آسانی اور رحمت سے تعبیر کیا گیا، اور قاتل کو نیکی اور احسان کی یاد

Marfat.com

دلائی گئی، اور مقتول کے رشتہ داروں کو معاف کر دینے یا خونبہا لینے کے بعد انتقام لینے پر عذاب الٰہی کا ڈر سنایا گیا، دیکھو کہ اسلام کا حکم توراۃ اور انجیل، قانون اور اخلاق انتقام اور عفو دونوں کو کس خوبی سے یکجا کرتا ہے۔

قرآن نے اسی جامعیت کو دوسری جگہ ظاہر کیا ہے،

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ	اور ہم نے بنی اسرائیل پر توراۃ میں
بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ	حکم لکھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ
الْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ	کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک
بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ لا	دانت کے بدلے دانت اور زخموں
وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ	میں برابر کا بدلہ، تو جس نے بخشدیا
تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ	تو وہ اُس کے لئے کفارہ ہے اور
لَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ	جن نے خدا کے اتارے ہوئے
اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ	حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تو وہی
وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيسَى	ظالم ہیں، اور ہم نے بنی اسرائیل کے
ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا	ان پیغمبروں کے بعد مریم کے بیٹے
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ	عیسیٰ کو بھیجا، جو اپنے آگے کی کتاب
وَاٰتَيْنٰهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ	توراۃ کی تصدیق کرتا تھا، اور اس کو
هُدًى وَّنُورٌ وَّمُصَدِّقًا	انجیل دی جس میں رہنمائی اور روشنی ہے

Marfat.com

لِمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرَاۃِ وَ — اور جو اپنے آگے کی کتاب توراۃ کی تصدیق

هُدًى وَّمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ، — کرتی ہے اور جو پرہیزگاروں کے لئے

(مائدہ ۔ ۷) — ہدایت اور وعظ و نصیحت ہے۔

۲۔ یہ فوجداری کے سب سے سخت گناہ کے متعلق قانونی و اخلاقی احکام تھے، مالی معاملات کے متعلق بھی اسلام اسی جامعیت کے نکتہ کو پیش نظر رکھتا ہے، فرمایا،

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ — اور اگر تم سود سے باز آگئے تو تمھارا وہی

اَمْوَالِكُمْ، (بقرہ ۔ ۳۸) — حق ہے جو اصل سرمایہ تم نے دیا تھا،

یہ تو قانون تھا اب اخلاق دیکھئے،

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ — اور اگر قرضدار تنگدست ہو تو اُس کو

اِلٰى مَيْسَرَۃٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا — اُس وقت تک مہلت دو جب تک

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، — اس کو کشائش ہو اور بالکل معاف

(بقرہ ۔ ۳۸) — کر دینا تمھارے لیے زیادہ اچھا ہے

جزئیات کو چھوڑ کر اصولی طور سے بھی اس جامعیت کو قائم رکھا ہے، فرمایا:۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ — اور اگر سزا دو تو اتنی ہی جتنی تکلیف تم کو

مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ — دی گئی ہو اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۔ (نحل ۱۶) — کے لئے بہت بہتر ہے،

اسی مفہوم کو ایک اور آیت میں اس طرح ادا کیا گیا،

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ	اور وہ لوگ کہ جب اُن پر چڑھائی ہو
هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ وَجَزَاۗؤُا سَيِّئَةٍ	تب وہ بدلہ لیتے ہیں، اور بُرائی کا بدلہ
سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ج فَمَنْ عَفَا وَ	ویسی ہی بُرائی ہے، تو اگر معاف کردیا
اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ	اور نیکی کی، تو اس کا ثواب دینا خدا
لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ہ (شوریٰ)	پر ہے، وہ ظالموں کو پیار نہیں کرتا۔

آیت کے پہلے ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ازخود کسی پر ظلم کرنے میں پہل اور سبقت نہ کریں لیکن اگر کوئی اُن پر ظلم کرے، تو وہ اس ظلم کا قانوناً اتنا ہی بدلہ لے سکتے ہیں جتنا اُن پر کیا گیا، کیونکہ قانون یہی ہے کہ بُرائی کا بدلہ اتنی ہی بُرائی ہے، جیسا کہ توراۃ میں بیان ہوا ہے، لیکن اگر کوئی مسلمان اخلاقاً اس ظلم کو معاف کردے، اور نہ صرف معاف ہی بلکہ اس بُرائی کی جگہ کچھ نیکی اور بھلائی بھی کرے۔ (وَاَصْلَحَ) تو اس کو خدا کی طرف سے ثواب ملیگا، اور بلاغت یہ ہے کہ اس صابر مظلوم کی تسکین کی خاطر فرمایا کہ اس کو ثواب اور اجر دینا خدا پر ہے،

الغرض عفو اور انتقام میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کرنا، دنیا کے جسمانی یا روحانی نظام کا نقص ہے، اگر انتقام اور سزا کا اصول نہ ہو، تو جماعت کا نظام قائم نہیں رہ سکتا، اور نہ ملک میں امن و امان رہ سکتا ہے، اور نہ افراد کے بڑے حصہ کو بُرائیوں سے باز رہنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، اور اگر عفو کا اصول نہ ہو تو روح کی بلندی، اور اخلاق کی پاکیزگی کوئی چیز نہ رہے، حالانکہ وہی ایک سچے مذہب کا مطلوب ہے، اس لئے ان میں سے

Marfat.com

ایک کو لینا اور دوسرے کو چھوڑ دینا، نظامِ ہستی کو آدھا رکھنا اور آدھا مٹا دینا ہے،

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی تعلیم کو لے کر آئے جس کی نظر انسانی ہستی کے پورے نظام پر ہے، اس نے یہ کیا کہ سزا اور انتقام کو تو جماعت اور حکومت کے ہاتھ میں دیا اور اس حکم کے ساتھ دیا کہ اس کے اجراء میں کوئی رحم نہ کیا جائے، اور نہ اس میں بڑے چھوٹے، امیر و غریب اور اپنے غیر میں کوئی فرق کیا جائے تاکہ جماعت اور ملک کا نظام قائم رہے، دوسری طرف عفو کو شخصیت کے مدارجِ کمال کا ذریعہ بتایا، تاکہ اشخاص کی روحانی پاکی اور اخلاقی بلندی برابر ترقی کرتی جائے،

جماعتی انتظامات کے قیام کے لئے سختی کا یہ عالم ہے کہ ایک خاص سزا کے اجراء کے وقت حکم ہوتا ہے،

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي	اور تم کو اللہ کے حکم چلانے میں ان دونوں
دِيْنِ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ	گنہگاروں پر ترس نہ آئے اگر تم کو خدا
بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (نور-۱)	پر اور قیامت پر ایمان ہے۔

یعنی اس گناہ کی جو سزا خدا کے ہاں ہے، اور جو قیامت میں ہوگی، وہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگی، اس لئے اس گناہ کی سزا دنیا ہی میں دے دینا درحقیقت اپنے گنہگار بھائی پر احسان کرنا ہے، اس لئے اس سزا کے دینے میں نرمی نہ کیجائے،

کسی سزا کے جاری کرنے میں اونچ نیچ اور امیر و غریب کے فرق نہ کرنے کا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ جب ایک شریف مسلمان عورت سرقہ کے جرم میں گرفتار ہوئی تو

قریش نے چاہا کہ اس کو سزا نہ دی جائے، اور اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارشیں پہنچائی گئیں، تو فرمایا: "اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا، تو اُس کو چھوڑ دیتے تھے؛ اور اگر کوئی معمولی آدمی اسی کام کو کرتا، تو اس کو سزا دیتے، خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ کی بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹتا"[1]

دوسری طرف عفو کا حال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا، الّا یہ کہ اُس نے خدا کے کسی حکم کو توڑا ہے[2] تو اس کو قانوناً سزا دی ہو، یہ عمل تھا، تعلیم کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں قصاص کا کوئی مقدمہ پیش ہوتے نہیں دیکھا لیکن یہ کہ اُس میں آپ نے معاف اور درگذر کرنے کا مشورہ دیا[3] یعنی قصاص کے بجائے بالکل معافی یا دیت (زرِ تاوان یا خونبہا) لے کر معاف کر دینے کو فرمایا، معمولی چھوٹے جرائم کی نسبت صحابہؓ سے فرمایا، "آپس میں گناہوں کو معاف کر دیا کرو، لیکن مجھ تک جب وہ واقعہ پہنچے گا تو سزا ضرور ہو جائیگی"[4] یعنی جب مرافعہ اور استغاثہ حکومت کے سامنے پیش ہو جائے گا تو پھر سزا ہونا واجب ہے تاکہ حکومت کا رعب دلوں پر قائم رہے؛ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب چادر اوڑھے سو رہے تھے، ایک شخص نے چپکے سے چادر اتار لی، وہ پکڑا گیا، اور عدالتِ نبوی میں پیش کیا گیا، آپؐ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، جن صاحب کی چادر تھی، انھوں نے آکر

[1] صحیح بخاری جلد دوم کتاب الحدود صفحہ ۱۰۰۳ [2] ایضاً کتاب الحدود صفحہ ۱۰۰۳ [3] ابوداؤد و نسائی کتاب الدیات [4]

عرض کی کہ یا رسول اللہ! کیا تیس درہم کی ایک چادر کے لئے ایک انسان کا ہاتھ کاٹا جائیگا میں یہ چادر اس کے ہاتھ ادھار فروخت کر دیتا ہوں؟ فرمایا کہ میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں یہ کر لیا؟[1]

یہ تو اُس عفو کا حال ہے جس کو ایک حد تک قانونی جرائم کی صورت حاصل ہے اور اس لحاظ سے قانونِ محمدیؐ موجودہ سلطنتوں کے قوانین سے زیادہ نرم اور زیادہ منصفانہ اور عقل کے زیادہ مطابق ہے، لیکن عفو کی عام اخلاقی تعلیم کا دائرہ اسلام میں اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

عفو و درگذر کی تعلیم

اخلاق کی سب سے بھاری اور دشوار تعلیم جو اکثر نفوس پر نہایت شاق گذرتی ہے، وہ عفو و درگذر ضبطِ نفس تحمل اور برداشت کی ہے، لیکن اسلام نے اس سنگلاخ زمین کو بھی نہایت آسانی سے طے کیا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ اسلام میں شرک و بت پرستی سے کتنی شدید نفرت ظاہر کی گئی ہے، اور خدائے تعالیٰ کی توحید اور عظمت و جلالت کا کتنا اعلیٰ اور ناقابلِ تبدیل تصور اُس نے پیش کیا ہے، جو خاص اسلام کا امتیازی حصہ ہے؛ تاہم مسلمانوں کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ تم مشرکوں کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو، ایسا نہ ہو کہ وہ چڑھ میں تمہارے خدا کو برا کہنے لگیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ	اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ	پکارتے ہیں، ان کو برا نہ کہو

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود

عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ہ — کہ وہ اللہ کو بے ادبی سے نادانستہ بُرا کہنے لگیں،

(انعام - ۱۳)

یہ برداشت کی کتنی انتہائی تعلیم ہے، پیغمبر کو خطاب ہوا کہ کفار اور مشرکین کے ظلم وستم اور گالی گلوج پر صبر کرو، اور اُن کو معاف کرو، اور اسی کی پیروی کا حکم عام مسلمانون کو ہو رہا ہے،

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ — معاف کرنے کی خو پکڑ، اور نیک کام
اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ وَاِمَّا — کو کہہ، اور جاہلون سے کنارہ کر، اور
یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ — اگر تجھ کو شیطان کی کوئی چھیڑ ابھارے
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ — (یعنی غصہ آجائے) تو خدا کی پناہ پکڑ

(اعراف ۲۴) — وہ ہے سنتا جانتا،

سکون کی حالت مین عفو ودرگذر آسان ہے، مگر ضرورت ہے کہ انسان غصہ مین بھی بے قابو نہ ہونے پائے، صحابہؓ کی تعریف مین فرمایا:

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ — اور غصہ آئے جب بھی وہ معاف کر دیتے ہین،

(شوری - ۴)

نیکو کارون کی تعریف مین ایک اور جگہ یہ فرمایا گیا کہ اپنے غصہ کو دبانا اور معاف کرنا خدا کا پیارا بننے کا ذریعہ ہے،

وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ — اور جو غصہ کو دبانے والے اور لوگون

Marfat.com

عَنِ النَّاسِ ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ	کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ اچھے
الْمُحْسِنِيْنَ ۚ (آل عمران ۱۴)	کام کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

انتقام کی قدرت ہونے اور استطاعت رکھنے کے باوجود دشمن کو معاف کر دینا بڑی بلند ہمتی کا کام ہے فرمایا:-

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ	اور البتہ جس نے برداشت کیا اور معاف
لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ ۴)	کیا تو وہ بیشک ہمت کے کام ہیں

اس برداشت اور عفو کو وحی محمدی نے اپنے الفاظ میں عزم کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو خاص انبیاء اور پیغمبروں کی توصیف میں آیا ہے، فرمایا،

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ	اور برداشت کر جس طرح ہمت اور
مِنَ الرُّسُلِ ، (احقاف ۴)	عزم والے پیغمبروں نے برداشت کیا

نیکی کے پھیلانے اور بدی کے روکنے میں ایک مسلمان کو ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنی چاہئے کہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے، فرمایا،

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ	اچھی بات بتا اور بری بات سے روک
الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ	اور جو تجھ پر پڑے اس کو سہار لے کہ
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (لقمان ۲)	ہمت کے کام ہیں

کفار اور مشرکین کی بدگوئیوں کو اور ان کی لائی ہوئی مصیبتوں کو برداشت کر لینا بھی بہادری ہے، فرمایا:-

Marfat.com

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (آل عمران) — اور اگر صبر کرو، اور تقوی اختیار کرو، تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں،

اوپر کی تمام آیتوں میں صبر، برداشت، تحمل اور عفو و درگذر کو بڑی ہمت اور اخلاقی بہادری کا کام، بلکہ خدا کی محبوبی کا سبب بتایا گیا ہے، اور مسلمان کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر دیکھئے کہ حسب ذیل آیت میں ایمان والوں کو دشمنوں کو بھی معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے،

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ (جاثیہ - ۲) — (اے پیغمبر!) ایمان والوں سے کہہ کہ اُن کو جو ایام اللہ کی امید نہیں رکھتے معاف کریں،

ایام اللہ (خدا کی گرفت اور شہنشاہی کے دن) کی جو امید نہیں رکھتے ظاہر ہے کہ وہی ہیں جو کافر و مشرک ہیں۔ اب دیکھئے کہ کافر و مشرک کے خلاف اسلام کو جو شدید بیزاری ہے اس کے باوجود مسلمانوں کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ وہ اُن کو معاف کریں، اور ان کی خطاؤں سے درگذر کریں، کیا اس سے زیادہ اسلام سے کسی نرمی کا مطالبہ ہے؟! اللہ تعالی مسلمانوں کی ترغیب کی خاطر اس عفو و درگذر اور معافی کو اپنا خاص وصف بتا کر اُن کو اپنی پیروی کی تلقین فرماتا ہے،

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ — اگر کسی نیکی کے کام کو کھلے طور سے کرو، یا چھپا کر کرو، یا کسی برائی کو معاف کرو

Marfat.com

كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا، (تو یہ مسلمان کی شان ہے) کیونکہ خدا

(نساء - ۲۱) معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔

یعنی جب گنہگاروں اور بدکاروں کو معاف کرنا خدا کی صفت ہے تو بندوں میں بھی خدا کی اس صفت کا جلوہ پیدا ہونا چاہئے، اور اس تعلیم میں قرآن پاک یہ بلاغت اختیار کرتا ہے، کہ فرمایا ہے کہ تمہارا خداوند تعالیٰ تو ہر قسم کی قدرت علی الاطلاق رکھنے کے باوجود اپنے بندوں کو معاف کرتا ہے، تو انسان جس کی قدرت محدود ہے، اور جس کا اختیار منشروط ہے اور جس کی عاجزی اور درماندگی ظاہر ہے اس کو تو بہرحال معاف ہی کرنا چاہئے۔ اسی کے قریب قریب یہ آیت پاک بھی ہے،

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ — اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگذر

أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ — کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو

غَفُورٌ رَّحِيمٌ (نور - ۳) — معاف کرے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یعنی تم دوسروں کو معاف کرو، تو اللہ تم کو معاف کرے گا، اس میں عفو و درگذر کی کتنی عظیم الشان ترغیب ہے،

برائی کی جگہ نیکی عفو و درگذر کے بعد اس سے زیادہ اہم تعلیم یہ ہے کہ جو برائی کرے، نہ صرف یہ کہ اس کو معاف کردو، بلکہ اس کے ساتھ بھلائی کرو اور جو عداوت رکھے اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، اس تعلیم ربانی پر عمل کرنے والوں کا نام خدا نے صابر اور ذو حظ عظیم یعنی بڑا خوش قسمت رکھا ہے اور بتایا ہے کہ دشمن کو دوست بنا لینے کی یہ بہترین تدبیر ہے فرمایا۔

لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ	نیکی اور بدی برابر نہین، تو بُرائی کا جواب
اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا	بہتری سے دے، پھر دیکھ کہ وہ جس کے
الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ	اور تیرے درمیان دشمنی ہے، وہ ایسا
کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ، وَمَا یُلَقّٰھَآ	ہو جائیگا، جیسا ناتے دار دوست، اور
اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ج وَمَا	یہ بات اُنہی کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت
یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ،	(صبر) رکھتے ہین، اور جس کی بڑی
(حٰمٓ السجدہ ع - ۵)	قسمت ہے،

اس عظیم الشان تعلیم کو اللہ تعالیٰ نے "بڑی خوش قسمتی" سے تعبیر کیا ہے، اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، پھر دوسری جگہ فرمایا، مشرکون اور کافرون کے طعنون کا بُرا نہ مانو، کیونکہ دینی معاملہ مین بھی غصہ سے کوئی بیجا حرکت کر بیٹھنا شیطان کا کام ہے اگر ایسا موقع پیش آئے، تو خدا سے دعا مانگنی چاہئے کہ وہ شیطان کے پھندے سے بچائے اور غصہ سے محفوظ رکھے،

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ	مشرکون کی برائی کا جواب بھلائی سے دے
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ وَقُلْ	ہم جانتے ہین جو وہ کہتے ہین، اور کہہ کہ اے
رَّبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ	میرے پروردگار مین شیطانون کی چھیڑ سے
الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ	تیری پناہ چاہتا ہون، اور اے رب اس
اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (مومنون - ۶)	سے پناہ مانگتا ہون کہ وہ میرے پاس آئین

Marfat.com

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز، خیرات، صبر اور عفو کا ذکر فرمایا ہے، اور ان کاموں کے بدلہ میں جنت کا وعدہ کیا ہے، مگر تمام مذکورہ بالا نیکیوں میں سے دوبارہ صرف صبر ہی کو خصوصیت کے ساتھ اس جنّت کے ملنے کا سبب قرار دیا ہے، فرمایا

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ	اور جو لوگ اس کو جوڑتے ہیں جس کے
بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ	جوڑنے کا حکم اُن کو اللہ نے دیا ہے
وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَ	(یعنی ایک دوسرے کا حق) اور اپنے
الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ	رب سے ڈرتے ہیں، اور حساب کے
رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ	برے انجام سے خوف کھاتے ہیں، اور
اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ	جو اپنے پروردگار کی خوشی کے لیے صبر
عَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ	کرتے ہیں، اور نماز ادا کرتے ہیں اور ہم
السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ	نے اُن کو جو روزی دی اس میں سے چھپے
جَنّٰتُ عَدْنٍ ط	اور کھلے خیرات کرتے ہیں، اور برائی کے
(رعد-۳)	بدلہ بھلائی کرتے ہیں، انہی کیلئے ہے پچھلا

اُن سے کہا جائے گا،

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ	تم پر سلامتی ہو اُس کے بدلے میں کہ تم
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (رعد ۳)	نے صبر کیا، سو خوب ملا پچھلا گھر

آپ نے دیکھا کہ جنّت کی اس بشارت میں نہ تو نماز کا ذکر ہے نہ خیرات کا اور

نہ خوف خدا کی، صرف ایک صبر کی جزا کی خوشخبری ہے، علاوہ ازین اس آیت سے یہ بھی
معلوم ہو گا کہ برائی کے بدلے نیکی کرنا ایسی اہم چیز ہے کہ نماز اور زکوٰۃ جیسے اہم فرائض کے پہلو
بہ پہلو اس کا بھی ذکر کیا جائے ایک اور آیت مین نو مسلم یہودیوں کو اپنے برخلاف اپنی ہم
قوموں سے جو نماز پڑھتے، اور اعتراضات سننے پڑتے ہین، اور وہ اس پر صبر کرتے ہین
اس کی تعریف کی گئی ہے کہ اسلام کے اثر سے اب ان کا یہ حال ہو گیا ہے کہ وہ برائی کی
جگہ بھلائی کرتے ہین؛

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ	وہ لوگ صبر کے سبب سے اپنا حق دہرا
بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ	پائین گے، اور وہ برائی کا جواب بھلائی
السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ	سے دیتے ہین، اور ہمارا دیا کچھ خیرات
وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ	کرتے ہین، اور جب کوئی لغو بات سنتے
وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ	ہین تو اس سے درگذر کر لیتے ہین، اور
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ	کہہ دیتے ہین کہ ہمارے لئے ہمارے کام
(قصص ع ۶)	ہین، اور تمھارے لئے تمھارے کام سلامت
	رہو ہم کو بے سمجھون سے مطلب نہین،

ان آیتون کے ایک ایک ٹکڑے پر غور کیجئے، نہ صرف یہ کہ برائی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دیتے
ہین، اور درگذر کرتے ہین، بلکہ ان کے حق مین سلامتی کی دعائے خیر بھی کرتے ہین،
صحیح بخاری مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرابت کا حق ادا کرنے والا وہ

نہیں ہے۔ جو احسان کے بدلے میں احسان کرتا ہو، بلکہ وہ ہے جو بدسلوکی پر سلوک کرتا ہو۔[1]
ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے آکر عرض کی کہ اے خدا کے پیغمبر! میرے کچھ رشتہ دار ہیں جن کے ساتھ میں تو سلوک کرتا ہوں، مگر وہ بدسلوکی کرتے ہیں، میں نیکی کرتا ہوں اور وہ بدی کرتے ہیں، میں حلم اور بردباری سے پیش آتا ہوں، اور وہ جہالت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا اگر ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو تو تم ان کے منہ میں مٹی بھر رہے ہو، یعنی نیکی کے ذریعے ان کا منہ بند کر رہے ہو، اور جب تک تم اس روش پر قائم رہو گے، خدا کی مدد شامل رہے گی۔
حذیفہؓ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہر ایک کے پیچھے نہ چلو، تم کہتے ہو کہ اگر لوگ میرے ساتھ بھلائی کریں گے، تو ہم بھی کریں گے، اور اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی کریں، یہ نہیں بلکہ اپنے کو پرسکون اور مطمئن رکھو، لوگ تمہارے ساتھ بھلائی کریں تو بھلائی کرو، اور اگر برائی کریں تو بھی ظلم نہ کرو۔[2]

وہ لوگ جو اسلام اور مسلمانوں کو اپنی فریب کاریوں، جھوٹے وعدوں، سیاسی سازشوں، معاہدوں، اور پرفریب تدبیروں سے دھوکا دیا کرتے تھے، ان کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی ہدایت ہوئی،

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ

اور ان میں سے چند کے سوا اوروں کی کسی نہ کسی خیانت سے تو باخبر ہوتا ہی رہے گا

[1] صحیح بخاری بحوالہ مشکوٰۃ باب البر والصلۃ [2] صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب البر والصلۃ [3] جامع ترمذی کتاب البر والصلۃ ص ۳۴۲ (ترغیب)

عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ،
(مائدہ-۳)

رہتا ہی، تو تو اُن کو معاف کر، اور اُن کے قصور سے درگذر کر کہ اللہ نیکی کرنے والون کو پسند کرتا ہے،

غور کا مقام ہے کہ ایسی خیانت کار قوم کو بھی معاف کرنا اور اُن کے قصورون سے درگذر کرنا اسلام مین وہ نیکی ہے جس کے سبب خدا اُن نیکی کرنے والون کو اپنے پیار اور محبت کی خوشخبری دیتا ہے۔

ان تمام تفصیلات سے واضح ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اس باب مین کس قدر اعلیٰ اور کامل ہے،

Marfat.com

اسلام کی اخلاقی تعلیم

کا

تکمیلی کارنامہ

تمدن کے زمانہ میں نظام حکومت میں جو ترقیاں ہو جاتی ہیں، اُن کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ تمدن اصول قانون میں کوئی جدید اضافہ کر دیتا ہے، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ تمدنی نظام حکومت میں قانون کے نفاذ میں ان وسیع اور ہمہ گیر دفعات کا لحاظ رکھا جاتا ہے، جو اس کے اثر کو اس قدر عام کر دیتا ہے کہ دنیا کا ایک ذرہ بھی اُن کے حدود سے باہر نہیں جا سکتا لیکن وحشت کے زمانہ میں صرف سادہ قانون نافذ کر دیا جاتا ہے، اور گرد و پیش اور اطراف و جوانب کے حالات پر نظر نہیں کی جاتی ہر سلطنت نے چوری کو ایک جرم قرار دیا ہے، اور اس لحاظ سے ایک غیر متمدن سلطنت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ مہذب حکومت کی ہم پلہ ہے، لیکن اس جرم کے کلی استیصال کے لیے اسی قدر کافی نہیں ہے، بلکہ اس کا استیصال صرف اُس وقت ہو سکتا ہے، جب وہ تمام لوگ مجرم قرار دیے جائیں، جو اس جرم میں اعانت کرتے ہیں، موقع واردات کا

Marfat.com

سُراغ دیتے ہین، مال مسروقہ کو بیچتے یا خریدتے ہین، وغیرہ وغیرہ، بہرحال تمدّنی نظام حکومت کو ایک غیر متمدّن سلطنت پر جو ترجیح وامتیاز ہے، وہ صرف اس بنا پر ہے کہ تمدّن نے اس کے اصول وآئین کو نہایت وسیع اور عام کردیا ہے اور وحشیانہ نظام حکومت مین یہ وسعت اور ہمہ گیری نہین پائی جاتی، تمدّن کے زمانہ مین انسانی ضروریات مین جو غیر محدود اضافہ ہوجاتا ہے اس کا راز بھی تمدّن کی اسی خصوصیت کے اندر مضمر ہے،

تفصیل اور ہمہ گیری

مذہب بھی ایک عظیم الشان روحانی سلطنت ہے، اور جس اصول کی بنا پر ایک دنیوی حکومت کو دوسری حکومت پر ترجیح دی جاسکتی ہے، اسی کو مختلف مذاہب کے موازنہ ومقابلہ کا بھی معیار قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً اصولِ شریعت مین دنیا کے اکثر مذاہب مین اشتراک واتحاد پایا جاتا ہے، اس لحاظ سے عقائد مین، اعمال مین عبادات مین، معاملات مین، اخلاق مین، جو چیزین ناجائز اور مصالح عامہ کے مخالف تھین، ان کی سرسری طور سے سب نے ممانعت کی، اور جو چیزین جائز اور مصالح عامہ کے موافق تھین، اُن کی ترغیب دی، لیکن امر ونہی کے طریقے، اور اُن کی جزئیات کے احاطہ مین کمی وبیشی ہے، اور اسی نے ان مذاہب کے احکام وشرائع مین باہم امتیاز پیدا کردیا ہے: اس بنا پر جس طرح اس حکومت کے قانون کو سب سے بہتر کہا جاتا ہے، جس سے برائیون کا تمامتر سدباب ہوتا ہے، اور جس کے اندر تمام جزئیات کا احاطہ کرلیا گیا ہو، اسی طرح بہترین اخلاقی

Marfat.com

تعلیم وہ ہے جس نے محاسن اور مفاسد کا سب سے زیادہ استقصا کیا ہو، اور عام انسانوں کے لئے کھول کر اُن کو اچھی طرح بیان کردیا ہو، اور اس کے ہر ہر گوشہ کو اس قدر روشن کردیا ہو کہ غلط فہمی کی گنجائش نہ رہے، اسلام کو دوسرے مذاہب پر جو ترجیح و امتیاز ہے اُس کا ایک سبب اُس کے احکام کی تفصیل، ہمہ گیری، اور انضباط ہے، یعنی اسلام نے اپنے اصول و احکام کی تفصیل اس وسعت اور جامعیت کے ساتھ کی ہے کہ برائیوں کا کلی استیصال ہوگیا ہے، اور نیکیوں کے مظاہر عام ہوگئے ہیں، اس کے بخلاف دوسرے مذاہب نے ان کلیات کے جزئیات کی نہایت ناقص اور اجمالی تشریح کی ہے،

مثلاً توحید تمام مذاہب کا اُم الاصول ہے، لیکن کامل طور پر کسی مذہب نے اُس کی حقیقت اور اس کے مظاہر کی تعیین نہیں کی، اس بنا پر ہر مذہب میں شرک کسی نہ کسی صورت میں شامل ہوگیا، صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے شرک کے تمام علل و اسباب اور عواقب و نتائج کی تحدید کی، اور ان کا کلی استیصال کیا، شرک کا ایک متداول طریقہ بت پرستی تھا، اس کے انسداد کا سادہ طریقہ یہ تھا کہ تمام قوم کو توحید کی دعوت دی جاتی، اور عرب کے تمام بت توڑ دیئے جاتے، لیکن اسلام نے صرف اس سادہ طریقہ پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان تمام چیزوں کو ناجائز قرار دیا، جو ان بتوں کی یاد کو تازہ کرسکتی تھیں، تصویر بجائے خود کوئی بری چیز نہ تھی، تاہم وہ بت پرستی کا ایک عام مظہر تھی، اس لیے اسلام نے اس کو ناجائز قرار دیا، کسی کی مدح میں غلو و اغراق اگرچہ

Marfat.com

ایک قسم کی بداخلاقی ہے تاہم اس سے اشخاص کے اثر اور اُن کے نفوذ و طاقت مین غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر اس سے کوئی نیک کام لیا جائے، تو وہ نہایت مفید چیز ہو سکتا ہے، اسلام اپنے عالمگیر اثر کی وسعت کے لئے اس سے کام لے سکتا تھا تاہم چونکہ اس سے شخص پرستی کی بنیاد قائم ہوتی تھی، جس نے اُمم قدیمہ مین شرک کی صورت اختیار کر لی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بر سر منبر سختی کے ساتھ اس کی ممانعت فرمائی،

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ	میری شان مین مبالغہ نہ کرو جس
ابن مریم فانما انا عبدہ فقولوا	طرح نصاریٰ نے ابن مریم کی شان
عبد اللہ ورسولہ	مین کیا، مین تو خدا کا بندہ ہون، تو
(بخاری کتاب الانبیاء)	کہو کہ خدا کا بندہ اور رسول،

یہ ایک کلی حکم تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر اس کی پابندی کرائی، اسی طرح شرک کے ایک ایک ریشہ کو بتا بتا کر اس کی بیخ کنی کی، یہی حال عبادات کا بھی ہے، اُس کے ایک ایک رکن اور طریقہ کو اسلام نے پوری تفصیل سے واضح کر دیا، اور یہی روش اس کے اخلاقی تعلیمات کی بھی ہے، اخلاق کے تمام جزئیات کا پوری طرح احاطہ کر کے اپنے پیروؤن کو ان سے ہر طرح آگاہ فرما دیا، اور کوئی بات سوال وجواب کے لئے باقی نہین رکھی یہی معنی اس تکمیل کے ہین جس کے لئے آپ کی بعثت ہوئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاق کی تکمیل تین حیثیتون سے فرمائی ہے،

۱- تمام اخلاقی تعلیمات کا احاطہ

Marfat.com

۲۔ ہر برائی اور بھلائی کے سارے جزئیات کا احاطہ،

۴۔ نرمی و گرمی، عاجزی و بلند ہمتی دونوں قسم کے اخلاق کی تفصیل، اور ان کے مواقع کی تحدید،

اخلاقی تعلیمات کا احاطہ

یہودی و عیسائی اور دوسرے اخلاقی معلّمین کی تعلیمات کی فہرست پر ایک استقصائی نظر ڈال لینا اس راز کو فاش کر دے گا کہ انسان کے تمام اخلاقی احوال اور کیفیات کا احاطہ ان میں سے کسی نے نہیں کیا ہے، بلکہ صرف اپنے زمانہ اور اپنی قوم کے حالات کو سامنے رکھ کر اپنی اخلاقی اصلاحات کی فہرست بنائی گئی ہے اور ان میں سے بھی صرف چند اصول کو سب سے زیادہ اہمیت دے کر ان کو ہر جگہ اپنی تعلیم میں نمایاں کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفہ میں سب سے زیادہ اہمیت، احکامِ عشرہ کی ہے یعنی وہ دس احکام جو بنی اسرائیل کو کوہ سینا کے دامن میں سنائے گئے تھے، ان دس احکام میں سے پہلا حکم توحید، دوسرا تصویر، اور مجسمہ بنانے کی ممانعت، تیسرا خدا کے نام کی جھوٹی قسم کھانے کی کراہت، اور چوتھا سبت کے دن آرام کرنے کی ہدایت پر مشتمل ہے، باقی اخلاقی احکام صرف چھ ہیں جو حسب ذیل ہیں، (دیکھو خروج باب ۲۰)

توراۃ کے اخلاقی احکام

۱۔ تو اپنے ماں اور باپ کو عزت دے،

۲۔ تو خون مت کر،

۳۔ تو زنا مت کر،

Marfat.com

۴۔ تو چوری مت کر،

۵۔ تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے،

۶۔ تو اپنے پڑوسی کی جورو، اور اس کے غلام اور اس کی لونڈی، اور اس کے بیل، اور اس کے گدھے اور اس کی کسی چیز پر جو تیرے پڑوسی کی ہے، لالچ مت کر،

یہ گویا انسان کے اخلاقی سبق کی ابجد ہے، اس کے بعد خروج باب ۲۲، اور ۲۳ مین قانونی احکام کے ساتھ ساتھ دو تین باتین اور آگئی ہین، یعنی مسافر، بیوہ، اور یتیم کے ساتھ سلوک کا حکم، اور جھوٹی گواہی کی ممانعت، پھر احبار باب ۱۹ مین انھی احکام کی حسب ذیل مزید تفصیل ہے،

۱۔ تم مین سے ہر شخص اپنی مان اور باپ سے ڈرتا رہے،

۲۔ تم چوری نہ کرو، نہ جھوٹا معاملہ کرو، ایک دوسرے سے جھوٹ نہ بولو،

۳۔ تم میرا نام لے کر جھوٹی قسم نہ کھاؤ،

۴۔ تو اپنے پڑوسی سے دغابازی نہ کر، نہ اس سے کچھ چھین لے، تو مزدور کی مزدوری چاہئے کہ ساری رات صبح تک تیرے پاس نہ رہ جائے،

۵۔ تو بہرے کو مت کوس، تو وہ چیز جس سے اندھے کو ٹھوکر لگے، اندھے کے آگے مت رکھ،

۶۔ تو حکومت مین بے انصافی نہ کر، غریب و امیر کو نہ دیکھ، بلکہ انصاف سے اپنے بھائی کی عدالت کر،

Marfat.com

۷۔ تو عیب جوؤں کے مانند اپنی قوم میں آیا جایا نہ کر، اور اپنے بھائی کے خون پر کمر نہ باندھ،

۸۔ تو اپنے بھائی سے بغض اپنے دل میں نہ رکھ،

۹۔ تو اپنی قوم کے فرزندوں سے بدلہ مت لے، اور نہ اُن کی طرف سے کینہ رکھ،

۱۰۔ تو اُس کے آگے جس کا سر سفید ہے، اٹھ کھڑا ہو اور بوڑھے مرد کی عزت کر،

۱۱۔ اگر کوئی مسافر تمہاری زمین پر تمہارے ساتھ سکونت کرے، تم اس کو مت ستاؤ، بلکہ مسافر کو جو تمہارے ساتھ رہتا ہے ایسا جانو جیسے وہ جو تم میں پیدا ہوا ہے، بلکہ تم اس کو ایسا پیار کرو جیسا آپ کو کرتے ہو،

۱۲۔ تم عدالت کرنے میں، پیمائش کرنے میں، تولنے میں، ناپنے میں بے انصافی نہ کرو،

انجیل کے اخلاقی احکام

انجیل نے اخلاقی تعلیمات کا صرف یہ کہ احاطہ نہیں کیا ہے، بلکہ اُن کی تفصیل بھی نہیں کی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد درحقیقت بنی اسرائیل کی رسم پرستی اور شریعت کی ظاہری پابندی کے خلاف معنی اور روح کی طرف دعوت تھی، یہ حقیقت جس طرح احکام میں نظر آتی ہے، اخلاق میں بھی جھلکتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اخلاقی تجدید و اصلاح یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی توراۃ حضرت داؤدؑ کی زبور، حضرت سلیمانؑ کے امثال اور دوسرے اسرائیلی صحیفوں میں خالص بلند اخلاقی تعلیمات منتشر تھیں، اور جن کو بنی اسرائیل اپنے قانونی احکام کے سامنے بھلا بیٹھے تھے، ان کو یکجا اپنے مشہور وعظ میں اُن کے سامنے پیش کیا، اس مشہور اخلاقی وعظ میں بہ ترتیب حسب ذیل باتیں بیان کی گئی ہیں،

Marfat.com

دل کی خوبی، نمگینی، حلم و بردباری، راست بازی، رحم دلی، پاک دلی، صلح جوئی، صبر، عفو و درگذر، پاک دامنی، قسم کھانے کی ممانعت، ظالم کا مقابلہ نہ کرنا، قرض معاف کرنا، دشمنوں کو پیار کرنا، ریا کی ممانعت، توکل، عیب نہ لگانا، جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمھارے ساتھ کریں، ایسا تم بھی ان کے ساتھ کرو،

یہ اخلاقی تعلیمات بیشتر انہی لفظوں کے ساتھ جو انجیل میں ہیں، بنی اسرائیل کے مختلف صحیفوں میں مذکور ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاص طور سے ان اخلاقیات کو بنی اسرائیل کے سامنے پیش کرنے سے مقصود ان میں اخلاقی قوانین کا قائم کرنا اور رسمی اخلاق اور لفظی شریعت کے اصل روح و معنی کو جلوہ گر کرنا تھا،

اسلام میں اخلاقی احکام کا استقصا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم یا زمانہ تک محدود نہیں، اسلئے آپ کو اخلاقی تعلیمات کا جو صحیفہ عنایت ہوا، اس کو صرف ایک قوم یا زمانہ کی اخلاقی اصلاح تک محدود نہیں رکھا گیا، بلکہ تمام قوموں اور زمانوں تک وسیع کیا گیا، اس لئے تمام قوموں اور زمانوں میں جو برائیاں پائی جاتی ہیں یا پائی جانے والی تھیں، ان سب کو استقصار کرکے منع کیا گیا، اور اسی طرح تمام انسانی اخلاقی محاسن کو بھی کھول کر بیان کیا گیا، اور ان کے اصول کی تاکید کی گئی، گذشتہ صحیفوں میں جن برائیوں سے روکا گیا تھا، یا جن نیکیوں کی تعلیم دی گئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مبارک نے ان کی تمام جزئیات کا استقصار کیا، اور ان کے گوشہ گوشہ کو کھول کر روشن کر دیا، ذیل میں ہم ان اخلاقی تعلیمات کی ایک مجمل فہرست درج کرتے ہیں جن کی

Marfat.com

تعلیم یا ممانعت قرآن پاک نے کی ہے،

سچ بولنا، جھوٹ کی بُرائی، علم بے عمل کی مذمت، عام عفو و درگذر، توکل، تدبر، شکر، حق پر استقامت، خدا کی راہ میں جان دینا، سخاوت اور خیرات کا حکم، بخل کی بُرائی، اسراف اور فضول خرچی کی ممانعت، میانہ روی کی تاکید، عزیزوں، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کے ساتھ نیکی، مسافروں، سائلوں، اور غریبوں کی امداد، غلاموں اور قیدیوں کے ساتھ احسان، فخر و غرور کی بُرائی، امانت داری، وعدہ کا ایفا کرنا، عہد کا پورا کرنا، معاہدوں کا لحاظ رکھنا، صدقہ و خیرات، نیکی، اور بھلائی کی بات کرنا، آپس میں لوگوں کے درمیان محبت پیدا کرنا، کسی کو بُرا بھلا نہ کہنا، کسی کو نہ چڑھانا، نہ بُرے ناموں سے یاد کرنا، والدین کی خدمت اور اطاعت، ملاقاتوں میں باہم بھلائی اور سلامتی کی دعا دینا، حق گوئی، انصاف پسندی، سچی گواہی دینا، گواہی کو نہ چھپانا، جھوٹی گواہی کا دل کی گنہگاری پر اثر، نرمی سے بات کرنا، زمین پر اکڑ کر نہ چلنا، صلح جوئی، اتحاد و اتفاق، ایمانی برادری، انسانی برادری، اکل حلال، روزی خود حاصل کرنا، تجارت کرنا، گداگری کی ممانعت، لوگوں کو اچھی بات کی تعلیم دینا، اور بُری بات سے روکنا، اولاد کشی، خودکشی، اور کسی دوسرے کی ناحق جان لینے کی ممانعت، یتیم کی کفالت، اُس کے مال و جائداد کی نیک نیتی کے ساتھ حفاظت، ناپ اور تول میں بے ایمانی نہ کرنا، ملک میں فساد برپا نہ کرنا، بے تمیزی کی بات سے روکنا، زنا کی حرمت، آنکھیں نیچی رکھنا، کسی کے گھر میں بے اجازت داخل نہ ہونا، ستر اور حجاب،

Marfat.com

خیانت کی برائی، آنکھ کان اور دل کی باز پرس، نیکی کے کام کرنا، لغو سے اعراض،
امانت اور عہد کی رعایت، وقار، تحمل، دوسروں کو معاف کرنا، دشمنوں سے درگذر
بدی کے بدلہ نیکی کرنا، غصہ کی برائی، مناظروں اور مخالفوں سے گفتگو میں آداب
کا لحاظ، مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کو برا نہ کہنا، فیصلہ میں عدل وانصاف، دشمنوں
تک سے عدل وانصاف، صدقہ و خیرات کے بعد لوگوں پر احسان دھرنے کی برائی،
اُلاہنے کی مذمت، فسق و فجور سے نفرت، چوری، ڈاکہ، رہزنی، اور دوسرے کے
مال کو بے ایمانی سے لینے کی ممانعت، دل کا تقویٰ اور پاکیزگی، پاکبازی جتانے
کی برائی، رفتار میں وقار و متانت، مجالس میں حسن اخلاق، ضعیفوں، کمزوروں، اور
عورتوں کے ساتھ نیک سلوک، شوہر کی اطاعت، بیوی کا حق ادا کرنا، ناحق قسم کھانے کی برائی
چغلخوری، طعنہ زنی اور تمسخر وغیرہ کی ممانعت، جسم و جان اور کپڑوں کی پاکیزگی، اور
طہارت، شرمگاہوں کی ستر پوشی، سائل کو نہ جھڑکنا، یتیم کو نہ دبانا، خدا کی نعمت کو ظاہر
کرنا، غیبت نہ کرنا، بدگمانی نہ کرنا، سب پر رحم کرنا، اور نمائش کی ناپسندیدگی، قرض
دینا، قرض معاف کرنا، سود اور رشوت کی ممانعت، ثبات قدم، استقلال اور شجاعت
وبہادری کی خوبی، لڑائی کے گھمسان سے نامردی سے بھاگ کھڑے ہونے کی برائی
شراب پینے اور جوا کھیلنے کی ممانعت، بھوکوں کو کھانا کھلانا، ظاہری اور باطنی ہر قسم کی
بے شرمی کی باتوں سے پرہیز، بے غرض نیکی کرنا، مال و دولت سے محبت نہ ہونا، ظلم
سے منع کرنا، لوگوں سے بے رخی نہ کرنا، گناہ سے بچنا، ایک دوسرے کو حق پر قائم رکھنے

Marfat.com

کی نمائش، معاملات مین سچائی اور دیانتداری،

احادیث کے اخلاقیات کی فہرست

یہ وہ تعلیمات ہین جن کا ماخذ قرآن پاک ہے، ان کے علاوہ اسلام کی اخلاقیات کا بڑا ذخیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال مین ہے، جو ان کی تفسیر و تشریح مین احادیث مین مذکور ہین، ان کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کنز العمال مین جو ہر قسم کی حدیثون کا سب سے بڑا مجموعہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات بیک ٹائپ کے بڑی تقطیع کے ۱۸۰ صفحون مین ہین جن مین سے ہر صفحہ مین ۳۰ سطرین ہین، اور تعداد کے اعتبار سے یہ تین ہزار نو سو چھ حدیثین ہین جو چوتھائی سو کے قریب مختلف اخلاقی ابواب و عنوانات مین منقسم ہین، ان مین بعض مکرر باتین بھی ہین، تاہم ان سے اندازہ ہوگا کہ انسان کی اخلاقی و نفسانی کیفیات و حالات کا کوئی ایسا جزو نہ ہوگا جو داعیِ اسلام علیہ السلام کی تلقینات کی فہرست سے رہ گیا ہو، اور جس پر دنیا کے اس سب سے بڑے اور سب سے آخری اخلاقی معلم کی نگاہ نہ پڑی ہو، ہم ذیل مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کے صرف وہ عنوانات لکھتے ہین، جو صحیح بخاری، جامع ترمذی اور سنن ابی داود مین مذکور ہین،

صلۂ رحمی، مان باپ کے ساتھ سلوک، بچون سے محبت، چھوٹون کی شفقت، اور بڑون کی عزت، اپنے بھائی کو اپنے ہی مانند چاہنا، ہمسایون کے ساتھ سلوک، غلامون کے ساتھ سلوک، غلامون کا قصور معاف کرنا، اہل و عیال کی پرورش، یتیمون کی پرورش، بیوہ کی خبرگیری، حاجتمندون کی امداد، اندھون کی دستگیری، عام انسانون

Marfat.com

کے ساتھ ہمدردی، قرضدارون پر احسان، فریادیون کی فریادرسی، خلق کو نفع رسانی، مسلمانون
کی خیرخواہی، جانورون پر شفقت، اور رحم، محسنون کی شکرگذاری، ایک مسلمان کا دوسرے
مسلمانون پر حق، بیمارون کی خدمت، و عیادت، رشک و حسد کی ممانعت، دوسرون
کی مصیبت پر خوش ہونے کی ممانعت، شجاعت و بہادری، لڑائی کے میدان سے بھاگنے
کی برائی، امیر و امام کی اطاعت، مداومت عمل، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، شیرین کلامی
خوش خلقی، فیاضی، بدزبانی سے اجتناب، مہمان نوازی، شرم و حیا، حلم و وقار، غصہ کو ضبط
کرنا، عفو و درگذر، صبر و تحمل، حسب و نسب پر فخاری کی مذمت، بدگمانی کی برائی، کسی کے
گھر بلا اجازت داخل نہ ہونا، دوسرون کے گھر جھانکنا، دوسرا دوسرون نہ دیکھنا، دوسرے بھائی کے
پیٹھ پیچھے دعا کرنا، رفق و نرمی، قناعت اور استغنا، گداگری کی ممانعت، اپنے گناہون
کی پردہ پوشی، اپنے بھائیون کے عیوب پر پردہ ڈالنا، چغلخوری کی ممانعت، تہمت لگانے
کی برائی، غیبت کی ممانعت، بغض و کینہ کی ممانعت، دوسرون کی ٹوہ لگانے کی ممانعت
رازداری، تواضع و خاکساری، امانت داری، بدگالی کی ممانعت، مدح و ستایش کی ممانعت، لعنت کرنیکی
ممانعت، بخل کی ممانعت، فضول گوئی کی ممانعت، فضول خرچی کی ممانعت، کبر و غرور کی مذمت، ہنسی مذاق
کی برائی، نفس انسانی کا احترام، ظلم کی ممانعت، عدل و انصاف، تعصب کی ممانعت، سخت
گیری کی ممانعت، غمخواری و غمگساری، توکل، لالچ کی برائی، رضا بالقضا، ماتم کی ممانعت، قمار بازی
کی ممانعت، سچائی کی ہدایت، اور جھوٹ کی ممانعت، جھوٹی گواہی کی ممانعت، جھگڑا
فساد کرنے کی ممانعت، باہم مصالحت کرانا، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تین

سے زیادہ ناواقف نہ تھے، منافقت اور دو رُخی چال کی مذمت، وعدہ خلافی کی ممانعت، خیانت اور فریب کی ممانعت، شراب خواری، زناکاری، اور چوری کی ممانعت، طہارت و صفائی، دوست احباب کی ملاقات، سلام و تحیت، مصافحہ و معانقہ، دیگر آداب ملاقات، آداب مجلس، آداب طعام، آداب لباس، آداب نشست و برخاست، خانہ داری کے آداب، سونے جاگنے کے آداب، عورتوں کے متعلق خاص آداب و اخلاق و سلوک کے احکام۔

ان تفصیلات سے قیاس ہو سکے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اخلاقیات کا کتنا عظیم الشان ذخیرہ انسانوں کو عطا کیا گیا ہے۔

اخلاقی جزئیات کا استقصاء

انسان بڑا بہانہ جو اور حیلہ طلب واقع ہوا ہے، اس کے لئے اخلاقیات کے صرف کلی اصول کافی نہیں کہ وہ لفظوں کے ہیر پھیر کے سایہ میں پناہ لے، اور صرف چند رسوم کی لفظی تقلید پر قناعت کرے، اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہر خوش اخلاقی یا بداخلاقی کے ایک ایک جزیہ کا استقصا کیا جائے، اور اس کے ایک ایک ریشہ کو کھول دیا جائے، اور اس کی تہ کی اصلی گہرائیوں تک پہنچا جائے، اس کے وسائل اور ذرائع کا بھی پتہ لگایا جائے، اور ان کے متعلق صریح احکام دیئے جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات نے اس نکتہ کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، اس کی توضیح کے لئے امر و نہی دونوں کی ایک ایک دو دو مثالیں کافی ہوں گی،

صدقہ و خیرات تمام مذہبوں میں ثواب کا سب سے بڑا کام سمجھا گیا ہے لیکن تورات

Marfat.com

نے اس کو صرف عُشر اور زکوٰۃ تک محدود رکھا ہے، ان کے علاوہ کسی اور قسم کی خیرات کا ذکر اس میں نہیں ملتا، انجیل نے سب کچھ غریبوں کو دے کر خود غریب بن جانے کو اچھا سمجھا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے دونوں کو یکجا کر دیا ہے، اور ہر ایک کے ایک ایک جزء کی تفصیل کر دی، توراۃ میں یہ مبہم تھا کہ کتنے غلہ یا سونے چاندی کے مالک پر عُشر یا زکوٰۃ فرض، اور کن کن چیزوں میں فرض ہے، شریعتِ محمدیؐ نے اس کے متعلق مقدار اور تعداد اور زمانہ کی پوری پوری تعیین کر دی، وہ اجناس مقرر کر دیے جن میں عشر یا زکوٰۃ واجب ہے، اُن کی تحصیل کا طریقہ بتا دیا، اُن کے اخراجات اور مصارف کی نوعیتوں کی تشریح کر دی، اُس نے یہ حکم نہیں دیا کہ تم سب کچھ راہِ خدا میں لٹا کر خود مفلس اور کنگال بن جاؤ، بلکہ یہ کہا،

يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ	لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا
قُلِ الْعَفْوَ	خرچ کریں، کہدے کہ جو تمہارے
(بقرہ - ۲۷)	ضرورت سے زیادہ ہو،

مگر اخلاقی حیثیت سے اوس نے یہ تلقین ضرور کی کہ تم خود اپنی ضرورت پر گر اور اپنے اوپر تھوڑی تکلیف اٹھا کر دوسروں کی حاجت پوری کرو، تو یہ تمہارے کمالِ خلق کی دلیل ہے، انصار جنھوں نے خود تکلیفیں اٹھا کر مہاجرینؓ کی مصیبتیں دور کیں اُن کی تعریف میں خدا نے فرمایا،

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ	وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح

كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ — دیتے ہیں، اگرچہ خود ان کو

(حشر - ۱) — [illegible]

صحابہؓ کی مدح میں فرمایا،

يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ — خود کھانے کی خواہش کے باوجود

مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا — مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلا

(دھر - ۱) — دیتے ہیں

قرآن پاک سراپا انفاق فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ہدایت سے بھرا ہوا ہے،

اکثر لوگ وہ چیز خدا کی راہ میں دوسروں کو دیتے [illegible] خراب اور نکمی ہو، قرآن پاک نے اس سے روکا [illegible] خیرات کا مقصد ہی نفس کی اور ونائت اور آلودگی ظاہر کرنا [illegible] فرمایا:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا — [illegible]

مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا — [illegible] خرچ کرو گے

مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ — [illegible]

عَلِيْمٌ ۔ (آل عمران - ۱۰) — [illegible]

پھر فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا — [illegible]

مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ	اُس مین کی اچھی چیزین اور جو ہم تمھارے
اَخۡرَجۡنَا لَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ	لئے زمین سے نکالتے ہین، اس مین
وَلَا تَيَمَّمُوا الۡخَبِيۡثَ مِنۡهُ	سے کچھ خدا کی راہ مین دو، اور اس
تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِيۡهِ	مین سے خراب چیز دینے کا قصد بھی
اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِيۡهِ ؕ وَ	نہ کرو کہ تم کو کوئی ایسی چیز دے
اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ	تو نہ لو، مگر یہ کہ چشم پوشی کر لو، اور
	یقین کرو کہ اللہ بے پروا اور خوبیون
(بقرہ - ۳۷)	والا ہے،

اس آیت پاک کے خاتمہ کی بلاغت پر غور کرو کہ اس مین اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت فرمایا کہ وہ بے پروا اور خوبیون والا ہے" یعنی اُس نے اپنے بندون کو مال کے بہترین حصہ کے خیرات کرنے کی جو ہدایت فرمائی، اس کا یہ سبب نہین، کہ نعوذ باللہ خود خدا کو اپنے بندون کی اچھی چیزون کی ضرورت ہو کہ وہ تو ہماری ہر اچھی چیز سے بے نیاز اور بے پروا ہے، بلکہ یہ سبب ہے کہ وہ خوبیون والا ہے، اس لئے خوبی ہی والی چیز کو قبول کرتا ہے،

سب سے پہلے تمھاری امداد کے محتاج خود وہ ہین، جن کی کفالت کا بار تم پر ہے اہل و عیال، دوست، نگر عزیز و قریب، پھر دوسرے محتاج و مسکین اور یتیم اور مسافر،

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ	لوگ تجھ سے پوچھتے ہین کہ کیا خیرات

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ	کریں، کہہ دے جو کچھ تم نیکی کا مال
وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ	خرچ کرو، وہ ماں باپ، رشتہ داروں،
وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ	یتیموں، مسکینوں، اور مسافر کے لئے،
خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ،	اور جو بھی تم نیکی کا کام کرو، اللہ اس
(البقرہ ۲۶-۲)	سے واقف ہے،

اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو تو خیرات کیا دے ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ "ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے، لوگوں نے عرض کی کہ اگر اس کی قدرت نہ ہو، تو فرمایا، مزدوری کرے، اور جو ملے، اس میں کچھ خود کھائے، کچھ محتاجوں کو کھلائے، صحابہؓ نے عرض کی اگر مزدوری کرنے کی بھی قوت نہ ہو، فرمایا تو غم رسیدہ حاجت مند کی کوئی جسمانی خدمت کرے، اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو نیکی کی تعلیم دے، اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو برائی کرنے سے بچے، یہ بھی صدقہ ہے"[1] دوسرے موقع پر فرمایا" اچھی بات کہنا، اور بری بات سے روکنا بھی صدقہ ہے، کسی بھولے بھٹکے مسافر کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے، کسی اندھے کی دست گیری بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر کانٹا، اور ہڈی کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے، اور اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں ڈال دینا بھی صدقہ ہے"[2] غور کیجیے کہ صدقہ اور خیرات کا کتنا وسیع مفہوم ہے،

---

[1] الادب المفرد امام بخاری باب ان کل معروف صدقۃ ص ۸۵ ومصر [2] جامع ترمذی ابواب البر والصلہ باب صنائع المعروف،

کسی کے ساتھ کوئی نیکی کرکے اس کو یاد مت دلاؤ، نہ احسان اُس پر جتاؤ، نہ اس سے اس کے شکریہ کے طالب ہو، نہ نمایش مقصود ہو کہ اس سے خود نیکی برباد ہوجاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری ہی وحی مین یہ نکتہ بتایا گیا، فرمایا :-

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مدثر-۱) — اور اپنا احسان نہ جتا کر تو اور زیادہ چاہے

عام مسلمانون کو تاکید کی گئی،

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقرہ-۳۶) — اے ایمان والو اپنی خیرات کو احسان رکھکر اور جتا کر برباد مت کرو جس طرح وہ برباد کرتا ہے، جو لوگون کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے، اور خدا اور پچھلے دن پر یقین نہین رکھتا،

پھر فرمایا کہ ایسی خیرات سے تو معمولی ہی نیکی بہتر ہے،

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ، (بقرہ-۳۶) — اچھی بات کہنی اور معاف کرنا اس خیرات سے بہتر ہے، جس کے پیچھے احسان جتا کر دینے والے کے دل کو صدمہ پہنچایا جائے، اور خدا بے نیاز اور بردبار ہے،

ریا اور نمایش سے بچنا ہو، تو چھپا کر دو، اور لوگون کی تشویق و ترغیب مقصود ہو

Marfat.com

تو دکھا کرکے بھی دے سکتے ہو،

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا	اگر تم خیرات کھول کردو تو بھی اچھا
هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا	ہے، اور اگر چھپا کر غریبوں کو دو
الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ	تو وہ تمہارے لئے سب سے بہتر
يُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ	ہے، اور اللہ تمہاری برائیوں کا کفارہ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ	کردے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ
(بقرہ - ۳۷)	اُس سے خبردار ہے،
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ	جو لوگ اپنا مال رات اور دن
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً	چھپے اور کھلے اللہ کی راہ میں خرچ
فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ	کرتے ہیں تو اُن کا ثواب اُن کے رب
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ	کے پاس ہے، نہ اُن کو خوف ہوگا
يَحْزَنُوْنَ ۝ (بقرہ - ۳۸)	اور نہ غم،

صدقہ اور خیرات کھلے دل سے یعنی خوشی ہونی چاہئیے، جبر و کراہت سے نہ ہو کہ یہ منافقت کی نشانی ہے،

وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ	اور وہ خدا کی راہ میں نہیں خرچ کرتے
(توبہ - ۷)	لیکن کراہ کر،

صدقہ و خیرات کچے دل سے اور صرف خدا کے لئے ہونی چاہئیے،

Marfat.com

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ الآيہ (بقرہ - ۳۶)

اور اُن کی مثال جو اپنے مال اللہ کی خوشنودی چاہ کر اور اپنا دل پکا کر کے خدا کی راہ مین خرچ کرتے ہین اس باغ کے مانند ہے جو کسی ٹیلہ پر ہو،

بلکہ اس سے زیادہ یہ ہے کہ اس سے مقصود خود خدا ہو،

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ - ۳۷)

اور تم تو خرچ نہین کرتے، مگر اللہ کی ذات کو چاہ کر، اور جو خیرات کروگے وہ تم کو پوری ملے گی، تمھارا حق کچھ دبا نہ رہے گا،

صدقہ و خیرات کی ان تمام تفصیلات سے اندازہ ہوگا کہ اسلام نے اس ایک تعلیم کے کتنے گوشون کا احاطہ کیا ہے،

احکام مین یہ وسعت اور ہمہ گیری اور بھی زیادہ نمایان طور پر نظر آتی ہے، مثلاً مسکرات کو تمام مذاہب نے صاف صاف حرام نہین کیا ہے، مگر اچھا کسی نے نہین سمجھا ہے، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے تذبذب، اور تشکک اور ہان اور نہین کے تمام پہلوؤن کو دور کرکے اس بارہ مین ایک قطعی اور آخری فیصلہ نافذ کر دیا، اسلام سے پہلے گو بعض نیک لوگون نے شراب کا پینا چھوڑ دیا تھا، لیکن یہ حرمت صرف اشخاص تک محدود تھی، اس کے ذریعہ سے تمام دنیا کو اُن کے نقصانات سے محفوظ نہین رکھا جا سکتا،

کرات کی حرمت مین
ئیات کا احاطہ

اور خود اشخاص بھی اس کے اثر سے کلیۃً محفوظ نہیں رہ سکتے، مثلاً ایک شخص شراب نہیں پیتا لیکن اُس کی تجارت کرتا ہے، ایک شخص ان دونوں چیزوں سے احتراز کرتا ہے لیکن اُن برتنوں کو استعمال میں لاتا ہے جن میں شراب رکھی یا بنائی جاتی ہے لیکن اسلام نے شراب کی حرمت کا اعلان اس جامعیت کے ساتھ کیا ہے کہ ان احکام کی مراعات کے ساتھ کوئی شخص شراب کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ	آپ نے فرمایا، خدا شراب پر، اُس کے
علیہ وسلم، لعن اللہ الخمر	پینے والے پر، اس کے پلانے والے
وشاربها وساقيها، وبائعها	پر، اس کے بیچنے والے پر، اس کے
ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها	خریدنے والے پر، اس کے نچوڑنے
وحاملها، والمحمولة اليه	والے پر، اس کے اپنے لئے نچڑوانے
	والے پر، اُس کے لیجانے والے پر، اور
(ابوداؤد کتاب الاشربہ)	اس شخص پر جس کے پاس وہ لیجائی جائے لعنت بھیجتا ہے

مذہب قانون کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ جس چیز سے لوگوں کو روکتا ہے سب سے پہلے اس کی منطقی حقیقت متعین کرے، عرب میں شراب مختلف چیزوں سے بنتی تھی، اس کے مختلف نام تھے، اور ان کا اثر بھی مختلف تھا، قرآن مجید میں شراب کے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے، اس میں خمر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس بنا پر خمر کی حقیقت کی تعیین نہایت ضروری تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی

تعیین فرمادی،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من العنب خمرا وان من التمر خمرا وان من العسل خمرا وان من البر خمرا وان من الشعیر خمرا، (ترمذی ابواب الاشربہ)

آپ نے فرمایا انگور سے بھی شراب بنتی ہے، کھجور سے بھی، شہد سے بھی، گیہون سے بھی، اور جو سے بھی،

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الخمر من العصیر والزبیب والتمر والحنطہ والشعیر والذرۃ، وانی انھاکم عن کل مسکر، (ابوداؤد کتاب الاشربہ)

راوی کا بیان ہو کہ مین نے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ شراب انگور، منقی، کھجور، گیہون، جَو، جوار اور ہر چیز کے نچوڑنے سے بنتی ہے اور مین تم کو ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہون،

عرب کے مختلف حصّون مین ان ہی چیزون کی شراب بنتی تھی، اس لئے یہ تعریف عرب کے تمام اصنافِ شراب کو حاوی تھی لیکن اسلام ایک عالمگیر مذہب تھا، اور یہ ممکن تھا کہ دنیا کے اور حصّون مین شراب کی دوسری قسمین استعمال کی جائین اور تحدیدان کو شامل نہ ہو، اس لئے آپ نے شراب کی ایک کلّی تعریف کی جو تمام اقسامِ شراب پر حاوی تھی،

Marfat.com

کل مسکر خمر وکل مسکر حرام،	ہر نشہ آور چیز شراب ہے، اور ہر نشہ آور
(ابوداؤد کتاب الاشربہ و صحیح مسلم و احمد و ترمذی و نسائی)	چیز حرام ہے،
کل شراب اسکر فھو حرام،	ہر پینے کی چیز جو نشہ لائے وہ
(ابوداؤد واحمد و بخاری و مسلم)	حرام ہے،

لیکن حیلہ جو لوگون کے لئے اب بھی حیلہ جوئی کا موقع باقی تھا، حرمتِ شراب کی اصل وجہ جو اس تعریف سے مستنبط ہوتی ہے، نشہ ہے، لیکن یہ ممکن تھا کہ شراب کی اس قدر کم مقدار استعمال کی جائے کہ نشہ نہ آئے، اس لئے فرمایا،

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام	جو چیز زیادہ مقدار مین نشہ لائے
(ابوداؤد کتاب الاشربہ)	اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے

بعض چیزین ایسی ہوتی ہین جو نشہ نہین لاتین، تاہم اعصاب مین ایک خدر کی کیفیت پیدا کر دیتی ہین، جو نشہ کا ابتدائی مقدمہ ہوتی ہے، بھنگ وغیرہ اسی قسم کی چیزین ہین، اور تمدن کے زمانہ مین مہذب اور حیلہ جو لوگ اکثر اس قسم کے مفرحات کا استعمال کرتے ہین، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بھی ممانعت فرمائی،

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کلِّ مسکرٍ و مفترٍ	(ابوداؤد کتاب الاشربہ)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر منشی و مخدر چیز سے منع فرمایا،

لیکن اس تفصیل و جامعیت کے بعد بھی یہ ممکن تھا کہ لوگ اس قسم کی منشی چیزین استعمال کرین، جن پر عرفاً خمر کا اطلاق نہ کیا جاتا ہو، عرب مین اس قسم کی ایک مصنوعی چیز تھی جسکو

راوی کہتے تھے، چنانچہ آپ نے اس کو بھی خمریات میں داخل فرمایا،

یقول لیشربن ناس من امتی	آپ نے فرمایا کہ میری امت میں
الخمر یسمونہا بغیر اسمہا	کچھ لوگ نام بدل کر شراب کا استعمال
(ابوداؤد کتاب الاشربہ)	کریں گے،

ان کے علاوہ جن برتنوں میں شراب رکھی جاتی تھی، شروع میں ان کے استعمال کی بھی ممانعت فرمائی،

نھی عن الدباء والحنتمۃ	آپ نے کدو، سبز و سیاہ رنگ کے برتنوں
المزفت والنقیر	اور کھجور کی جڑ کے جس میں سوراخ کر
	شراب رکھی جاتی منع فرمایا،

لیکن چونکہ یہ ایک قسم کی سخت گیری تھی، اس لئے آپ نے آخر میں اس حکم کو منسوخ فرمادیا، اب صرف شراب کے استعمال کی دو صورتیں باقی رہ گئی تھیں، ایک یہ کہ اس کی حقیقت بدل دی جائے، دوسری یہ کہ سخت مجبوری کی حالت میں استعمال کی جائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں صورتوں میں بھی شراب کی ممانعت فرمائی، چنانچہ چند یتیموں کے وراثت میں شراب پائی تھی حرمت خمر کے بعد وہ بیکار چیز ہوگئی، حضرت ابوطلحہؓ نے آپ سے سوال کیا کہ اس کا سرکہ کیوں نہ بنالیا جائے، لیکن آپ نے اجازت نہ دی،[1]

[1] ابوداؤد جلد ۲ ص ۔۔ کتاب الاشربہ، اس سرکہ کے جواز و عدم جواز میں فقہا کا اختلاف ہے،

ایک بار دیلم حمیری نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم سرد ملک میں رہتے ہیں اور سخت کام کرتے ہیں، اس لئے گیہوں کی شراب پیتے ہیں کہ محنت اور سردی برداشت کرنے کی طاقت قائم رہے، آپ نے فرمایا کیا اس سے نشہ بھی ہوتا ہے، انھوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تو اس کو چھوڑ دو، انھوں نے کہا لیکن اور لوگ نہیں چھوڑیں گے، ارشاد ہوا کہ اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جہاد کرو۔[۵۱]

سود کی حرمت میں تشدید کا اضافہ

اسلام سے پہلے توراۃ نے بھی بنی اسرائیل کو اپنے بھائیوں سے سود لینے کی ممانعت کی تھی، انجیل نے بھی ناروا نفع سے لوگوں کو روکا ہے تاہم یہ ممانعت بہت مجمل ہے لیکن اسلام نے جب اس کو حرام کیا تو ربا کی حقیقت، ربا کے اقسام، ان کی جزئیات یعنی کس کس قسم کا بیوپار ناجائز ہے، اس کی پوری تفصیل کی، اس کے شائبہ تک سے مسلمانوں کو بھی باز رکھا، اس ظلم میں لوگ کسی طرح بھی شریک ہوں، ان سب کو شریک جرم قرار دیا

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وشاھدیہ وکاتبہ (ابوداؤد کتاب البیوع)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، اس کے گواہ بننے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت کی۔

رشوت کی حرمت میں اشتداد

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے

[۵۱] ابوداؤد جلد ۲ ص ۰۰ کتاب الاشربہ۔

والمرتشی، دونون پر لعنت بھیجی ہے،

اسلام کی دوسری اخلاقی تعلیمات مین بھی اس قسم کی تفصیل، استقصا، اور تمام جزئیات کا احاطہ پایا جاتا ہے، کیونکہ جس چیز کا عام رواج پیدا ہوجاتا ہے، اس کی نہایت کثرت سے مختلف صورتین پیدا ہو جاتی ہین، اور ہر شخص کسی نہ کسی صورت مین مبتلا ہوجاتا ہے اسلیے جب تک ان تمام صورتون کو مٹا نہ دیا جائے اُس چیز کا کلیۃً قلع وقمع نہین ہوسکتا،

مسیحی اخلاق کی کمزوری

نرم و گرم اخلاق مسیحی فلسفۂ اخلاق نے دنیا مین ایک بڑی غلط فہمی یہ پیدا کر دی تھی، کہ اُس نے حسن اخلاق کا انحصار اخلاق کی صرف منفعل اور سرد قسم مین کر دیا تھا، یعنی تواضع، خاکساری، فروتنی، عاجزی، خواری، بردباری، مسکینی، غریبی، غمگینی وغیرہ، منفعل قوتون کو اخلاق کا درجہ دیا تھا، اور اس کے مقابل کی قوتون کی سخت توہین کی تھی، حالانکہ دنیا کے امن و سلامتی اور ترقی و خوشحالی کے لئے دونون قسم کی مناسبات قوتون کے امتزاج کی ضرورت ہے جس قدر ایک مقام پر تواضع و خاکساری کی ضرورت ہے، اسی قدر دوسرے مقام پر خودداری اور عزتِ نفس کی حاجت ہے، جس طرح عفو و درگذر بلند ہمتی کا کام ہے، اسی طرح عدل اور مناسب قانونی انتقام بھی بسا ضروری ہے محکومانہ اخلاق کی خوگیری کا وعظ قناعت پسندون کے لئے ضروری سہی، مگر حاکمانہ روح بھی قوم کے اندر موجود رہنی چاہیے کہ دنیا کے عدل کی میزان قائم رہے،

نٹشے کا اعتراض مسیحی اخلاق پر

جرمن فلاسفر نٹشے نے مسیحی اخلاق پر جا بیجا اعتراضات کے جو تیر برسائے، ان
اُن مسیحی اخلاقی تعلیمات کو جس طرح انسانی چہرہ کا داغ ٹھہرایا ہے، وہ اسی لئے

Marfat.com

وہ صرف کمزوری، عاجزی، خواری، اور مسکینی کی تعلیم دیتے ہین، جن سے لوگون مین عزم، بلند ہمتی، استقلال، ثباتِ قدم، عزتِ نفس، اور خودداری کے جوہر پیدا نہین ہو سکتے، وہ کہتا ہے،

"مسیحیت نے ہمیشہ کمزور، پست اور بوسیدہ اشیاء کا ساتھ دیا ہے، مسیحیت نے طبائع انسانی کی تمام خودداریانہ قوتون کا استیصال کر دینا، اپنا مسلک قرار دیا ہے، مسیحیت نے زبردست دماغون کا ستیاناس کر دیا ہے[1]"

اسلامی اخلاق کا اعتدال

لیکن اُس کو معلوم نہ تھا کہ مسیح علیہ السلام کے ۵۰۰ برس بعد اس نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا ہے، جس نے مسیحی نظامِ اخلاق کی غلطیون کی تصحیح کر دی، اور انسانی اخلاق کا ایسا معتدل نظام پیدا کر دیا، جو ہر شخص، ہر قوم اور ہر زمانہ کے مناسب ہے، اسی کا اثر یہ ہوا کہ ابھی اس کی تعلیم پر دس سال کی مدت بھی نہین گذری تھی کہ محکومون نے حاکمون کی، پست نے بلند کی، ادنیٰ نے اعلیٰ کی، اور تنزل نے ترقی کی جگہ حاصل کر لی، مسیحی یورپ کو ان مین سے ایک چیز بھی اس وقت تک نہ مل سکی، جب تک اصلاح و تجدید کے نام سے اسلامی اصول کو اس نے عاریۃً قبول نہین کیا،

نفوس کا اختلافِ استعداد

اخلاقی تعلیم کوئی ایسی طب نہین ہے جس کا ایک ہی نسخہ ہر بیمار کی اندرونی بیماریون کا علاج ہو، تمام انسانون کی اندرونی کیفیتین، اخلاقی استعدادین اور نفسانی قوتین یکسان نہین ہین، انسانون مین کمزور و پست ہمت بھی ہین، اور قوی و بلند حوصلہ بھی، خاکسار و متواضع

[1] نٹشے از ایم اے گے، ترجمۂ مولوی سید مظفر الدین ندوی، ایم اے، باب سوم۔

Marfat.com

بھی ہیں، اور مغرور و خود دار بھی، بزدل بھی ہیں اور بہادر بھی، بردبار بھی ہیں، اور غضبناک بھی؛
بخیل بھی ہیں، اور فضول خرچ بھی، گداگر بھی ہیں اور فیاض بھی، ناامید بھی ہیں اور پُرامید بھی؛
ضعیف الارادہ بھی ہیں، اور قوی دل بھی، ظالم اور زبردست بھی ہیں، اور ذلیل و خوار بھی؛
الغرض امراض کے اس قدر متفاوت اور مختلف درجات اور مراتب ہیں، کہ سب کے لئے
ایک دوا کبھی کارآمد نہیں ہوسکتی، بہترین اخلاقی معالج وہ ہے جس نے ہر شخص، ہر قوم، اور
ہر زمانہ کے مطابق اپنے نسخے ترتیب دئیے ہوں، اور ہر قسم کے مریضوں کو صحیح و تندرست بنانے کی
قدرت رکھتا ہو،

ہر شخص کی حسب ضرورت اصلاح

صحیح اخلاقی تعلیم و تربیت کا اصول یہ ہے کہ ہر شخص یا ہر قوم کی نفسانی کیفیت کو دیکھکر
جو عنصر کم ہو اس کو زیادہ اور جو زیادہ ہو اس کو کم کرکے قوتوں میں مناسب اعتدال پیدا کر
دے کمزور کو بہادر، اور بہادر کو عادل، پست ہمت کو بلند ارادہ، اور بلند ارادہ کو دوسروں کے
حقوق کو غصب کرنے والا بنائے، نہ ناامید کو پُرامید کرے، اور ناامیدوں سے بھرے ہوئے
کو یہ بتائے کہ جو کچھ تم کو مل رہا ہے، وہ خدا سے مل رہا ہے، وہ قانع کو بلند ارادہ، او
حریص کو دوسروں سے بے نیاز کرکے خدا سے مانگنے والا کردے، وہ ذلیل و خوار کو خود
اور خوددار کو غیر مغرور بنا دے، وہ اچھی قوتوں کو نشوونما دے، اور بری قوتوں کا رُخ ا
مقصدوں کی طرف پھیر کر ان کی برائی کو کم سے کم کردے،

قوتِ غضب اور قوتِ شہوت میں تعدیل

قدیم فلسفۂ اخلاق کے واقف کار جانتے ہیں کہ انسان کے تمام اخلاق کی بنیاد
کی دو قوتوں پر ہے، قوتِ غضب اور قوتِ شہوت، غضب نام ہے اپنے نفس

Marfat.com

نامناسب امور کے پیش آنے پر اُن کی مدافعت کی قوت کا، اور شہوت نام ہے نفس کے مناسب امور کے حصول اور طلب کی قوت کا، ان دونون قوتون کی افراط و تفریط، اور اعتدال، اور اُن کے مختلف مراتب سے سیکڑون اچھے بُرے اخلاقی جذبات پیدا ہوتے ہین، اور اُن مین سے ہر ایک کا الگ الگ نام ہے غضب کی قوت اگر افراط و تفریط سے پاک ہو، اور عقل کے قابو مین ہو، تو اس کا نام شجاعت ہے، اور وہ حالات و کیفیات کے لحاظ سے مختلف پیکرون مین جلوہ گر ہوتی ہے مثلاً خودداری دلیری، آزادی، حق گوئی، بلند ہمتی، بردباری، استقلال، ثبات قدم، وقار، صبر و سکون مطالبۂ حق، جدوجہد، سعی و محنت، جہاد، پھر جب یہی قوت اعتدال سے ہٹ کر افراط کی طرف مائل ہوتی ہے، تو تہور بن جاتی ہے، اور اس سے سلسلہ بسلسلہ غرور، نخوت، خود پرستی، تکبر، ترفع، دوسرون کی تحقیر، ظلم، قتل نفس وغیرہ کی بُرائیان، پیدا ہو جاتی ہین، اور جب یہ قوت تفریط کی طرف جھکتی ہے، تو ذلت پسندی، کم حوصلگی، بےطاقتی، خوف اور دنائت کے قالب مین ظہور کرتی ہے، اسی طرح شہوت کی قوت مین جب کامل اعتدال ہوتا ہے، تو اُس کو عفت کہتے ہین یہی صفت مختلف سانچون مین ڈھل کر مختلف نامون سے پکاری جاتی ہے، یعنی پاک دامنی، پرہیزگاری، جود و سخا، شرم و حیا، صبر، شکر، قناعت، بےطمعی، خوش طبعی، ترقی کی خواہش، نسل و اولاد کی آرزو، زندگی و مسرت کی مناسب طلب وغیرہ، پھر یہ صفت جب افراط و تفریط کی طرف مائل ہوتی ہے تو اس سے حرص و طمع، بےشرمی، فضول خرچی، بخل، ریا، اوباشی، تملق، حسد، رشک،

وغیرہ اوصاف ذمیمہ پیدا ہو جاتے ہین،

مسیحی اور اسلامی اخلاقیات کا فرق

مسیحیت کی تعلیم کا منشا انسان کی ان دونون غضبی اور شہوی قوتون کا استیصال ہے، اور اسلامی تعلیم کی غرض ان دونون کو افراط و تفریط سے ہٹا کر اُن مین توسط اور اعتدال پیدا کرنا ہے، مسیحیت کے نزدیک نفس یہ دونون قوتین بذاتہ بری ہین، اور اسلام کے نزدیک یہ دونون قوتین بجائے خود بری نہین ہین، بلکہ کبھی کبھی اون کے استعمال کا موقع و محل برا ہوتا ہے اسلام کی تعلیم یہ نہین ہے کہ اپنی قوت غضب کو فنا کرکے "دشمن کو پیار کرو" اور نہ یہ کہ اپنی قوت خواہش کو فنا کرکے مجرد رہو، اور مفلس و غمگین بن کر زندگی گذار دو، بلکہ یہ ہے کہ اپنے ذاتی دشمن کو بہتر یہ ہے کہ معاف کردو اور خدائی دشمنون کے حق مین دعاے خیر کرو کہ انھین ہدایت ملے، اور خدا کے حلال کئے ہوئے طیبات اور لذائذ سے لطف اٹھاؤ، لیکن شریعت کے مقرر کردہ حدود سے کبھی آگے نہ بڑھو، امام غزالی کے بقول اسلام نے غصہ کے دبانے والے کی تعریف کی ہے غصہ کے مٹانے والے کی نہین، اُس نے وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ کہا ہے وَالْفَاقِدِينَ الْغَيْظَ نہین،

مسیحی اخلاق کی کمزوریان

دنیا مین علم و ہنر، خوشی و مسرت، ولولہ و انبساط، رونق و ترقی، جد و جہد جو کچھ ہے وہ ان ہی دونون قوتون کی جلوہ آرائیان ہین، اگر یہ دونون قوتین یک قلم مٹ جائین یا ان مین افراط و تفریط پیدا ہو جائے تو نیکی، سعادت اور خوش بختی کی آدھی دنیا مٹ جائے، نہ عفت کا کوئی مفہوم ہو، نہ عصمت کے کوئی معنی ہون، نہ عدل کا وجود ہو، نہ امر و

Marfat.com

امان کا نشان ملے، نہ کسی کی ملک محفوظ، اور نہ کسی کی جان سلامت رہے، نہ انسان کی بلند ہمتی، استقلال، ثباتِ قدم اور سعی و محنت کے جوہر نمایاں ہوں، قوموں کی ترقی اور ملکوں کا نظام درہم برہم ہو جائے، اور خدا کی یہ دنیا ایک ایسا ویرانہ بنجائے جس میں حرکت و جنبش کا نام نہ رہے،

مسیحی اخلاقی تعلیم میں یہ نکتہ ملحوظ نہیں رہا ہے کہ نفس غصہ اور خواہش بری چیز نہیں ہے، بلکہ بیجا غصہ اور ناجائز خواہش بری چیز ہے، نیز یہ کہ جس طرح غصہ اور خواہش بری چیزیں ہیں، اسی قدر وہ معائب بھی جو ان دونوں قوتوں کی تفریط اور کمی سے پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً بے آبروئی، بے غیرتی، ذلت پسندی، دنائت، بے طاقتی، تملق، کم حوصلگی، بے علی ہمتی، فاقہ زدگی بھی برے ہیں، اسلام نے اپنے پیروں میں ان دونوں قوتوں کو اعتدال کے ساتھ جمع کیا ہے، اس نے جہاں ان کو رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ (آپس میں رحمدل) اور اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (مومنوں کے فرمانبردار) کی تعلیم دی، وہیں اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ (کافروں پر بھاری) اور اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ (کافروں پر گراں) بننے کی بھی تعلیم دی، اور ان کو بتایا کہ عزت صرف خدا اور رسول اور ان کے فرمانبرداروں کے حصہ میں ہے، وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ، مسیحی قوموں کو اس وقت تک ترقی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا، جب تک اسلامی فلسفۂ اخلاق کی ان تعلیمات سے پروٹسٹنٹ بن کر انھوں نے فائدہ نہیں اٹھایا، لیکی تاریخِ اخلاقِ یورپ کی دوسری جلد میں کہتا ہے:

Marfat.com

"لیکن انکسار اور فروتنی کا وصف تمامتر مسیحیت کا پیدا کردہ ہے،........
........اور گو یہ وصف بھی ایک زمانہ تک نہایت موزون و مناسب رہا تاہم
تمدن کی روز افزون ترقی کی رفتار کا آخر تک ساتھ نہ دے سکا، ترقی تمدن کے لئے
لازمی ہے کہ قوم مین خودداری ہو، اور حریت کے جذبات موجود ہون، اور انکسار
و تواضع اس کے دشمن ہین، خانقاہانہ طرز زندگی کا شل، فوجی طرز زندگی کے اقتضا
یہ ہے کہ استبدادی حکومت ہو تاہم سپاہیون مین تو پھر بھی فی الجملہ خودی و خودداری
موجود ہوتی ہے، لیکن اُسے بالکل مٹا دینا جو خانقاہانہ زندگی کا مطمحِ نظر تھا، کسی طرح
ترقی تمدن کے حق مین مفید نہین پڑ سکتا تھا، اور پھر بڑے بڑے زاہدون مین تو اس
جذبہ سے اور فضائل پیدا ہوتے بھی رہتے ہین لیکن عوام مین تجربہ سے معلوم ہوا کہ
انکسار بالکل غلامانہ زندگی کے مرادف ہو جاتا ہے، اسی کو دیکھ کر متاخرین حکماے
اخلاق نے بجاے انکسار کے خودی پر زیادہ زور دیا، اور اس کے دو مظاہر ہین، ایک
مردانگی، اور دوسرے خودداری، ان ہی پر زور دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پروٹسٹنٹ ممالک
مین جو صداقت گوئی، آزاد خیالی، خوش معاملگی، بلند حوصلگی، غیرت و حمیت اور عالی ظرفی
نظر آتی ہے، وہ کیتھولک علاقون مین نہین پائی جاتی، بلکہ اُن کے بجاے دنائت،
پست ہمتی، کم ظرفی، بزدلی اور گداگری کے مناظر سامنے آتے ہین، اور سب سے بڑھ کر
یہ کہ اول الذکر مین سیاسی حریت کی جو جلوہ آرائیان ہین، اُن سے آخر الذکر یکسر
خالی ہین، (فصل ۱۱)

...کا اعتراض
...اخلاق پر

Marfat.com

اسلام اور بلند اخلاق | لیکن اس کے بالمقابل معلم اسلام علیہ السلام کی تعلیم جو کچھ ہے، اس کا اندازہ آپ کے صرف ایک سبق سے ہو سکتا ہے، فرمایا،

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ معالی الامور	بیشک اللہ معالی امور کو پسند اور محقرات
ویبغض سفسافہا،	امور کو ناپسند کرتا ہے،

معالی امور سے مقصود عالی حوصلگی کے بڑے کام، اور محقرات سے مراد چھوٹی، اور دنی باتیں ہیں، اس حدیث میں گویا ارشاد ہوا کہ ایک مسلمان کو خدا کا دوست بننے کے لئے ضرورت ہے کہ اس کی نظر ہمیشہ اونچی اور مقصد ہمیشہ بلند رہے، اور دنائت کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے الگ رہے،

اسی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور تعلیم کا حوالہ دینا بھی اس باب میں اسلام کے نقطۂ نظر کو واضح کر دینے کے لئے کافی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا،

المؤمن القوی خیر واحبُّ	کمزور مسلمان سے قوت ور مسلمان
الی اللہ مِنَ المؤمن	زیادہ بہتر اور خدا کے نزدیک پیارا
الضعیف وفی کُلٍّ خیر	ہے، اور ہر ایک میں بھلائی ہے ہر
احرص علی ماینفعک واستعن	وہ چیز جو تجھے نفع دے، اس کی
باللہ ولا تعجزوان اصابک	پوری خواہش کر اور خدا سے مدد
شئی فلا تقل لو انی فعلت	چاہ، اس راہ میں کمزوری نہ دکھا
کان کذا وکذا ولکن قل	اور اگر تجھے اس میں تکلیف پہنچ جائے

Marfat.com

قدر اللہ وما شاء فعل فان لو تفتح عمل الشیطان۔ | تو یہ نہ کہہ اگر میں یوں کرتا تو یوں ہوتا" بلکہ یہ کہہ کر کہ اللہ نے مقدر کر دیا تھا، اور جو چاہا اُس نے کیا، کیونکہ یہ اگر (اور مگر) شیطان کا کاروبار کھولتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب القدر باب فی الامر بالقوۃ)

تقدیر، توکل، صبر اور شکر | یہ حدیث اُن تمام مسائل کی شرح کرتی ہے، جن کو اسلام کی اصطلاح میں تقدیر، توکل، صبر اور شکر سے ادا کیا جاتا ہے، اور جن کی پوری تفصیل مسئلہ قضا و قدر کے ضمن میں جلد چہارم میں، اور عبادات قلبی کے تحت عنوان جلد پنجم میں کی جا چکی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ چاروں تعلیمات اسی لئے ہیں کہ مسلمانوں میں حوصلہ مندی، پر امیدی، استقلال اور ثبات قدم پیدا ہو، مسلمان میں سب سے پہلے بڑے کام کا عزم پیدا ہونا چاہیئے، پھر اس عزم کے پیدا ہونے کے ساتھ خدا پر بھروسہ اور توکل کر کے کام شروع کر دینا چاہیئے، اگر کام میں کامیابی ہوئی تو فخر و غرور کے بجائے دل سے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے، اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ اسی کے فضل و کرم سے ہوا، اور اگر ناکامی ہو، تو دل میں یاس و ناامیدی کے بجائے، صبر و ثبات پیدا ہونا چاہیئے، اور سمجھنا چاہیئے کہ خدا کا منشا یہی تھا، (یہی تقدیر)

حدیث بالا میں جو کچھ فرمایا گیا وہ درحقیقت قرآن پاک کی ان آیتوں کی تشریح ہے،

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ | جب تو پکا ارادہ کر لے پھر خدا پر بھروسہ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ | کر، بیشک اللہ توکل والوں کو پیار کرتا ہے

Marfat.com

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ
لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ
ذَا الَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ
بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ط،

(آلِ عمران - ۱۷)

اگر خدا تمھاری مدد کرے گا تو کوئی
تم پر غلبہ پانے والا نہین، اور اگر
وہ چھوڑ دے، تو پھر اس کے بعد
کون تمھاری مدد کر سکتا ہے خدا
ہی پر ایمان والون کو بھروسہ
کرنا چاہیئے،

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ
فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْ اَنْفُسِكُمْ
اِلَّا فِىْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ نَّبْرَاَهَا ط اِنَّ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ج لِّكَيْلَا
تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا
تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰكُمْ ط وَاللّٰهُ
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ،

(حدید - ۳)

کوئی مصیبت نہین آتی زمین پر اور
نہ تم پر لیکن یہ کہ وہ اس کے پیدا کرنے
سے پہلے کتاب (الٰہی) مین درج
ہوتی ہے، یہ اللہ پر آسان ہے،
یہ اس لئے تاکہ اس پر جو تم سے جاتا
رہے غم نہ کرو، اور جو تم کو اللہ دے
اس پر اترایا نہ کرو، اللہ کسی اترانے
والے بڑائی مارنے والے کو پسند
نہین کرتا،

ان آیتون سے ظاہر ہے کہ تقدیر، توکل، اور صبر و شکر کی تعلیم اسلام مین پستی اور دنائت کے لئے نہین، بلکہ مسلمانون مین ہمت، جرأت، بہادری اور ثابت قدمی پیدا کرنے کے لئے ہے،

Marfat.com

اسی تعلیم کا اثر تھا کہ صحابہؓ نے تمام خطرات سے نڈر ہو کر بڑی بڑی سلطنتون اور فوجون کا مقابلہ کیا، اور کامیاب رہے، اُن کو مشکلات مین خدا کے دوسرے برگزیدون کی یہ دعا سنائی گئی،

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ	اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر و
ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا	ثبات کا پانی بہا، اور ہمارے پاؤن
عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ،	کو مضبوط گاڑ، اور ہم کو کافر لوگون
(بقرہ - ۳۳)	پر فتحیاب کر،

اور بتایا کہ مشکلات مین دوسرے پیغمبرون کے ساتھیون نے کیا کیا،

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ	اور کتنے نبی تھے کہ اُن کے ساتھ ہو کر
رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ج فَمَا وَهَنُوْا	بہت سے اللہ والون نے لڑائی
لِمَا اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	لڑی، تو خدا کی راہ مین جو مشکل یا
وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ط	مصیبت پیش آئی، اس سے وہ ست
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ، وَ	نہ ہوئے، اور نہ کمزور ہوئے، اور
مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا	خدا ثابت رہنے والون کو پیار
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا	فرماتا ہے، اور اُن کا کہنا نہ تھا لیکن
فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا	یہی کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ	گناہ اور ہمارا حد سے بڑھ جانا معاف فرما

(آل عمران - ۱۵) اور ہمارے پاؤں مضبوط رکھ اور ہم کو کافروں پر فتح دے،

پھر خاص طور سے حکم ہوتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اے وہ جو ایمان لائے ثابت قدم رہو اور دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم اور بہادر ثابت ہو اور اللہ سے تقویٰ کرو تاکہ کامیاب ہو،

(آل عمران - ۲۰)

ان آیتوں سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے اخلاق کی بلندی، عالی حوصلگی، بلند ہمتی، اور مشکلات میں صبر و ثبات قدم کی کیسی اچھی تعلیم دی ہے یعنی جس طرح اس کے نزدیک تواضع، فروتنی، اور عاجزی اپنے موقع پر پسندیدہ ہے، اسی طرح سطوت اور بہادری اور حکومت کا رعب بھی اپنی جگہ پر محبوب ہے،

اپنے دشمنوں کو پیار کرو | مسیحی اخلاقی تعلیم کا سب سے زرین اصول یہ ہے کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو، اس میں شک نہیں کہ اس اصول کی ظاہری چمک دمک ایسی ہے کہ ظاہر بینوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں لیکن اہل معنی نے اس کے منطقی تضاد کو اچھی طرح سمجھا ہے یہی سبب ہے کہ خود انجیل کے مفسروں[1] نے اس حکم کو ناممکن العمل بتایا ہے، تم دشمن کو معاف کرسکتے ہو، دشمن کے ساتھ نیک سلوک کرسکتے ہو، دشمن کے حق میں دعائے خیر

---

[1] اسکاٹ صاحب کی تفسیر متی،

کرسکتے ہو، مگر تم دشمن سے پیار اور محبت نہین کرسکتے کہ یہ دل کا فعل ہے جس پر تم کو قدرت نہین،

اخلاقِ محمدیؐ نے اس کے بجاے وہ تعلیم دی جس پر سر خوش نصیب سے عمل ممکن ہی، اور اللہ کے بندون نے ہمیشہ اس پر عمل کیا ہے یعنی دشمنون کے ساتھ نیک سلوک کرو، برا چاہنے والون کے ساتھ بھلائی کرو، جو تم کو بددعائین دین انکو دعا دو، جو تمھارا قصور کرین اُن کو معاف کرو، اور جو تم پر ظلم کرین اُن کے ساتھ انصاف کرو، فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا	اے ایمان والو خدا کے لئے کھڑے
قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ	ہوجایا کرو انصاف کے ساتھ گواہ
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ	بن کر، اور کسی قوم کی دشمنی تم کو
عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا	عدل و انصاف کرنے سے باز نہ
هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا	رکھے، انصاف کرو کہ انصاف کرنا
اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا	پرہیزگاری سے بہت نزدیک ہے،
تَعْمَلُونَ،	اور خدا سے ڈرو کہ اس کو تمھاری کامون
(مائدہ ۲-۲)	کی خبر ہے،
وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا	اور بھلائی اور برائی برابر نہین برائی
السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ	کو بھلائی سے دفع کرو، تو دفعۃً وہ
فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ	جس کے اور تمھارے درمیان دشمنی

Marfat.com

عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ	رشتہ دار دوست کے مانند ہو جائیگا
وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا	اور اس پر عمل کی توفیق ان ہی کو ہوتی
وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ	ہے، جو صبر کرتے ہیں، اور ان ہی کو
وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ	یہ سعادت ملتی ہے، جو بڑی قسمت
نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ	والے ہیں، اور اگر شیطان تم کو اکسائے
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ	تو خدا کی پناہ مانگو کہ وہ سننے والا
(حٰمٓ السجدۃ-۵)	جاننے والا ہے،

۱- اس آیتِ پاک میں شروع ہی میں ایک اصول بتایا گیا ہے، کہ بھلائی اور برائی برابر نہیں، ان دونوں کا فرق بالکل نمایاں ہے،

۲- اس آیتِ پاک میں جس نیکی اور حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے، وہ اُن لوگوں کے ساتھ کرنے کی ہے، جو تمہارے دشمن ہیں، کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ تمہارے اس نیک طرزِ عمل سے تمہارا دشمن تمہارا دوست بن جائے گا،

۳- دشمن کے ساتھ اس نیکی کرنے کو صبر کا انتہائی درجہ کہا گیا، اور اُس کو عظیم الشان خوش قسمتی سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ اخلاقِ محمدیؐ کے صحیفہ میں اس کا کیا درجہ ہے؟

۴- دشمن کے ساتھ برائی کرنے کو اس میں شیطانی تحریک بتایا گیا ہے، اور اُس سے خوش قسمت مسلمانوں کو خدا کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے حضرت ابن عباسؓ

Marfat.com

جو صحابہ مین بڑے مفسّر ہین اس آیت کی تفسیر مین کہتے ہین؛[۱]

"اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو غیظ و غضب کی حالت مین صبر کا اور کسی کی بُرائی کرنے پر حلم اور عفو و درگذر کا حکم دیا ہے، وہ ایسا کرین گے تو خدا اُن کو شیطان کے پنجہ سے چھڑا دیگا اور اُن کا دشمن بھی دوست کی طرح اُن کے آگے سر جھکا دے گا"

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بیٹھے تھے، گالی دی، وہ سُن کر چپ رہے، اُس نے دوبارہ وہی حرکت کی، وہ پھر بھی چپ رہے، اُس نے پھر تیسری مرتبہ بدزبانی کی، تو وہ چپ نہ رہ سکے، اور کچھ بول اُٹھے، یہ دیکھکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) فوراً اُٹھ گئے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی یارسول اللہ کیا آپ مجھ سے خفا ہوئے، فرمایا اے ابوبکر جب تک تم چپ تھے، خدا کا فرشتہ تمھاری طرف سے کھڑا تھا، جب تم نے جواب دیا، تو وہ ہٹ گیا"[۲]

آپنے فرمایا "صلہ رحم یہ نہین ہے کہ صلہ رحم کرنے والون کے ساتھ صلہ رحم کرو، بلکہ یہ ہے کہ جو قطع رحم کرے اس کے ساتھ صلہ رحم کرو"[۳] یعنی دوستون کے ساتھ دوستی کوئی بات نہین بلکہ دشمنون کے ساتھ دوستی اصلی خوبی ہے،

ایک دفعہ ایک اعرابی نے خدمتِ نبوی مین آکر عرض کی، یارسولؐ اللہ مجھے وہ بات بتائیے جس کے کرنے سے جنّت مل جائے، آپنے اس کو چند باتین بتائین منجملہ اُن کے

۱؎ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۱۲، و ابن جریر جلد ۲۴ ص ۶۸ مصر، ۲؎ سنن ابی داود، کتاب الادب باب فی
۳؎ صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۲ ص ۱۰۸۶

فرمایا ظالم رشتہ دار پر اپنی غناتون کی بارش کردو[۵۱]

اسلام کی نظر مین کافر و مشرک سے بڑھ کر تو کوئی مذہبی دشمن نہین ہو سکتا لیکن دیکھو کہ قرآن پاک مسلمانون کو اپنے ایسے دشمنون کے ساتھ بھی عفو و درگذر کی کیسی صریح تعلیم دیتا ہے،

قُلْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا	(اے پیغمبر) مسلمانون سے کہدے
لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ	کہ ان کو جو خدا کے دنون پر یقین
لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا	نہین رکھتے، معاف کر دیا کرین تاکہ
يَكْسِبُوْنَ،	خدا ایسے لوگون کو ان کے کرتوتون
(جاثیہ۔۲)	کا بدلہ دے،

اگر عملی مثالین چاہتے ہو تو وہ ریاکار فریسیون اور سانپون اور سانپون کے بچون" والی مسیحیت کے واعظ مین نہین، بلکہ اسلام کے اس اولین داعی و واعظ مین ہے جس نے فاتح بن کر مفتوح ہو کر نہین، حاکم ہو کر محکوم بن کر نہین، بیک دفعہ مکہ کے ان ہزارون دشمنون کو معاف کر دیا، جن مین سے ہر ایک اس کے خون کا پیاسا رہ چکا تھا[۵۳] جس نے اس کو معاف کیا جس نے اس کے قتل یا گرفتاری کے لئے اہل مکہ کا اشتہار و انعام سن کر اس کا تعاقب کیا تھا[۵۴] جس نے خیبر مین اپنے زہر دینے والی یہودیہ کو معاف کیا تھا[۵۵] جس نے

[۵۱] مستدرک حاکم کتاب المکاتب جلد ۲ ص ۲۱، حیدرآباد دکن [۵۲] انجیل متی ۲۳، ۲۵، ۳۳ [۵۳] صحیح بخاری باب فتح مکہ
[۵۴] صحیح بخاری کتاب الہجرۃ [۵۵] صحیح بخاری باب فتح خیبر و ذکر وفات نبوی،

اپنے چچا کے قاتل کو معاف کیا تھا[1]، جس نے حمزہؓ کی لاش کو بے حرمت کرنے والی اور ان کے جگر کو چبانے والی کو معاف کیا[2]، جس نے اپنی قرۃ العین کے ایک طرح کے قاتل کو معاف کیا[3]، جس نے تنعیم کی وادی میں قریش کے اس گرفتار دستہ کو معاف کیا[4] جو اس کے قتل کے ارادہ سے آیا تھا، جس نے نجد کے ایک نخلستان میں جب وہ محو خواب تھا، ایک تیغ بکف حملہ آور کو قابو میں پاکر معاف کیا[5]، جس نے ان طائف والوں کے حق میں دعا خیر کی، جنہوں نے اس پر کبھی پتھروں کی وہ بارش کی تھی، جس سے اس کے پاؤں خون آلود ہوگئے تھے[6]، جس نے احد کے میدان میں اپنے چہرہ کے زخمی کرنے والوں کو نیک دعا دی[7]، جس نے دشمنوں کے حق میں بددعا کرانے والوں کو کہا کہ میں دنیا میں لعنت کے لئے نہیں اللہ کی رحمت کے لئے آیا ہوں[8]، صلی اللہ علیہ وسلم، اتنا یہ کہ کفار اور مشرکین کے ساتھ معاہدہ کو پورا کرنا تقویٰ (پرہیزگاری) کی شان بتائی گئی،

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ	لیکن جن مشرکوں سے تم نے عہد
الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ	باندھا، پھر انہوں نے تم سے کچھ کمی
شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ	نہ کیا، اور نہ تمہارے خلاف کسی

۱؎ صحیح بخاری فتح طائف ۲؎ صحیح بخاری باب فتح مکہ ۳؎ کتب سیر و طبقات صحابہ ذکر اشتہاریان فتح مکہ و ہبار بن اسود ۴؎ جامع ترمذی کتاب التفسیر سورۂ فتح ص ۵۰۰، ۵؎ صحیح بخاری کتاب الجہاد و ۶؎ ابن سعد غزوۂ طائف ۷؎ فتح الباری ج ۷، ص ۲۸۰ مصر باب اُحد ۸؎ صحیح بخاری مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مشکوٰۃ اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحوالہ مسلم،

أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ — کی مدد کی، تو اُن کا عہد اُن کی مدت

عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ — مقررہ تک پورا کرو، اللہ پرہیزگاروں

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (توبہ-۱) — کو دوست رکھتا ہے،

کفار و مشرکین سے عدم موالات

اس موقع پر اکثر معترض اسلام کے اُن احکام کو پیش کرتے ہیں جن میں مسلمانوں کو کافروں اور مشرکوں کی رفاقت اور موالات سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ یہ بالکل طبعی چیز ہے، یقیناً ہر ایک تحریک کے بانی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی تحریک کے قیام و بقاء اور حفاظت کی خاطر اس تحریک کے پیرووں کو اُن کے اُن مخالفوں کے میل جول، رازداری، اور رفاقت سے روک دے جو زور یا سازش سے اُس کے مٹا دینے اور برباد کر دینے کے درپے ہوں، خصوصاً ایسے وقت میں جب اس تحریک کو تیغ و خنجر اور فوج و لشکر سے مٹا دینے کی کوششیں ہو رہی ہوں اور طرفین میں لڑائی کی سی حالت قائم ہو، یا غلط شبہے اور افواہیں پھیلا کر اس کے پیرووں کو وہ برگشتہ کرنا چاہتے ہوں، چنانچہ اس قسم کی آیتیں،

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ — ایمان والے مسلمانوں کو چھوڑ کر

أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ — کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں

وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ — تو جو ایسا کرے گا، تو اس کو اللہ سے

مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن — کوئی علاقہ نہیں، مگر یہ کہ تم اُن سے

تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً (آل عمران ۳) — بچاؤ چاہو،

Marfat.com

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ، (توبہ - ۳)

اے ایمان والو اپنے باپ ، اور بھائیوں کو اگر وہ ایمان کے برخلاف کفر سے محبت رکھیں ، اپنا دوست نہ بناؤ ، اور تم میں سے جو کوئی اُن سے دوستی رکھے گا ، تو وہی حد سے گذرنے والے ہوں گے ،

اسی موقع کی ہیں ، ایک اور بات یہ بھی ہے کہ جب حق و باطل معرکہ آرا ہوں تو اہلِ حق کے درمیان ، اسی حق کی خاطر جس قدر محبت ہوگی ، فطرۃً اُن اہل باطل سے اسی قدر بیزاری اور علیحدگی ہوگی ، جو اس حق کے مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہوں ، اس لئے اس حق کی حفاظت کی خاطر اہلِ حق کو اہلِ باطل سے اس قسم کی محبت اور موالات سے اسلام نے روکا ہے ، اسلام کے اس قسم کے احکام کے معنی وہی ہیں ، جو "شہزادہ امن" کے اس اعلان کے ہیں ،

"یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ، صلح کروانے نہیں ، بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ ، اور بیٹے کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں ، آدمی کے دشمن اس کے گھر کے لوگ ہوں گے ، جو کوئی باپ یا ماں کو مجھ سے زیادہ چاہتا ہے وہ میرے لائق نہیں " (متی کی انجیل باب ۱۰-۳۴)

یہی سبب ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اخلاق میں یہودیوں کے ساتھ وہ نرمی ، رحمدلی اور

رقیق القلبی نہ تھی، جو دوسرے ناوان بُت پرستون اور گنہگارون کے ساتھ تھی، وہ یہودیون کو بے تکلف سخت سے سخت الفاظ سے خطاب کرتے تھے، جب حجاز کے یہودیون اور سرحد شام کے عیسائیون سے مسلمانون کی جنگ چھڑی، اور بظاہر مال و دولت، ساز و سامان اسلحہ اور مستحکم قلعون کے سبب سے اُن کا پلہ مسلمانون سے زیادہ بھاری نظر آتا تھا، تو مدینہ کے منافقون اور کمزور دلون کی عاقبت بینی، اور دور اندیشی اُن کو اس پر مجبور کرتی تھی کہ وہ اسلام کے ان دشمنون سے ساز باز رکھین تاکہ اُن کے مقابلہ مین اگر مسلمانون کو شکست ہو تو اُن کو پناہ مل سکے، اسی کے ساتھ وہ مسلمانون کو اپنے ساتھ ملا کر اُن کو دینِ اسلام سے منحرف کرنے کی کوشش کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر مسلمانون کو ان اہلِ کتاب سے رازدارانہ دوستی و محبت کے تعلقات رکھنے سے منع کردیا، فرمایا:-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا	اے ایمان والو! یہودیون اور
الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ	نصرانیون کو رفیق نہ بناؤ، وہ آپس
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَ	مین ایک دوسرے کے رفیق ہین
مَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ	اور جو کوئی تم مین سے اُن سے رفاقت
مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي	کرے، وہ ان ہی مین ہے، اللہ
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ، فَتَرَى	بے انصاف لوگون کو راہ نہین
الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ	دیتا، اب تو ان کو دیکھتا ہے جن
يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ	کے دل مین بیماری ہے کہ وہ دوڑ کر

Marfat.com

نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۚ
فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ
اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا
عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
نٰدِمِيْنَ ۚ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا
بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ
لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ
فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ
دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ
يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ ۖ

(مائدہ — ۵۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

اُن سے ملے جاتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ
ہم کو ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے
تو اللہ شاید جلد (مسلمانوں کی) فتح
یا اپنی طرف سے (کامیابی کی) کوئی اور بات
اپنے پاس سے بھیجے، تو پھر وہ اپنے
دل کی چھپی بات پر پچھتانے لگیں،
اور مسلمان کہیں کہ یہ وہی لوگ ہیں
جو اللہ کی کڑی قسم کھاتے تھے کہ ہم تمہارے
ساتھ ہیں، خراب گئے اُن کے عمل، پھر
رہ گئے نقصان میں، اے ایمان والو!
اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرے گا
تو اللہ کا کچھ حرج نہیں، اللہ اپنے دین
کے لئے اور دوسرے لوگوں کو لائے گا،
جن سے راضی ہوگا، اور وہ اللہ سے
راضی ہوں گے، جو ایمان والوں کے
نرم اور کافروں پر بھاری ہوں گے۔
اے ایمان والو! مت بناؤ اہل کتاب

الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (مائدہ)

اور کفار میں سے اُن کو جو تمہارے دین کو ہنسی مذاق بناتے ہیں اپنا رفیق نہ بناؤ، اور خدا سے ڈرو اگر یقین رکھتے ہو۔

ان آیتوں میں پوری تصریح ہے کہ کن لوگوں کو اور کن حالات میں اپنا رفیق کار، محرم اسرار اور مددگار نہ بناؤ۔ اور اس ممانعت کا منشا کیا ہے؟ مزید تصریح آل عمران کی اس آیت میں ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (آل عمران-۱۱۸)

اے ایمان والو! اپنے غیر کو اپنا بھیدی نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کرتے، یعنی تم کو تکلیف پہنچے، اُن کو خوشی ہے، دشمنی اُن کی زبان سے نکل پڑتی ہے، اور جو اُن کے سینوں میں چھپا ہے، وہ اس سے زیادہ ہے، ہم نے تم کو پتے بتا دیئے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ گروہ مسلمانوں [illegible] اُن کے منصوبوں اور نقشوں کی جاسوسی کرتے تھے، اور بھیدوں کا پتہ لگا [illegible] اُن کی درک تمام

کے لئے مسلمانوں کو اُن کی رفاقت اور سازباز سے روکا گیا ہے، سب سے زیادہ تصریح

سورۂ ممتحنہ میں ہی، فرمایا،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا
عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ
تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ
وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ
الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ
اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ
جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ
مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ
اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ
يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ
سَوَآءَ السَّبِيْلِ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ
يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ
يَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں
کو دوست نہ بناؤ کہ تم اُن کو دوستی
کا پیغام بھیجو، اور وہ اس سچائی کے
جو تم کو ملی، منکر ہیں، وہ رسول کو اور
تم کو اس لئے گھر سے نکالتے ہیں کہ تم
اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے
اگر تم میری راہ میں لڑائی اور میری
خوشنودی کی طلب میں نکلو تو تم اُن کو
دوستی کے چھپے پیغام بھیجو اور مجھے خوب معلوم
ہے، جو تم چھپاتے اور جو تم ظاہر کرتے
ہو، جو تم میں ایسا کرتا ہے، وہ
سیدھی راہ بھولا ہے، اگر وہ جن کو
تم دوستی کا چھپا پیغام بھیجتے ہو، تم کو
موقع سے پائیں، تو تمہارے دشمن ہوں
اور تمہاری تکلیف پہنچانے کے لئے اپنے

وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا	ہاتھ بڑھائیں، اور برائی کے ساتھ اپنی
لَوْ تَكْفُرُوْنَ، لَنْ تَنْفَعَكُمْ	زبانیں کھولیں، اور چاہتے ہیں کہ
اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ	تم بھی کسی طرح دین کے منکر ہو جاؤ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ،	تم کو تمہاری قرابت اور تمہاری اولاد
(ممتحنہ ۔ ۱)	قیامت کے دن نفع نہیں پہنچائیگی
آگے اس سے بڑھ کر تصریح سنیے،	
لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ	خدا تم کو اُن لوگوں کے ساتھ نیکی اور
لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ	انصاف کرنے سے باز نہیں رکھتا جو
لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ	تم سے مذہب میں لڑائی نہیں کرتے
اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا	اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے
اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	نکالتے ہیں، خدا انصاف والوں
الْمُقْسِطِيْنَ، اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ	کو پیار کرتا ہے، وہ انہی سے دوستی
اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ	کرنے کو منع کرتا ہے، جو تم سے مذہب
فِي الدِّيْنِ ط وَاَخْرَجُوْكُمْ	میں لڑائی لڑیں، اور تم کو تمہارے
مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا	گھروں سے نکالیں، اور تمہارے
عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ	نکالنے پر ایک دوسرے کے مددگار
وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ	بنیں، جو ان سے دوستی کا دم بھریگا

Marfat.com

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ (ممتحنہ ۲) تو وہی بے انصاف ہون گے ،

اس کے ساتھ یہ خوشخبری بھی سنادی کہ عنقریب تمھاری فتح ہوگی ، اور اس وقت یہ دشمنی محبت سے بدل جائے گی ، فرمایا ،

عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ — اُمید ہے کہ اللہ تمھارے اور تمھارے

وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ — دشمنون کے درمیان دوستی پیدا کرے

مَّوَدَّةً ط وَاللّٰهُ قَدِیْرٌ (ممتحنہ ۲) — اور اللہ قدرت والا ہے ،

ان آیتون کا مطلب اُن کے شان نزول کے جاننے کے بعد بالکل صاف ہوجاتا ہے ، انہی مین سے ایک واقعہ یہ ہے کہ مسلمان قریش کی بیخبری مین مکہ پر قبضہ کرلینا چاہتے تھے ، تیاریان ہورہی تھین ، کہ ایک مسلمان حاطبؓ بن بلتعہ نے اپنی ذاتی منفعت کے لئے قریش کو اس سے خبردار کرنا چاہا ، اور اس کے لئے ایک خط لکھ کر اور ایک عورت کو دے کر مکہ کی سمت روانہ کردیا ، کہ قریش خبردار ہوجائین ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی ، آپ نے دو سوارون کو بھیجا کہ راستہ سے وہ خط اس سے واپس لے آئین ، وہ خط آیا تو آپ نے حاطب سے پوچھا کہ یہ کیا ہے ؟ عرض کی یارسول اللہ جلدی نہ فرمایئے ، بات یہ ہے کہ مین قریش مین رہتا ہون لیکن اُن سے میرا کوئی نسبی تعلق نہین ، اور جس قدر مہاجرین ، وہان اُن کی قرابتین اور رشتہ داریان ہین جن کے سبب سے اُن کے خاندان کے لوگ محفوظ ہین ، میری وہان کوئی قرابت نہ تھی جس کا مکہ والے لحاظ کرتے تو مین نے چاہا کہ مین اُن پر یہ احسان کرون تاکہ وہ میرا کچھ لحاظ کرین ، مین نے دین حق سے مرتد ہوکر ایسا نہین کیا ، آپ نے فرمایا ، تم بدر والے لوگ ہو خدا نے تمھارے گناہ

Marfat.com

معاف کئے ہین، اس پر یہ آیت اُتری، یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا، اے ایمان والو میرے اور[1] اپنے دشمنون کو اپنا دوست نہ بناؤ، یہ احکام اسی قسم کے ہین، جو عہد عتیق مین بھی مذکور ہین، زبور مین ہے،

"اے خدا تو یقیناً شریرون کو قتل کرے گا، پس اے خونیو! میرے پاس سے دور ہو جاؤ، کیونکہ وہ تیری بابت شرارت سے باتین کرتے ہین، تیرے دشمن تیرا نام عبث لیتے ہین، اے خداوند کیا مین اُن کا کینہ نہین رکھتا، جو تیرا کینہ رکھتے ہین، کیا مین اُن سے جو تیرے مخالف ہو کے روٹھے ہین، بیزار نہین، مین شدت سے اُن کا کینہ رکھتا ہون، مین انھین اپنے دشمنون مین گنتا ہون"،

(۱۳۹ - ۱۹ - ۲۲)

یشوع کے صحیفہ مین ہے،

"اگر تم کسی طرح سے برگشتہ ہو، اور اُن لوگون کے بقیہ سے لپٹو، جو تمھارے درمیان باقی ہین، اور اُن کے ساتھ نسبتین کرو، اور اُن سے ملو، اور وہ تم سے ملین، تو یقین جانو، کہ خداوند تمھارا خدا پھر ان گروہون کو تمھارے سامنے سے دفع نہ کرے گا بلکہ وہ تمھارے لئے پھندے اور دام اور تمھاری بغلون کے لئے کوڑے اور تمھاری آنکھون مین کانٹے ہون گے، یہان تک کہ تم اس اچھی سرزمین پر سے جو خداوند تمھارے خدا نے عنایت کی ہے، نابود ہو جاؤ گے، (یشوع باب ۲۳، ۱۲)

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۲۶، تفسیر سورۂ ممتحنہ،

Marfat.com

قرآنِ پاک اور احادیث مین بعض احکام ایسے بھی ہین جن مین منکرون، ظالمون بدرون کا ان اور گنہگارون سے علٰحدہ رہنے کی نصیحت ہی،

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا	وہ چاہتے ہین کہ تم بھی کفر کرو جس
فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوْا	طرح انھون نے کفر کیا، تو ان مین
مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا	سے اپنے دوست نہ بناؤ، یہان
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ،	تک کہ وہ خدا کی راہ مین ہجرت نہ
(نسآء-۱۲)	اختیار نہ کرین،
وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ	اور جب تو ان کو دیکھے کہ جو میری
فِيْ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى	آیتون کی شان مین لغو بکتے ہین، تو
يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ط	اُن سے کنارہ کرلے، یہان تک کہ
وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ	وہ اس کے سوا دوسری بات مین
فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى	لگ جائین، اور اگر تجھ کو شیطان
مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥	بھلادے، تو یاد آنے کے بعد پھر ان
(انعام-۸)	گنہگار لوگون کیساتھ نہ بیٹھ،
وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ	اور تم پر کتاب مین یہ حکم اتار چکا کہ جب
اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ	سنو اللہ کی آیتون سے انکار ہوتے
يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا	اور ان پر ہنسی ہوتے، تو اُن کے

Marfat.com

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا	ساتھ جب تک وہ دوسری بات نہ
فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا	کرنے لگیں، نہ بیٹھو، ورنہ تم بھی اُن ہی
مِّثْلُهُمْ ط (نساء - ۲۰)	کے جیسے ہو جاؤ گے،

یہ احکام اس لئے ہین تاکہ بُری صحبت کا بُرا اثر مسلمانون پر نہ پڑے، اُن کے معنی قریب قریب وہی ہین، جو سینٹ پال کے ان فقرون کے ہین،

مین نے خط مین تم کو لکھا کہ حرام کارون مین مت ملے رہو، لیکن نہ یہ کہ بالکل دنیا کے حرام کارون یا لالچیون یا لٹیرون یا بُت پرستون سے نہ ملو، نہین تو تمھین دنیا سے نکلنا ضرور ہوتا، پر مین نے اب تمھین یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی بھائی کہلا کے حرام کار یا لالچی یا بت پرست، یا گالی دینے والا، یا شرابی، یا لٹیرا ہو تو اس سے صحبت نہ رکھنا بلکہ ایسے کے ساتھ کھانا تک نہ کھانا،.........غرض کہ تم اس بُرے آدمی کو اپنے درمیان سے نکال دو، (اول قرنیتون ۵)

اور تم بے ایمانون کے ساتھ نالائق جُوے مین مت جتے جاؤ کہ راستی اور ناراستی مین کونسا ساجھا ہے، اور روشنی اور تاریکی مین کونسا میل ہے، ایمان دار کا بے ایمان کے ساتھ کیا حصہ ہے، خدا کی ہیکل کو بتون سے کونسی موافقت ہے،.......اس واسطے خدا یہ کہتا ہے کہ تم اُن کے درمیان سے نکل آؤ، اور جدا ہو، اور ناپاک کو مت چھوؤ،

(۲ قرنیتون - ۶)

کفار و مشرکین کے ساتھ دلی بیگانگی اور روحانی غیرت کے باوجود اسلام دنیاوی

معاملات اور اخلاق میں مسلمانوں کو اُن سے عدل و انصاف اور رواداری کی تاکید کرتا ہے، عین لڑائی کی حالت میں بھی یہ حکم ہے،

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے
اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ	پناہ مانگے، تو اس کو پناہ دے، یہاں
كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ	تک کہ وہ اللہ کا کلام سُن لے، پھر
مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ	اسکو تو اس کی امن کی جگہ تک پہنچا دے
لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ (توبہ-۱)	یہ اس لئے کہ وہ نادان لوگ ہیں،

کیا ایک جنگجو مذہبی دشمن کے ساتھ اس سے زیادہ بھی حُسن سلوک ہو سکتا ہے؟ کفار سے دلی بے تعلقی کے باوجود قرآنِ پاک میں یہ صریح حکم ہے کہ اگر کسی مسلمان کے ماں باپ مشرک و کافر ہوں تو بھی اُن کی خدمت بجالانا اور دنیاوی معاملات میں اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اُن کی مسلمان اولاد پر فرض ہے، فرمایا :-

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ	اور اگر وہ دونوں (والدین) اس پر ضد
بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا	کریں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک کرے
تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا	جس کا تجھے علم نہیں، تو اُن کی بات
مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ	نہ مان، اور دنیا میں اُن کے ساتھ نیکی
اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ	کا برتاؤ کر، اور اس کی راہ چل جو میری
فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ	طرف جھکا، پھر تم سب کو میری طرف

Marfat.com

تَعْمَلُوْنَ، (لقمان - ۲) آنا ہے، پھر مین تم کو جتاؤنگا جو تم کرتے تھے،

مذہبی دشمنون کے ساتھ اس سے زیادہ رواداری اور کیا ہو سکتی ہے کہ مذہبی مخالفت کے باوجود اُن کی دنیاوی خدمت اور اُن کے ساتھ نیک برتاؤ مین کوئی کوتاہی کیجائے،

سختی کا جائز موقع | اس مین شک نہین کہ اسلام مین نہ صرف کفار بلکہ اُن کے ساتھ بھی جن کو قرآن کی اصطلاح مین "منافقین" کہتے ہین، بعض موقعون پر سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسے کسی قوم کے ساتھ مسلمانون کو لڑائی درپیش ہو، اور اس وقت خطرہ ہو کہ جو کافر یا منافق مسلمانون کے ساتھ آباد ہین، وہ دھوکے سے دشمنون کے ساتھ میل اور سازش نہ کرین یا لڑائی کے بغیر بھی وہ مسلمانون کے اندر رہکر اُن کی جماعت مین تفرقہ پردازی کرین، اور طرح طرح کے شبہون اور افواہون سے مسلمانون کی جمعیت مین پریشانی پیدا کرین، اس حالت مین اُن کافرون اور منافقون کی سختی کے ساتھ نگرانی اور دیکھ بھال کی جائے اور مسلمانون کو اُن کے میل جول سے روک دیا جائے، اور اگر وہ لڑ پڑین تو بہادری کے ساتھ اُن سے لڑا جائے، یہان تک کہ وہ اپنی اس مذموم حرکت سے باز آجائین، ان تمام امور کے فیصلہ کا حق امام وقت کو حاصل ہے اس موقع کی دو آیتین سورۂ توبہ مین ہین،

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ	اے پیغمبر اُن کافرون اور منافقون
وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ	سے جہاد کر اور اُن پر سختی کر، اور انکی
وَمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ	جائے پناہ دوزخ ہے، اور وہ کتنی
الْمَصِيْرُ، يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ	بری بازگشت کی جگہ ہے، یہ اللہ کی

Marfat.com

مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

(توبہ - ۱۰)

قسم کھاتے ہین کہ انھون نے ایسا نہین کہا، حالانکہ انھون نے یقیناً کفر کی بات کہی، اور اسلام کے اظہار کے بعد کفر کیا، اور اس بات کا قصد کیا تھا جسکو وہ نہ پا سکے، اور انھون نے عیب نہین کیا لیکن یہی کہ خدا اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے اُن کو دولتمند کر دیا تو اگر وہ باز آجائین تو اُن کے لئے یہ بہت اچھا ہے اور اگر وہ منہ پھیرین تو اللہ اُن کو اس دنیا مین اور آخرت مین دردناک سزا دے گا، اور زمین مین نہ اُن کا کوئی دوست ہوگا، نہ مددگار۔[1]

یہ آیتین اس سختی کے موقع پر خود اپنے الفاظ سے ظاہر کر رہی ہین، اور اُن کے آگے اور پیچھے جو اور آیتین ہین، وہ اور اس کی وضاحت کرتی ہین، تین رکوع کے بعد سورہ کے خاتمہ مین مسلمانون کو رومیون کے مقابلہ مین اپنی پوری سختی کے مظاہرہ کی ہدایت کی گئی ہے،

[1] تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ ص ۱۰۴، مصر

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا	اے ایمان والو! ان کافرون سے لڑو
الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ	جو تمہارے ہم سرحد ہین، اور چاہیے
وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً	کہ وہ تمہارے اندر سختی پائین،
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ	اور یقین کرو کہ اللہ پرہیزگارون
(توبہ - ۱۶)	کے ساتھ ہے،

اس سختی کے مظاہرہ کا حکم اس لئے ہے تاکہ وہ مسلمانون کو کمزور سمجھ کر اُن پر حملہ کی نیت نہ کرین،

تحریم اور ایلا کے موقع پر جب بعض منافق اہل بیت نبوی مین پھوٹ ڈال کر مسلمانون کی جماعت مین افتراق اور انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے، کفار اور منافقین کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا حکم ہوا،

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ	اے پیغمبر! اُن کافرون اور منافقون
وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ	سے جہاد کر، اور اُن پر سختی کر، اور اُن کا
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ	ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بازگشت کی
الْمَصِيْرُ (تحریم - ۲)	کتنی بُری جگہ ہے،

یہ تمام مواقع سیاسی انتظام اور جماعتی نظام کی برقراری سے متعلق ہین، اور یہی وجہ ہے کہ ان کفار اور منافقین کے زمرہ مین وہ کمزور مسلمان بھی شمار کئے گئے ہین جو اس انتظام و نظام کی بربادی مین کفار و منافقین کے ساتھ عملاً شریک ہو گئے تھے،

Marfat.com

قرآن پاک مین ایک اور ایسی آیت ہے جس سے مخالف جو اسلام پر سنگدلی و بے رحمی کا الزام لگاتے ہین، اپنے مدعا پر غلط استدلال کر سکتے ہین، اور وہ سورۂ فتح کی حسب ذیل آیت ہے، جس مین ایک طرف صحابہؓ کی بہادری اور دوسری طرف اُن کی باہمی محبت اور رحم دلی کی تعریف ہے،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ	محمد خدا کے رسول اور جو ان کے ساتھ
مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ	ہین، وہ کافرون پر سخت (بھاری)
رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ،	ہین اور آپس مین ہمدرد محبت رکھتے
(فتح - ۴)	ہین،

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا یہ ترجمہ کہ "وہ کافرون پر سخت ہین" اس معنی مین نہین ہے کہ وہ کافرون کے ساتھ سنگدلی، بے رحمی، اور بداخلاقی کے ساتھ پیش آتے ہین، بلکہ اس معنی مین ہے کہ یہ مسلمان اپنی ہمت، استقلال، باہمی اتحاد اور شدتِ ایمان کے سبب سے ایسے سخت ہین کہ کفار اُن سے مرعوب ہین، اور مقابلہ مین مسلمان اُن پر ایسے بھاری ہین کہ کفار اُن پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہین کر سکتے، اس لئے محاورہ کے مطابق اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا ترجمہ یہ نہین کرنا چاہئے کہ وہ کافرون پر سخت ہین، بلکہ یہ کرنا چاہئے کہ وہ کفار پر بھاری ہین یعنی اُن پر غالب اور اُن کے مقابل مین کافی مضبوط ہین، اُن سے کسی طرح دبنے والے نہین، چنانچہ علامہ زمخشری نے کشاف مین، ابن حیان اندلسی نے بحرالمحیط مین قاضی بیضاوی نے انوارالتنزیل مین اس آیت کے وہی معنی قرار دیئے ہین، جو سورۂ مائدہ کی اس آیت کے

اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ (مائدہ - ۸) — فرمانبردار ہیں مسلمانوں کے، اور بھاری ہیں کافروں پر،

یہ محاورہ قرآن میں کئی جگہ ہے، مثلاً سورۂ ہود میں ہے،

یٰقَوْمِ اَرَھْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ، (ھود - ۸) — اے لوگو! کیا میرا خاندان تم پر خدا سے زیادہ بھاری (مضبوط) ہے،

دوسری آیت میں ہے،

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ (توبہ ۱۶) — تمہاری تکلیف رسول پر گراں ہیں،

لسان العرب میں ہے،

وَرَجُلٌ شَدِیْدٌ قَوِیٌّ وَالْجَمْعُ اَشِدَّاءُ (جلد ۴ ص ۲۱۰ مصر) — مرد شدید یعنی قوی اور اس کی جمع اشدّاء ہے،

قرآن پاک میں اَشَدُّ قُوَّۃً، اَشَدُّ خَلْقًا، اَشَدُّ تَثْبِیْتًا، اَشَدُّ مِنْھُمْ بَطْشًا وغیرہ متعدد آیتوں میں استعمال ہوا ہے، اور ہر جگہ قوی اور مضبوط کے معنی میں آیا ہے، دوسرے مشتقات میں بھی یہ معنی مراد لیے گئے ہیں،

اُشْدُدْ بِہٖٓ اَزْرِیْ، (طٰہٰ - ۲) — اس سے میری کمر کو مضبوط کر،

وَبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا شِدَادًا (نبا) — اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے،

وَشَدَدْنَا مُلْکَہٗ (ص - ۲) — اور ہم نے اُن کی سلطنت مضبوط کی،

Marfat.com

فَشُدُّ واالْوَثَاقَ، (قتال-۱) پھر مضبوط باندھو،

شَدِیْد کے مشترک معنی یہ ہین، کہ جو اپنی مخالف قوت کے سامنے نہ جھکے، بلکہ اس کے مقابلہ مین مضبوط اور سخت رہے، اور یہی صحابہ کرامؓ کی صفت تھی، انھون نے کفار کی بڑی بڑی مخالفتون کی پروانہ کی، تکلیفون اور مزاحمتون کا پُرزور مقابلہ کیا، دشمنون کی تلوار کے نیچے سر رکھدیا، اُن کے نیزون کو سینون مین جگہ دی، اُن کے تیرون کی بوچھار سے لہولہان ہوئے، مگر جس کو ایک کہا تھا پھر اُسؐ کو دو نہ کہا، اور جس کی تصدیق کر چکے تھے، پھر اس سے انکار نہ کیا، آخر یہ ہوا کہ کفار اپنی تعداد کی کثرت کے باوجود اُن سے دبنے لگے، اور مسلمانون کی ایمانی قوت کا رُعب اُن پر بیٹھ گیا، قرآن نے جو پیشین گوئی کی تھی، کہ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (آل عمران وانفال) کہ مین اُن کافرون کے دلون مین مسلمانون کا رعب بٹھادونگا، وہ بالآخر پوری ہوئی، اور فرمایا، وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (احزاب وحشر-۱) اُن کے دلون مین مسلمانون کا رُعب ڈالدیا، مخالفون کے دلون مین اسی رُعب بٹھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو ہمیشہ سامانِ جنگ تیار رکھنے کا حکم دیا ہے،

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ	اُن کے لئے تم سے جو طاقت ہو سکے اُ
مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ	گھوڑون کو باندھنا، وہ تم تیار رکھو
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ (انفال)	کہ اس سے دشمنون کو مرعوب کرو،

اس آیت کا یہ مطلب نہین کہ کفار کو ڈرایا کرو، بلکہ یہ ہے کہ تمھارا ساز و سامان

جنگی تیاری اتنی ہو کہ دشمن تمھارے مقابل آنے سے رعب کھائے اسی لئے جہاد کا پورا سامان ہر وقت تیار رکھنا مسلمانون پر فرض ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی غرض سے گھوڑون کے رکھنے کو ثواب کا کام بتایا ہے، فرمایا جو شخص گھوڑا خدا کی راہ مین باندھتا ہے اور اس کا حق ادا کرتا ہے، وہ اُس کے لئے ثواب کا موجب ہے، جو ضرورت کے لئے باندھتا ہے اس کے لئے پردہ پوش ہے، اور جو نمایش کے لئے باندھتا ہے، وہ اس کے لئے عذاب ہے[1]، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ مین نیت کا سوال سب سے اہم ہے اسی لئے ضروری ہے کہ حق کے مخالفون کے ساتھ ایک مسلمان کو جس عدم موالات کا حکم دیا گیا ہے، اس کا منشا ذاتی و قومی نفرت اور بیزاری نہ ہو، بلکہ وہ صرف حق کی نصرت کی خاطر اور خدا کے لئے ہو لیکن اس کے باوجود ان باطل کے حامیون کے ساتھ عدل وانصاف اور نیک برتاؤ سے اسلام نے اپنے پیروؤن کو نہین روکا ہے،

خدا کے لئے محبت اور خدا کے لئے ناراضی

یہان کوئی معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام نے سرے سے نفرت اور بیزاری کے جذبات ہی کا خاتمہ کیون نہین کر دیا، لیکن ایسا کہنا فطرت کے قوانین سے چشم پوشی کرنا ہے محبت اور عداوت، موافقت اور مخالفت، رضامندی اور ناراضی انسان کے فطری جذبات ہین، اور دنیا کے تمام کام تمام تحریکین، اور تمام جدوجہد، ان ہی دو برابر کے جذبات کے نتیجے ہین، اگر انسان کو ان دونون جذبات سے پاک کر دیا جائے، تو اس کی نیک و بد ہر قسم کی گرم جوشیان سرد پڑجائین، اور یہ آگ کا شعلہ

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد،

Marfat.com

جس سے انسان کا دل عبارت ہے، برف کا تودہ بن جائے، اس لئے یہ ممکن ہے اور نہ مناسب ہے کہ اُس کے محبت اور ناراضی کے جذبات کو سرے سے فنا کر دیا جائے، بلکہ جو ہو سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے اندر سے ذاتی رجحانات اور شخصی میلانات کا عنصر علیٰحدہ کر دیا جائے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم یہ نہیں کہ نفس غیظ و غضب اور ناراضی کے فطری جذبات کو نکال کر پھینک دو، جو یقیناً ناممکن ہے، بلکہ یہ ہے کہ ان جذبات کے استعمال کا صحیح موقع و محل متعین کیا جائے، چنانچہ اسلام نے ان موقعوں کی تعیین کی ہے، اور بتایا ہے کہ کسی سے مخالفت اور آزردگی ذاتی خودغرضی اور شخصی نفع و نقصان کے لئے نہ ہو، بلکہ اگر یہ ہو تو صرف حق کی حمایت، نیکی کی اعانت اور خدا کی خوشنودی کے لئے ہو، صلح و جنگ، دوستی و دشمنی، رضامندی و ناراضی، اور محبت و عداوت، جو کچھ ہو، وہ خدا کے لئے ہو، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ،

یہ کہنا بظاہر بہت خوشنما ہے کہ ہر قسم کی ناخوشی و ناراضی کے جذبات سے انسان کو پاک کر دینا ایک اچھے مذہب کا فرض ہے، مگر یہ فرض فطرت کے خلاف ہے، ناخوشی و ناراضی کو سرے سے فنا نہیں کیا جا سکتا ہے، بلکہ جو ہو سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس ناخوشی و ناراضی کے موقع و محل کی اصلاح کی جائے، یہ ناممکن ہے کہ انسان کسی شے سے اور اس کی ضد سے بھی برابر کی محبت کرے، وہ جب خیر سے محبت کریگا تو شر سے نفرت بھی کرے گا، وہ ایمان کو چاہے گا تو کفر سے بیزار بھی ہوگا، وہ نیکی ن

سے دوستی کرے گا، تو شریرون سے علحدہ بھی ہوگا، مومن سے خوش ہوگا تو منافق سے ناخوش بھی ہوگا، انسان کے سینہ مین صرف ایک دل ہے، اور ایک ہی دل مین ایک شے کی، اور پھر اسی کی ضد کی دونون کی محبت یکجا نہین ہوسکتی، جیسا کہ قرآن نے کہا،

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ (احزاب-۱) — خدا نے کسی کے سینہ مین دو دل نہین بنائے،

ع سینہ مین کسی شخص کے دو دل نہین ہوتے

اسی مفہوم کو حضرت مسیح علیہ السلام نے ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

"کوئی آدمی دو آقاؤن کی خدمت نہین کرسکتا، اس لئے کہ یا ایک سے دشمنی رکھے گا یا دوسرے سے دوستی، یا ایک کو مانے گا، اور دوسرے کو ناچیز جانے گا، تم خدا اور مال دونون کی خدمت نہین کرسکتے (متی ۶-۲۴)

انجیل کے اسی فقرہ کی تشریح مختلف عیسائی رسولون نے اپنے اپنے طور پر کی ہے، پولوس[1] نے خدا اور آدمی، یعقوب[2] نے خدا اور دنیا، یوحنا[3] نے خدا اور دنیا کے بری کامون کو باہم متقابل ٹھہرا کر کہا ہے کہ جو ایک سے محبت کرے گا، وہ دوسرے سے نہین،

یہی مفہوم احادیث کے ان الفاظ مین ہے کہ محبت اور عداوت دونون صرف خدا کے لئے ہونی چاہئے، اپنی ذات کے لئے نہین، بیہقی کی شعب الایمان مین ہے

[1] گلیتون کے نام ۱-۱۰، [2] یعقوب ۴-۴، [3] یوحنا ۲، ۱۵،

Marfat.com

کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابوذر سے پوچھا کہ ایمان کی کونسی زنجیر زیادہ مضبوط ہے؟ عرض کی "خدا اور اس کے رسول کو بہتر علم ہے" فرمایا یہ کہ باہمی میل جول خدا میں ہو، محبت بھی خدا ہی میں ہو اور ناراضی بھی ہو تو خدا ہی میں ہو؛ مسند احمد میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت کیا کہ کونسی نیکی خدا کو زیادہ پیاری ہے؟ کسی نے نماز کہا کسی نے زکوٰۃ کہا کسی نے جہاد بتایا، آپ نے فرمایا "نیکیوں میں سب سے زیادہ خدا کو یہ نیکی پسند ہے، کہ خدا ہی کے لئے محبت اور خدا ہی کیلئے مخالفت ہو"[1]

اسلام میں کسی سے دائمی یا موروثی نفرت کی تعلیم نہیں	خدا کے لئے کسی سے ناخوشی یا مخالفت یا نارضامندی کے یہ معنی ہیں کہ نفسانی غرض و غایت کو اس جذبہ میں کوئی دخل

نہ ہو، نیز یہ کہ شخص کی حیثیت سے مخالفت یا بیزاری نہ ہو بلکہ دراصل اس کے افعال و اعمال اور اخلاق سے مخالفت یا بیزاری ہو اور اس کے سبب سے اس شخص سے علیحدگی و بیزاری ہو جس میں یہ صفتیں پائی جاتی ہوں، قرآن پاک کی ایک آیت ہے،

حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ	خدا نے ایمان کو تمہارا محبوب بنایا، اور
زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ	اس کو تمہارے دلوں میں مزین کیا،
اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ	کفر اور بے حکمی اور نافرمانی کو تمہارے
الْعِصْيَانَ، (حجرات ۱)	نزدیک مکروہ بنایا،

[1] مشکوٰۃ کتاب الادب باب الحب فی اللہ،

Marfat.com

اس آیتِ پاک مین اللہ تعالیٰ نے خود مومن یا فاسق و عاصی کی ذات کو نہین بلکہ ایمان کو محبت کا اور فسق و فجور اور عصیان کو نفرت و کراہت کا مورد قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی بیزاری و ناراضامندی کا بنیادی سبب کافر و منافق کا کفر و نفاق ہے، یہ دور ہو جائے، تو وہ بھی برابر کا بھائی ہے، فرمایا،

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ	تو اگر وہ کفر سے توبہ کر لیں، اور نماز
وَاٰتَوُا الزَّكٰوۃَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي	پڑھین، اور زکوٰۃ دین، تو وہ تمھارے
الدِّيْنِ، (توبہ-۲)	دینی بھائی ہین،

یہی سبب ہے کہ ان صفات کے ازالہ کے بعد ہی دفعۃً کراہت محبت سے، دشمنی دوستی سے اور ناراضامندی رضامندی سے بدل جاتی ہے، کیونکہ اسلام مین شخصی یا نسلی یا وطنی کسی پیدائشی یا دائمی نفرت و کراہت کا وجود نہین نہ ہندوؤن کی طرح اس کی نظر مین کوئی قابلِ نفرت اچھوت ہے، نہ ملچھ ہے، نہ چنڈال ہے، نہ یہودیون کی طرح کوئی ناپاک غیر مختون ہے اور نہ غیر قوم ہے، اور نہ مجوسیون کی طرح کوئی پاک نژاد اور بدگہر کی تفریق ہے، اور نہ عیسائیون کی طرح کوئی کالے گورے اور یورپین غیر یورپین کی تقسیم ہے، جو کچھ ہے وہ کفر و ایمان، اور شرک و توحید کا فرق ہے، ایک خالص عرب اور قریشی کافر ہو کر ابوجہل و ابولہب ہو سکتا ہے، اور ایک معمولی حبشی و عجمی، مومن و موحد ہو کر بلال حبشیؓ، صہیبؓ رومی، اور سلمانؓ فارسی کا رتبہ پا سکتا ہے، وہی عمرؓ، وہی سفیانؓ، وہی عکرمہؓ، وہی خالدؓ جو کل تک کفر کے علمبردار بنکر مسلمانون کے سخت ترین دشمن تھے، بیک نظر اُن کی وہ کایا پلٹ ہوئی کہ وہ مسلمانون کے

سرگروہ ہوگئے، اور مسلمان اُن کے فدائی بن گئے، اور سب آپس میں بھائی بھائی ہوگئے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ احسان جتایا،

إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا، (آل عمران-۱۱)

(یاد کرو) جب تم باہم دشمن تھے، تو اس نے تمھارے دلوں میں باہم الفت پیدا کردی، اور تم اس کے فضل وکرم سے بھائی بھائی بن گئے،

ناپسندیدگی و بیزاری کا دوسرا جذبہ وہ ہے جس کی بنا کسی انسان کی گنہگاری اور عصیان کاری پر ہے توبہ وندامت کے ایک حرف سے یہ جذبہ رحمت وشفقت سے مبدّل ہوجاتا ہے، مبشرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے گنہگاروں کو خدا کی زبان سے یہ مژدہ سُنایا کہ

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، (زمر-۲)

اے میرے وہ بندو جنھوں نے گناہ کرکے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو، خدا سب گناہوں کو معاف کرسکتا ہے، وہ بخشنے والا اور رحم کھانے والا ہے،

آپ نے فرمایا اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ[1] "گناہ سے توبہ کرنے وال

[1] ابن ماجہ باب ذکر التوبہ،

ایسا ہے جیسا کہ جس کا گناہ نہ ہو" یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گنہگاروں کے ساتھ بھی شفقت فرمائی اور اُن کی طرف ترحم کی نظر سے دیکھا، اور ان کو رضائے الٰہی کی بشارت سُنائی، ایک صاحب کو شراب پینے کی عادت تھی، وہ اس کی سزا بار بار بھگتتے تھے، ایک دفعہ جب وہ اسی جرم میں پکڑ آئے، تو صحابہؓ نے کہا خدا اس پر لعنت کرے کہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا "تم لوگ اس پر لعنت نہ بھیجو خدا کی قسم مجھے اس کے متعلق جو معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کو پیار کرتا ہے[1]" اس واقعہ سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ گنہگار پر بد دعا نہ کی جائے، ماعزؓ بن مالک ایک صاحب تھے، جو بشری کمزوری سے زنا کے مرتکب ہوئے، اس واقعہ کے بعد ان کا روحانی احساس بیدار ہوا، وہ جانتے تھے کہ اس کی سزا موت ہے تاہم انھوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اپنی حالت عرض کی، اور سزا کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دفعہ اُن کی درخواست رد کی، لوگوں نے تحقیق کی کہ یہ پاگل تو نہیں، سب نے کہا ایسا تو نہیں تب اس کے بعد ان پر حد جاری کرنے کا حکم دیا، وہ میدان میں کھڑے کئے گئے، اور اُن پر لوگوں نے ہر طرف سے سنگ باری کی، اور اسی حال میں انھوں نے جان دی، صحابہ میں بعض ایسے تھے جو اس بہادرانہ سزا پانے کے باوجود ماعزؓ کو بُرا کہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا، ماعز کے لئے خدا سے مغفرت کی دعا مانگو کہ اس نے وہ توبہ کی کہ اگر وہ کسی پوری قوم میں بانٹی جائے تو اس میں سب کی گنجائش ہو سکتی ہے[2]"

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحدود ۱۰۰۵ فتح الباری شرح حدیث مذکور [2] یہ دونوں واقعے صحیح مسلم کتاب الحدود میں ہیں،

اسی طرح قبیلہ غامد کی ایک حاملہ عورت نے آکر خود اپنے جرم کا اقرار کیا، اور سزا کی کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ وضعِ حمل کے بعد آنا، وہ اس کے بعد آئی، فرمایا بچہ کی پرورش کرلو، جب بچہ دودھ چھوڑ دے تب آنا، وہ کچھ زمانہ کے بعد اس فرض سے بھی سبکدوش ہو کر آئی، اور اب بھی اس کے احساسِ گناہ کا جذبہ کم نہیں ہوا تھا، آپ نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا، اُس کو سنگسار کیا گیا، تو اس کے خون کی چھینٹیں اُڑ کر حضرت خالد بن ولید کے منہ پر پڑیں، اُنھوں نے عورت کو بُرا کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو فرمایا کہ خالد چپ رہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اُس نے توبہ کی ہے کہ اگر شاہی محصول لینے والا بھی وہ توبہ کرتا تو بخشا جاتا۔[1]

ترکِ ہویٰ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے یہ نکتہ سکھایا ہے کہ انسان کے نیک سے نیک فعل کی اچھائی بھی اس کی غرض وغایت پر موقوف ہے یعنی یہ کہ اگر وہ خدا کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے ہے، تو وہ نیک اور اچھا ہے، اور اگر اُس کے علاوہ کسی اور فاسد غرض کے لئے ہے، تو وہ نیکی نہیں، اسی فاسد غرض اور باطل خواہش کا نام قرآن پاک میں ھویٰ ہے، ضروری ہے کہ انسان اپنے تمام افعال واعمال واخلاق کو ہویٰ سے پاک رکھے کہ انسان کا حقیقی خدا وہی ہے، جس کے لئے وہ کام کرتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگون کو جو دینِ حق کے پیرو نہیں، اور اپنے کامون کی بنیاد اخلاص پر نہیں رکھتے، یہ کہا کہ اُن کا دین ومذہب اپنی خواہشِ نفسانی کی پیروی ہے، اور اُن کے

[1] یہ دونون واقعے صحیح مسلم کتاب الحدود مین ہین،

سینون کے اندر اغراضِ نفسانی اور خواہش د ہوا کے بُت چھپے ہین، قرآن نے فرقان اور جاثیہ دو سورتون مین متنبہ کیا،

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ، (جاثیہ-۳)	اے پیغیبر کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے

اسی لئے نفس کے تزکیہ و صفائی اور روح کی بلندی و پاکی کے لئے شریعتِ محمدیؐ نے ترکِ ہوی کا طریقہ پیش کیا، بودھ کی تعلیم کا اصل الاصول یہ ہے کہ انسان ہر خواہش سے پاک ہو جائے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ انسان ہر بُری خواہش سے پاک ہو جائے کیونکہ اگر وہ ہر اچھی اور بُری خواہش سے پاک ہو جائے تو اُس کے فعل کی کوئی غرض و غایت نہ ٹھہرے گی، اور نہ اُس کا کوئی محرک باقی رہے گا اسی لئے اسلام کی تعلیم مین ہر خواہش کے ترک کرنے کا مطالبہ نہین بلکہ ہر بُری خواہش، ہر باطل غرض اور ہر نفسانی ہوا و ہوس کے ترک کا مطالبہ ہے، کیونکہ اسی کی پیروی سے گمراہی و ضلالت پیدا ہوتی ہے، وحیِ محمدیؐ نے فرمایا،

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ، (قصص-۵)	اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جس نے خدا کی رہنمائی کے بغیر اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کی،

پھر فرمایا،

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ	اور خواہشِ نفسانی کی پیروی نہ کر

Marfat.com

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، (ص-۲) وہ تجھے اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی،

عدل وراستی جو ہر اچھائی اور نیکی کی روح ہے، وہ اسی ہوئی کے زہرِ قاتل سے مرجاتی ہے، فرمایا :-

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا (نساء-۲۰) عدل میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو،

ہوائے نفسانی تمام برائیوں اور بدیوں کی جڑ ہے، جس نے اپنے آپ کو اس سے بچایا وہ ہر برائی اور بدی سے پاک ہوا اور اس کے امن کی جگہ جنت ہی، فرمایا،

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ اور لیکن جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى کھڑے ہونے سے ڈرا، اور نفس کو بری

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى خواہش سے روکا، تو بیشک جنت ہی

(نازعات-۲) اس کے امن سے رہنے کی جگہ،

اخلاق اور محبت الٰہی

دین و دنیا کی سب سے بڑی نعمت محبت اور پیار ہے، خاص کر وہ محبت اور پیار جو خدا کو اپنے بندہ کے ساتھ ہو، یہ غیر فانی نعمت اور یہ لازوال دولت جن ذریعوں سے انسان کو حاصل ہوسکتی ہے، ان میں دیگر ضروریاتِ دین کے بعد سب سے بڑا اور اہم ذریعہ حسنِ اخلاق ہے، عقائد کے باب میں "محبت الٰہی" کے زیر عنوان اس کی طرف مجمل اشارہ ہوچکا ہے، مگر اس کی تفصیل کا موقع اب ہی، اللہ تعالیٰ کی محبت پر زور تو توراۃ اور انجیل میں بھی ہے مگر اصل سوال یہ ہو کہ خدا کی محبت کے حصول کا طریقہ کیا ہے، اور یہ دولت انسان کو کیونکر مل سکتی ہے، اس کا جواب صرف قرآن نے دیا ہے، مختصراً یہ کہ ہر کام اور ہر چیز میں

داعیِ خیر کی پیروی محبت الٰہی کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول کی زبان سے فرمایا،

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ	کہدو اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو
فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ،	میری پیروی کرو، خدا تم سے محبت
(آل عمران ۔۴)	کرے گا،

اس لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات، ارشادات، احکام، اخلاق، اور اعمال کی پیروی محبتِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لیکن قرآنِ پاک نے اس مختصر جواب پر قناعت نہیں کی ہے، بلکہ نام بنام اُس نے بتایا ہے کہ خدا کی محبت کے مستحق اور سزاوار کون کون ہین، اور اس دولت سے محروم کون ہین، اس سے اسلامی اصولِ اخلاق کا یہ مسئلہ سمجھ مین آتا ہے کہ اُن کامون سے جو خدا کی محبت کا ذریعہ ہین، حُسنِ خلق بھی ہے، اور ان امور مین سے جن سے یہ نعمت چھن جاتی ہے، بداخلاقی اور بدکرداری بھی ہے،

پہلی صف مین حسب ذیل خوش قسمت انسانی جماعتین داخل ہین،

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ	(آلِ عمران ۔۷)	اور خدا ایمان والون کا دوست ہی،
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ	(بقرہ ۲۴، مائدہ ۳)	خدا اچھے کام کرنیوالون کو پیار کرتا ہی،
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ	(بقرہ ۔۲۸)	خدا توبہ کرنے والون کو پیار کرتا ہی،
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ،	(آلِ عمران ۱۷)	خدا توکل کرنے والون کو پیار کرتا ہی،
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ	(مائدہ ۔ حجرات)	خدا انصاف کرنے والون کو پیار کرتا ہی،
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ	(توبہ ۔۱)	خدا تقوی والون کو پیار کرتا ہے،

Marfat.com

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ، (اٰل عمران ۱۵) اور خدا صبر کرنے والون کو پیار کرتا ہے،

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ، (توبہ ۱۳) اور خدا پاک صاف رہنے والون کو پیار کرتا ہے،

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ (صف-۱) خدا اُن کو پیار کرتا ہے جو اس کی راہ مین لڑتے ہین،

ان آیاتِ پاک مین وہ باتین ایسی بیان کی گئی ہین کہ جو محبتِ الٰہی کو اپنی طرف کھینچتی ہین، ایمان، احسان، توبہ، توکل، انصاف، تقویٰ، صبر، پاکیزگی، جہاد، حسبِ ذیل صفتین وہ ہین جو محبتِ الٰہی کے فیضان سے انسان کو محروم کرتی ہین،

فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ، (اٰل عمران ۴) تو خدا کافرون کو پیار نہین کرتا،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ، (بقرہ ۲۴، مائدہ ۲۰) خدا حد سے بڑھنے والون کو پیار نہین کرتا،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا، (نساء-۶) خدا اس کو پیار نہین کرتا جو اترانے والا اور شیخی مارنے والا ہو،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا، (نساء-۱۶) خدا اس کو پیار نہین کرتا جو خیانت کا گنہگار ہو،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ (انفال-۷) خدا خیانت کرنے والون کو پیار نہین کرتا،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ، (حج-۵) خدا کسی خیانت کار ناشکرے کو پیار نہین کرتا،

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ، (قصص ۸) خدا اترانے والون کو پیار نہین کرتا،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (قصص ۸) خدا فساد کرنے والون کو پیار نہین کرتا،

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ، (انعام ۱۷) خدا فضول خرچ لوگون کو پیار نہین کرتا

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ، (نحل ۳) خدا مغرورون کو پیار نہین کرتا،

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (شوری ۴) خدا ظالمون کو پیار نہین کرتا،

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ (بقرہ ۳۸) خدا ناشکر گنہگارون کو پیار نہین کرتا،

کفر، بدگوئی، بدلہ لینے مین حد سے آگے بڑھ جانا، فخر وغرور، شیخی، خیانت، ناشکری فساد، اسراف، ظلم، گناہ، وہ بداخلاقیان ہین، جو انسان کو محبت الٰہی کے سایہ سے دور کرتی ہین،

اوپر کی تفصیل سے اندازہ ہوگا کہ اسلامی اخلاق کی ترکیب مین محبت الٰہی کا کتنا بڑا عنصر شامل ہے،

Marfat.com

تعلیمِ اخلاق

کے

طریقے اور اسلوب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تعلیم اور تزکیہ کے لئے ہوئی، یعنی لوگون کو سکھانا، اور بتانا، اور نہ صرف سکھانا اور بتانا بلکہ عملاً بھی اُن کو اچھی باتون کا پابند اور بُری باتون سے روک کر، آراستہ وپیراستہ بنانا، اسی لئے آپ کی خصوصیت یہ بتائی گئی کہ

یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وہ (رسول) اُن کو کتاب اور حکمت کی باتین

وَيُزَكِّيهِمْ (بقرہ۔ ۱۵) سکھاتا اور پاک وصاف کرکے نکھارتا ہے،

اور اسی لئے حدیث مین آیا ہے کہ

وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا، (ابن ماجہ باب فضل العلماء) اور مین تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہون،

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس معلمِ ربانی نے کن طریقون سے اپنی اخلاقی تعلیم کے فرض کو انجام دیا،

ایک کامیاب معلم کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس مین اپنے اپنے موقع پر سختی، اور

Marfat.com

نرمی دونوں ہوں، وہ ایک جراح ہے جس کے ایک ہاتھ میں نشتر ہو، جس سے زخم کو چیر کر فاسد مواد کو باہر نکال دے، اور دوسرے ہاتھ میں مرہم ہو جس سے زخم میں ٹھنڈک پڑ جائے، اور تندرست گوشت اور چمڑے کی پرورش ہو، اگر کسی جراح کے پاس ان دو میں سے صرف ایک ہی چیز ہو تو وہ نہ زخم کو پاک کرسکتا ہے اور نہ فاسد گوشت پوست کی جگہ تندرست گوشت و پوست پیدا کرسکتا ہے؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اخلاق کے طریقوں پر غور کی ایک نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیم میں سختی اور نرمی کے موقع و محل کو خوب پہچانتے تھے، اور اس پر عمل فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہیں لیا، مگر یہ کوئی شریعت کے حدود کو توڑے، تو اس کو سزا دیتے تھے[۱] قریش کی ایک بیوی چوری کے جرم میں پکڑی گئیں بعض مسلمانوں نے ان کی سفارش کرنی چاہی تو آپ نے فرمایا تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں معمولی لوگ گناہ کرتے تھے تو ان کو سزا دیتی تھیں، اور جب بڑے لوگ کرتے تھے، تو ان کے حکام ٹال جاتے تھے[۲]

یہ تو سختی کی مثالیں ہیں، نرمی کی مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں ایک بدوی آیا، اتفاق سے اس کو استنجے کی ضرورت معلوم ہوئی تو وہ وہیں مسجد کے صحن میں بیٹھ گیا صحابہ یہ دیکھ کر چاروں طرف سے اس کو مارنے کو دوڑے، آپ نے منع کیا، اور فرمایا کہ تم سختی کیلئے

---

[۱] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا [۲] صحیح بخاری کتاب الحدود

نہین بلکہ نرمی کے لئے بھیجے گئے ہو، اس کے بعد اس بدوی کو بلا کر فرمایا کہ یہ عبادت کے گھر ہیں، یہ نجاست کے لئے موزون نہین، یہ خدا کی یاد اور نماز اور قرآن پڑھنے کے لئے ہین' پھر لوگون سے فرمایا کہ اس پر پانی بہادو،[1]

اسی طرح ایک دفعہ ایک صاحب سے رمضان میں بحالتِ روزہ ایک غلطی ہوگئی' اس نے لوگون سے کہا کہ مجھے حضورؐ کے پاس لے چلو، انھون نے کہا یہ ہم سے نہ ہوگا، تو وہ اکیلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، اور واقعہ عرض کیا، فرمایا ایک غلام آزاد کرو، عرض کی یا رسول اللہ میرے پاس تو ایک غلام بھی نہین، فرمایا، دو مہینے لگاتار روزے رکھو' عرض کی روزہ ہی مین تو یہ گناہ ہوا، فرمایا تو اچھا ساٹھ مسکینون کو کھانا کھلادو، عرض کی ہم تو خود کنگال ہین، فرمایا کہ اچھا بنی زریق کے صدقہ کے منتظم کے پاس جاؤ، اور اس سے صدقہ لے کر پہلے ساٹھ مسکینون کو کھانا کھلاؤ، اور جو بچے وہ تم اور تمھارے گھر والے کھائین، وہ خوش ہوکر اپنے قبیلہ مین آیا، اور کہا کہ تم کتنے سخت تھے، اور حضورؐ نے کتنی نرمی کی،[2]

یہ اور اسی قسم کے اور واقعات کو سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہان حدود الٰہی کی شکست کا خوف ہوتا تھا، وہان نرمی نہین برتی جاتی تھی، لیکن جن امور مین وسعت ہوتی یا جہان مستحبات اور اخلاقی فضائل ورذائل کا موقع ہوتا تھا، آپ نرمی سے سمجھاتے اور لطف ومحبت سے فرمادیتے تھے، ع

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب باب یسروا ولا تعسروا وکتاب الطہارۃ وصحیح مسلم باب وجوب غسل البول،

[2] ابوداؤد باب فی الظہار،

قاہری یا دلبری پیغمبری است

اخلاقی فضائل ورذائل کی تعلیم کے بھی مختلف طریقے اختیار کئے گئے کہین کسی اخلاقی تعلیم کو حکم خداوندی بتاکرکہین اچھی اچھی موثر تشبیہون کے ذریعہ کہین اُس کے اچھے یا بُرے نتیجون کو کھول کراس طرح بیان کیا کہ سننے والے متاثر ہوکراس پرعمل کرنے کو فوراً تیار ہوجاتے تھے،

چنانچہ قرآن نے اپنی تعلیم مین کہین فرمانِ الٰہی کی صورت اختیار کی، اور کہا،

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ	بیشک اللہ عدل اور احسان کرنے اور
الْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي	رشتہ دار کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بیحیائی
الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ	کی بات اور ناپسندیدہ بات اور سرکشی
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ	سے منع کرتا ہے تمھین وہ نصیحت فرماتا
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (نحل ۱۳)	ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو،

یہان اللہ تعالیٰ نے ایک شہنشاہِ مطلق کی حیثیت سے اپنے فرمان کو نافذ فرمایا ہے، اور حکم دیا ہے کہ یہ کرو، اور اُن سے بچو، تمام انسانون کا جو اس قادرِ مطلق کے عاجز و درماندہ بندے ہین، یہ فرض ہے کہ وہ اس کے حکم کی پوری پوری تعمیل کرین، اس تعمیل مین بندون کے چون وچرا کی گنجایش نہین،

تعمیل کا دوسرا اسلوب یہ ہے کہ فضائل کو عمدہ تشبیہون کے ساتھ، اور رذائل کو قبیح مناظر اور قابلِ نفرت صورتون مین اس طرح پیش کیا جائے کہ سننے والا بالطبع

فضائل کی طرف مائل اور رذائل سے روگردان ہو جائے، مثلاً خدا کی راہ مین دینا ایک اخلاقی فضیلت ہو جس کی تصویر یون کھینچی گئی کہ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ (بقرہ ۳۶-۳۶) یہ نیکی ایک دانہ ہے، زمین سے ہر دانہ ایک بال ہو کر اگتا ہے اور ہر بال مین سینکڑون دانے ہوتے ہین، اسی طرح نیکی کا یہ ایک دانہ سینکڑون ربانی انعامات کا باعث ہوتا ہی، ریا و نمایش کی نیکی نتیجہ ہوتی ہے، نہ مخلوق پر اس کا اثر پڑتا ہے، اور نہ خدا کے ہان اس کا کوئی بدلہ ہے، قرآن نے اس کو یون ادا کیا

کَمَثَلِ صَفْوَانٍ (بقرہ-۳۶)

اسکی مثال ایسی ہی جیسے کوئی کسان اپنا بیج ایسی چٹان پر چھینٹ دے جس پر ذرا سی مٹی پڑی ہو، جہان ذرا زور کی بارش ہوئی، تو بیج اور مٹی سب بہ گئی، اور چٹان دھل کر صاف ہو گئی، اس بیج سے ایک دانہ بھی پیدا نہ ہو گا!

بے ایمانی سے یتیمون کے مال کھا جانے کو یون ادا کیا "کہ جو ایسا کرتے ہین وہ اپنے پیٹ مین آگ بھرتے ہین" (نساء-۱) پیٹھ پیچھے مسلمان کی برائی کرنے کی کراہت یون ظاہر کی، "کیا کوئی اپنے مردہ بھائی کی لاش کا گوشت نوچ نوچ کر کھاتا ہے" (حجرات ۲) کسی کو کوئی چیز دے کر واپس لینا شرافت اور فیاضی کے خلاف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی برائی کو یون ظاہر فرمایا ہے، جو دے کر واپس لیتا ہے وہ گویا قے کر کے پھر چاٹتا ہے، اس سے زیادہ مکروہ تشبیہ اس بداخلاقی کی ہو سکتی ہے،

تمہید اس سے ایک شخص سے ایک سلامی گناہ سرزد ہوا، اور بعد کو اس پر یہ اثر ہوا کہ

Marfat.com

آکر عدالت نبویؐ مین اپنے گناہ کا اقرار کیا، اور شریعت کی حد اپنے اوپر جاری کرنے کی درخواست کی، حضورؐ نے تحقیقات کے بعد اُس کے سنگسار کئے جانے کا حکم دیا، جب وہ سنگسار ہو چکا، تو آپؐ نے ایک صاحب کو دوسرے سے یہ کہتے سُنا کہ اُس کو دیکھو کہ خدا نے اُس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا تھا لیکن اُس نے اپنے آپ کو نہین چھوڑا، اور کُتّے کی طرح سنگسار کیا گیا" حضورؐ یہ سُن کر خاموش رہے، تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک گدھے کی لاش پڑی ملی آپ نے پکارا کہ فلان صاحب کہان ہین، انھون نے کہا کہ ہم یہ ہین یا رسول اللہ! فرمایا تم اُترو، اور اُس گدھے کی لاش سے کچھ کھاؤ، انھون نے عرض کی اے اللہ کے رسول! اس کو کون کھائیگا فرمایا کہ تم نے ابھی اپنے بھائی کے حق مین جو کہا وہ اس لاش کے کھانے سے زیادہ گھنونی بات ہے[1] غیبت کی بُرائی کو ذہن نشین کرنے کے لئے اس سے زیادہ موثر طرز کوئی ہو سکتا ہو؟

تعلیم کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اچھے کامون کے اچھے اور بُرے کامون کے بُرے نتیجہ کو کھول کر بیان کر دیا جائے جس سے اچھے اخلاق کے اختیار، اور بُرے کام کے ترک کا جذبہ اُبھرے اسلام نے اس طریقہ کو بھی اختیار کیا ہے، مثلاً شراب نوشی اور قماربازی سے روکنا تھا، تو اس کے بُرے نتیجون کو قرآن مین بوضاحت بیان کیا "مسلمانو شراب، جوا، اور پانسے کے تیر ناپاک ہین شیطان کے کام، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمھارے آپس مین عداوت اور دشمنی ڈالے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے غافل رکھے" (مائدہ ۱۲۵) شراب اور جوے کے بُرے نتیجے یہ ہین کہ اُن کا خاتمہ اکثر کھیلنے والون کی باہمی دشمنی اور لڑائی پر بلکہ قتل اور خودکشی تک پر ہوتا ہے، اور

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الحدود ۱۲۰

انسان اُن میں پھنسکر اپنے دین و دنیا کے فرض سے غافل اور بیکار ہو جاتا ہے، نتیجہ جانی و مالی بربادی ہوتی ہے،

اسلام نے اخلاق کی تعلیم کا ایک اور طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ فضائلِ اخلاق کو الوہیت ملکوتیت اور نبوّت کے محاسن میں اور رذائل کو شیطان کے خصائص میں داخل کرتا ہے جس سے فضائل کے اختیار اور رذائل سے اجتناب کرنے کا شوق ہوتا ہے، مثلاً عفو و درگذر کی تعلیم دی، تو یون فرمایا،

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا، (نساء - ۲۱)	اگر تم کوئی بھلائی ظاہر کر دیا اس کو چھپاؤ یا کسی بُرائی کو معاف کرو تو اللہ ہی معاف کرنے والا قدرت والا،

قدرت کے باوجود عفو اللہ تعالیٰ کا خاص وصف ہے، بندون سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی کرو، تخلقوا باخلاق اللہ گو صرف ایک مشہور مقولہ ہے، مگر اس کا استنباط اس آیت سے ہوتا ہے اور بعض مفسرین نے اس نکتہ کو یہان بیان کیا ہے،[1]

حدیث مین ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا کہ یا رسول اللہ اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے اور سلیقہ کے ہون، اس کا جوتا اچھا ہو تو کیا یہ بھی غرور ہے فرمایا نہین،

ان اللہ جمیل یحب الجمال (صحیح مسلم و ترمذی)	اللہ جمال والا ہے وہ جمال کو پسند کرتا ہے،

[1] تفسیر بحر محیط ابی حیان اندلسی زیر آیت مذکورہ ج ثالث ص ۳۴۰،

Marfat.com

اس لئے بندون کو بھی چاہیے کہ اپنے طور وطریق ولباس مین سلیقہ اور جمال کا لحاظ رکھین،

مسلمانون مین عزم واستقلال اور بہادری کی تعلیم دینی تھی تو اس کو قرآن نے اس طرح کہا

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ، (احزاب ۳)

تمھارے لئے اللہ کے رسول مین بڑی کا اچھا نمونہ ہے،

حق کے مقابلہ مین ماں باپ، رشتہ دار کسی کے خیال نہ کرنے کی تعلیم حضرت ابراہیمؑ کے کے نمونہ سے دی گئی،

قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (ممتحنہ ۱)

تمھارے لئے ابراہیم اور اُن کے ساتھیوں مین پیروی کا اچھا نمونہ ہے،

ان دونون آیتون مین اخلاق کی بعض صفتون کو پیغمبرانہ اوصاف سے تعبیر کرکے اُس کی بڑائی ظاہر کی ہے اور اُن کی پیروی کی ترغیب دی ہے،

فضول خرچی کی بُری صفت سے مسلمانون کو بچانا تھا تو اس کی بُرائی کو یون ذہن نشین کرایا

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ، (بنی اسرائیل ۳)

بے شبہہ فضول خرچ شیطانون کے بھائی ہین،

اب کون ہے جو شیطانون کا بھائی ہونا پسند کرے گا،

غرض یہ اور اسی قسم کی بلاغت کے مختلف اسلوبون سے اسلام نے اخلاقی فضائل کی خوبی اور رذائل کی بُرائی، جاہل عربون کے ذہن نشین کردی، جابر بن سلیم ایک صحابی دربارِ نبوت مین اپنی پہلی حاضری کا قصہ بیان کرتے ہین کہ مین نے دیکھا کہ مجلس مین ایک

Marfat.com

شخص بیٹھا ہے جو وہ کہتا ہے اس کو سب لوگ بجا لاتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں
نے کہا یہ اللہ کے رسول ہیں، یہ سُن کر میں نے دو دفعہ کہا اے اللہ کے رسول آپ پر سلام
(علیک السّلام) آپ چپ رہے، پھر فرمایا علیک السّلام نہ کہو، یہ مردہ کا سلام ہے، السّلامُ
علیکَ کہو، میں نے کہا کہ کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا ہاں میں اُس اللہ کا رسول ہوں
جس کو تم تکلیف میں پکارتے ہو، تو وہ اس تکلیف کو دور کر دیتا ہے، اور جس سے خشک سالی
میں مانگتے ہو، تو وہ اگا دیتا ہے، اور جس سے تم جب کسی لق و دق بے نشان بنجر میں ہو،
تمھاری سواری وہاں گم ہو جائے تم دعا کرتے ہو تو وہ اس کو تمھارے پاس لوٹا دیتا ہے،
میں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے، ارشاد ہوا کسی کو بُرا نہ کہو، جابر
کہتے ہیں کہ آپ کے اس فرمانے کا یہ اثر ہوا کہ میں پھر کسی کو شریف ہو کہ غلام، یہاں تک کہ
کسی جانور کو بھی بُرا نہیں کہا، آپ نے پھر یہ نصیحت فرمائی کہ تم کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی
حقیر نہ جانو یعنی اس کو کیے جاؤ اور تم کو چاہیے کہ اپنے بھائی سے جب بات کرو تو تمھارا چہرہ کھلا
رہے، یہ بھی نیکی ہے، اور اپنا تہبند آدھی پنڈلی تک اونچا رکھو، اگر یہ نہیں تو ٹخنے سے اونچا
رہے، کیونکہ تہبند کو بہت نیچے تک لٹکانا غرور کی نشانی ہے[1]، اور اللہ غرور کو پسند نہیں فرماتا
اور اگر تمھیں کوئی گالی دے، اور تم میں جو بُرائی وہ جانتا ہے تم کو اُس کی عار دلائے تو تم اُس
اس بُرائی سے جو تم جانتے ہو اس کو عار نہ دلاؤ کہ اس کا وبال اسی کی گردن پر ہوگا[2]۔

[1] عرب امراء فخر و غرور کے لئے ایسا کرتے تھے جیسے عبا کے دامن یا گون کو زمین پر گھسیٹ کر چلنا دوسری
میں شاہانہ غرور کی نشانی تھی [2] سُنن ابی داؤد، باب فی اسبال الازار،

Marfat.com

اس طریقۂ تعلیم کی بلاغت پر غور کیجئے کہ آپ نے بدوی کو خدا کے آگے جھکنے اور اُس سے گڑگڑا کر مانگنے کے وہی موقعے یاد دلائے جو اُس کی زندگی مین خدا جانے کتنی دفعہ پیش آئے ہون گے، اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کا دل سچائی کو پکار اٹھا، ادرحضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دین و دنیا کی نصیحت چاہی، ایک حکیم کا فرض ہے کہ مریض کی حالت کو دیکھ کر نسخہ تجویز کرے، یہ نہین کہ ہر ایک کو ایک ہی نسخہ خواہ بیماری کوئی ہو پلایا چلا جائے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پوچھنے والون کے جواب مین ہر ایک کے مطابق الگ الگ باتین بتائین، حضرت جابر کو جو تعلیم دی اس کا نچوڑ یہ ہے کہ غرور نہ کرو، اور اپنے کو بڑا نہ سمجھو، پھر اسی بیماری کے دور کرنے کی چند تدبیرین بتائین،

ایک اور شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمایئے، ارشاد ہوا کہ غصہ نہ کرا اُس نے کئی دفعہ اپنا سوال دہرایا، آپ نے ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کر،[۱] اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ہر شخص کا علاج اُس کے مرض کے مطابق فرماتے تھے، اس شخص مین غصہ ہی اتنا ہوگا کہ اس سے اس کے سبب سے بہت سی بُرائیان ہو جاتی ہون گی، اس لئے آپنے اُس کے لئے یہ علاج تجویز فرمایا جس کو وہ بادی النظر مین معمولی سمجھا، اور بار بار کسی اور علاج کی خواہش ظاہر کی لیکن آپنے ہر بار یہی فرمایا، کہ غصہ نہ کیا کرو،

ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ سب کامون مین بہتر کام کیا ہے، فرمایا خدا پر ایمان رکھنا اور اس کی راہ مین جہاد کرنا، پھر پوچھا کس غلام یا باندی

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الادب باب الحذر من الغضب و ترمذی باب ما جاء فی کثرۃ الغضب،

Marfat.com

کو آزاد کرنا سب سے بہتر ہے، فرمایا جس کی قیمت زیادہ ہو اور جو اس کے مالک کی نظر میں نہایت پسندیدہ ہو، پھر دریافت کیا کہ اگر ان نیکی کے کاموں میں سے کچھ نہ کر سکوں؟ فرمایا تو کسی بیکس کی مدد کر دیا کسی بدسلیقہ کا کام کر دو، پوچھا اگر یہ بھی نہ بن سکے، فرمایا کہ شر سے لوگوں کو بچاؤ کہ یہ بھی صدقہ ہے جو تم اپنے آپ پر کر سکتے ہو، (ادب المفرد بخاری ص ۵۴ مصر)

کبھی آپ یہ کرتے کہ لوگوں سے سوال کرتے، وہ جواب دینے کی طرف توجہ کرتے، آپ ان کی اس توجہ کو مفید پاکر وہ جواب دیتے جو ان کے دل میں اتر جاتا، ایک دفعہ صحابہؓ سے آپ نے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ لوگوں نے عرض کی، ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ روپیہ ہو، نہ سامان ہو، فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت میں گو نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی نیکیاں لے کر آئے گا، لیکن اس نے اس کو گالی دی ہوگی، اس پر تہمت لگائی ہوگی، اس کا مال کھا گیا ہوگا، اس کا خون بہایا ہوگا، اس کو مارا ہوگا، تو اس کی نیکیوں میں سے کچھ کچھ ان لوگوں کو دے دیا جائے گا، اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور اس کے ذمہ دار لوگوں کا کچھ باقی رہ گیا، تو ان کی برائیاں اس کے نام لکھ دیجائیں گی پھر وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا،[1]

مفلس کی یہ حقیقت کیسی اثر انگیز ہے،

اسی طرح ایک دفعہ آپؐ نے یہ دریافت کیا کہ پہلوان تم کس کو کہتے ہو، لوگوں نے نے کہا جس کو لوگ کشتی میں پچھاڑ نہ سکیں، فرمایا نہیں یہ پہلوان نہیں ہے، پہلوان وہ ہے جو

[1] صحیح مسلم، کتاب البر باب تحریم الظلم،

غصہ میں اپنے نفس پر قابو رکھے،[1]

اُس شخص کو جس کے بچے نہ جیتے ہوں، صبر کی تلقین کرنی تھی تو دریافت فرمایا کہ بے اولاد تم کس کو کہتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کی جس کے بچہ نہ ہو، فرمایا وہ بے اولاد نہیں بے اولاد وہ ہے جس نے اپنے سے پہلے اپنی کوئی اولاد آگے نہیں بھیجی[2] (احادیث میں ہے کہ جو بچے کمسنی میں مرجائیں، اور اُن کے والدین صبر کریں تو وہ قیامت میں اُن کی شفاعت کریں گے) اس طریقۂ ادا نے کس خوبی سے یہ دل میں بٹھا دیا کہ بے اولادی غم کی چیز نہیں بلکہ اگر اس پر صبر کیا جائے تو وہ قیامت میں درجہ کی بلندی کا باعث ہوگی،

ایک دفعہ کچھ لوگ بیٹھے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور دریافت فرمایا کہ کیا میں تمھیں بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھا کون اور بُرا کون ہے؟ حاضرین چپ رہے (شاید یہ سمجھے ہوں کہ آپ اس جماعت کے اچھے اور بُرے لوگوں کے نام لیں گے) آپ نے دوسری بار یہی سوال کیا، پھر تیسری بار پوچھا، ایک شخص نے کہا ہاں، یا رسول اللہ فرمائیے، ارشاد ہوا تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس سے اچھائی کی اُمید کی جائے، اور جس کی بُرائی سے لوگ امن میں ہوں، اور تم میں سب سے بُرا وہ ہے جس سے کسی اچھائی کی امید نہ کی جائے، اور جس کی بُرائی سے کوئی امن میں نہ ہو،[3]

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کون یہ باتیں سیکھ کر اُن پر عمل کرتا ہے، اور دوسروں کو سکھاتا ہے کہ وہ اُن پر عمل کریں" ابوہریرہؓ نے کہا میں اے اللہ کے رسول! ابوہریرہؓ

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب [2] صحیح مسلم باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب [3] ترمذی ابواب الفتن صحیح

کہتے ہیں کہ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، پھر پانچ باتیں گن کر فرمائیں، گناہوں سے پرہیز کرو تو تم سب سے بڑے عبادت گذار ہو جاؤ گے، خدا نے جو تم کو دیا ہے اُس پر راضی رہو، تو سب سے بڑھ کر دولت مند ہو جاؤ گے، اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرو تو مومن بنو گے، لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو، تو مسلمان بن جاؤ گے، اور زیادہ ہنسا نہ کرو کہ زیادہ ہنسنے سے دل مرجاتا ہے[1]، (یعنی دل کی صلاحیت جاتی رہتی ہے)

ایک دفعہ فرمایا کون مجھ سے اپنے دو جبڑوں اور دونوں پاؤں کے بیچ کی حفاظت کی ضمانت کرتا ہے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت کرتا ہوں[2]، کون جانتا ہے کہ کتنے مسلمان اس ضمانت کے لئے اُٹھے ہوں گے، ان فقروں کی بلاغت پر غور کرو، دونوں جبڑوں کے بیچ میں زبان ہے جو ہر قسم کی قولی برائیوں کی جڑ ہے، اور دونوں پاؤں کے بیچ میں انسان کی شرمگاہیں ہیں، جو ہر قسم کی بےحیائیوں اور بدکاریوں کی جگہ ہیں، ان دو کی حفاظت کیجائے تو انسان کی برائیوں کے بڑے حصہ کی اصلاح ہو جائے،

ایک دفعہ فرمایا کون مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرتا ہے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت کرتا ہوں، آپ کے غلام ثوبان نے اٹھکر کہا میں اے اللہ کے رسول! فرمایا کسی سے کچھ نا نگا نہ کرو، چنانچہ انھوں نے کبھی کسی سے سوال نہیں کیا[3]،

سب کو معلوم ہے کہ ارض حرم کے اندر اور وہ بھی حج کے دنوں میں کسی مسلمان کا خون بہانا کتنا بڑا گناہ ہوسکتا ہے حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں خطبہ دینے کے لئے

[1] جامع ترمذی ابواب الزہد [2] صحیح بخاری باب حفظ اللسان [3] مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۵،

کھڑے ہوئے تو دریافت فرمایا، لوگو! آج کون دن ہے ؟ لوگوں نے سمجھا کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں، عرض کی اللہ اور اللہ کے رسول کو زیادہ معلوم ہے فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں، سب نے کہا جی ہاں، پھر پوچھا یہ کون مہینہ ہے، پھر سب چپ رہے سمجھے کہ اس کا نام کچھ اور بتائیں گے، فرمایا کہ کیا یہ ذی الحجہ نہیں، سب نے کہا جی ہاں پھر فرمایا یہ کونسا مقام ہے، پھر سب خاموش رہے، کہ آپ کوئی اور نام بتائیں گے، فرمایا کہ کیا یہ بلد الحرام نہیں ہے، سب نے کہا جی ہاں، ان سوالوں سے جب سننے والوں کے دلوں میں اس دن، اس مقام اور اس مہینہ کی حرمت اور عظمت بیٹھ گئی، تو فرمایا مسلمانوں کا خون، مسلمانوں کا مال اور مسلمانوں کی آبرو تمہارے لئے ایسی ہی محترم ہے جیسا یہ دن اس مقام میں اور اس مہینہ میں[1]

کبھی خاص خاص صاحبوں کو اُن کی مناسبت طبع دیکھ کر خاص خاص طور کی نصیحتیں فرماتے حضرت ابوذر غفاری رضی کو یا فطرۃً تارکِ دنیا تھے، بڑے ہی زاہد و عابد تھے، اُن کے ذوقِ طبع کو دیکھ کر اُن سے فرمایا! اے ابوذر! جہاں رہو خدا سے ڈرتے رہو، برائی کے پیچھے نیکی کرو تو تم اُس کو مٹا ڈالوگے، اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے ملا کرو،[2]

لوگ عام طور سے سمجھتے ہیں کہ صدقہ اللہ کی راہ میں صرف روپیہ پیسہ دینے کا نام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی اس تنگ خیالی کو دور کرنا تھا، تو حضرت ابوذر رض سے فرمایا تمہارا اپنے بھائی سے ملتے وقت مسکرا دینا بھی صدقہ ہے اچھی بات کہنا اور بری بات سے روکنا بھی صدقہ ہے، کسی بھٹکے ہوئے کو راہ بتا دینا بھی صدقہ ہے، کسی اندھے کو راستہ

---

[1] صحیح بخاری الخطبۃ فی ایام منیٰ [2] ترمذی باب ما جاء فی معاشرۃ الناس ،

Marfat.com

دکھانا بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، ہڈی یا کانٹا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے، اپنے ڈول سے دوسرے بھائی کے ڈول مین پانی اونڈیل دینا بھی صدقہ ہے[1]"

صدقہ کی جو اہمیت مسلمانون کے دلون مین تھی، اس کی بنا پر ان اخلاقی نیکیون کو صدقہ بتا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ ادا سے ان نیکیون کی کتنی اہمیت مسلمانون کے دلون مین بٹھادی،

کبھی آپ مسلمانون سے مختلف اخلاقی باتون پر بیعت لیتے تھے، چنانچہ خود قرآن پاک مین ہے کہ جو عورتین ایمان لانا چاہین، وہ بیعت مین رسول سے ان باتون کا عہد کرین کہ وہ چوری نہ کرین گی، بدکاری نہ کرین گی، اپنی اولاد کو نہ مار ڈالین گی، بہتان نہ باندھا کرین گی، اور کسی بھلے کام مین رسول کی نافرمانی نہ کرین گی، (سورۂ ممتحنہ ۲)

عبادہ بن صامتؓ کہتے ہین کہ آپ نے ہم سے ان باتون پر بیعت لی کہ "ہم ہر حالت مین رسولؐ کی پیروی کرین گے، اور ہم ہر موقع پر اپنی زبان عدل و انصاف کے ساتھ ٹھیک رکھین گے، اور خدا کے معاملہ مین کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہین ڈرین گے[2]"

یہی عبادہؓ کہتے ہین کہ مکہ مین ہجرت سے پہلے جب انصار اسلام لائے اور ان مین چند آدمیون کو چن کر آپ نے نقیب بنایا، تو اُن مین سے ایک مین بھی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم نقیبون سے ذیل کی باتون پر بیعت لی "ہم خدا کا کسی کو شریک نہ بنائین گے، بدکاری نہ کرین گے، چوری نہ کرین گے، اور ناحق کسی کا جان نہ لین گے، لوٹ مار نہین کرین گے، اور

[1] ترمذی فی صنائع المعروف۔ [2] مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۳۱۸۔

Marfat.com

نافرمانی نہ کرین گے، اگر ہم اس بیعت کو اپنی عملی زندگی مین پورا کر دکھائین گے، تو ہمین جنت ملیگی، اور اگر اس مین کمی کی تو اس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے[1]" اللہ جانتا ہے کہ ان خوش نصیبون نے اپنے اس وعدہ کو کس کس طرح خوبی سے پورا کیا ہوگا،

بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سوال کرتے تھے، سوال سن کر لوگ متوجہ ہو جاتے تھے مگر اس سے پہلے کہ لوگ جواب دین خود ہی جواب دیتے تھے، دریافت فرمایا کہ افترا کس کو کہتے ہین، پھر خود ہی فرمایا وہ چغلی ہے، " لوگون کے درمیان بات کو ادھر سے ادھر پہنچانا[2]" ایک بار ارشاد ہوا، کہ "تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہین" لوگون نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے[3]" فرمایا تم اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرو کہ وہ اس کو ناپسند ہو" کسی نے کہا اگر میرے بھائی مین وہ برائی واقعی موجود ہو تو فرمایا اگر اس مین ہے تب ہی تو وہ غیبت ہے، ورنہ پھر وہ بہتان[4] ہے، ایک موقع پر ارشاد ہوا "مین تمھین بتاؤن کہ جنت والے کون ہین؟ صحابہؓ نے عرض کی ہان یا رسول اللہ! فرمایا ہر کمزور نرم دل جس کو لوگ حقیر جانین یا جو متواضع ہو لیکن جس کی ایمانی قوت ایسی ہو کہ) اگر وہ خدا کے بھروسہ پر قسم کھا بیٹھے تو خدا اس کی قسم پوری کردے، پھر فرمایا کیا مین تمھین بتاؤن کہ دوزخ والے کون ہین؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ فرمایا ہر درشت مزاج، شیخی خور، مغرور[5]"

کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی آپ کوئی سوال کرتے، اور اس کو بار بار دہراتے،

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۵ کتاب الدیات [2] صحیح مسلم باب تحریم النمیمہ [3] صحیح مسلم باب تحریم الغیبۃ [4] صحیح مسلم باب جہنم،

حاضرین اس باربار کی تکرار سے اُس کی اہمیت کا پورا اندازہ کر لیتے، اور مشتاق ہو کر پوچھتے کہ یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟ اس وقت آپ جواب ارشاد فرماتے جس کا اثر اُن کی رگ رگ میں سرایت کر جاتا۔ ایک دفعہ خود سے فرمایا "خدا کی قسم وہ صاحبِ ایمان نہ ہوا، خدا کی قسم وہ صاحبِ ایمان نہ ہوا، خدا کی قسم وہ صاحبِ ایمان نہ ہوا صحابہؓ نے مشتاقانہ پوچھا کون یارسول اللہ! فرمایا جس کا پڑوسی اُس کی بُرائیوں سے امن میں نہ ہوا۔" ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "دینداری اخلاص کا نام ہے دینداری اخلاص کا نام ہے دینداری اخلاص کا نام ہے، صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کس کے ساتھ، فرمایا اللہ کے ساتھ، اس کی کتاب کے ساتھ، اس کے رسول کے ساتھ، مسلمانوں کے سرداروں کے ساتھ، اور عام مسلمانوں کے ساتھ۔"

لہ مشکوٰۃ باب الشفقۃ علی الخلق بحوالہ صحیحین ۔ ۲ہ ایضاً بحوالہ صحیح مسلم۔

اخلاقی تعلیمات کی قسمین

اسلام کے اصول اخلاق کی اس تفصیل اور تشریح کے بعد یہ موقع آیا ہے کہ اس کے اُن اخلاقی تعلیمات کا استقصا کیا جائے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے عالم کائنات کو ملین، ان اخلاقی تعلیمات کو اسلام نے تین حصّون مین تقسیم کردیا ہے حقوق، فضائل و رذائل اور آداب،

اسلام کی پہلی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسانون بلکہ حیوانون اور بے جان چیزون تک کے کچھ فرائض عائد ہین، اور یہ اُن کے حقوق ہین جنھین ہر انسان کو اپنے امکان بھر ادا کرنا ضروری ہے، یہ حقوق اور فرائض اسلامی اخلاق کی پہلی قسم ہین،

دوسری چیز انسان کے ذاتی چال چلن اور کردار کی اچھائی اور بلندی ہے، اس کا نام فضائلِ اخلاق اور اسکے مقابل کا نام رذائل ہے، مثلاً سچ بولنا اخلاقی فضائل اور جھوٹ بولنا رذائل مین ہے،

تیسری قسم، کامون کو اچھے اور عمدہ طریقہ سے بجالانا ہے، اس کو آداب کہتے ہین، مثلاً اُٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کا طور وطریق،

ذیل مین اسلامی اخلاق کی ان تینون قسمون کی الگ الگ تفصیل درج ہوتی ہے:

Marfat.com

حقوق و فرائض

حقوق کے معنی

حقوق کی مجمل تشریح تو اوپر ہو چکی لیکن اس موقع پر ضرورت ہے کہ اس کی مزید تفصیل کر دی جائے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۝ (بقرہ ۔ ۳)

خدا نے تمہارے (کام کے) لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں،

اس لئے انسان کو دنیا کی ہر اس چیز سے جس سے اس کے نفع کا تعلق ہے، ایک گونہ لگاؤ ہے اس لگاؤ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ترقی و حفاظت میں کوشش کی جائے، اس شے سے وہ نفع اٹھایا جائے جس کے لئے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے، اور ان موقعوں پر اس کو صرف کیا جائے جن میں خدا نے اس کے صرف کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس کو ہر اس پہلو سے بچایا جائے جس سے اس کی نفع رسانی کو نقصان پہنچے، اسی ذمہ داری کا نام حق ہے، جس کو ادا کرنا ضروری ہے ارشاد ہوا،

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ (ذاریات ۔ ۱)

اور ان کے مالوں میں سائل کا اور اس کا حق ہے جس پر مالی افتاد پڑی ہو

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ	اور ان کے مالوں میں سائل کا اور
حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَ	اس کا مقررہ حق ہے جس پر مالی تنگ
الْمَحْرُوْمِ (معارج - ۱)	پڑی ہو،
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ	اور قرابت والے کو اس کا حق دے
الْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائل)	اور مسکین کو اور مسافر کو،
فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ	تو قرابت والے کو اس کا حق دے
وَابْنَ السَّبِيْلِ ط (روم - ۴)	اور مسکین کو اور مسافر کو،

اللہ تعالیٰ نے جب کسی انسان کو دولت عطا فرمائی ہے، تو اُس کا تقاضا یہ ہے کہ جن کو یہ چیز نہیں ملی ہے، اُن کو اُس میں سے تھوڑا تھوڑا دیا جائے، یہ اُن کا حق ہے، اور اس میں سب سے مقدم رشتہ دار ہیں، پھر غریب، پھر مسافر، ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت مال کی طرف کی ہے،

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَ	اور پیداوار کا حق اس کے کاٹنے کے دن
لَا تُسْرِفُوْا ، (انعام - ۱۷)	ادا کرو، اور فضول خرچی نہ کرو،

یعنی جب کسی کو اللہ تعالیٰ نے زمین کا کوئی حصہ عنایت کیا، اور اس نے اس میں کچھ بویا اور اللہ نے اس میں برکت دی، اور پھل پھول نکلے، اور بھری کھیتی تیار ہوئی تو اس کا فرض ہوا کہ اس کا حق ادا کرے، اور اُس میں اُن کو بھی کچھ دے جن کو یہ نعمت نہیں ملی، اور اس نعمت کو بے موقع خرچ کرکے ضائع نہ کرے کہ یہ بھی اس کے حق کے منافی ہے، اور اس

کی نفع رسانی کے ضروری موقع و محل کو نقصان پہنچانا ہے،

حدیث میں آتا ہے:۔

ان لزوجك علیك حقًا و — تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق، اور تیرے

لزورک علیک حقًا (بخاری صوم) — ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے،

وَلاھلك علیك حقًّا (" ") — تیری بیوی بچوں کا تجھ پر حق ہے،

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ وہ اُس کو کھانا کھلائے، کپڑے پہنائے، اور اُس کے چہرہ پر تھپڑ نہ مارے" (ابوداؤد نکاح) ان احکام سے معلوم ہوا کہ ہر انسان پر دوسرے انسان کے کچھ حقوق ہیں، بلکہ ہر انسان کا خود اپنے اوپر بھی حق ہے اُس کے ایک ایک عضو کا اُس کے اوپر حق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

فان لنفسك علیك حقًا (بخاری صوم) — بیشک تیری جان کا تجھ پر حق ہے

فانّ لجسدك علیك حقًّا و لعینیك — تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے، اور تیری

علیك حقًّا، (" ") — آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے،

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ اسلام میں حقوق کی وسعت اس سے بہت زیادہ ہے جتنی عام طور سے سمجھی جاتی ہے،

حقوق کی وسعت | جب انسان کا تعلق کائناتِ ارضی کی ایک ایک چیز سے ہے، تو ظاہر ہے کہ اُس کی ذمہ داری بھی اُس کی ہر چیز سے متعلق ہے، جمادات سے بھی کہ اُن کو بے موقع نہ صرف کیا جائے، نباتات سے بھی کہ اُن کو نشو و نما اور تربیت کا موقع دیا جائے، حیوانات سے بھی

Marfat.com

اُن کو بے سبب تکلیف نہ پہنچائی جائے، اور اُن کے آرام و آسایش کا خیال کیا جائے، اور انسانوں سے بھی کہ اُن کی ہر ضرورت مین مدد کی جائے اور اُن کے فریضۂ محبت کو ادا کیا جائے، اور خود انسان کا اپنے اوپر بھی حق ہے کہ اس کا ہر عضو جس غرض کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس سے مناسب طور سے وہ کام لے،

غرض اسلام نے ان حقوق کو تمام کائنات مین اس طرح تقسیم کیا ہے کہ اس کا دائرہ محیطِ اعظم بن کر پھر آہستہ آہستہ سمٹتا ہوا بتدریج کم ہوتا ہوا مرکزِ نقطہ پر آکر ختم ہو جاتا ہے،

انسانیت کے باہمی حقوق تو بہت کچھ ظاہر ہین لیکن انسان کے علاوہ اس کائنات ارضی کی دوسری بے جان اور جاندار چیزون کے حقوق کی طرف تھوڑا سا مزید اشارہ توضیح مقصد کے لئے مفید ہے،

انسان کے علاوہ دوسری جاندار اور بے جان چیزون کے دو حق انسان پر ہین، ایک یہ کہ جس غرض اور منفعت کے لئے وہ پیدا کی گئی ہین، اُن سے وہی کام لیا جائے، دوسرا یہ کہ اُن کے قدرتی نشو و نما، پرورش اور ترقی مین وہ رکاوٹ نہ پیدا کرے، بلکہ اُن کے مناسب اسباب فراہم کرے، اور اس کے مناسب غذا، سیرابی، اور آرام کی فکر رکھے، یہ دونون حقوق اصل مین قرآن پاک کی اسی حقیقت کے کہ

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا، (بقرہ ۳۰۰) | زمین مین جو کچھ ہے وہ خدا نے تمہارے (یعنی انسانون کے) لئے پیدا کیا،

کے مترشح نتیجے ہین کہ جب انسان کے لئے یہ سب چیزین پیدا ہوئین، تو انسان کا فرض ہے کہ

اُن سے وہی کام لے جس کے لئے وہ بنائی گئین، اور اس لئے تاکہ وہ وقتِ مقررہ تک انسان کو اپنا نفع پہنچا سکین، اُن کی پرورش وترقی کے قدرتی اسباب کو مہیا کرنا ان پر ضروری قرار دیا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے مجمع مین ایک تمثیلی حکایت مین اس نکتہ کو واضح کیا ہے، فرمایا کہ "ایک دفعہ ایک آدمی بیل پر سوار جارہا تھا کہ دفعتہً اُس نے منھ پھیر کر سوار سے کہا کہ مین تو اس کے لئے پیدا نہین کیا گیا، مین تو کھیتی کے لئے پیدا کیا گیا ہون[۱]" اور اسی لئے درخت لگانا ثواب کا کام کہا گیا، فرمایا گیا کہ "جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے تو جو پرندے یا جانور یا انسان اس کا پھل کھاتے ہین، اس کا ثواب درخت لگانے والے کو ملتا ہے[۲]" اسی سبب سے پھلدار درخت کو بے سبب کاٹنا ناپسندیدہ ہے[۳]"

ایک اور تمثیلی حکایت مین آپ نے فرمایا کہ ایک شخص صرف اس لئے بخشا گیا کہ اُس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تھی، اور ایک اور شخص پر صرف اس لئے عذاب ہوا کہ اُس نے ایک بلی کو باندھا اور اس کو کھانے پینے کو نہین دیا، یہان تک کہ وہ اسی طرح سسک سسک کر مرگئی، ایک اور شخص نے چیونٹی کو جلا دیا تھا، اُس پر اس سے بازپرس ہوئی[۴]

یہ چند اشارات اس موقع پر اس لئے بھی کئے گئے ہین تاکہ معلوم ہو کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا

---

[۱] صحیح بخاری باب الحرث والمزارعہ جلد اوّل ص ۳۱۲ [۲] صحیح بخاری ومسلم باب مذکور، [۳] فتح الباری شرح صحیح بخاری شرح مذکور، جلد خامس ص ۷، مصر [۴] یہ دونون واقعے صحیح بخاری مین ہین،

Marfat.com

دائرہ کتنا وسیع ہے، وہ صرف انسانوں تک نہیں بلکہ تمام جاندار اور بے جان چیزوں تک پھیلا ہوا ہے، جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی،

حقوق کی ترتیب | مگر ان تمام حقوق کی ادائگی میں اسلام نے ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی ہے جس کی تفصیل ذیل میں ہے،

اگر ہم اسلام کے تمام اخلاقی فرائض اور تعلیمات کو صرف ایک لفظ سے ادا کرنا چاہیں تو توراۃ وانجیل کی طرح مختصر یوں کہہ سکتے ہیں کہ دوسروں سے محبت کرنا لیکن صرف "محبت کرنا" کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ ان چیزوں کی تفصیل کرنی چاہیے، جو اس محبت کا تقاضا اور اس کے مظاہر ہیں، یہی تفصیل وتکمیل اسلام کی اخلاقی تعلیم کا کارنامہ ہے، آپ نے فرمایا کہ "ایمان کا کمال یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے لئے بھی وہی محبوب رکھو، جو اپنے لئے رکھتے ہو"[1] اس سے معلوم ہوا کہ جسم وجان اور مال وملکیت کے وہ تمام معاملات جو انسان اپنے جسم وجان اور مال وملکیت کے لئے چاہتا اور پسند کرتا ہے، وہی دوسروں کے لئے چاہنا اور پسند کرنا توراۃ وانجیل کی طرح اسلام کی اخلاقی تعلیم کا بھی سرعنوان ہے، لیکن اسلام میں یہ سرعنوان تشریح کا محتاج ہے، اور اس تشریح کے ضمن میں انسانی تعلقات کی تدریجی ترتیب کی بحث آجاتی ہے جس کو اسلام نے ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے، اور ان فرائض کو ہر انسان کے تعلقات کی کمی بیشی، اور دوری ونزدیکی کی تاریخ اور ترتیب کے ساتھ متعین اور ہر ایک کا درجہ اور مرتبہ الگ الگ مقرر کر دیا ہے، مثلاً ایک حیوان کے مقابلہ میں ایک انسان کی، ایک

[1] صحیحین کتاب الایمان،

Marfat.com

اجنبی شخص کے مقابلہ مین ایک دوست کی غیرون اور بیگانون کے مقابلہ مین ایک عزیز کی، اوران عزیزون مین بھی قرابت کی دوری ونزدیکی کی ترتیب اسی طرح رکھی گئی ہے مگر یہ ترتیبی امداد حق کے ساتھ ہے، اگر کوئی عزیز سے عزیز بھی باطل پر ہو، تو اُس کے مقابلہ مین اس غیر وبیگانہ کی امداد جو حق پر ہے، فرض ہے کہ جو مدد محض قرابت اور عزیزداری کی بنا پر باطل پر کی جاتی ہے، اس کا نام اسلام کی اصطلاح مین عصبیت (تعصب) ہے، جس سے بچنے کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی ہے،[1]

اسلام کے سوا دوسرے مذاہب مین انسانی حقوق کی درجہ وار کوئی تفصیل نہین ہے، انسان اور حیوان کے درمیان بھی خط فاصل نہین قائم کیا گیا ہے، مثلاً بودھ کی اخلاقی تعلیم مین انسان اور حیوان ہے، اور پھر انسانون مین اہل ملک، قوم قبیلہ اور خاندان کی کوئی تمیز نہین، بلکہ سرے سے رشتہ اور قرابت ہی کی اس مین کوئی دفعہ نظر نہین آتی، اسی طرح ہندو قانون مین ایک جانور اور ایک انسان کا قتل برابر درجہ رکھتا ہے، اور ایک جانور بھی اپنی کسی منفعت رسانی کے باعث انسان کی مان کا درجہ پا سکتا ہے، یہودیت اور عیسائیت مین تمام قرابت دارون کو چھوڑ کر صرف مان باپ کا ذکر کیا گیا ہے اور اُن کے برترانہ حق اطاعت کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن دوسرے قرابت مندون اور رشتہ دارون کو اُن مین کوئی مرتبہ نہین دیا گیا ہے لیکن اسلام نے اس مسئلہ مین پوری تفصیل سے کام لیا ہے،

اس ترتیب کا فلسفہ یہ ہے کہ ترتیب مین جس کا درجہ بڑھکر ہے، اس کے ساتھ

---

[1] سنن ابی داؤد ج ۲ باب فی العصبیۃ،

Marfat.com

تعلقات کی وابستگی دوہری تہری ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص جو ایک وقت مین ایک ہی کی مدد کرسکتا ہے، اس کی ایک غریب بیمار مان ہے ایک غریب اور بیمار باپ ہے، ایک غریب اور بیمار بھائی ہے، ایک اسی طرح کا اس کا پڑوسی ہے، پھر اسی حالت مین اس کا ایک ہم محلہ بھی ہے، اور اسی حالت مین اس کا کوئی ہموطن بھی ہے تو اس کو کس کی امداد کرنی چاہیے، یہی وہ موقع ہے جس مین تدریجی تعلقات کی ترتیب کا سوال پیش آتا ہے، ظاہر ہے کہ تعلقات کے دوہرے تہرے حقوق پہلے مان کے ہین، پھر باپ کے ہین، پھر بھائی کے ہین، پھر پڑوسی کے ہین، پھر ہموطن کے ہین، اور اسی ترتیب سے ان کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، یہ نیکی نہ ہوگی کہ اپنی غریب اور بیمار مان کو چھوڑ کر کوئی اپنے غریب اور بیمار پڑوسی کی خدمت کے لئے آمادہ ہوجائے، یہ ایثار نہین بلکہ ظلم ہے، ہان یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے اوپر مزید زحمت گوارا کرکے دونون کے حقوق سے عہدہ برآ ہو، اگر ایسا وہ نہ کرسکے تو اخلاقاً اس کو معذور سمجھا جائے گا، شریعت محمدی نے اسی فطری ترتیب کو ان آیتون مین پیش کیا ہے،

وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ	اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور
بِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ	رشتہ دار کے ساتھ اور یتیمون اور مسکینون
الْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى	کے ساتھ، اور رشتہ دار پڑوسی
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ	کے ساتھ اور بیگانہ پڑوسی کے ساتھ
بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَ	اور ساتھی کے ساتھ، اور مسافر کے ساتھ
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء ۶)	اور لونڈی غلام کے ساتھ،

Marfat.com

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ	اے پیغمبر اُن سے کہہ کہ تم جو خرچ کرو،
فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ	وہ اپنے ماں باپ، اور عزیزوں ؑ
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ	یتیموں، اور غریبوں، اور مسافر کے
السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ	لئے، جو بھی نیکی کا کام تم کرو، اللہ
خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (بقرہ ۲۶)	اس سے آگاہ ہے،
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ	اور رشتہ دار کا حق ادا کر اور مسکین
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا	کا، اور مسافر کا، اور فضول خرچی
(بنی اسرائیل ۳)	نہ کر،

عام طور سے اکثر مذہبوں نے سب سے زیادہ اہمیت ماں باپ کو دی ہے، اور اسلام مین بھی اہمیت یہی درجہ رکھتی ہے، مگر اُس کی تکمیلی شان اس باب مین بھی اسی طرح نمایاں ہے جس طرح تعلیمات کے دوسرے ابواب مین،

والدین کا حق

والدین یعنی ماں باپ کی عزت، خدمت اور اطاعت حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں یکساں ضروری قرار دی گئی ہے، بلکہ تینوں میں اُن کا درجہ خدا کے بعد انسانی رشتوں میں سب سے بڑا بتایا گیا ہے اور خدا کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اُن کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے، تورات میں توحید کی تعلیم کے بعد ہے،

"تو اپنے ماں باپ کو عزت دے، تا کہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے، دراز ہو، (خروج ۲۰-۱۲)

پھر دوسری جگہ ہے،

"تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور اپنے باپ سے ڈرتا ہے" (احبار ۱۹-۳)

انتہا یہ ہے کہ تورات نے قانوناً یہ حکم نافذ کیا کہ

"اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعن کرے مار ڈالا جائے گا، اس نے اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کی ہے، اس کا خون اسی پر ہے" (احبار ۲۰-۹)

"اور وہ جو اپنی ماں باپ پر لعنت کرے، مار ڈالا جائے، (خروج ۲۱-۱۷)

Marfat.com

حضرت عیسیٰؑ نے انجیل مین انہی احکام کو دہرایا، اور اس بات پر زور دیا کہ ان احکام کی صرف لفظی تعمیل نہ کی جائے، بلکہ اُن کے روح و معنی کا خیال کیا جائے، فرمایا،

"کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے مان باپ کی عزت کر اور جو مان یا باپ پر لعنت کرے، جان سے مارا جائے، پر تم کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے باپ یا مان کو کہے کہ جو کچھ مجھے تجھکو دینا واجب تھا سو خدا کی نذر ہوا، اور اپنے باپ یا مان کی عزت نہ کرے، تو کچھ مضائقہ نہین، پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا (متی ۱۵-۴)[1]

نبوت محمدیؐ جس کی بعثت ہی اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے، اُس نے تورات وانجیل کی طرح نہ صرف والدین کی عزت اور اُن سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی، بلکہ اس مسئلہ کے ہر گوشہ کی تفصیل کی، اور ہر ممکن سوال کا تشفی بخش جواب دیا

۱۔ اس نے سب سے پہلے مان اور باپ کی مشترکہ حیثیت کی بھی تفصیل کی، اور بتایا کہ مان اور باپ مین بھی سب سے بڑا درجہ مان کا ہے، عورت کی فطری کمزوری، بیچارگی اور حملی، وضع حمل اور تربیت اولاد کی تکلیفون کو ہنسی خوشی برداشت کرنا، مان کی بڑائی اس کی سب سے پہلے دلدہی کرنے اور اوس کی فرمانبرداری کرنے کی سب سے بڑی دلیل ہے،

[1] اس کے علاوہ انجیل کے دوسرے ابواب اور صحیفون مین تورات کے الفاظ کا بعینہ اعادہ ہے مثلاً متی ۱۹-۱۹- مرقس ۷-۱۰ و ۱۰-۹ و لوقا ۱۸-۲۰،

Marfat.com

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ ۔

(لقمان-٢)

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے تاکید کی، اس کی ماں نے اس کو تھک تھک کر اپنے پیٹ میں رکھا اور دو برس تک دودھ پلایا،

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۔

(احقاف-٢)

اور ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے، اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا، اور تکلیف کے ساتھ جنا، پیٹ میں رکھنا، اور دودھ پلا کر چھڑانا تیس مہینے میں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس کی مزید تاکید کی، ایک شخص نے خدمتِ اقدس میں آکر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ فرمایا تیری ماں، پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے عرض کی پھر کون فرمایا تیری ماں، تین دفعہ آپ نے یہی جواب دیا، چوتھی دفعہ پوچھنے پر ارشاد ہوا تیرا باپ[1] ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور سرفہرست ماں کی نافرمانی کو قرار دیا، اور فرمایا کہ تمہارے خدا نے ماؤں کی نافرمانی تم پر

[1] صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الادب،

Marfat.com

حرام کی ہے، ایک دفعہ ایک شخص نے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ! مین نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے، کیا میرے لئے کوئی توبہ ہے؟ فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ جواب دیا نہین، دریافت کیا خالہ ہے؟ گذارش کی، ہے، فرمایا "تو اُس کے ساتھ نیکی کر"[1] یہی اسکی توبہ بتائی، ایک اور صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! مین نے جہاد مین شرکت کا ارادہ کیا ہے، اور آپ سے مشورہ چاہتا ہون، فرمایا کیا تمھاری ماں ہے؟ جواب اثبات مین دیا، فرمایا، "تو اُسی سے چمٹے رہو کہ جنت اُس کے پاؤن کے پاس ہے"[2]

ان تعلیمات سے اندازہ ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مین مخلوقاتِ انسانی مین جنسِ لطیف ہی کی ایک صنف کو سب سے بڑی برتری حاصل ہے، اور یہ برتری بالکل فطری ہے، انسان سب سے زیادہ اپنے وجود مین جن کا ممنون ہے، اور جو اس کی تخلیق کی مادی علت ہین، وہ خالقِ اکبر کی علتِ فاعلہ ذات کے بعد ماں اور باپ ہین، لیکن باپ کی مادی علیت چند لمحون اور چند قطرون سے زیادہ نہین، مگر ماں وہ ہستی ہے، جس نے اُس ہستی کو اپنا خون پلا پلاکر بڑھایا، اور نو مہینے تک اس کی مشکل سہکر اور سختی اٹھا کر اپنے پیٹ مین رکھا، پھر اُس کے جننے کی ناقابلِ برداشت تکلیف کو ہنسی خوشی برداشت کیا، پھر اس نوپید امضغۂ گوشت کو اپنی چھاتیون سے لگا کر اپنا خون پانی کرکے پلایا، اور اس کی پرورش اور غور و پرداخت مین اپنی ہر راحت قربان، اپنا ہر آرام ترک، اور اپنی ہر خوشی نثار کر دی، ایسی حالت مین کیا ماں سے بڑھ کر انسان اپنے وجود مین مخلوقات مین کسی

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الادب [2] جامع ترمذی کتاب البر والصلۃ [3] ترغیب ترہیب منذری جلد ۲

اور کا محتاج ہے، اس لئے شریعت محمدی نے اپنی تعلیم مین جو بلند سے بلند مرتبہ اس کو عنایت کیا ہے، وہ اُس کی سزاوار ہے،

۲- مان کے ساتھ جو دوسری ہستی، بچہ کی تولید وتکوین مین شریک ہے، وہ باپ ہے، اور شک نہین کہ اس کی نشو ونما اور تربیت مین مان کے بعد باپ ہی کی جسمانی و مالی کوششین شامل ہین، اس لئے جب بچہ اُن کی محنتون اور کوششون سے قوت کو پہنچا تو اس پر فرض ہے کہ اپنی اس ماں باپ کی کوششون سے حاصل کی ہوئی قوت کا شکرانہ مان باپ کی خدمت کی صورت مین ادا کرے، چنانچہ اسلام نے نہ صرف پہلے صحیفون کی طرح اُن کی "عزت" کرنے اور اُن سے "ڈرتے رہنے" کے وعظ پر اکتفا کی، بلکہ اُن کی خدمت، اُن کی اطاعت، اُن کی امداد، اور اُن کی دلدہی، ہر چیز فرض قرار دی، بلکہ یہان تک تاکید کی کہ اُن کی کسی بات پر اُف تک نہ کرو، اُن کے سامنے ادب سے جھکے رہو، اُن کی دعاؤن کو اپنے حق مین قبول سمجھو، انہی کی خدمت انسان کا سب سے بڑا جہاد ہے، بلکہ ان ہی کی خوشنودی سے خدا کی خوشنودی ہے، قرآن پاک مین والدین کے ساتھ حسن سلوک، نیکی اور خدمت کی تاکید ۱۲ مختلف آیتون مین نازل ہوئی ہے، اور اکثر موقعون پر تعلیم توحید اور خدا پرستی کی تعلیم کے بعد ہی آئی ہے، کہ پہلی تخلیق انسانی کی علت فاعلی اور دوسری علت مادی ہے، سب سے پہلی آیت سورۂ بقرہ مین ہے، جس مین تورات کے حکم کی طرف بھی اشارہ ہے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۶) ابن ماجہ ونسائی وحاکم،

Marfat.com

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ — اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا
لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَ — کہ تم نہ پوجوگے، مگر اللہ کو، اور ماں
بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (بقرہ ۱۰) — کے ساتھ نیکی کرو،

یہ آیت پاک گو اس حکم کا اعادہ ہے، جو توراۃ کی آیتوں میں ہے لیکن یہاں توراۃ کی طرح صرف ماں باپ کی عزت اور ڈر کے محدود لفظ نہیں، بلکہ نیکی کرنے کا وسیع المعنی لفظ رکھا گیا ہے جس سے تعلیم کے مفہوم میں بڑی وسعت آگئی ہے، اور ہر قسم کی خدمت اطاعت اور عزت کا مفہوم اس کے اندر پیدا ہے،

اسی سورہ میں دوسری جگہ والدین کی مالی خدمت اور امداد کی نصیحت ہے،

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ — فائدہ کی جو چیز تم خرچ کرو، وہ
فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (الآیہ) — ماں، باپ اور رشتہ داروں
(بقرہ - ۲۶) — (وغیرہ) کے لئے،

سورۂ نساء میں توحید کے حکم اور شرک کی ممانعت کے بعد ہی والدین کے ساتھ بھلائی کی تاکید کی جاتی ہے،

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا — اور اللہ کو پوجو، اور اس کے ساتھ
بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا — کسی کو شریک نہ بناؤ، اور ماں باپ
(نساء - ٦) — کے ساتھ بھلائی کرو،

کفار کو جنھوں نے اپنے وہم وخیال اور رسم ورواج سے حلال وحرام کی ہزاروں

Marfat.com

رسمی وخیالی باتین پیدا کرلی تھین، اللہ تعالیٰ خطاب کرکے فرماتا ہے کہ یہ کھانے پینے کی چیزین حرام نہین، آؤ ہم بتائین کہ حقیقت مین حرام چیزین کیا ہین، خدا کے ساتھ شرک کرنا، اور مان باپ کے ساتھ نیکی سے پیش نہ آنا،

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ	کہہ (اے پیغمبر!) آؤ مین تھین پڑھکر
عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا	سناؤن کہ تمھارے پروردگار نے تم پر
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ج	کیا حرام کیا ہے، یہ کہ اس کے ساتھ
(انعام - ۱۹)	کسی کو شریک نہ بناؤ، اور مان باپ
	کے ساتھ نیکی کرنا،

معراج کے احکام دوازدہ گانہ مین خدا کی توحید کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم اس اہتمام کے ساتھ دیجاتی ہے کہ اُن کے سامنے اُف بھی نہ کرو، عاجزی سے پیش آؤ، اُن کے حق مین دعاے خیر کرو، اور بڑھاپے مین اُن کی خدمت کرو، فرمایا،

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کردیا ہے
اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	کہ تم اس کے سوا کسی کو نہ پوجو، اور
اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ	مان باپ کے ساتھ بھلائی کرنا، اگر
اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا	اُن مین سے ایک یا دونون تمھارے
تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا	سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائین تو انکو
وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ه وَ	اف بھی نہ کہو، اور نہ ان پر خفا ہو، اور

اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (بنی اسرائیل-۳)	ان سے ادب سے بولو اور اُن کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے جھکاؤ اور کہو کہ اے میرے پروردگار تو اُن پر رحمت فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں

اللہ اللہ! کس ادب اور محبت کی تعلیم ہے،

خدا کی دائمی اور غیر متبدل شریعت میں شرک سے زیادہ بڑی چیز کوئی نہیں قرار دی گئی، اس پر بھی اگر کسی کے ماں باپ مشرک ہوں تو اس حالت میں بھی اُن کی خدمت سے ہاتھ اٹھانا روا نہیں، بجز اس کے کہ اگر وہ اس شرک کی دعوت دیں تو اُن کی اس دعوت کو قبول نہ کیا جائے، ارشاد ہوا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (عنکبوت-۱)	اور ہم نے انسان کو جتا دیا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور اگر وہ تجھکو مجبور کریں کہ تو خدا کے ساتھ اس کو شریک کر جس کا تجھکو علم نہیں، تو ان کا کہا نہ مان تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، تو میں تم کو تمھارے کرتوت سے آگاہ کروں گا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ اگر تمھارے بت پرست ماں باپ تم کو بت پرستی کی دعوت دیں

Marfat.com

(نہ) صرف ان کی اُس دعوت کو قبول نہ کرو لیکن ان کی دنیاوی خدمت اور حسن سلوک میں (ک)وئی فرق نہ آنے پائے بلکہ وہ اس حالت میں بھی اپنی جگہ پر قائم رہے۔ فرمایا

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ	اور ہم نے انسان کو جتا دیا کہ اپنے
حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ	ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اسکی
وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ	ماں نے اس کو تھک تھک کر
أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ	پیٹ میں رکھا اور دو سال میں
إِلَيَّ الْمَصِيرُ، وَإِنْ جَاهَدَاكَ	اس کا دودھ چھڑایا کہ وہ میرا اور اپنے
عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ	ماں باپ کا احسان مانے میرے
بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا	ہی پاس پھر آنا ہے، اگر وہ دونوں اس
وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا	پر تجھکو مجبور کریں کہ میرے ساتھ اسکو شریک
مَعْرُوفًا	جسکو تو نہیں جانتا تو انکا کہنا مان اور دنیا
(لقمان - ۲)	میں ان کیساتھ بھلائی سے گذران کر

اس تعلیم کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی احسانمندی کا ذکر خود اپنی احسان پذیری کے ساتھ کرتا ہے اور ان غیر خدا پرستی شرک پرستی کی دعوت اور اس دعوت کے قبول پر اولاد کو زور مجبور کرنے کے باوجود صرف اسی قدر کہا جاتا ہے کہ جب ماں باپ میں ان کی بات اولاد نہ مانیں، مگر دوسری دنیاوی باتوں میں ان کا ادب، ان کی اطاعت اور ان کی خدمت کا وہی عالم رہے۔

Marfat.com

حضرت ابراہیمؑ کو دیکھیئے کہ باوجود اس کے کہ ان کا باپ مسلمان نہ تھا مگر اپنے وعدہ کی بنا پر خدا سے دعا مانگی جس سے غالباً ان کی مراد یہ ہوگی کہ وہ ایمان لا کر حسنِ خاتمہ پر مرے،

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ، (اِبْرَاھِیْم-۶)
اے میرے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے،

حضرت نوحؑ نے بھی یہی دعا کی،

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ، (نوح-۲)
میرے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے،

اس لیے والدین کے حسنِ خاتمہ اور مغفرت کی دعا مانگنا انبیاء علیہم السلام کی پیروی ہے، آخری بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں، ان کی خدمت بجا لاتے ہیں، اور ان کے لیے خدا سے دعائے خیر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس نیکی کے بدلہ میں ان کے سارے گناہ معاف کر دیتا اور اپنی خوشنودی کی لازوال دولت اُن کو عطا فرماتا ہے،

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ

اور ہم نے انسان کو تاکید کر کے کہہ دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، اس کی ماں نے اُس کو تکلیف کر کے پیٹ میں اٹھایا، اور تکلیف کر کے جنی، اور تیس مہینوں تک اُس کو

وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً، قَالَ	پیٹ مین رکھنا، اور دودھ چھڑانا،
رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ	یہان تک کہ وہ بچہ سے بڑھ کر جوان
نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ	ہوا، اور چالیس برس کا ہوا، اُس نے
وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ	کہا کہ میرے پروردگار مجھ کو توفیق کر
صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ	کہ تیرے اس احسان کا شکر ادا کرون
فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ	جو تونے مجھ پر اور میرے مان باپ
وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اُولٰٓئِكَ	پر کیا، اور اس کی کہ مین وہ کام کرون
الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ	جس کو تو پسند کرے، اور میری اولاد
مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ	نیک کر، مین تیری طرف لوٹ کر
سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ	آیا اور مین تیرے فرمانبردارون مین ہون،
وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا	یہی وہ ہین جن کے اچھے کام ہم قبول
يُوْعَدُوْنَ ۝	اور اُن کے بُرے کامون سے درگذر
	کرتے ہین، یہ جنت والون مین ہون گے،
(احقاف - ۲)	یہ سچائی کا وہ عہد ہے، جس کا اُن سے

ان آیتون نے والدین اور خصوصاً ماں کی خدمت واطاعت ورضامندی کو ذریعہ بتایا ہے جس سے گناہون کی فرد دھل کر صاف ہو جاتی ہے، احادیث مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی منشائے الٰہی کو مختلف عبارتون اور طریقون مین ادا فرمایا ہے کبھی

Marfat.com

فرمایا ہے کہ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے[1] کبھی ارشاد ہوا رب کی خوشنودی
باپ کی خوشنودی مین ہے ۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے حسن
معاشرت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے، فرمایا تیری ماں، دریافت کیا پھر کون؟ فرمایا
تیری ماں، عرض کی پھر کون؟ فرمایا تیری ماں، گذارش کی پھر کون، چوتھی بار فرمایا تیرا باپ
اور اس کے بعد جو اس سے قریب ہے، پھر جو اس سے قریب ہے، ایک دفعہ حضور انور
(صلی اللہ علیہ وسلم) مجلس قدس مین تشریف فرما تھے، جان نثار حاضر تھے، فرمایا، وہ خوار ہوا، وہ
خوار ہوا، وہ خوار ہوا صحابہؓ نے پوچھا کون یا رسول اللہ ارشاد ہوا وہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا اُن مین
سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت مین پایا اور پھر (ان کی خدمت کرکے) جنت نہ حاصل
کر لی، ایک اور مجلس مین صحابہ نے دریافت کیا کہ تمام کامون مین خدا کو ہمارا کون سا
کام زیادہ پسند آتا ہے، فرمایا وقت پر نماز پڑھنا، عرض کی، پھر کون ؟ ارشاد ہوا ماں باپ
کے ساتھ نیکی کرنا، دریافت کیا، پھر کون' فرمایا خدا کی راہ مین محنت اٹھانا، (جہاد)
ایک دفعہ آپ نے والدین کی اطاعت کے ثواب کو ایک نہایت مؤثر حکایت مین
بیان فرمایا، ارشاد ہوا کہ تین مسافر راہ مین چل رہے تھے کہ اتنے مین موسلا دھار مینہ
برسنے لگا، تینون نے بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار مین پناہ لی، قضارا ایک چٹان اوپر
سے ایسی آگری کہ اس سے اُس غار کا منہ بند ہوگیا، (اب اُن کی بیکسی و بیچارگی
اضطراب و بیقراری کا کون اندازہ کر سکتا ہے، اُن کو موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی)

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد و نسائی، و بیہقی، کتاب الادب فی البر و الصلہ،

Marfat.com

اس وقت انھون نے پورے خضوع و خشوع کے ساتھ دربار الٰہی مین دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہر ایک نے کہا کہ اس وقت ہر ایک کو اپنی خالص نیکی کا واسطہ خدا کو دینا چاہئے، ایک نے کہا بار الٰہا تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے، اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے مین بکریان چراتا تھا، اور انہی پر اُن کی روزی کا سہارا تھا، مین شام کو جب بکریان لے کر گھر آتا تھا تو دودھ دوہ کر پہلے اپنے والدین کی خدمت مین لاتا تھا، جب وہ پی چکتے تب اپنے بچون کو پلاتا تھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ مین بکریان چرانے کو دور نکل گیا، لوٹا تو میرے والدین سو چکے تھے، مین دودھ لے کر اُن کے سرہانے کھڑا ہوا، نہ ان کو جگاتا تھا کہ اُن کی راحت مین خلل آجائے، اور نہ ہٹتا تھا کہ خدا جانے کس وقت اُن کی آنکھین کھلین اور دودھ مانگین، بچے بھوک سے بلک رہے تھے، مگر مجھے گوارا نہ تھا کہ میرے والدین سے پہلے میرے بچے سیر ہون، مین اسی طرح پیالہ مین دودھ لئے رات بھر سرہانے کھڑا رہا، اور وہ آرام کرتے رہے خداوندا! اگر تجھے معلوم ہے کہ مین نے یہ کام تیری خوشنودی کے لئے کیا تو اس غار کے منھ سے چٹان کو ہٹا دے، یہ کہنا تھا کہ چٹان کو خود بخود جنبش ہوئی، اور غار کے منھ سے تھوڑا سرک گئی، اس کے بعد باقی دو مسافرون کی باری آئی، اور انھون نے بھی اپنے نیک کامون کو وسیلہ بنا کر دعا کی، اور غار کا منھ کھل گیا،

اسلام مین جہاد کی اہمیت جو کچھ ہے وہ ظاہر ہے، مگر والدین کی خدمت گذاری کا درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، ان کی اجازت کے بغیر جہاد بھی جائز نہین کہ جہاد کے میدان مین سر ہتھیلی پر رکھ کر جانا ہوتا ہے، اور ہر وقت جان جانے کا امکان رہتا ہے، اس لئے والدین کی اجازت کے بغیر اُن کو اپنے جسم و جان کے کھونے کا حق نہین جس کو اُن کی خدمت گذاری

کے لئے وقف ہونا چاہیئے تھا، اسی لئے ابھی اوپر گذر چکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک کاموں مین جہاد کا درجہ والدین کی خدمت گذاری کے بعد رکھا، ایک دفعہ ایک صحابی نے خدمت اقدس مین آکر شرکت جہاد کی اجازت طلب کی، دریافت فرمایا کہ تمھارے ماں باپ بھی ہین عرض کی جی ہان، ارشاد ہوا تو پھر انہی کی خدمت کا فریضۂ جہاد ادا کرو،

قرآن پاک کی صریح آیتون مین خدا کی اطاعت کے ساتھ ساتھ جس طرح والدین کی اطاعت کا ذکر ہے، احادیث مین بھی اُس کا وہی درجہ رکھا گیا ہے صحابہؓ سے فرمایا کہ "تم پر خدا نے ماؤن کی نافرمانی حرام کی ہے" ایک دفعہ صحابہؓ سے جو خدمت مین حاضر تھے، دریافت کیا کہ کیا تم کو بتاؤن کہ دنیا مین سب سے بڑے گناہ کیا ہین، انھون نے عرض کی ضرور یارسول اللہ! فرمایا "خدا کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے، سیدھے ہو کر برابر ہوگئے، اور فرمانے لگے" اور جھوٹی گواہی، ہان جھوٹی گواہی[1]"

تورات مین حقوقِ والدین کے متعلق جو بعض ایسے احکام تھے، جو بیحد سخت تھے، وحیِ محمدی نے بعض حیثیتون سے اُن مین تخفیف کر دی ہے، اور بعض حیثیتون سے اور زیادہ سخت کردیا ہے، مثلاً توراۃ کا یہ حکم تھا کہ جو کوئی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے وہ قتل کر دیا جائے اسلام نے اس گناہ کو دنیا کی قانونی سزا کے بجائے اُخروی سزا کا موجب قرار دیا جس کے معنی یہ ہین کہ وہ توبہ و استغفار سے معاف ہوسکتے ہین، اور مجرم کو اپنے فعل پر نظر ثانی کی تازندگی مہلت

[1] یہ تمام واقعات اور اقوال عام کتب حدیث مین مذکور ہین خصوصیت کے ساتھ دیکھو صحیح بخاری کتاب الادب صحیح مسلم کتاب البر والصلہ، جامع ترمذی کتاب البر والصلہ، مشکوٰۃ باب مذکور،

ملتی ہی، لیکن اگر اوس نے اُس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا، تو پھر عذاب بھی ہے، جو دنیاوی سزا سے زیادہ سخت ہے، اسلام کے قانون مین ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی سنگ دل باپ اپنی اولاد کے قتل کا مرتکب ہو تو بعض حالتوں مین وہ اس کے قصاص مین قتل نہ ہوگا، بلکہ کسی اور سزا کا مستحق ہوگا، کیونکہ باپ کو اپنی اولاد سے جو فطری محبت ہوتی ہے، اس کا مقتضا یہی ہو کہ اس کے فعل کو قتل بالقصد کے بجائے اتفاقی سمجھا جائے، تا آنکہ اُس کے برخلاف کوئی قوی شہادت موجود نہ ہو۔[1]

اسی سلسلہ مین ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ہو، توراۃ نے ایک طرف والدین کو یہ اہمیت دے کر دوسری طرف بیوی کے سامنے اُن کو بالکل بے قدر کر دیا ہے، لکھا ہو،

"اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی جورو سے ملا رہے گا اور وہ ایک تن ہوں گے،" (پیدایش ۲-۲۴)

حضرت عیسیٰؑ نے بھی جو گو (انجیل کے بیان کے مطابق) ماں باپ اور بیوی تینوں سے نا آشنا تھے تاہم جیسا کہ انجیل کے موجودہ نسخہ مین ہے، ماں باپ کے مقابلہ مین بیوی کی طرف داری

---

[1] فقہائے اسلام کے خیالات اس قانون کی تشریح کے متعلق مختلف ہین، احناف اور شوافع کے نزدیک لڑکے کے قتل پر باپ سے قصاص نہین لیا جائیگا، امام مالک کے نزدیک اگر وہ بے رحمی سے پچھاڑ کر ذبح کرے تو قصاص ہی ورنہ نہین اور ظاہریہ کے اصول کے مطابق قتل عمد کی ہر صورت مین قصاص ہی اور یہی قرآن کا منشا معلوم ہوتا ہی اصل یہ ہو کہ باپ کے وفور شفقت کی وجہ سے اس کا سر قتل بلا قصد سمجھا گیا ہی اس لئے اکثر فقہا نے اس کو قتل خطا سمجھکر قصاص کے بجائے اس پر دیت لازم کی ہے، الا یہ کہ دلائل و قرائن باپ کے سوء قصد کو ظاہر کرتے ہون،

Marfat.com

اور حمایت کی، اور اسی لئے طلاق کو نا جائز قرار دیا، (مرقس، ۱۰۔ ۷ و ۸) مگر سوال یہ ہے کہ اگر بیوی اور والدین کے درمیان ناقابلِ حل اختلاف ہو، اور اس لئے ان دونوں میں سے کسی کو مجبوراً ترجیح دینی پڑے تو کیا صورت اختیار کی جائے، اسلام کا حکم ہے کہ اس سوال میں بھی والدین کی اطاعت کرو کہ بیوی کا تعلق ایسا ہے جس کو قانون اور عہد نے پیدا کیا ہے جو ٹوٹ کر جڑ سکتا، اور مٹ کر بدل سکتا ہے لیکن والدین کا فطری تعلق ناقابلِ شکست اور ناقابلِ تغیر ہے، حضرت ابن عمرؓ کی ایک بیوی تھیں جن سے وہ راضی تھے، مگر ان کے پدر بزرگوار حضرت عمرؓ کو پسند نہ تھیں اس اختلاف نے خانگی جھگڑے کی صورت اختیار کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمرؓ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے باپ کی اطاعت کریں،

Marfat.com

اولاد کا حق

اصولی تعلیم | جس طرح ماں باپ کے حقوق اولاد پر ہیں، اسی طرح اولاد کے بھی کچھ حقوق ماں باپ پر ہیں، اور یہ وہ عنوان ہے، جس کا سراغ دوسری آسمانی کتابوں میں نہیں ملتا، اور اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام سے پہلے والدین کو تو اپنی اولاد پر غیر محدود اختیارات حاصل تھے، مگر اولاد کا باپ پر کوئی حق تسلیم نہیں کیا گیا تھا، اور اس کو والدین کی بزرگی کے خلاف سمجھا گیا تھا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مذہب لیکر تشریف لائے اُس کی شریعت میں حقوق کے مسئلہ میں بڑوں چھوٹوں کی تفریق نہیں، وہ جس طرح چھوٹوں پر بڑوں کے جائز حقوق تسلیم کرتا ہے، اسی طرح وہ چھوٹوں کے بھی بڑوں پر مناسب حقوق قائم کرتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت چھوٹے سے فقرہ میں وہ اصول بتادیا ہے جو ان تمام حقوق کی نہایت جامع متن ہے، ان حقوق کی جس قدر تشریح کی جائے، یہ متن اُن سب پر محیط ہے، فرمایا،

لیس منا من لم یرحم صغیرنا	جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے
ولم یوقر کبیرنا	اور ہمارے بڑے کا ادب نہ کرے
(ترمذی)	وہ ہم میں سے نہیں،

Marfat.com

بڑے چھوٹے کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں، اور چھوٹے بڑے کا ادب اور لحاظ کریں، یہ وہ اصول ہے جس پر چھوٹوں اور بڑوں کے باہمی حقوق کی بنیاد اسلام میں قائم کی گئی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اگر یہ ترازو ٹھیک اور سیدھی رہے تو ہر انسانی جماعت میں چھوٹوں، بڑوں، افسروں، ماتحتوں، آقاؤں، نوکروں اور بزرگوں اور عزیزوں کے درمیان کسی قسم کی ناگواری اور آزردگی پیدا نہ ہونے پائے، جب کبھی چھوٹوں اور بڑوں میں کسی قسم کی ناگواری پیش آئی ہے تو اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ ترازو کے ان دونوں پلڑوں میں توازن قائم نہیں رہا ہے، حکیموں اور مقننوں کے بنائے ہوئے نظم و انتظام کے سارے مشرح مفصل قانون اور قاعدوں کا بے پایاں دفتر جو کام نہیں کر سکتا وہ نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو مختصر سادہ فقرے بڑی خوبی سے انجام دے سکتے ہیں، اور دیتے ہیں، اگر واقعاً کسی جماعت میں یہ ترازو بے نظام ہو جائے تو بڑے بڑے قانونکا بارگراں بھی پھر اُس کو برابر نہیں کر سکتا،

اولاد سے پہلا حق اپنے والدین پر یہ ہے کہ جب خدا نے اُن کی اولاد کی زندگی کا واسطہ ان کو بنایا ہے تو وہ بالقصد اُس کے نقشِ زندگی کے مٹانے کا سبب نہ بنیں، بلکہ اس کی حیات کی تکمیل اور اس کے نشو و نما کی ترقی کے وہ تمام ذریعے مہیا کریں جو ان کی قوت اور استطاعت میں ہے یہی سبب ہے کہ اسلام نے حمل کو بالقصد ضائع کرنے (اسقاط) کو گناہ قرار دیا ہے، اور ذریعۂ حمل کے ضائع کرنے (عزل) کو اچھا نہیں سمجھا ہے، اور پیدا ہونے کے بعد اس کے مار ڈالنے کی جاہلانہ رسم کو جڑ پیڑ سے اکھاڑنے کی پوری کوشش کی ہے،

Marfat.com

اولادکشی کا انسداد عرب کے سفاکانہ مراسم مین سب سے زیادہ بے رحمی اور سنگدلی کا کام معصوم بچون کو مار ڈالنا اور لڑکیون کو زندہ گاڑ دینا تھا، یہ بے رحمی کا کام والدین خود اپنی خوشی اور مرضی سے انجام دیتے تھے، اس رسم کے جاری ہونے کے کئی اسباب تھے، ایک تو مذہبی تھا یعنی والدین اپنے بچون کو اپنے دیوتاؤن کی خوشنودی کے لیے خود ذبح کے اُن پر چڑھا دیتے تھے، منت مانتے تھے کہ فلان کام ہوگا تو اپنے بچہ کی قربانی کرین گے[۱]، یہ قابل نفرت رسم نہ صرف عرب مین بلکہ بہت سی بت پرست قومون مین جاری تھی، رومۃ الکبریٰ کے عظیم الشان متمدن قانون مین اولاد کو مار ڈالنے کا باپ کو بالکل اختیار تھا، اس قتل کی کوئی بازپرس نہ تھی، اور اولادکشی کا علانیہ کثرت سے رواج تھا[۲]، ہندوستان کے راجپوتون مین یہ دردناک منظر لڑکیون کی شادی کی شرم وعار سے بچنے، زیورون کی ستی کی صورت مین اور لڑائیون مین جوہر کی صورت مین رائج تھا، اور سب سے زیادہ یہ کہ بتون اور دیوتاؤن دیبیون کی خوشی اور نذرانے کیلیے ان معصومون کی جانین بہت آسانی سے لی جاتی تھین، قرآن پاک کی اس آیت مین نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کی قومون کے اسی عقیدہ کو باطل کیا گیا ہے[۳]۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ	(جس طرح کھیتون اور جانورون مین خداے برحق کے ساتھ اُن کے دیوتاؤن

---

۱ سیرۃ ابن ہشام وطبقات ابن سعد وتاریخ طبری وغیرہ، کتب سیر مین عبدالمطلب کا عبداللہ کو قربانی دینے کا واقعہ نیز موطا امام مالک باب النذور فی معصیۃ اللہ۔ ۲ لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ جلد اول ص۲۳۰
۳ کشاف زمخشری تفسیر آیت ذیل،

Marfat.com

شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ — نے اپنا حصہ لگا لیا ہے، اسی طرح بہت سے
وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ — مشرکوں کو ان کے دیوتاؤں نے یہ بات
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوهُ — خوبصورت کرکے دکھائی ہے کہ وہ اپنی اولاد
فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ — کو قتل کر دیں تاکہ یہ دیوتا انکو (ہمیشہ کیلیے)
ہلاک کر دیں اور انکے دین کو ان پر مشتبہ
(انعام - ۱۶) — کر دیتے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے
تو ان مشرکوں کو اور جو کچھ خدا پر وہ افترا کرتے
ہیں کہ خدا نے انکو ایسا حکم دیا ہے اسکو چھوڑ دے،

اسی سلسلہ میں آگے چل کر خدا فرماتا ہے،

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ — گھاٹے میں ہیں وہ جنھوں نے اپنی اولاد کو
سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام - ۱۶) — نادانی سے بے جانے قتل کیا،

اس ہولناک گناہ کے ارتکاب کا دوسرا سبب عربوں کا عام فقر و فاقہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ اولاد ہوگی تو اس کے کھانے پینے کا سامان کرنا ہوگا، اس لیے وہ اس کے خون سے اپنا ہاتھ رنگ کر اس فرض سے سبکدوش ہوتے تھے، نبوت محمدیؐ نے ان کو یہ بتایا کہ ہر بچہ اپنا رزق اور اپنی قسمت ساتھ لے کر آتا ہے، ایک انسان دوسرے انسان کو نہیں کھلاتا، بلکہ وہ خدا ہی ہے جو سب کو کھلاتا ہے، اور وہی ہر جاندار کی روزی کا میر سامان ہے،

Marfat.com

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ	اور زمین پر کوئی جاندار نہیں لیکن یہ کہ
إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود - ۱)	اس کی روزی کا فرض خدا کے اوپر ہے،

اس لیے جاہل عربوں کو تعلیم دی گئی،

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ	اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے
إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ	مار نہ ڈالو کیونکہ ہم ہی ہیں جو انکو اور تمکو
وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ	دونوں کو روزی دیتے ہیں، ان کا مار ڈالنا
خِطْأً كَبِيرًا (اسراء - ۴)	بے شبہ بڑا گناہ ہے،

قتلِ اولاد کے جرم کو اتنی اہمیت دی گئی کہ اس کی ممانعت کو شرک کی ممانعت کے پہلو بہ پہلو جگہ دی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ ان عربوں کو جنھوں نے اپنی طرف سے بہت سی چیزیں حرام بنالی ہیں، بتادو کہ اصلی چیزیں اللہ نے کیا حرام کی ہیں؟

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ	کہہ دے اے پیغمبر! آؤ میں تم کو پڑھکر
عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ	سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے
شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا	تم پر کیا حرام کیا ہے، خدا کا کسی کو
وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ	شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ
إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ	اچھا سلوک کرنا، اور مفلسی کے ڈر سے
وَإِيَّاهُمْ	اپنے بچوں کو نہ مار ڈالو، ہم تم کو اور انکو
(انعام - ۱۹)	دونوں کو روزی دیتے ہیں،

Marfat.com

ایک دفعہ ایک صحابی نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا شرک، پوچھا اس کے بعد، فرمایا والدین کی نافرمانی، پھر عرض کی اس کے بعد فرمایا یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گی۔[1] یہ جواب حقیقت میں آیت بالا کی تفسیر ہے، ان ہی تعلیمات اور نبوت کے اس پرتوفیض نے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا کہ رازق خدا ہے، اسی کے ہاتھ میں رزق کی کنجی ہے، ہر بچہ اپنے رزق کا آپ سامان لے کر آتا ہے، اس ایمان اور یقین نے اس جرم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، اور عرب کی سرزمین اس لعنت سے ہمیشہ کے لیے پاک ہو گئی،

اولادکشی کی تیسری صورت جو سب سے زیادہ قابلِ افسوس تھی وہ لڑکیوں کا زندہ دفن کر دینا تھا، کہ لڑکیاں شرم و عار کا باعث سمجھی جاتی تھیں، جب گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تو باپ کو سخت رنج ہوتا اور وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا تھا، اہلِ عرب کا عقیدہ تھا فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں، قرآن نے کہا کہ تم کو لڑکی ہو تو تمھاری شرم کا باعث ہو اور خدا کو لڑکیوں کا باپ کہو تو شرم نہ آئے،

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ	اور جب اُن میں کسی کو اُس کے ہونے
لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ	کی خوشخبری دی جائے جسکی وہ رحمت والے
مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ	خدا پر تہمت باندھتے ہیں تو اندر ہی اندر
(زخرف - ۲)	غصہ کے مارے اسکا منہ سیاہ پڑ جاتا ہے،

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ بقرہ و سورۂ فرقان و کتاب الادب و کتاب المحاربین و صحیح مسلم کتاب الا[یمان]

رفتہ رفتہ یہ حالت پہنچی کہ اس شرم و عار کے مجسمہ کو پردۂ خاک مین چھپا کر باپ اس مصیبت سے نجات پانے کی فکرین کرتے، قرآن مجید نے اہلِ عرب کی اس حالت کا نقشہ ان الفاظ مین کھینچا ہے،

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى	اور جب ان مین سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری
ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ	دیجاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے اور
كَظِيْمٌ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ	غصہ کے گھونٹ پی کر رہجاتا ہے، اس
مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ	خوشخبری کے رنج سے وہ لوگون سے منہ
اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ	چھپاتا پھرتا ہے کہ آیا ذلت اٹھا کر اسکو
يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ	اپنے پاس رہنے دے یا اسکو مٹی مین
(نحل - ۷)	چھپا دے (یعنی زندہ دفن کر دے)

یون تو اس رسم بد کا رواج تمام عرب مین تھا، مگر اخبار عرب کے بعض واقف کہتے ہین کہ ایک خاص سبب سے بنو تمیم مین اس کا رواج سب سے زیادہ تھا[1] بنو تمیم کے رئیس قیس بن عاصم نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرار کیا کہ انھون نے اپنے ہاتھ سے آٹھ دس لڑکیون کو زندہ دفن کیا ہے[2] یہ رسم جس شقاوت اور سنگدلی کے ساتھ

[1] مجمع الامثال کرمانی مطبوعہ ایران ص ۳۴۸ و کتاب مجمع الامثال میدانی جلد اول صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ خیریہ مصر زیر مثل اضل من موؤدۃ [2] ابن جریر و ابن کثیر و در منثور سیوطی بحوالہ سنن بیہقی و مسند بزاز و مصنف عبد الرزاق زیر تفسیر سورۂ تکویر،

Marfat.com

انجام دیجاتی تھی، اس کا حسرتناک نقشہ ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خود اپنی آپ بیتی سنا کر اس طرح کھینچا کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو گئے۔

دارمی میں وضین تبع تابعی سے ایک موقوف روایت[1] ہے کہ ایک شخص نے آکر خدمت اقدس میں عرض کی کہ "یا رسول اللہ! ہم لوگ جاہلیت والے تھے، بتوں کو پوجتے تھے، اور اولاد کو مار ڈالتے تھے، میری ایک لڑکی تھی، جب میں اس کو بلاتا تو دوڑ کر میرے پاس آتی، ایک دن وہ میرے بلانے پر خوش خوش دوڑی آئی، میں آگے بڑھا، اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلی آئی، میں آگے بڑھتا چلا گیا، جب ایک کنوئیں کے پاس پہنچا جو میرے گھر سے کچھ دور نہ تھا، اور لڑکی اس کے قریب پہنچی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں ڈال دیا، وہ ابا ابا کہکر پکارتی رہی، اور یہی اس کی زندگی کی آخری آواز تھی" رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پُر درد افسانہ کو سنکر آنسو ضبط نہ کر سکے، ایک صحابی نے ان صاحب کو ملامت کی کہ تم نے حضور کو غمگین کر دیا، فرمایا "اس کو چھوڑ دو کہ جو مصیبت اس پر پڑی ہے وہ اس کا علاج پوچھنے آیا ہے، پھر ان صاحب سے فرمایا "ہاں میاں! تم اپنا قصہ پھر تو سناؤ" انھوں نے دوبارہ پھر بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہوئی کہ روتے روتے ریش مبارک تر ہو گئی، پھر فرمایا "جاؤ کہ جاہلیت کے گناہ اسلام کے بعد معاف ہو گئے، اب نئے سرے سے اپنا عمل شروع کرو"۔

---

[1] سنن دارمی صفحہ اولیٰ، یہ روایت گو مرفوع اور قوی نہیں لیکن اس لیے نقل کر دی ہے کہ کم از کم آج اس جرم کا تخیل ہی ہمارے سامنے آجائے۔

Marfat.com

قبیلۂ بنی تمیم کے رئیس قیس بن عاصم جب اسلام لائے تو انھون نے عرض کی کہ یا رسول اللہ مین نے اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیان زندہ دفن کی ہین، فرمایا اے قیس! ہر لڑکی کے کفارہ مین ایک غلام آزاد کرو، عرض کی یا رسول اللہ میرے پاس اونٹ ہین، فرمایا "اے قیس! ہر لڑکی کے کفارہ مین ایک اونٹ قربانی کرو"[1]

مردون کے علاوہ یہ کس قدر تعجب انگیز ہے کہ خود عورتین بھی اس جرم مین مردون کی شریک تھین، مائین خود اپنی لڑکیون کو اپنے ہاتھ سے اس قربانی کے لیے حوالہ کرتی تھین، ابن الاعرابی جاہلیت کے ایک شاعر کا ایک شعر سناتا ہے،

مالقی الموؤد من ظلم اُمہ   کما لقیت ذھل جمیعا وعامر

زندہ دفن ہونے والے بچے نے اپنی ماں کے ظلم سے بھی وہ تکلیف نہین اٹھائی جو ذہل اور عامر نے اٹھائی

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی خدمت مین ایک عورت نے آکر کہا کہ مین نے نذر مانی تھی کہ اپنے لڑکے کی قربانی کرون گی، فرمایا "ایسا نہ کرو، بلکہ کفارہ دے دو"[2]

اسلام سے پہلے اس رسم کے انسداد کے لیے صرف اسی قدر ہوا کہ ایک دو نیک آدمیون نے ایسی لڑکیون کو قیمت دے کر ان کے والدین سے خرید لیا اور ان کی پرورش کی، چنانچہ مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ نے اس مین بڑا نام پیدا کیا تھا، اسلام کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آیا تو عرض کی یا رسول اللہ!

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری بروایت قتادہ تابعی و تفسیر ابن کثیر بحوالۂ عبد الرزاق و بزار و طبرانی و بیہقی بحوالۂ مسند بزار و حاکم فی الکنی و بیہقی فی السنن زیر سورۂ اذا الشمس کورت [2] موطا امام مالک باب النہی عن النذر فی معصیۃ اللہ،

Marfat.com

مین نے اسلام سے پہلے ۳۰۰ لڑکیون کو خرید کر موت سے بچایا ہے، کیا مجھ کو اسکا ثواب ہوگا، فرمایا! ہان تم کو اس کا ثواب ملے گا کہ خدا نے تم کو مسلمان بنا کر تم پر احسان کیا ہے[1]، اسی طرح زید بن عمرو بن نفیل جو بعثت نبوی سے پہلے دین ابراہیمی کے پیرو تھے، وہ بھی اس قسم کی لڑکیون کو اپنے آغوشِ شفقت مین لے لیتے تھے، اور انکی پرورش کرتے تھے، جب وہ بڑی ہو جاتی تھین تو وہ ان کے باپ کو کہتے تھے کہ کہو تو مین تم کو واپس کر دون، چاہے ان کو میرے ہی پاس رہنے دو[2]، یہ شخصی کوششین تھین، جو ملک مین بار آور نہ ہوئین، لیکن بعثتِ محمدیؐ کی رحمتِ عام کی جب بہار آئی تو ان شقاوتون کے موسم پر ہمیشہ کے لیے خزان چھا گئی،

لوگ عموماً لڑکیون کے وجود کو بلا اور مصیبت سمجھتے تھے، نبوتِ محمدیؐ نے اس بلا اور مصیبت کو ایسی رحمت بنا دیا کہ وہ نجاتِ اخروی کا ذریعہ بن گئین، فرمایا "جو کوئی ان لڑکیون مین سے کسی لڑکی کی مصیبت مین مبتلا ہوا اور پھر اس کے ساتھ محبت و مہربانی کا سلوک کرے تو وہ دوزخ کے عذاب سے اس کو بچا لے گی، وہ اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ بنکر حائل ہو جائے گی[3]"، نیز فرمایا "جو دو لڑکیون کی بھی پرورش کرے یہانتک کہ وہ جوان ہو جائین تو قیامت مین میرا اور اس کا مرتبہ دو انگلیون کو اٹھا فرمایا کہ یون برابر ہوگا[4]"، غور کیجیے کہ وہی حقیر ہستی جو پہلے شرم و عار کا موجب تھی، عہد محمدیؐ

---

[1] تفسیر درمنثور بحوالہ طبرانی، تفسیر سورہ اذا الشمس کورت [2] صحیح بخاری باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل جلد ۱ صفحہ ۵۴۰

[3] صحیح بخاری کتاب الادب و صحیح مسلم کتاب البر [4] مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم کتاب الادب فی الشفقۃ علی الخلق،

Marfat.com

مین آکر عزت اور سعادت کا وسیلہ بن گئی،

ان اخلاقی نصیحتون کے علاوہ اس رسم کے انسداد کے لیے آپ نے عورتون اور مردون سے بیعت لی صلح حدیبیہ کے بعد حکم ہوا کہ جو عورتین اسلام لائین ان سے توبہ کی جو بیعت لی جائے اس مین ایک دفعہ یہ بھی ہو کہ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ (ممتحنہ) کہ "وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرین گی"، چنانچہ اس حکم کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتون سے خصوصیت کے ساتھ اس کی بیعت لی. فتح مکہ کے دن جب عورت مرد جوق درجوق اسلام کے لیے حاضر ہو رہے تھے تو آپ نے عورتون سے خاص طور سے اس کا اقرار لیا، اور انھون نے اقرار کیا[1] عید کے اجتماع عام مین عورتون کے مجمع مین آپ تشریف لائے، اور دوسری باتون کے علاوہ اس کا بھی عہد لیا[2] کہ وہ قتل اولاد کی مرتکب نہ ہون گی، دوسرے موقعون پر بھی جو خاتونین دربار رسالت مین حاضر ہوتین ان سے بھی اسکا عہد لیا جاتا تھا[3] بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر عرب کی جو ابتدائی اصلاحین تھین ان مین ایک چیز یہ بھی تھی، چنانچہ بیعت عقبہ مین سب سے پہلے انصار سے جن باتون پر عہد لیا گیا تھا، ان مین ایک یہ بھی تھا کہ "وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرین گے"[4]

حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہین کہ ایک دفعہ ہم لوگ دربار رسالت مین

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۲۶، تفسیر سورہ ممتحنہ و صحیح مسلم باب بیعۃ النساء [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ باب موعظۃ الامام النساء یوم العید [3] ترمذی و نسائی و ابن ماجہ باب مصافحۃ النساء، و مسند امام احمد حدیث امیمہ بنت رقیقہ و سلمی بنت قیس [4] تفسیر ابن کثیر جلد ۹ صفحہ ۳۴۴ برحاشیہ فتح البیان بحوالۂ ابن ابی حاتم و مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۶۲۴ علی شرط مسلم.

Marfat.com

حاضر تھے، آپ نے فرمایا کہ ہم سے اس پر بیعت کرو کہ تم کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہ کروگے، بدکاری نہ کروگے، اور اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے، جو اس عہد کو پورا کریگا تو اس کا معاوضہ خدا پر ہے، اور اگر کسی نے ان میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا اور اس کو قانونی سزا دی گئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا، اور اگر اس کا یہ گناہ دنیا میں مخفی رہا تو خدا کو اختیار ہے چاہے بخشدے چاہے عذاب دے"[1] صحابہ سے فرمایا کہ "خدا نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا حرام کیا ہے"[2]

ان تمام تدبیروں کے علاوہ قرآن پاک کی ایک مختصر سی آیت نے عرب کی ان تمام قساوتوں، ان تمام سنگدلیوں اور ان تمام سفاکیوں کو مٹانے میں وہ کام کیا جو دنیا کی بڑی بڑی تصنیفات نہیں کر سکتی تھیں، قیامت کی عدالت گاہ قائم ہے، مجرم اپنی اپنی جگہ کھڑے ہیں غضب الٰہی کا آفتاب اپنی پوری تمازت پر ہے، دانائے غیب قاضی اپنی معدلت کی کرسی پر ہے، اعمالنامے شہادت میں پیش ہیں کہ ایک طرف سے ننھی ننھی معصوم بے زبان ہستیاں خون سے رنگین کپڑوں میں آکر کھڑی ہو جاتی ہیں شہنشاہ قہار کی طرف سے سوال ہوتا ہے، اے ننھی معصوم جانو! تم کس جرم میں ماری گئیں،

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ   یاد کرو جب (قیامت میں) زندہ

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان و باب وفود الانصار، مسلم کتاب الحدود و مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۱۴ و مستدرک حاکم صفحہ ۱۰۳

[2] صحیح بخاری کتاب الادب و کتاب فی الاستقراض، صحیح مسلم باب النہی عن کثرۃ المسائل،

بِاَیِّ ذَنۡبٍ قُتِلَتۡ ۔ دفن ہونے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا

(تکویر) کہ تو کس جرم میں مار ڈالی گئی

کس درجہ بلیغ اور موثر طرز ادا ہے، اس کا یہ اثر تھا کہ یا تو لوگ لڑکیوں کو خود اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیتے تھے، یا یہ زمانہ آیا کہ ادائے عمرہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہونے کا قصد کرتے ہیں، سید الشہداء حمزہؓ کی یتیم بچی امامہ جو مکہ میں رہ گئی تھی چچا چچا کہتی دوڑتی آتی ہے حضرت علیؓ ہاتھوں میں اٹھا لیتے ہیں، اور حضرت فاطمہؓ کے حوالہ کرتے ہیں کہ یہ تمہارے چچا کی بیٹی ہے حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ دعوی کرتے ہیں کہ یہ لڑکی مجھ کو ملنی چاہئے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے حضرت زیدؓ آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ حضور یہ لڑکی مجھ کو ملنی چاہئے کہ حمزہ میرے مذہبی بھائی تھے، حضرت علیؓ کا دعوی ہے کہ یہ میری بہن بھی ہے اور پہلے میری ہی گود میں آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دلکش منظر کو دیکھتے ہیں پھر سب کے دعوے مساوی دیکھ کر اس کو اس کی خالہ کی گود میں دیدیتے ہیں، کہ "خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے"[1]۔

کیا یہ وہی جنس نہ تھی جس کی ہستی شرم و عار کا موجب تھی، جس کی پیدائش کی خبر سن کر باپ کے چہرہ کا رنگ سیاہ پڑ جاتا تھا، اور وہ لوگوں کے مجمع میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا تھا، یا یہ حال ہے کہ ایک لڑکی کی پرورش کے لئے [illegible] چار چار گودیں خالی ہو جاتی ہیں، اور فیصلہ مشکل ہوتا ہے، یہی اولاد جو پہلے [illegible] کی آنکھوں کی کھٹک تھی

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۰ باب عمرۃ القضاء۔

کا ذریعہ بنتی ہے،

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ،
(فرقان-۶)

(جنت اُن کو بھی ملے گی جو......) اور جو کہتے ہیں، کہ ہمارے پروردگار ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہم کو آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما،

اور آخر وہ زمانہ آیا کہ ایک بدوی شاعر کو طنزاً کہنا پڑا،

غدا النّاس مذ قام النّبیّ الجوّاریا،

پیغمبر کی بعثت کے بعد تو یہ کثرت ہو، کہ سب لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں،

رضاعت وحضانت

اولاد کے جینے کا حق تسلیم کرانے کے بعد پہلا فرض یہ ہے کہ اُس کی نشوونما اور دودھ پلانے کے حق کو تسلیم کیا جائے اور جب تک وہ خود سے کھانے پینے کے قابل نہ ہوجائے، اس کی خبرگیری کی جائے، اور اس کے بعد اُس کی نابالغی کے زمانہ تک اُس کی نگرانی، اور اُس کے خرچ کی کفالت کی جائے، چنانچہ اسلام نے ان دونوں باتوں کا بوجھ والدین پر اور خاص طور سے جہاں تک مصارف کا تعلق ہے، تنہا باپ پر رکھا ہے، رضاعت اور حضانت کے عنوان سے اس کی تشریح فقہ کی کتابوں میں مل سکتی ہے، مختصر یہ ہے کہ بچہ کو شیرخوارگی کے عالم میں ماں دودھ پلائے، اور اگر ماں نہ ہو یا ماں کسی قانون (طلاق وغیرہ) کے سبب سے شوہر سے علیحدہ ہوچکی ہو، تو باپ پر اُس کی رضاعت کا سامان کرنا اور اس کی اجرت ادا کرنا فرض قرار دیا گیا، اور اس شیرخوارگی کی پوری مدت بھی دو برس کی

مقرر کردی گئی ہے،

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ	اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس
حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ	دودھ پلائیں، یہ مدت اس کے لئے ہے
يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ	جو چاہے کہ رضاعت کی مدت پوری
لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ	کرے، اور لڑکے والے (باپ) پران
	دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا
(بقرہ ۲۰-۳۰)	دستور کے مطابق واجب ہے،

اور شیر خوارگی کے دنوں میں ماں کے علاوہ کوئی دوسری عورت بھی اگر اپنا دودھ پلا کر اس کی زندگی کا سہارا بنے تو اسلام ہی ایک مذہب ہے جس نے قانوناً اس کی اہمیت کو قبول کیا، اُس کا درجہ بھی ماں کے قریب قریب قائم کر کے اس کی اولاد کو بھی بھائی اور بہن کے رشتہ کا منصب عطا کیا ہے، فرمایا،

وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَ	اور تمہاری وہ مائیں تم پر حرام ہیں،
أَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ،	جنھوں نے تم کو دودھ پلایا، اور تمہاری
(نساء-۴)	دودھ شریک بہنیں،

دکھانا یہ ہے کہ ان ننھے بچوں کی نشو ونما کی خدمت اسلام میں وہ عزت اور احترام رکھتی ہے، کہ نسبی رشتہ داریوں کے قریب قریب پہنچ جاتی ہے،

اوپر کی پہلی آیت میں جب دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری

Marfat.com

باپ پر ڈالی گئی ہے، تو ظاہر ہے کہ بچپن تک بچہ کے کھانے کپڑے کی ذمہ داری

بھی باپ ہی پر ہے، اور باپ نہ ہو تو دادا پر، اور اس کے بعد درجہ بدرجہ ورثہ

پر ہے،

تعلیم و تربیت

ظاہری اور جسمانی نشو و نما کے بعد اولاد کی باطنی و روحانی تربیت کا درجہ ہے، قرآن

پاک نے ایک مختصر سے مختصر فقرہ میں جو صرف چار لفظوں سے مرکب ہے، اس حق کو

ایسے جامع طریقہ سے ادا کر دیا ہے، کہ اس کی تفصیل و تشریح میں دفتر کے دفتر لکھے

جا سکتے ہیں، فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ — اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے

وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (تحریم - ۱) — اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ،

اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچانا بزرگِ خاندان کا فرض ہے، یہ آگ جہنم کی آگ ہے

مگر اس سے مقصود اُن تمام برائیوں، خرابیوں اور ہلاکتوں سے اُن کی حفاظت ہے، جو بالآخر

انسان کو دوزخ کی آگ کا مستحق بنا دیتی ہیں، اس طرح گھر کے سردار پر اولاد کی اخلاقی تربیت

دینی تعلیم اور نگہداشت کا فرض عائد کیا ہے،

خدا نے اُن لوگوں کی تعریف فرمائی جو اپنے بیوی بچوں کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے

ہیں، اور کہتے ہیں کہ بارِ الٰہا! تو اُن کو ظاہر و باطن کا حسن، صورت و سیرت کی خوبی اور دین و دنیا

کی بھلائی دے کر ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا، فرمایا،

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا — اور جنت کے مستحق وہ بھی ہیں، جو بولتے ہیں

Marfat.com

مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ۔ (فرقان - ۶) | کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما،

مقصود یہ ہے کہ اولاد کو نیک اور سعادتمند بنانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس کی نیکی و سعادتمندی کی دعا بھی مانگتے رہنا چاہئے، ایک سورہ میں خدا ارشاد فرماتا ہے، کہ نیک بندے جس طرح اپنے ماں باپ کے حق میں مغفرت کی دعا مانگتے ہیں، اور اُن کی خدمت کی توفیق چاہتے ہیں اسی طرح وہ اپنی اولاد کے حق میں اپنی کوششوں کی کامیابی کی بھی دعا کرتے ہیں

وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ (احقاف - ۲) | اور (اے خداوندا) میرے لئے میرے کاموں کو میری اولاد میں صالح بنا" میں اپنے گناہوں سے تیری طرف باز آیا، اور میں فرمانبرداروں میں ہوں،

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو ہر طرح صالح اور کارآمد بنانے کی تدبیر اور دعا بھی ایک اچھے باپ کا فرض ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں وحی الٰہی کے مقصود کو تعلیم زبانی پا کر مختلف طریقوں سے واضح فرمایا،

ایک اعرابی اقرع بن حابس دربارِ نبوی میں آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے تھے، اس کو یہ بات ادب اور وقار کے خلاف معلوم ہوئی، اس نے کہا کیا آپ

Marfat.com

بچّون کو پیار کرتے ہین، میرے دس بچے ہین، مین نے اُن مین سے کسی کو پیار نہین کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف نظر اٹھائی، پھر فرمایا "جو رحم نہین کرتا، اس پر رحم نہین کیا جاتا"۔[۱]
دوسری روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحم و شفقت کو نکال لیا ہے، تو مین کیا کر سکتا ہون"[۲]۔ ان دونون کا منشا یہ ہے، کہ بچّون کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آنا چاہیے، کہ جو اپنے بچّون پر رحم نہین کرتا خدا اُس پر رحم نہین کرتا،

ایک دفعہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک غریب عورت سائل بن کر آئی اس کے ساتھ اس کی دو کمسن بچیان بھی تھین، اس وقت کاشانۂ نبوی مین ایک کھجور کے سوا کھانے کو کچھ اور نہ تھا، اُمّ المومنینؓ نے وہی ایک کھجور اُس کے نذر کردی، مان کی ممتا نے گوارا نہ کیا کہ وہ کھجور آپ کھا لے، اور ان ننھی جانون کو اس سدِ رمق سے محروم رکھے، اُس نے اس کھجور کے دو آدھے ٹکڑے کرکے دونون بچیون کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا، حضرت عائشہؓ کو غریب مان کی محبت کے اس منظر کو دیکھ کر تعجب ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے، تو یہ واقعہ عرض کیا، حضورؐ نے سُن کر فرمایا جب کسی کو لڑکیون کی کوئی مصیبت پیش آئے، اور وہ ان کے ساتھ نیکی کرے تو وہ دوزخ کی آگ سے اس کے لیے آڑ بن جائینگی۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو لڑکیون کی پرورش کرے، یہان تک کہ وہ عمر تمیز کو پہنچ جائین تو قیامت کے دن اُس کا یہ رتبہ ہوگا، کہ وہ اور مین (دو انگلیون کو جوڑ کر فرمایا) اس طرح ملے ہوئے

[۱] و [۲] یہ دونون روایتین صحیح بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الوالدین مین ہین، نیز دیکھو ابوداؤد کتاب الادب باب قبلۃ الرجل ولدہ،

Marfat.com

ہون گے"؛ اس رتبہ کی بلندی کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے؟ ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ باپ کا اپنے بچہ کو کوئی ادب کھانا ایک صاع صدقہ سے بہتر ہے، ایک دفعہ یہ فرمایا کہ کوئی باپ اپنے بچہ کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہین دیسکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے[۳]،

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لڑکے کو لڑکی پر صرف جنس کے اختلاف کے سبب سے ترجیح نہ دے، ارشاد ہوا کہ جس کے لڑکی ہو اور وہ اس کو زندہ باقی رہنے دے، اور اس کی بے توقیری نہ کرے، اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دے تو خدا اسے جنت مین داخل فرمائے گا[۴]، باہم لڑکون مین بھی چھوٹے اور بڑے کے حقوق کا امتیاز شریعتِ محمدی مین قائم نہین، اسی لئے دنیا کی اکثر شریعتون اور قانونون کے برخلاف اسلام مین بڑے اور پہلوٹے کے امتیازی حقوق نہین کہ ہر ایک کو ان مین سے اپنے باپ کے ساتھ برابر کی نسبت ہے، یہان تک کہ اگر لڑکون مین سے کسی ایک کو بلاوجہ کوئی ایسا عطیہ دیا جائے جو دوسرے کو نہ ملا ہو، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا، ایک دفعہ کا قصہ ہے کہ ایک صحابی نے اپنے لڑکون مین سے کسی ایک کو ایک غلام ہبہ کیا، اور چاہا کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہو، انھون نے خدمتِ اقدس مین حاضر ہو کر اپنی خواہش ظاہر کی، دریافت کیا کہ کیا تم نے اپنے سب بچون کو ایک ایک غلام دیا ہے، عرض کی نہین، فرمایا تو مین ایسے ظالمانہ عطیہ پر گواہ نہ ہون گا[۵]،

---

[۱] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب فضل الاحسان الی البنات [۲] ترمذی کتاب البر والصلۃ باب ما جاء فی ادب الولد [۳] سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب فضل من عال یتیما [۴] ابوداود کتاب البیوع باب فی الرجل یفضل بعض ولدہ فی النحل،

Marfat.com

اس سے اُس قانون کی جو اسرائیلیوں، رومیوں، ہندوؤں، اور دوسری پرانی قوموں میں رائج تھا، اور اب بھی ہے کہ صرف بڑا لڑکا جائداد کا مالک بنے، یا اُس کا کوئی ترجیحی حق ہو، اصلاح کر دی گئی، اور باپ کی نظروں میں اس کے تمام لڑکوں کو برابر کا منصب حاصل ہوا، اور چھوٹوں پر ظلم کا جو مسلسل قانونی طریقہ جاری تھا، اس کا خاتمہ ہوا،

حقوقِ زوجین

ماں باپ اور اولاد کے بعد قریب ترین تعلقات کی فہرست میں تیسرا درجہ زن و شو کا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح والدین کے حقوق کی توضیح بوڑھوں کی تسکین روحانی کا ذریعہ اور اولاد کے حقوق کی تفصیل ننھے بچوں کی ہستی اور زندگی کا مدار تھا، اسی طرح حقوقِ زوجین کی تشریح پر جوان کے بلکہ ہر گھر کے عیش و مسرت کا انحصار ہے، ،

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب قائم تھے اُن سب میں عورت کو اور عورت و مرد کے ازدواجی تعلق کو بہت حد تک اخلاق و روح کی ترقی مدارج کے لئے عائق و مانع تسلیم کیا گیا تھا ہندوستان میں بودھ، جین، ویدانت، جوگ اور سادھوپن کے تمام پیروای نظریہ کے پابند تھے، عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی ہی کمالِ روحانی کا ذریعہ[1] تھا، اسلام نے آکر اس نظریہ کو باطل کیا، اور بتایا کہ اخلاق اور روح کی تکمیل جس قدر تجرد میں ہو سکتی ہے اس سے بدرجہا زیادہ تعلق ازدواج میں ممکن ہے، کہ اخلاق نام حسنِ معاملہ اور حسنِ سلوک کا ہے جو کسی

---

[1] انجیل قرنتیون ۷-۸،

کا شوہر نہ ہو، جو کسی کی بیوی نہ ہو، جو کسی کا باپ نہ ہو، جو کسی کی ماں نہ ہو، جو کسی کا بھائی نہ ہو، اور نہ کسی کی بہن ہو، نہ کسی سے رشتہ ناتہ رکھے، اس پر دنیا کے کیا فرائض عائد ہو سکتے ہیں ؟ اور اخلاق کی تکمیل کے لئے اس کو کون سے فطری موقعے مل سکتے ہیں ؟ پھر دنیا میں اس عفت و عصمت کی موت جو اخلاقی قالب کی روح ہے، اس تجرد کی زندگی میں کتنی یقینی ہے، مذہبی تجرد کی وہ پوری اخلاقی تاریخ جو دنیا کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، اس دعویٰ کی پوری شہادت ہے،

اسلام نے نکاح کو ہر تجرد سے مرد و عورت بلکہ آزاد و غلام ہر ایک کے لیے بہتر بلکہ خیر و برکت کا سبب قرار دیا، حکم ہوا،

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ	اور اپنے میں سے بن شوہر کی عورتوں کا
الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ	(خواہ وہ کنواری ہوں یا رانڈ) اور اپنے
اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ	غلاموں اور لونڈیوں میں سے صالحین
مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ	کا نکاح کر دیا کرو، اگر وہ غریب ہوں گے
(نور - ۴)	تو اللہ ان کو اپنی مہربانی سے غنی کر دے گا
	اور اللہ گنجایش رکھنے والا اور علم والا ہے؛

اس آیت پاک کا یہ فقرہ کہ "اگر وہ غریب و تنگدست ہوں گے تو خدائے تعالیٰ اپنی مہربانی سے اُن کو غنی بنا دے گا" یہ معنی رکھتا ہے کہ ازدواجی زندگی خیر و برکت کا ذریعہ ہے، مذہبی حیثیت سے تو اس بنا پر کہ اگر ایک کی تقدیر میں غربت ہوگی، تو شاید دوسرے کی تقدیر میں فارغ البالی ہو، تو ایک کے ذریعہ سے دوسرے

کو فائدہ پہنچے گا، اور دنیاوی لحاظ سے دو سببوں سے ایک تو یہ کہ ایک کام کرنے والے کے بجائے گھر میں دو کام کرنے والے ہوں گے، اور آگے اولاد کے ذریعہ اور کام کرنے والے پیدا ہوں گے، اس فلسفہ کا راز اہلِ دولت نہیں، غریب ہی سمجھ سکتے ہیں، خصوصًا مزدور اور کاشتکار، دوسرا سبب یہ ہے کہ جب نکمے سے نکمے آدمی پر بھی بار پڑتا ہے تو وہ ہاتھ پاؤں ہلانے پر تیار ہوتا ہے، اس لئے جو بیکاری سے غریب ہے، بیوی کے بوجھ سے مجبور ہوگا کہ وہ کام کہیں سے پیدا کرے خصوصًا اس لئے کہ اس کی محبت اُس کو بعض ایسے بڑے بڑے کاموں پر آمادہ کردے گی جس کے لئے وہ بغیر اس نشہ کے کبھی آمادہ نہ ہوسکتا آخر میں فرمایا کہ خدا بڑی وسعت والا ہے، اس کی گنجائش میں سب کچھ ہے، اور پھر علم والا ہے، غیب کا علم اسی کو ہے، اس لئے اس کا یہ حکم حکمت سے خالی نہیں،

پھر اس فرض کو یہاں تک ضروری قرار دیا کہ فرمایا اگر کوئی غریب مسلمان کسی شریف خاتون کا خرچ نہ اٹھا سکتا ہو، تو کسی مسلمان باندی ہی سے نکاح کرلے، فرمایا،

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ	اور جو تم میں سے اس کی قدرت نہ رکھتا
يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ	ہو، کہ شریف مومن عورتوں سے نکاح
فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ	کرسکے تو تمھاری اُن مومن باندیوں میں
مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ	سے کسی سے نکاح کرے جو تمھارے قبضہ
اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ	میں ہو، اور اللہ تمھارا ایمان زیادہ جانتا
(نساء-۴)	ہے، تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو،

Marfat.com

آیت کا آخری ٹکڑا خاص غور کے قابل ہے، یہ فرمایا کہ اگر شریف و آزاد بیوی کا خرچ اٹھانے کی صلاحیت نہ ہو، تو کسی باایمان باندی ہی سے نکاح کرلو، اب یہاں سے دو شبہے پیش آتے ہیں، ایک یہ کہ کیا نومسلم باندیاں پُرانے مسلمانوں کے برابر ہوسکتی ہیں ؟ تو فرمایا کہ نئے اور پُرانے مسلمان ہونے سے کچھ نہیں ہوتا، خدا ہی کو معلوم ہے کہ کس کا ایمان زیادہ اچھا، اور خدا کے نزدیک قبول ہے، دوسرا شبہہ یہ تھا کہ یہ نومسلم عورتیں شریف خاندانوں کے ہم رتبہ کیسے ہوں گی، تو فرمایا یہ تفریق بھی غلط ہے، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے برابر ہے اور سارے بنی آدم ایک ہی جنس کے افراد ہیں،

یہ اہتمام بیان اس لئے ملحوظ ہوا کہ غریب مسلمان ان وسوسوں میں پڑکر نکاح سے باز نہ رہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ شخصی مسرت کی تکمیل میں کسی رفیقۂ حیات کی رفاقت کو اسلام نے کتنی اہمیت دی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اتزوج النساء فمن رغب	میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، تو
عن سنتی فلیس منی،[1]	جس نے میرے طریقہ سے روگردانی کی تو
	وہ مجھ سے نہیں،

اس نکاح کا مقصد صرف ایک فرض کو ادا کرنا نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنی رفاقت کے لئے اپنے ایک ہمجنس کی تلاش ہوتی ہے، اور یہ خدا کی پیدا کی ہوئی فطرت ہے، چنانچہ زن و شو کے باہمی اخلاص و محبت کو خدا نے اپنی نشانیوں میں سے ایک قرار

---

[1] صحیح بخاری و مسلم کتاب النکاح،

Marfat.com

دیا ہے، فرمایا۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ	اور اس (خدا کی) نشانیوں میں
مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا	سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمھاری جنس
اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً	سے تمھاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم
وَّرَحْمَۃً ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ	اُن کے پاس سکون پاؤ، اور تمھارے
لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ،	آپس میں پیار اور مہر پیدا کر دیا، بےشک
(روم۔ ۳)	اس میں سوچنے والوں کے لیے کتنی

نشانیاں ہیں،

قرآن پاک نے ایک لفظ "سکون" سے بیوی کی رفاقت کی جس حقیقت کو ظاہر کیا ہے اور اس ازدواجی تعلق کے فلسفہ کے پورے دفتر کو اپنے اندر سمیٹے ہے، اس کا خلوت خانہ عالم کی کشاکش، دنیا کے حوادث اور مشکلات کے تلاطم میں امن وسکون اور چین کا گوشہ ہے اس لئے میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں اتنی خوشگواری ہونی چاہئے کہ اُس سے اس تعلق کے وہ خاص اغراض جن کے لئے خدا نے اس زناشوئی کے تعلق کو اپنے عجیب وغریب آثار قدرت میں شمار کیا ہے، پورے ہوں یعنی باہمی اخلاص اور پیار، مہر ومحبت۔ اور سکون اور چین، اگر کسی نکاح سے قدرت کے یہ اغراض پورے نہ ہوں تو اس میں دونوں یا دونوں میں سے ایک کا قصور ہے،

میاں بیوی کی باہمی موافقت اور میل جول کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اُن لوگوں

Marfat.com

کی سخت بُرائی کی ہے، جو زن و شو کے باہمی میل جول اور مہر و محبت میں فرق ڈالیں، فرمایا،

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ	تو وہ (یہود) اُن سے وہ سیکھتے ہیں جس
بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ	سے شوہر اور اس کی بیوی میں تفرقہ ڈالتے
.... مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ	ہیں ....
مِنْ خَلَاقٍ،	...... اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ
(بقرہ - ۱۲)	نہیں ہے،

یہ باہمی میل جول کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟ اس کی صورت صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ بیوی شوہر کی فرمانبرداری، اور شوہر بیوی کی دلجوئی کرے، زن و شو باہم اپنے حقوق کے لحاظ سے گو برابر ہیں لیکن مرد کو تھوڑا سا مرتبہ اس لیے زیادہ دیا گیا ہے کہ وہ عورت کی دیکھ بھال اور خبر گیری کرتا ہے، اور اُس کے جائز مصارف کا بوجھ اٹھاتا ہے، اور دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو مشکلات میں پڑنے اور عورت کی حفاظت اور بچاؤ کی خاطر اس کو جسمانی صلاحیتیں عورتوں سے کچھ زیادہ دی ہیں، فرمایا،

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ	مرد عورتوں کے سر دھرے
بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ	ہیں، اس لیے کہ اللہ نے ایک کو ایک
وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ	پر بزرگی دی ہے، اور اس لیے کہ مرد
فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ	اپنا مال اُن پر خرچ کرتے ہیں تو نیک
بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ	بیبیاں فرمانبردار ہوتی ہیں، اور نا با

Marfat.com

نگہبانی کرتی ہین، کہ خدانے اُن کی (نساء - ۶)

حفاظت کی ہے،

آیت کے اخیر حصہ کا یہ مطلب ذہن مین آتا ہے کہ نیک بی بیان شوہر کی غیر حاضری مین اپنی اور شوہر کی عزت و آبرو اور مال کا خیال رکھتی ہین، اور اُن کی یہی فطرت اللہ نے بنائی ہے، اللہ تعالیٰ نے اُن مین اپنی عصمت کا خیال اور شوہر کی وفاداری کا فطری جذبہ پیدا کرکے اُن کو محفوظ کر دیا ہے، اب اگر کسی عورت سے اُس کے خلاف ظہور مین آئے، تو وہ فعل خلافِ فطرت ہے،

مرد و عورت کو ایک دوسرے سے ملا کر اللہ تعالیٰ نے دونون کے جنسی میلان کو ان کی معاشی اور معاشرتی کمی کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے، اس لئے یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ایک دوسرے کی پردہ پوش، ایک دوسرے کی زینت، اور ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہین، قرآن پاک کی بلاغت دیکھئے کہ اس نے ان سارے مطالب کو صرف ایک تشبیہ مین ادا کر دیا ہے،

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۰ (بقرہ - ۲۳)

عورتین تمھاری پوشاک ہین اور تم اُن کی پوشاک ہو

اس پوشاک کے پردہ مین جیسا کہ ابھی کہا گیا بیبیون یعنی پوشیدہ ہین تم اُن کے ستر پوش ہو، وہ تمھارے لئے، تم اُن کی زینت ہو، وہ تمھاری تم ان کی خوبصورتی ہو، وہ تمھاری تم ان کی تکمیل کا ذریعہ ہو، وہ تمھاری، یہی نکاح کے اغراض ہین اور انھی اغراض کو پورا کرنا حقوقِ زن

کو ادا کرنا ہے

ایک اور آیت مین اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کی تخلیق اور اُن کے باہمی فرائض کی تشریح کی ہے، فرمایا :-

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ	اے لوگو! اپنے اس پروردگار کا
الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ	لحاظ کرو جس نے تم کو ایک ذات
وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا	سے پیدا کیا، اور اُسی کی جنس سے
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا	اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونون
كَثِيرًا وَّنِسَاءً ج وَاتَّقُوا اللَّهَ	سے بہت سے مردون اور عورتون
الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ	کو پھیلایا، اس خدا کا جس کا واسطہ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا،	دیکر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے
	ہو، اور رحمون (رشتون) کا لحاظ رکھو،
(نساء-۱)	اللہ تمھاری دیکھ بھال کر رہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کو نکاح کے خطبون مین عموماً پڑھا کرتے تھے، ان آیتون مین انسانیت کے پہلے جوڑے کی پیدائش کا ذکر ہے جس سے کروڑون مرد وعورت پیدا ہوئے اور پھر اس واقعہ کو تمہید بنا کر یہ نتیجہ ذہن نشین کرایا ہے کہ تو پھر چاہئے کہ تم اپنے کاروبار اور معاملات مین اپنے اس خالق حقیقی کا، اور ان رحمون (رشتون) کا لحاظ کرین جو ہماری خلقت کا ذریعہ اور واسطہ ہین، غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ہر قسم کی قرابتون اور رشتہ داریون کی جڑ

Marfat.com

یہی نکاح ہے، یہ نہ ہوتا تو دنیا کا کوئی رشتہ پیدا نہ ہوسکتا، اس لئے دنیا کی ہر قرابت اور تعلق کا رشتہ اسی کی بدولت وجود میں آیا ہے، اور اس نقطۂ خیال سے بھی دنیا میں نکاح کی اہمیت بہت بڑی ہے، کہ اسی سے ساری دنیا کے عزیزانہ مہر و محبت اور الفت و مودت کا آغاز ہوتا ہے،

نکاح کی اخلاقی غرض یہ ہے کہ مرد و عورت میں صلاح اور عفت پیدا ہو، قرآن نے نکاح کے سلسلہ میں کہا ہے، مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (مائدہ-۱) "پاکدامنی کے لئے، نہ شہوت رانی کے لئے"، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ جوانوں کو خطاب کرکے فرمایا "اے جوانوں کے گروہ! تم میں نکاح کی جس کو طاقت ہو، وہ نکاح کرلے کہ اس سے نگاہیں نیچی اور شرمگاہیں محفوظ رہیں گی، اور جس کو اس کی استطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھے کہ اس سے شہوت کا زور ٹوٹتا ہے" (ابن ماجہ نکاح)

نکاح کے ان اغراض کا پورا ہونا اس پر موقوف ہے کہ دونوں میں صلح اور یکجہتی کا رجحان نمایاں رہے، اور ہر نوع پر جہاں تعلقات کے شیشہ کو ٹھیس لگنے کا ڈر ہو، باہم صلح کے لئے آمادہ رہنا چاہیئے، اور اصلاح حال کے لئے دونوں کو برابر کوشش کرنا چاہیئے، اسی لئے زوجین میں مناقشہ پیش آنے کی صورت میں بھی اصلاح حال کی بار بار تاکید کی گئی ہے، فرمایا، ان اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا (بقرہ-۲۸) اگر یہ شوہر اصلاح چاہیں، وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا (نساء-۱۹) اگر اصلاح کرو اور تقویٰ کرو، یہاں بھی اصلاح کا نام اللہ کی حدوں کو قائم کرنا کہا گیا ہے،

Marfat.com

اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ،	یہ کہ میاں بیوی دونوں اللہ کی حدود
(بقرہ ۲۹)	کو قائم رکھیں گے،

جاہلیت میں دستور تھا کہ وہ قسم کھا لیتے تھے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ نہیں کریں گے، اور جب انھیں کوئی سمجھاتا تو کہتے کہ ہم قسم کھا چکے ہیں مجبور ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی زبان مبارک سے ایسے لوگوں کو فرمایا،

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً	اور خدا کو اپنی قسموں کا ہتھکنڈہ نہ بناؤ
لِّاَیْمَانِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا	کہ سلوک نہ کرو، اور تقویٰ اور لوگوں
وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ وَاللّٰہُ	کے درمیان صلح جوئی نہ اختیار کرو، اور اللہ
سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (بقرہ ۲۸)	سنتا اور جانتا ہے،

اس آیت میں اس کے بعد عورتوں سے قسم کھا کر علیحدگی اختیار کر لینے اور طلاق دینے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان نصیحتوں کا زیادہ تر تعلق زن وشو کے معاملہ سے ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد کو عورت کے ساتھ حسن سلوک (بر) پرہیزگاری کا برتاؤ (تقویٰ) اور صلح جوئی اور درستی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے،

نیک بیویوں کے اوصاف قرآن پاک نے یہ بتائے ہیں،

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ	تو نیک بیویاں تو مردوں کی فرمانبردار
لِّلْغَیْبِ،	ہوتی ہیں اور شوہر کے پیٹھ پیچھے شوہر کے
(نساء ۶)	مال و دولت اور عزت و آبرو کی حفاظت

Marfat.com

گویا عورت کے فرائض یہ ہین کہ وہ اپنے مردون کی فرمانبردار رہین، اُن کے مال و دولت اور ملکیت کی جن کی حفاظت اُن کے سپرد ہے، پوری نگرانی رکھین، اور اُن کی عزت وآبرو کی جو خود اُن کی عزت وآبرو ہے، شوہر کی غیر حاضری مین بھی حفاظت کرین، مختصر لفظون مین عورت کے سہ گانہ فرائض، اطاعت، سلیقہ مندی اور عصمت وعفت ہین، حدیث مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقویٰ کے بعد صالح عورت سے بڑھکر کوئی چیز نہین، کہ شوہر اس کو جو کہے وہ مانے، شوہر جب اوس کی طرف دیکھے تو وہ اُس کو خوش کردے "اگر شوہر اس کو قسم دے کر کچھ کہے تو وہ اس کی قسم پوری کردے، اور شوہر گھر پر نہ ہو تو اپنے آپ کی اور اس کے مال کی پوری حفاظت کرے" (ابن ماجہ نکاح)

زن وشو کے باہمی حقوق کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ مین ان الفاظ مین فرمائی،

" لوگو! عورتون کے حق مین میری نیکی کی وصیت کو مانو کہ یہ تمھارے ہاتھون مین قید ہین تم سوا اس کے کسی اور بات کا حق نہین رکھتے لیکن یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا کام کرین، اگر ایسا کرین، تو اُن کو خواب گاہ مین علٰحدہ کردو اور اُن کو ہلکی مار مارو تو اگر وہ تمھاری بات مان لین، تو پھر اُن پر الزام لگانے کے پہلو نہ ڈھونڈو، بیشک تمھارا عورتون پر، اور عورتون کا تم پر حق ہے، تمھارا حق تمھاری عورتون پر یہ ہے کہ وہ تمھارے بستر کو دوسرون سے پامال نہ کرائین، جن کو تم پسند نہین کرتے، اور نہ تمھارے گھرون مین اُن کو آنے کی اجازت دین، جن کا آنا تم کو پسند نہین، اور ہان! اُن کا حق تم پر یہ ہے کہ اُن کے پہنانے اور کھلانے مین نیکی کرو (ابن ماجہ)

Marfat.com

کتاب النکاح)

ایک اور موقع پر ایک شخص نے آکر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! بیوی کا حق شوہر پر کیا ہے؟ فرمایا، جب خود کھائے تو اُس کو کھلائے جب خود پہنے تو اُس کو پہنائے، نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اُس کو برا بھلا کہے، اور نہ گھر کے علاوہ اُس کی سزا کے لئے اُس کو علیحدہ کرے" (ابن ماجہ کتاب النکاح) دوسری طرف آپ نے عورتون کو حکم دیا کہ وہ اپنے شوہرون کی پوری اطاعت کرین، یہان تک فرمایا کہ "اگر خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا مین کسی کو حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے" آپ نے یہ طریقۂ تعبیر شوہر کی اطاعت کی اہمیت کیلئے اختیار فرمایا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اسلام مین خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ جائز نہین،

ایک مشہور حدیث مین آپ نے فرمایا:-

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ،	تم مین سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے سب سے بہتر ہے،
(ترمذی ودارمی وابن ماجہ)	
خِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَاءِھِمْ،	تم مین سب سے بہتر وہ ہین جو اپنی بیویون کے لئے بہتر ہین،
(ترمذی)	

انسان کے بہتر اور خوب ہونے کی یہ ایک ایسی پہچان بتا دی گئی ہے کہ اس آئینہ مین ہر شخص اپنا چہرہ آپ دیکھ سکتا ہے، جو اپنون کے ساتھ انصاف اور احسان نہین کرسکتا، وہ دوسرون کے ساتھ کیا کر سکتا ہے، کیونکہ نیکی گھر سے شروع ہونی چاہئے،

ایک صحابی بڑے عابد وزاہد تھے لیکن وہ اپنی بیوی کی طرف توجہ نہین کرتے تھے،

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا یہ حال سُنا تو اُن کو بلوا کر فرمایا،

ولزوجك عليك حقًا — اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے،

(بخاری کتاب النکاح)

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں بیویوں کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی، وہ ہر وقت معمولی معمولی قصوروں پر ماری پیٹی جا سکتی تھیں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اُس نے بھی برابر کا جواب دیا، پھر وہ کہتے ہیں کہ "ہم لوگ اسلام سے پہلے عورتوں کو کسی شمار و قطار میں نہیں سمجھتے تھے، اسلام آیا تو اُس نے اُن کے بارہ میں احکام اُتارے، اور اُن کے حق مقرر کئے"[1]

اسلام نے اُن کی قدر و منزلت کو یہاں تک بڑھایا کہ اُن کو قانوناً مردوں کے دوش بدوش کھڑا کر دیا، اور آپس کے قانونی حقوق میں اُن کو برابر کا درجہ عطا کیا، البتہ اخلاقاً رتبہ میں مردوں کو تھوڑی سی اعزازی برتری دی گئی، ارشاد ہوا،

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ	اور عورتوں کا حق دستور کے مطابق مردوں
بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ	پر ویسا ہی ہے جیسا مردوں کا عورتوں
دَرَجَةٌ، (بقرہ - ۲۸)	اور مردوں کو اُن پر ایک منزلت حاصل ہے

لیکن یہ منزلت بھی اُن کو بے وجہ نہیں دی گئی ہے یہ اس لئے ہے تاکہ وہ عورتوں کی نگرانی اور نگہبانی کا فرض انجام دے سکیں، یعنی وہ گویا اپنی گھریلو عدالت کے اعزازی صدر

---

[1] صحیح بخاری، باب موعظۃ الرجل لحال زوجہا و تفسیر سورۂ تحریم،

بنائے گئے ہین، یہ نکتہ اس سے سمجھ مین آتا ہے کہ یہ اوپر کی آیت میان بیوی کے خانگی جھگڑون کے دور کرنے کے سلسلہ مین ہے، گھر کے روزمرہ کے مناقشون کا فیصلہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ دونون کے قانونی حقوق یکسان ماننے کے ساتھ شوہر کو اعزازی فوقیت کا مرتبہ دیا جائے تاکہ وہ اپنے گھر کے نظام کو اچھی طرح چلاسکے،

اس اعزازی منصب کے لئے شوہر کا انتخاب بھی بے وجہ نہین، قرآنِ پاک نے اس کی مصلحتین بھی بتادی ہین، فرمایا،

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ	مرد عورتون کے نگراں ہیں، اس سبب
بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی	سے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر بڑائی دی ہے،
بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ (نساء)	اور اس لئے کہ انھون نے اپنا مال خرچ کیا،

یعنی مردون کی اس اعزازی ترجیح کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فطری طور سے مردون کو عورتون پر جسم و طاقت اور عقل و فراست وغیرہ مین جسمانی و ذہنی فوقیت اور بڑائی عطا کی ہے، طبی تحقیقات، انسانیت کی پوری تاریخ اور روزانہ کے مشاہدے دم بدم اس کی تائید مین ہین، اسی لئے اسی کو اس صدارت کا حق فطرۃً ملنا چاہئے، دوسرا سبب یہ ہے کہ اسلام نے دین بہر، نان نفقہ اور پرورش اولاد وغیرہ خانگی معاملات کی ہر قسم کی مالی ذمہ داری مرد پر عائد کی ہے اور وہی اس بوجھ کو اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہے، اس لئے انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کو اپنے گھر کا حاکم اور صدرنشین بنایا جائے تاکہ گھر کا نظام درست اور آپس مین تعلقات کی خوشگواری قائم رہے،

Marfat.com

اکثر عورتوں میں ضد اور ہٹ ہوتی ہے جو شاید ان کی فطری کمزوری اور عدم تربیت کا نتیجہ ہو بعض مرد یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی ضد اور ہٹ کے مقابلہ میں سختی اور درشتی سے کام لے کر اُن کی یہ ٹیڑھ نکال دیں، آپ نے ان کو ایک نہایت عمدہ تشبیہ دیکر نصیحت فرمائی کہ عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو، کہ اُن کی پیدائش پسلی سے ہوئی جس سے اس کے اسی ٹیڑھے پن کے ساتھ تم کام لے سکو تو لے سکتے ہو، اور اگر اُس کے سیدھی کرنے کی فکر کرو تو تم اس کو توڑ ڈالوگے[۱] آپنے مردوں کو بیویوں کے معاملہ میں خوش اور قانع و راضی رہنے کا ایک نہایت عمدہ نسخہ بتایا فرمایا اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھ کر اس سے نفرت نہ کرو، کہ غور کرو گے تو اس میں کوئی دوسری اچھی بات بھی نکل آئے گی[۲] یہ نصیحت حقیقت میں قرآن پاک کی اس آیت کی تعمیل ہے،

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ	اور بیویوں کے ساتھ معقول طریقہ سے گذران
كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا	کرو، اگر تم کو وہ نہ بھائیں تو ممکن ہے کہ تم کو
شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا	ایک چیز پسند نہ آئے، اور خدا نے اس میں بہت
(نساء - ۳)	خوبی رکھی ہو،

اسلام نے انسانی زندگی کی مشغولیتوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے، خانگی اور بیرونی، خانگی مشغولیتوں کی ذمہ داری عورت پر، اور بیرونی مشغولیتوں کا بار گراں مرد کے کندھوں پر رکھا ہے، اور اس طرح انسانی زندگی کے اندرونی اور بیرونی کاموں کی عظیم الشان عمارت کو ایک دوسرے کے تعاون، موالات اور یکجہتی کے ستونوں پر قائم کیا ہے، اپنے لئے خود روزی کمانا، اور

[۱] صحیح بخاری و مسلم نکاح [۲] صحیح مسلم کتاب النکاح باب الوصیۃ بالنساء،

سرمایہ بہم پہنچانا عورت کا نہین، بلکہ مرد کا فرض قرار دیا ہے، اور مرد پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ عورت کے نان نفقہ اور ضروریات کا کفیل ہو، اگر وہ ادا نہ کرے، تو حکومتِ وقت کے ذریعہ عورت کو اس کی وصولی کا حق حاصل ہے، اور اگر اس پر بھی مرد نہ دے، تو بیوی کو اس سے علٰحدگی کے دعوی کا اختیار حاصل ہے۔[1] انتہا یہ ہے کہ خاص خاص حالات مین عورت چاہے تو مرد سے اس کے بچہ کو دودھ پلانے کا معاوضہ بھی لے سکتی ہے جس کی تفصیلات قرآن مین مذکور ہین،

اگر کوئی مرد بخالت سے اپنی بیوی اور اولاد کی جائز ضرورتون کے لئے اپنی حیثیت سے کم دے، تو عورت کو حق ہے کہ وہ شوہر کی لاعلمی مین اس کی دولت سے اُس کی حیثیت کے مطابق بقدرِ ضرورت لے لیا کرے، فتح مکہ کے دن ابو سفیان کی بیوی ہند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس مین آکر عرض پرداز ہوئی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو سفیان بخیل آدمی ہین وہ مجھے میری اور میرے بچون کی ضرورت سے کم دیا کرتے ہین لیکن یہ کہ مین اُن کے مال مین سے اُن کی لاعلمی مین کچھ لے لون، فرمایا تم قاعدہ کے مطابق اتنا لے سکتی ہو جو تم کو اور تمھارے بچون کو کافی ہو۔[2]

ایک مشہور حدیث ہے جس مین مرد اور عورت کے باہمی حقوق کی ذمہ داری چند ایسے مختصر لفظون مین ظاہر کی گئی ہے جن کی تفصیل ایک دفتر مین سما سکتی ہے، فرمایا تم مین سے ہر ایک اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور تم مین سے ہر ایک سے اُس کی نسبت بازپرس ہو گی ...... مرد

---

[1] اس اختیار کی تشریح مین فقہا مختلف ہین، تفصیلات کے لئے فقہ کی کتابون مین کتاب النفقہ دیکھنا چاہئے، نیز دیکھو نیل الاوطار شوکانی جلد ۶ ص ۲۶۳ مصر، [2] صحیح بخاری باب اذا لم ینفق الرجل ص ۸۰۸۔

Marfat.com

اپنی بیوی، بچوّن کا رکھوالا ہے اس سے اس کی پوچھ ہو گی، اور بیوی اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اس سے اس کی پوچھ ہو گی" (بخاری اول ص ۹،، باب قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ) نبوت کے ان دو معجزانہ فقرون مین کیا کچھ نہین کہہ دیا گیا،

مرد کو کس عورت کے مارنے کا اختیار دیا گیا ہے،

قرآن پاک مین ایک آیت ہے جس مین مرد کو اختیار دیا گیا ہے کہ بعض حالتون مین وہ عورت کو مار پیٹ بھی سکتا ہے وہ آیت یہ ہے،

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ	اور جن بیویون کے نشوز کا تم کو ڈر ہو تو
فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی	اُن کو سمجھاؤ، اور خوابگاہون مین اُن سے
الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ	علٰحدگی برتو، اور اُن کو مارو تو اگر وہ تمھا
اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا	کہنا مان لین، تو پھر اُن پر راہ مت تلاش
(نساء - ۶)	کرو،

لغت مین "نشوز" کے معنی "اُٹھ جانے" کے ہین، اور عورت کے حق مین اس کے اصطلاحی معنی جو ہین، وہ مفسر ابن جریر طبری کے الفاظ مین حسب ذیل ہین :-

وَمعنی ذالك اذا رأیتم	اور اس کے معنی یہ ہین کہ جب تم اُن
منهن ما تخافون ان	عورتون کی وہ حالت دیکھو جس سے
ینشزن علیکم من نظر الی	تم کو اُن کے "نشوز" کا ڈر ہو، یعنی
ما لا ینبغی لهن ان ینظرن	ادھر دیکھنا جدھر اُن کو دیکھنا نہین
الیه ویدخلن ویخرجن	چاہیے اور وہ آئین اور نکل جائین اور تم کو

Marfat.com

وَاستربتمہ ۵؎ بامرهن (تفسیر طبری ۳۰ مصر)	اُن کی بابت شک ہو جائے،
عن محمد بن کعب القرظی اذا	محمد بن کعب قرظی سے ہے کہ
رای الرجل تقصیرها فی حقه	جب مرد دیکھے کہ عورت (گھر) سے
فی مدخلها و مخرجها قال	باہر آنے جانے میں اُس کے حق میں قصور
یقول لها بلسانه قد رأیتك	کر رہی ہے تو اس سے زبان سے کہے کہ میں
منك کذا وکذا انتهی،	نے تجھ سے یہ حرکت دیکھی، یہ دیکھی تو
(تفسیر طبری مصر ج ۵ - ۳۸)	اب باز آجا،

فقہ کی کتابوں میں ہے

الناشزة هی الخارجة عن	نشوز والی عورت وہ ہے جو اپنے شوہر
منزل زوجها المانعة نفسها	کے گھر سے باہر نکل جائے اور اپنے آپ
منه، (عالمگیری، نفقات)	کو اُس کے سپرد نہ ہونے دے،

غرض یہ کہ ناشزہ عورت وہ ہے جس میں بداخلاقی کی بعض مشتبہ علامتیں پائی جائیں، کچھ مفسروں نے اُس کو اور وسعت دی ہے اور بتایا ہے کہ ناشزہ وہ عورت ہے جو اپنے شوہر پر بلندی چاہے، اس کا حکم نہ مانے، اُس سے بے رخی کرے اور اس سے بغض رکھے (تفسیر ابن کثیر)

میرے خیال میں یہ دونوں تفسیریں درست ہیں، اور درحقیقت پوری آیت پڑھنے سے

۵؎ اصل متن تفسیر میں واستبریتم غالباً غلط چھپا ہے،

نشوز کے معنی آپ کھل جاتے ہین آیتِ مذکور پوری یہ ہے :-

الرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ
بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ
فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ
لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِىْ
تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ
وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ
وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ
فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا۔
(نسآء - ۶)

مرد عورتون کے نگران ہین، (ایک اس لیے)
کہ اللہ نے ایک کو ایک پر بڑائی دی ہے
اور (دوسرے) اس لئے کہ مرد اپنا مال
(اُن پر) خرچ کرتے ہین، تو نیک بیویان
فرمانبردار ہوتی ہین، اور (شوہر کے) پیٹھ
پیچھے (شوہر کے گھر بار اور عزت و آبرو[1]
کی) حفاظت کرتی ہین کہ اللہ نے اُن کی (یعنی
عورتون کی) حفاظت کی ہے، اور جن کے
نشوز کا تم کو ڈر ہو، تو اُن کو سمجھاؤ، اور
اُن کو خوابگاہون مین علٰحدہ کر دو، اور اُن
کو مارو، تو اگر وہ تمھارا کہا مان لین تو
پھر اُن پر راستہ تلاش نہ کرو،

اس آیت پاک مین مرد کی ترجیح کی جو دو باتین بیان کی ہین، اُن کے نتیجہ پر یہ فرمایا ہے کہ نیک بیویان وہ ہین جو اپنے شوہرون کی فرمانبردار ہین، اور اُن کے پیٹھ پیچھے اُن کے گھر بار[1] عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہین، اس کے بعد ہے کہ اب جس عورت سے تمھین "نشوز" کا ڈر ہو

[1] اس آیت کی یہ تفسیر قرآن پاک کے اشارات اور احادیث کی تصریحات سے معلوم ہوتی ہے ۱۲

Marfat.com

تو اُس کو پہلے سمجھاؤ، نہ مانے تو خلوت مین اس سے کنارہ کرو، یا اُس سے بات کرنا چھوڑ دو، اس پر بھی نہ مانے تو اس کو ذرا مارو، اب بھی اگر کہا مان لے، تو پھر اُس کو ستانے یا طلاق وغیرہ دینے کے لئے حیلہ اور بہانہ مت ڈھونڈو،

اب جب اوپر مین بتا چکا کہ مردون کو عورتون کی نگرانی اور دیکھ بھال کا حق حاصل ہے پھر بھی یہی کہا جا چکا کہ نیک بیویان وہ ہین جو شوہرون کی فرمانبردار ہین، اور شوہرون کے پیچھے اُن کے گھر بار، مال و دولت اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہین، اور اس کے بعد یہ ہے کہ اگر تمھین عورت کے نشوز کا ڈر ہو، تو یہ یہ کرو، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا نشوز یہ ہے کہ اس کے جو دو فرض پہلے بتائے گئے ہین یعنی شوہر کی فرمانبرداری، اور شوہر کے پیچھے اُس کے گھر بار در عزت و آبرو کی حفاظت، جو عورت ان دونون کو یا ان دونون مین سے کسی ایک فرض کو بھی ادا نہین کرتی، وہی ناشزہ ہے اور ایسی ہی عورت کی تنبیہ کی اجازت دی گئی ہے،

"شوہر کی عزت و آبرو کی حفاظت" کے الفاظ سے جس طرف اشارہ ہے، اس کی تصریح احادیث مین موجود ہے، آپ نے فرمایا "سب سے بہتر عورت وہ ہے کہ جب مرد اس کو دیکھے تو خوش ہو جائے، اور جب کوئی حکم دے تو وہ مان لے، اور جب شوہر گھر پر موجود نہ ہو، تو وہ اپنی جان اور اُس کے مال کی حفاظت کرے" "اپنی جان کی حفاظت" سے مقصود عفت و عصمت ہے،

حجۃ الوداع کے خطبہ مین عورتون کے حقوق کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فقرے ہین اُن مین نشوز کے اس معنی کی پوری تصریح ہے صحیح مسلم مین ہے،

وَاتقوا اللہ فی النساء فانھن — عورتون کے بارہ مین خدا سے ڈرو،

عندکم عوان ولکم علیهن
ان لا یوطئن فرشکم احداً
تکرهونه فان فعلن فاضربوهن
ضرباً غیر مبرح ،
(مسلم)

کہ وہ تمہارے بس میں ہیں، تمہارا اُن
پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کو کسی سے
نہ روندوائیں جس کو تم ناپسند کرتے
ہو، اگر وہ ایسا کریں تو اُن کو اتنا مارو
جو تکلیف دہ نہ ہو،

ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں ،

استوصوا بالنساء خیرا فانهن
عندکم عوان لیس تملکون
منهن شیئاً غیر ذلک الا
ان یاتین بفاحشة مبینة
فان فعلن فاهجروهن فی
المضاجع واضربوهن ضرباً
غیر مبرح فان اطعنکم فلا
تبغوا علیهن سبیلا ،
(کتاب النکاح)

عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے
کے بارہ میں میری وصیت کو قبول
کرو، وہ تمہارے قبضہ میں ہیں تم
کو اُس کے سوا اُن پر کوئی اختیار
نہیں، مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی بیحیائی کا
کام کریں، تو اگر ایسا کریں تو اُن کو
خوابگاہوں میں علیحدہ کردو، اور ان
کو اتنا ہی مارو جو تکلیف دہ نہ ہو، تو
اگر وہ تمہارا کہا مان لیں تو اُن پر کوئی
راستہ نہ ڈھونڈو،

شوہر کے بستر کو روندوانے کا کنایہ اس طرف ہے، کہ ایسے لوگ اس کے گھر میں آنے

Marfat.com

جانے نہ پائیں جن کا آنا جانا شوہر کو ناگوار یا مشکوک معلوم ہو، اور کھلی بے حیائی سے جو بدکاری کی طرف اشارہ ہو وہ چھپا نہیں لیکن بعض نے اس میں بھی توسیع کی ہے، یعنی عورت کی نافرمانی اور بدزبانی اور مشتبہ چال چلن سب کو فاحشۃ مبینہ کی تفسیر میں داخل کیا ہے، (تفسیر سورۂ نساء، رکوع ۲)

الغرض آخری درجہ پر عورت کی تنبیہ کی یہ اجازت خاص حالات میں ہے، اور شرع کی تصریح ہے، کہ یہ ضرب غیر مبرح "یعنی ایسی مار ہو جس سے عورت کے کسی عضو کو نقصان نہ پہنچے، بلکہ یہاں تک تصریح ہے کہ اس سے مقصود مسواک وغیرہ سے مارنا ہے، (تفسیر طبری جلد ۵ ص ۴۱ مصر) جس سے تنبیہ کے سوا کوئی چوٹ نہیں آسکتی، ورنہ عورتوں کو عام طور سے یوں مارنا اسلامی تہذیب کے خلاف ہے، یہ زمانۂ جاہلیت کا دستور تھا، جس کی اسلام نے اصلاح کی ہے، ایاس بن عبداللہ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حکم دیا کہ خدا کی بندیوں (اپنی بیویوں) کو مارا نہ کرو، تو حضرت عمرؓ نے آکر عرض کی یا رسول اللہ! بیویاں اپنے شوہروں پر دلیر ہوگئیں، تو آپ نے مارنے کی رخصت عطا کی، نتیجہ یہ ہوا، کہ بہت سی عورتیں اہلبیت نبوی کے سامنے اپنے شوہروں کی شکایتیں لے کر آئیں، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بہت سی عورتیں چکر کاٹتی رہیں، جو اپنے اپنے شوہروں کی شکایتیں لے کر آئی تھیں، یہ (یعنی بیویوں سے ایسی بدسلوکی کرنے والے) تم میں سے اچھے لوگ نہیں ہیں"، (ابوداؤد وابن ماجہ ودارمی)

ایک صحابیہ نے اپنے نکاح کے متعلق آپ سے مشورہ لیا، اور ایک شخص کے پیغام کا ذکر کیا، آپ نے

ملے یہ پیش نظر رہے کہ یہ خانگی سزا صرف مشکوک و مشتبہ حالت میں عورت کی اصلاح کے لئے ہے، ورنہ ثبوت کی صورت میں اس جرم کی سزا سنگساری یا تازیانہ ہے، جس کا اجرا قاضی کا فرض ہے،

Marfat.com

فرمایا: وہ اپنا ڈنڈا اپنے کندھے سے نیچے نہیں اُتارتا[۵۱]" یعنی وہ مار پیٹ کیا کرتا ہے، اور ذرا ذرا سی بات پر خفا ہوتا رہتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس کے اس فعل کو ناپسند فرمایا، ایک صحابی نے آکر شکایت کی کہ یا رسول اللہ میری بیوی بدزبان ہے، فرمایا طلاق دیدو، عرض کی اس سے میری اولاد ہے اور مدت سے میرے ساتھ ہے، فرمایا "تو اُس کو سمجھایا کرو، اس میں صلاحیت ہوگی تو قبول کرے گی، لیکن اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح مارا نہ کرو[۵۲]" ایک دوسرے موقع پر فرمایا "کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ مارا کرے، یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ ایک وقت کوڑے مارے اور دوسرے وقت اس سے ہمبستر ہو[۵۳]"

---

۵۱ صحیح مسلم باب المطلقۃ ثلثا، ۵۲ مشکوٰۃ کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء بحوالہ ابوداؤد، ۵۳ ایضاً بحوالہ صحیح بخاری و مسلم،

Marfat.com

اہلِ قرابت کے حقوق

ماں باپ، اولاد اور زن وشو کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے اہلِ قرابت کا حق ہے عربوں کے محاورہ میں اس کا نام "صلہ رحم" ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم میں صلہ رحم اور حقوقِ قرابت کی اہمیت دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ ہے یہی سبب ہے کہ وحیِ محمدی میں اس کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے، قرآنِ پاک میں کم از کم بارہ آیتوں میں اس کی صریح تاکید ہے، اور اس کو انسان کا احسان نہیں، بلکہ اس کا فرض اور حق بتایا ہے چنانچہ فرمایا:-

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ (روم-۴) — تو قرابتدار کو اس کا حق ادا کرو،

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ (اسرائیل-۳) — اور قرابت والے کو اس کا حق ادا کر،

دوسری جگہ یہ تصریح فرمائی کہ مال و دولت کی محبت اور ذاتی ضرورت اور خواہش کے باوجود صرف خدا کی مرضی کے لئے خود تکلیف اٹھا کر اپنے قرابت مندوں کی امداد اور حاجت روائی اصلی نیکی ہے،

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ — اور اصل نیکی اس کی ہے جس نے ... مال کو

Marfat.com

ذَوِی الْقُرْبٰی، (بقرہ ع - ۲۲) اس کی محبت پر قرابت مندون کو دیا،

والدین کے بعد اہلِ قرابت ہی ہماری مالی امداد کے مستحق ہین، فرمایا،

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ..... (بقرہ ع - ۲۶) فائدہ کی جو چیز تم خرچ کرو تو وہ مان باپ اور رشتہ دارون کے لئے.....

مان باپ کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے رشتہ دارون کے ساتھ حسنِ سلوک خدائے تعالیٰ کے اُن خاص احکام مین ہے جن کا انسان سے عہد لیا گیا،

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی۔ (بقرہ ع - ۱۰) (اور بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا کہ خدا ہی کو پوجنا) اور مان باپ اور رشتہ دارون کے ساتھ نیکی کرنا،

سورۂ نحل مین اہلِ قرابت کی امداد کو عدل اور احسان کے بعد اپنا تیسرا خاص حکم بتایا،

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (نحل ۱۳) بے شک اللہ انصاف اور حسنِ سلوک اور قرابتدار کو دینے کا حکم کرتا ہی

ایک مسلمان کی دولت کے بہترین مستحق والدین کے بعد اس کے قرابت والے ہین فرمایا

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ۔ (بقرہ ع - ۲۶) کہدے اے پیغمبر! کہ فائدہ کی جو چیز تم خرچ کرو، تو وہ اپنے مان باپ قرابت والون یتیمون اور غریبون کے لئے،

Marfat.com

اگر کسی قرابت مند سے کوئی قصور ہو جائے تو اہل دولت کو زیبا نہیں کہ وہ اس کی سزا میں اپنی امداد کا ہاتھ اس سے روک لیں، ارشاد ہوا،

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ	اور جو لوگ تم میں بڑائی اور کشایش
وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ	والے ہیں وہ قرابت مندوں اور
وَالْمَسَاكِينَ، (نور - ۳)	محتاجوں کے دینے کی قسم نہ کھائیں

خدا کی خالص عبادت اور توحید اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کے بعد تیسری چیز اہل قرابت کے ساتھ نیکی ہے، فرمایا،

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا	اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی
بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا	چیز کو اس کا ساجھی نہ بناؤ اور
وَبِذِي الْقُرْبَىٰ،	ماں باپ اور قرابت والوں کے ساتھ
(نساء ع - ۶)	نیکی کرو،

حق قرابت کو اسلام میں اس درجہ اہمیت حاصل ہے کہ داعی اسلام علیہ السلام نے اپنی تمام محنتوں، زحمتوں، تکلیفوں اور مصیبتوں کا عوض اور معاوضہ یہی ان لوگوں سے اور اپنے اس احسان و کرم کا جو ہدایت و تعلیم اسلام کے ذریعہ تم پر فرمایا تھا صلہ اور مزدوری اپنی امت سے یہ طلب فرمائی ہے کہ رشتہ داروں اور قرابت مندوں کا حق ادا کرو اور ان سے لطف و محبت سے پیش آؤ، فرمایا

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا	کہہ دے پیغمبر! کہ میں تم سے اس پر

إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ، — بجز اس کے کوئی مزدوری نہیں مانگتا

(شوریٰ ۔ ۳) — کہ ناتے میں محبت اور پیار کرو،

عربی زبان میں قرابت کا حق ادا کرنے کو وصلِ رحم (رحم ملانا) کہتے ہیں، اسی لفظ کی دوسری معروف شکل صلۂ رحم (رحم ملانا) ہے اور قرابت کے حق کو نہ ادا کرنے کو قطعِ رحم (رحم کاٹنا) کہتے ہیں، کہ رحمِ مادری ہی تعلقاتِ قرابت کی جڑ ہے، کسی امر میں دو انسانوں کا اشتراک اُن کے باہمی تعلقات اور حقوقِ محبت و اعانت کی اصلی گرہ ہے، یہ اشتراک کہیں ہم عمری کہیں ہم درسی کہیں ہم سائگی کہیں ہم مذاقی کہیں ہم پیشگی کہیں ہم وطنی، کہیں ہم قومی کی مختلف صورتوں میں نمایاں ہوتا ہے، اس اشتراک کے عقدِ محبت کو استوار اور مضبوط رکھنے کے لئے جانبین پر حقوق کی نگہداشت اور فرائضِ محبت کی ادائگی واجب ہے، لیکن ان تمام بندھ کر ٹوٹ جانے والے اشتراکوں سے بڑھکر وہ اشتراک ہے جس کا وطن، رحمِ مادر ہے، یہ ہم رحمی خالقِ فطرت کی باندھی ہوئی گرہ ہے، جو متفرق انسانی ہستیوں کو خاص اپنے دستِ قدرت سے باندھ کر ایک کر دیتی ہے، اور جس کا توڑنا انسان کی قوت سے باہر ہے، اس لئے اُس کے حقوق کی نگہداشت بھی انسانوں پر سب سے زیادہ ضروری ہے، ان لوگوں کو جو محبت کی اس فطری گرہ کو توڑنے کی کوشش کریں، وحیِ محمدیؐ نے فاسق کا خطاب دیا ہے اور اُن کو ضلالت کا مستحق ٹھہرایا ہے،

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ — اس سے وہ انھی کو گمراہ کرتا ہے جو

الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ — حکم نہیں مانتے، جو خدا کا عہد باندھکر

مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ — توڑتے ہیں اور خدا نے جس کے جوڑنے

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (بقرہ ۳) — کو کہا اُس کو کاٹتے ہیں،

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی اسی فطری گرہ کی تشریح استعارہ کے ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ رحم (شکم مادر کا نام) رحمان (اللہ) سے مشتق ہے، اس لئے محبت والے خدا نے رحم کو خطاب کر کے فرمایا کہ جس نے تجھ کو ملایا، اس کو میں نے ملایا! جس نے تجھ کو کاٹا اُس کو میں نے کاٹا![1] اسی مفہوم کو استعارہ کے اور گہرے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ادا فرمایا کہ "رحم انسانی عرش الٰہی کو پکڑ کر کہتا ہے، جو مجھے ملائے، اُس کو خدا ملائے اور جو مجھے کاٹے اُس کو خدا کاٹے![2] ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن تعبیر کا اس سے بھی زیادہ نازک طریقہ اختیار فرمایا، ارشاد ہوا کہ جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا تو رحم انسانی نے اس رحمت والے خدا کا دامن (اصل میں حقوہ ہے) تھام لیا، خدا نے فرمایا ٹھہر جا! یہ اس کا مسکن ہوگا، جو تیری گرہ کاٹنے سے بچے گا، کیا تو اس سے خوش نہیں کہ جو تجھ کو ملائے اس کو میں اپنے سے ملاؤں، جو تجھ کو کاٹے اس کو میں اپنے سے کاٹوں![3] یعنی رحم مادر اور اس رحمان کے رحم (وکرم) کے درمیان حرفوں کا یہ اشتراک محبت کے معنوی اشتراک کے بھید کو فاش کرتا ہے، اور اس سے وہ اہمیت ظاہر ہوتی ہے، جو اسلام کی نظر میں اہل قرابت کی رحم اور رحمان کے اس جوڑ کی طرف خود قرآن پاک کی ایک آیت میں بھی اشارہ ہے (سورہ نساء

---

[1] صحیح بخاری، کتاب البر والصلۃ [2] صحیح بخاری و مسلم کتاب البر والصلۃ [3] ایضاً۔

Marfat.com

میں فرمایا،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، (نساء-۱)

اور جس خدا کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے درخواست کرتے ہو اس کا، اور رشتوں کا خیال رکھو،

اس آیت پاک کی تشریح ذیل کی حدیث سے سمجھئے،

ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے، فرمایا خدا کی بندگی کرو، کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ، نماز پابندی سے ادا کرو، زکوٰۃ دو، اور قرابت کا حق (صلہ رحم) ادا کرو۔[1]

جبیر بن مطعم صحابیؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صلہ رحمی یعنی قرابت کا حق ادا نہ کرے گا، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔[2] (یعنی جنت میں اس کا داخلہ اس وقت تک رکا رہے گا جب تک اس کا یہ گناہ معاف نہ ہولے گا، یا وہ اس گناہ سے پاک نہ ہو چکے گا)

ابوہریرہؓ صحابی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔[3] اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان نیک اعمال کا اثر اللہ نے یہ رکھا ہے کہ اس سے مال و دولت میں فراخی اور عمر میں زیادتی ہوتی ہے، کیونکہ صلہ رحم کی وہ ہی صورتیں ہیں ایک

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب باب فضل صلة الرحم [2] ایضاً باب اثم القاطع [3] صحیح بخاری کتاب الادب باب من بسط له فی الرزق لصلة الرحم۔

یہ کہ ضرورتمند رشتہ داروں کی مالی مدد کی جائے، دوسری یہ کہ خدا کی دی ہوئی عمر میں سے کچھ حصہ اُن کی خدمت میں صرف کیا جائے، پہلے کا نتیجہ خدا کی طرف سے مالی وسعت اور کشادگی اور دوسرے کا نتیجہ عمر میں برکت اور زیادتی کی صورت میں ملتا ہے،

اس حدیث کی تشریح مادی توجیہ سے بھی کی جاسکتی ہے، انسان کے خانگی افکار اور خاندانی جھگڑے بہت کچھ اُس کے لئے اضمحلال، تکدر، اور دلی پریشانی کا سبب ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ اپنے خاندان والوں کے ساتھ نیکی کے برتاؤ، صلۂ رحم، اور خوش خلقی سے پیش آتے ہیں، اُن کی زندگی میں خانگی مسرت، انشراح اور طمانیت خاطر رہتی ہی جس کی وجہ سے اُن کی دولت اور عمر دونوں میں برکت اور زیادتی ہوتی ہے، ترمذی میں یہ حدیث ان لفظوں میں ہے، صلۂ رحم سے قرابت والوں میں محبت، مال میں کثرت اور عمر میں برکت ہوتی ہے"

احادیث میں اس کی بھی تصریح ہے کہ صلۂ رحم کا کمال یہ نہیں ہے کہ جو بدلہ کے طور پر صلۂ رحم کا جواب صلۂ رحم سے دے، بلکہ یہ ہے کہ جو قطع رحم کرتا ہے اس کے ساتھ صلۂ رحم کیا جائے[1] یعنی جو قرابت کا حق ادا نہیں کرتے ہیں، ان کا حق ادا کیا جائے،

---

[1] صحیح بخاری باب لیس الواصل بالمکافی،

Marfat.com

ہمسایہ کے حقوق

ہمسایہ اور پڑوسی وہ دو آدمی ہین، جو ایک دوسرے کے قریب رہتے اور بستے ہین انسانیت اور اُس کے تمدّن کی بنیاد باہمی اشتراکِ عمل، تعاون، اور موالات پر قائم ہے، اس دنیا مین ہر انسان دوسرے انسان کی مدد کا محتاج ہے، اگر ایک بھوکا ہے تو دوسرے پر حق ہے کہ اپنے کھانے مین سے اُس کو بھی کھلائے، اگر ایک بیمار ہے تو جو تندرست ہو اس کی تیمارداری کرے ایک پر اگر کوئی مصیبت آئے، تو دوسرا اس کا شریک اور ہمدرد بنے، اور اس اخلاقی نظام کے ساتھ انسانون کی مجموعی آبادی، باہمی محبت، اور حقوق کی ذمہ داریون کی گرہ مین بندھ کر ایک ہو جائے، ہر انسان بظاہر جسمانی، اور مادی حیثیت سے جتنا ایک دوسرے سے علٰحدہ اور بجائے خود مستقل ہے، اخلاقی اور روحانی حیثیت سے فرض ہے کہ وہ اتنا ہی زیادہ ایک دوسرے سے ملا ہوا، اور ایک کا وجود دوسرے کے وجود سے اتنا ہی پیوستہ ہو، اسی لئے ہر مذہب نے ان دونون انسانون پر جو ایک دوسرے کے قریب آباد ہون آپس کی محبت اور امداد کی ذمہ داری رکھی ہے، کہ وہی وقت پر اورون سے پہلے ایک دوسرے کی مدد کو پہنچ سکتے ہین،

ایک اور نکتہ یہ ہے کہ انسان کو اُسی سے تکلیف اور دکھ پہنچنے کا اندیشہ بھی زیادہ ہوتا ہے،

جوایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوتے ہین، اس لئے اُن کے باہمی تعلقات خوشگوار اور ایک دوسرے سے ملائے رکھنا ایک سچے مذہب کا سب سے بڑا فرض ہے، تاکہ برائیون کا سدباب ہوکر یہ پڑوس دوزخ کے بجائے بہشت کا نمونہ ہو، اور ایک دوسرے کی محبت اور مدد پہ بھروسہ کرکے گھر سے باہر نکلے، اور گھر مین قدم رکھے،

اسلام نے انہی اصولون کو سامنے رکھ کر ہمسایگی کے حقوق کی دفعات بنائی ہین، عربون مین دوسری قومون سے زیادہ اسلام سے پہلے بھی پڑوس اور ہمسایگی کے حقوق نہایت اہم تھے بلکہ وہ عزت اور افتخار کا موجب تھے، اگر کسی عرب کے پڑوسی پر کوئی ظلم ہو جائے، تو وہ دوسرے پڑوسی کے لئے بےغیرتی اور عار کا موجب تھا، اور اس لئے اس کی خاطر لڑنے مرنے کو .... وہ اپنی شرافت کا نشان سمجھتا تھا، اسلام نے آکر عربون کے اس احساس کو چند ترمیمون اور اصلاحون کے ساتھ اور زیادہ قوی کر دیا،

وحیِ محمدیؐ نے ہمسایہ کے پہلو بہ پہلو ایک اور قسم کے ہمسایہ کو جگہ دی ہے جس کو عام طور سے پڑوسی اور ہمسایہ نہین کہتے، مگر وہ ہمسایہ ہی کی طرح اکثر ساتھ ہوتا ہے، جیسے ایک سفر کے دو رفیق ایک مدرسہ کے دو طالب علم، ایک کارخانہ کے دو ملازم، ایک استاد کے دو شاگرد، ایک دوکان کے دو شریک، کہ یہ بھی درحقیقت ایک طرح کی ہمسایگی ہے، اور اس کا دوسرا نام رفاقت اور صحبت ہے، ان سب قسمون کے ہمسایون مین تقدم اُس کو حاصل ہے، جس کو ہمسایہ ہونے کے علاوہ قرابت یا ہم مذہبی کا، یا کوئی اور دوسرا تعلق بھی ہو، قرآنِ پاک نے یہ تصریح پوری طرح کی ارشاد ہے،

Marfat.com

وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ،

(نساء - ۶)

اور (خدا نے) ہمسایہ قریب اور ہمسایہ بیگانہ اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے)

اس "قریب" اور "بیگانہ" کے معنوں میں اہل تفسیر نے اختلاف کیا ہے، ایک کہتا ہے کہ "قریب" کے معنی رشتہ دار و عزیز، اور "بیگانہ" کے معنی غیر اور اجنبی کے ہیں، دوسرے کی رائے ہے کہ "نزدیک" کے معنی ہم مذہب کے ہیں، اور "دور" سے مطلب دوسرے مذہب والے ہیں، جیسے یہودی، عیسائی، مشرک وغیرہ،[1] لیکن حقیقت میں یہ اختلاف بے معنی ہے، تعلیم محمدی کا منشا یہ ہے کہ پڑوسیوں اور ہمسایوں میں ان کو ترجیح دی جائے گی جن کے ساتھ اس پڑوس اور ہمسایگی کے علاوہ محبت اور رابطہ کا کوئی دوسرا تعلق بھی موجود ہو، وہ خواہ قرابت اور عزیزداری کا ہو، یا ہم مذہبی کا ہو یا کسی اور قسم کی رفاقت کا ہو، بہرحال حق کے ساتھ دوسرے تعلقات کا اکہرے تعلق پر ترجیح حاصل ہے، اس حکم الٰہی کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے فرمائی، اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اس کو ایمان کا براہ راست اثر اور نتیجہ فرمایا، ایک دن صحابہ کے مجمع میں آپ تشریف رکھتے تھے کہ ایک خاص دلنشین انداز سے فرمایا "خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا، خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا، خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا" جاں نثاروں نے پوچھا کون یا رسول اللہ! فرمایا "وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں"[2] ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا، "جو خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے"[3] ایک اور حدیث

[1] ابن جریر طبری تفسیر آیت مذکور، [2] صحیح بخاری کتاب الادب باب اثم من لا یامن جارہ بوائقہ، [3] صحیح بخاری کتاب الادب،

Marfat.com

مین ہو کہ آپ نے فرمایا "جو شخص خدا اور روزِ جزا پر اعتقاد رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے"[۵۱] یہ ایک اور موقع پر اس کو تقربِ الٰہی کا ذریعہ ظاہر کیا، ارشاد فرمایا "خدا کے نزدیک ساتھیون مین بہتر وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے بہتر ہے، اور پڑوسیون مین بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے بہتر ہے"[۵۲] ام المومنین حضرت عائشہؓ کی تعلیم کی غرض سے اُن سے فرمایا کہ "جبریل نے مجھے پڑوسی کے حقوق کی اتنی تاکید کی کہ مین سمجھا کہ کہین اُن کو وراثت کا حقدار نہ بنا دین"[۵۳] حقیقت مین یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہمسایون کا تعلق رشتہ دارون کے تعلق کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے

پڑوسیون مین محبت کی ترقی، اور تعلقات کی استواری کا بہترین ذریعہ باہم ہدیون اور تحفون کا تبادلہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی بیویون کو اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے اسی بنا پر ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا "یارسول اللہ میرے دو پڑوسی ہین، تو مین اُن مین سے کس کے پاس بھیجون" فرمایا "جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو"[۵۴]

اس ہدیہ اور تحفہ کے لئے کسی بیش قیمت چیز کی ضرورت نہین، بلکہ کھانے پینے کی معمولی چیزین بھی اس کے لئے کافی ہین، کچھ نہ ہو سکے تو گوشت کا شوربا ہی ہو اور وہ زیادہ پانی بڑھا کر ہی کیون نہ ہو، اپنے ایک توکل پیشہ صحابی ابوذرؓ کو نصیحت فرمائی کہ "اے ابوذر جب شوربا پکاؤ تو پانی بڑھا دو، اور اس سے اپنے ہمسایون کی خبر گیری کرتے رہو"[۵۵]

ان تحفون کے بھیجنے بھجانے کا زیادہ موقع عورتون کو پیش آتا ہے، اس لئے آپ نے خصوصیت

---

۵۱ صحیح بخاری کتاب الادب ۵۲ ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی حق الجوار ۵۳ صحیح بخاری کتاب الادب ۵۴ صحیح بخاری کتاب الادب باب حق الجوار فی قرب الابواب ۵۵ صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب ... فی حق الجوار

کے ساتھ عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے مسلمانوں کی بیویو! تم میں کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لئے حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کی کھری کیوں نہ ہو؟[۱] یہ نصیحت دونوں بیویوں کے لئے ہے، یعنی نہ تو بھیجنے والی بیوی اپنے معمولی تحفہ کو حقیر سمجھ کر اپنی پڑوسن کو نہ بھیجے اور نہ دوسری بیوی اس معمولی تحفہ کو دیکھ کر اس کی حقارت کرے،

ایک مسلمان کی مروت اور شرافت کا یہ اقتضا نہیں کہ خود آرام سے رہے اور اپنے پڑوسی کے رنج و تکلیف کی پروا نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومن وہ نہیں جو خود سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے"[۲]

برائی برائی ہے جہاں بھی ہو، اور گناہ گناہ ہے جہاں بھی سرزد ہو لیکن اگر وہ اس جگہ ہو، جہاں لازمی طور سے نیکی ہونی چاہئے تھی، تو ظاہر ہے کہ اس گناہ اور برائی کا درجہ عام گناہوں اور برائیوں سے بدرجہا زیادہ ہے، بد قسمت انسان چوری ہر جگہ کر سکتا ہے مگر ظاہر ہے کہ پڑوس کے مکان میں چوری کرنا کتنا برا ہے، بدکاری ہر جگہ اس سے ممکن ہے، مگر پڑوس کے گھر میں جہاں سے دن رات کی آمد و رفت ہے، اور جہاں کے مرد پڑوس کے شریف مردوں پر بھروسہ کر کے باہر جاتے ہیں، اخلاقی خیانت کس قدر شرمناک ہے؟ اسی لئے توراۃ میں حکم تھا،

"تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے، تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر، تو اپنے پڑوسی کی جورو، اور اس کے غلام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس کی لونڈی، اور اس کے بیل[۳]

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الادب باب لا تحقرن جارۃ لجارتہا [۲] مشکوٰۃ از بیہقی و ادب المفرد امام بخاری باب لا یشبع دون جارہ،

Marfat.com

اس کے گدھے اور کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے، لالچ نہ کر۔" (خروج ۲۰-۱۷)

"تو اپنے پڑوسی سے دغابازی نہ کر، نہ اس سے کچھ چھین لے۔" (احبار ۱۹-۱۳)

اسلام نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی زبانِ حکمت سے اس اگلی تعلیم کی تکمیل ان الفاظ میں فرمائی جن میں توراۃ کی طرح صرف ممانعت پر بس نہیں کی ہے، بلکہ اس کو دس گنا زیادہ بڑا کر کے دکھایا، ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔

زنا حرام ہے، خدا اور رسول نے اُس کو حرام کیا ہے لیکن دس بدکاریوں سے بڑھ کر بدکاری یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے، چوری حرام ہے، خدا اور رسول نے اس کو حرام کیا ہے لیکن دس گھروں میں چوری کرنے سے بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرائے۔[۱]

دو صحابیہ تھیں جن میں سے ایک رات بھر نمازیں پڑھا کرتیں، دن کو روزے رکھتیں، صدقہ و خیرات بھی بہت کرتیں، مگر زبان کی تیز تھیں، زبان سے پڑوسیوں کو ستاتی تھیں لوگوں نے اُن کا حال آپ سے عرض کیا تو فرمایا، اُن میں کوئی نیکی نہیں، اُن کو دوزخ کی سزا ملیگی، پھر صحابہؓ نے دوسری بیوی کا حال سنایا، جو صرف فرض نماز پڑھتیں، اور معمولی صدقہ دے دیتیں، مگر کسی کو ستاتی نہ تھیں، فرمایا یہ بیوی جنتی ہوگی۔[۲]

حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا،

تو اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا کہ آپ کو۔ (مرقس ۱۲-۳۰)

---

۱ ادب المفرد امام بخاری باب حق الجار۔ ۲ ادب المفرد امام بخاری باب لا یوذی جارہ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تکمیلی تعلیم میں نہ صرف یہ کہ پڑوسی کو خود اپنے مانند پیار کرنے پر قناعت فرمائی، بلکہ جو نہ کرے اس کی سب سے بڑی دولت یعنی ایمان کے چھن جانے کا خطرہ ظاہر فرمایا: ارشاد ہے:

"تم میں کوئی مومن نہ ہوگا جب تک اپنے پڑوسی کی جان کے لئے وہی پیار نہ رکھے، جو خود اپنی جان کے لئے پیار رکھتا ہے"[1]

اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنی جان کی محبت نہیں، بلکہ خدا اور رسول کی محبت کا اس کو معیار قرار دیا، فرمایا:

"جس کو یہ پسند ہو کہ خدا اور اس کا رسول اس کو پیار کرے، یا جس کو خدا اور اس کے رسول کی محبت کا دعویٰ ہو، تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کا حق ادا کرے"[2]

اسی لئے فرمایا کہ قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں سب سے پہلے وہ دو مدعی اور مدعا علیہ پیش ہونگے، جو پڑوسی ہوں گے[3]، انسان کی خوش خلقی اور بد خلقی کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ اس کو وہ اچھا کہے جو اس سے سب سے زیادہ قریب ہو، چنانچہ ایک دن صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ ہم اچھا کر رہے ہیں یا بُرا، فرمایا جب اپنے پڑوسی کو تم اپنی نسبت اچھا کہتے سنو تو سمجھو کہ اچھا کر رہے ہو، اور جب بُرا کہتے سنو، تو سمجھو کہ بُرا کر رہے ہو[4]

کوئی پڑوسی اگر بُرائی کرے، تو گو چھوڑ کر دوسرا مستقر ڈھونڈ لیں تلاش کرو، مگر اس کی بُرائی کے بدلہ میں تم اس کے ساتھ بُرائی نہ کرو، یہ احسان خود اس کو شرمندہ کرے گا، چنانچہ ایک

صحیح مسلم کتاب الایمان، مشکوٰۃ از بیہقی، احمد بن حنبل مسند عقبہ بن عامر، سنن ابن ماجہ ص ۳۲۵

Marfat.com

دفعہ ایک صحابی نے آکر شکایت کی کہ یا رسول اللہ میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے، فرمایا جاؤ صبر کرو، اس کے بعد پھر شکایت لے کر آئے، پھر یہی نصیحت کی، وہ پھر آئے اور یہی عرض کی، فرمایا جاکر تم اپنے گھر کا سامان راستہ میں ڈال دو (یعنی گھر سے منتقل ہونے کی صورت بناؤ) ان صحابی نے یہی کیا، آنے جانے والوں نے پوچھا بات کیا ہے؟ انہوں نے کیفیت حال بتائی، سب نے اُن کے پڑوسی کو برا بھلا کہا، یہ دیکھ کر وہ ایسا شرمندہ ہوا کہ وہ ان کو منا کر پھر گھر میں واپس لایا، اور وعدہ کیا کہ وہ آیندہ نہ ستائے گا، [1]

ان تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ ہر مسلمان اپنے پڑوسی کا بھائی اور خدمت گذار بن گیا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ حضرت جابرؓ گوشت لا رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کی امیر المؤمنین، گوشت کھانے کو جی چاہتا تھا، ایک درہم کا گوشت خرید لایا، فرمایا اے جابر! کیا اپنے پڑوسی یا عزیز کو چھوڑ کر صرف اپنے پیٹ کی فکر کرنا چاہتے ہو، کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی،

يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى	جس دن کافر دوزخ کے سامنے پیش کئے جائیں گے
النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي	(ان سے کہا جائے گا) تم اپنی لذتیں
حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ	اپنی دنیا کی زندگی میں لے چکے اور
بِهَا، (احقاف-۲۰)	ان سے فائدہ اٹھا چکے،

غور کرو کہ گوشت کا وہ ٹکڑا جس میں اپنے پڑوسی کا [illegible]

[1] ادب المفرد بخاری باب شکایۃ الجار، و ابوداؤد کتاب الادب باب حق الجوار [illegible] موطا امام مالک باب جامع ما جاء فی اکل اللحم،

Marfat.com

کی مکروہ لذت قرار پاتی ہے جس کے مواخذہ کا اُن کو ڈر لگتا ہے،

ہمسایوں میں دوست و دشمن اور مسلم اور غیر مسلم کی تمیز بھی اٹھ گئی تھی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ایک بکری ذبح کی، اُن کے پڑوس میں ایک یہودی بھی رہتا تھا انہوں نے گھر کے لوگوں سے دریافت کیا کہ تم نے میرے یہودی ہمسایہ کو بھی بھیجا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ مجھے جبرئیل ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرنے کی اتنی تاکید کرتے رہے کہ میں سمجھا کہ وہ اُس کو پڑوسی کے ترکہ کا حقدار بنا دیں گے،[1]

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب، باب فی حق الجار،

Marfat.com

یتیموں کے حقوق

وہ کمسن بچہ جو باپ کے سایۂ محبت سے محروم ہے، جماعت کے ہر رکن کا فرض ہے کہ اس کو اس کو آغوشِ محبت مین لے، اس کو پیار کرے، اس کی ہر طرح خدمت کرے، اس کے متروکہ مال و اسباب کی حفاظت کرے، اس کی تعلیم و تربیت کی فکر رکھے، عقل و شعور کے پہنچنے کے بعد اس کے باپ کی متروکہ جائداد اس کو واپس دے، اور یتیم لڑکیون کی حفاظت اور ان کی شادی بیاہ کی مناسب فکر کرے، یہ وہ احکام ہین، جو کہ یتیم پیغمبر اپنے ساتھ لایا،

عرب مین روزانہ کے قتل و غارت اور بدامنی کے سبب سے یتیمون کی کثرت تھی، مگر جیسا کہ چاہیے، ان کو غور و پرداخت کا سامان نہ تھا، وہ اپنے باپ کی وراثت سے محروم رہتے تھے، کیونکہ چھوٹے بچون کی وہ وراثت نہین دیا کرتے تھے،[1] اور نہ سنگدل عربون مین عام طور سے ان کے ساتھ رحم و شفقت کا جذبہ تھا، قرآن پاک مین ان کی اس نسل کشی کا ذکر بار بار آیا ہے،

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری سورۂ نساء ج ۴ ص ۱۷۰

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ — کیا تو نے اس کو دیکھا جو انصاف کو

بِالدِّينِ، فَذَٰلِكَ الَّذِي — جھٹلاتا ہے، سو وہی ہے جو یتیم کو

يَدُعُّ الْيَتِيمَ، (ماعون) — دھکے دیتا ہے،

ایک اور آیت میں اُن لوگوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جو یتیموں کے جوان ہو جانے کے ڈر سے اُن کے باپ کی متروکہ وراثت کو جلد جلد کھا کر ہضم کر جانا چاہتے ہیں،

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ — نہیں یہ بات نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت

وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ — نہیں کرتے، اور نہ ایک دوسرے کو

الْمِسْكِينِ، وَتَأْكُلُونَ — مسکین کے کھانے پر آمادہ کرتے ہو،

التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ — اور مردے کا مال پورا سمیٹ کر کھا

الْمَالَ حُبًّا جَمًّا، — جاتے ہو، اور دنیا کے مال و دولت

(الفجر-۱) — پر جی بھر کے ریجھتے ہو،

اسلام سے پہلے کے مذاہب میں اس واجب الرحم فرقہ کے ساتھ رحم و شفقت اور اُن کی امداد و پرورش کا ذکر بہت کم ملتا ہے، توراۃ میں عشر اور زکوٰۃ کے مستحقین میں دوسرے لوگوں کے ساتھ یتیم کا نام بھی دو ایک جگہ ملتا ہے، کہ شہر کے پھاٹک کے اندر جو یتیم ہوں وہ آئیں اور کھائیں اور سیر ہوں" (استثنا ۱۴-۲۹ و ۲۶-۱۲) انجیل نے اُن بیچاروں کی کوئی دادرسی نہیں کی ہے، اور نہ کسی تعلیم میں اُن کا ذکر کیا ہے، اس مظلوم فرقہ کی اصلی دادرسی کا وقت اُس وقت آیا جب مکہ کا یتیم دینِ کامل کی شریعت لیکر

دنیا مین آیا، وحیِ الٰہی نے سب سے پہلے خود اسی کو خطاب کر کے یاد دلا دیا،

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ○	کیا تجھ کو خدا نے یتیم نہین پایا، تو اُس
..... فَاَمَّا الْیَتِیْمَ	نے پناہ دی .... تو
فَلَا تَقْهَرْ ، (الضُّحٰی)	یتیم کو نہ دبا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظمہ مین بے بسی کے عالم مین رہے یتیمون کے متعلق اخلاقی ہدایتین فرماتے رہے، اور قریش کے جفا پیشہ رئیسون کو اس بیکس گروہ پر رحم و کرم کی دعوت دیتے رہے، چنانچہ مکی آیتون مین یہ تعلیمات وحی ہوتی رہین، دولت مندون کو غریبون کے ساتھ فیاضی کی تلقین کے سلسلہ مین فرمایا گیا کہ انسانی زندگی کی گھاٹی کو پار کرنا اصلی کامیابی ہے، اس گھاٹی کو تم کیونکر پار کر سکتے ہو؟ ظلم و ستم کے گرفتارون کی گردنون کو چھڑا کر، بھوکون کو کھلا کر اور یتیمون کی خدمت کر کے،

اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ	یا بھوک والے دن مین کسی رشتہ دار
یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ، (بلد-۱)	یتیم کو کھلانا،

نیکون اور نیک بختون کی تعریف مین فرمایا کہ یہ وہ ہین جو

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ	اور اُس کی محبت کے ساتھ کھانا کسی
مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا ، (دھر-۱)	غریب اور یتیم کو کھلاتے ہین،

مدینہ مین آنے کے بعد ان اخلاقی ہدایتون نے قانون کی صورت اختیار کی، سورۂ نساء مین اس بیکس گروہ کے متعلق خاص احکام آئے، اُن کو وراثت کا حق دلایا گیا، اور متولی جو جاہلیت

Marfat.com

میں طرح طرح کی بددیانتی کرتے تھے، اُن سے کہا گیا،

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا	اور یتیموں کو اُن کے وارثوں کا چھوڑا
تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَ	ہوا مال دے دو، اور اُن کے اچھے مال
لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ	کو اپنے بُرے مال سے بدلا نہ کرو، اور
اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ؕ	اپنے مال کے ساتھ ملا کر اُن کا مال کھا
(نساء-۱)	جاؤ، یہ بڑے گناہ کی بات ہے،

دولتمند یتیم لڑکیوں کو اُن کی جائداد پر قبضہ کرلینے کی غرض سے متولی اپنے نکاح میں لے آتے تھے، اور بے والی ووارث جان کر اُن کو ستاتے تھے، اس پر حکم آیا،

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى	اگر تم کو ڈر ہے کہ ان یتیم بچیوں کے حق
فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ	میں انصاف نہ کرسکو گے تو (اُن کو چھوڑ دو)
(نساء-۱)	عورتوں سے جو تمہیں پسند ہو نکاح کرلو،

یتیم بچوں کے مال کو بددیانتی اور اسراف سے خرچ بھی نہیں کردینا چاہئے، اور نہ جب تک اُن کو پورا شعور آئے، وہ اُن کے سپرد کیا جائے، بلکہ اُن کے سنِ رشد کو پہنچنے کے بعد اُن کی عقل کو دیکھ بھال کر اُن کی یہ امانت اُن کو واپس کی جائے، فرمایا،

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ	اور بے وقوفوں کو اپنے مال جس کو خدا نے
الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا	تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے، نہ پکڑا دو،
وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَ	اور اُن کو کھلاتے اور پہناتے رہو، اور ان سے

Marfat.com

قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا	معقول بات کہو، اور یتیموں کو جانچتے رہو جب
الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ	وہ نکاح کی (طبعی) عمر کو پہنچیں تو اُن
اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا	مین اگر ہوشیاری دیکھو تو اُن کا مال
اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ج (نساء-۱)	اُن کے حوالہ کر دو،

ان آیاتِ پاک مین بلاغت کا ایک عجیب نکتہ ہے، غور کرو کہ آیت کے شروع مین جہان متولیون کو ناسمجھ یتیمون کے مال کو اپنے پاس سنبھال کر رکھنے کا حکم ہے، وہان مال کی نسبت متولیون کی طرف کی ہے، کہ "تم اپنا مال اُن کو نہ دو" اور آیت کے آخر مین جہان بلوغ اور سنِ رشد کے بعد متولیون کو یتیمون کو مال واپس کر دینے کا حکم ہے، وہان اُس مال کی نسبت یتیمون کی طرف کی گئی کہ "تم اُن کا مال اُن کو واپس کر دو" اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک یہ امانت متولیون کے پاس رہے تو اُس کی ایسی ہی حفاظت اور نگہداشت کرنی چاہیے جیسی اپنے مال کی، اور جب واپسی کی نوبت آئے، تو اس طرح ایک ایک تنکا تک چن کر واپس کیا جائے، جیسا کسی غیر کا مال دیانت کے ساتھ واپس کیا جاتا ہے جس پر تمہارا کوئی حق نہین،

متولیون کو جو یتیمون کے مال کو اس ڈر سے جلد جلد خرچ کر کے برابر کر دیتے تھے کہ یہ بڑے ہو کر تقاضا نہ کر بیٹھین، اس بد دیانتی پر تنبیہ فرمائی گئی،

وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا	اور اڑا کر اور جلدی کر کے اُن کا مال نہ
اَنْ يَّكْبَرُوْا ۝ (نساء-۱)	کھا جاؤ کہ کہین یہ بڑے نہ ہو جائین،

صاحبِ جائداد یتیمون کے متولی اگر خود کماتے پیتے ہون تو اُن کے لئے ان یتیمون کی جائداد

کی دیکھ بھال اور نگرانی کا معاوضہ قبول کرنا بھی خلافِ اخلاق قرار دیا گیا، اور اگر تنگدست ہون تو منصفانہ معاوضہ لینے کی اجازت دی گئی،

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ج	اور جو (متولی) بے نیاز ہے، اس کو چاہئے
وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ	کہ بچا رہے، اور جو محتاج ہو، تو منصفانہ
(نساء-۱)	دستور کے مطابق کھائے،

اور آخر مین یہ جامع تعلیم دی گئی،

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ (نساء-۱۹) اور یہ کہ یتیمون کے لیے انصاف پر قائم رہو،

سورۂ انعام مین یہودیون کی ظاہری شریعت نوازی، اور جانورون کی حلت وحرمت مین بے معنی جزئیات پرستی اور روحانی گناہون سے بے پروائی دکھا کر جن اصلی روحانی واخلاقی تعلیمات کی طرف توجہ دلائی، اُن مین ایک یہ ہے کہ

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا	اور بہتری کی غرض کے سوا یتیم کے مال
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ	کے پاس نہ جاؤ، یہان تک کہ وہ اپنی
(انعام-۱۹)	طاقت کی عمر کو پہنچے،

سورۂ اسراء کے آٹھ اخلاقی اصول مین سے ایک یہ بھی ہے کہ سوائے بہتری کی نیت اور اصلاح کے خیال کے صاحبِ جائداد یتیمون کی جائداد کے پاس بھی کسی اور غرض سے نہ پھٹکنا چاہئے اور دیانتداری کے ساتھ ہمیشہ اپنا دامن بچائے رکھنا چاہئے، (سورۂ اسراء-۴)

یہ تو صاحبِ جائداد یتیمون کی نسبت تعلیم ہے، جو یتیم غریب ومفلس ہون، اُن کی مناسب

پرورش اور امدادِ عام مسلمانوں کا فرض ہے، چنانچہ قرآن پاک نے بقرہ، نساء، انفال اور حشر میں بار بار اُن کی پرورش اور اُن کے ساتھ نیک سلوک اور احسان کرنے کی ہدایت کی، وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ خیرات و صدقات کے بہترین مصرف قرار دیئے گئے،

اپنی اس متواتر وحی کی تشریح میں بے والی و وارث اُمت کے سرپرست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی اُمت کے اُن نیک دلوں کو جو بے والی و وارث یتیموں کے کفیل ہوں، خود اپنے برابر جگہ دی، فرمایا "میں اور کسی یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے"[۱] یہ بھی فرمایا کہ جو کسی یتیم بچہ کو اپنے گھر بلا کر لائے، اور اس کو کھلائے پلائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی نعمت عطا فرمائے گا، بشرطیکہ اُس نے کوئی ایسا گناہ نہ کیا ہو جو بخشش کے لائق نہ ہو[۲] نیز ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کا سب سے اچھا گروہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہے، اور سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو[۳]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات نے عرب کی فطرت بدل دی، وہی دل جو کبھی ناتوان یتیموں کے لئے پتھر سے زیادہ سخت تھے، وہ موم سے زیادہ نرم ہوگئے، ہر صحابی کا گھر ایک یتیم خانہ بن گیا، ایک ایک یتیم کے لطف و شفقت کے لئے کئی کئی ہاتھ ایک ساتھ بڑھنے لگے اور ہر ایک اُس کی پرورش اور کفالت کے لئے اپنے آغوشِ محبت کو پیش کرنے لگا، بدر کے یتیموں

---

[۱] صحیح بخاری باب فضل من یعول یتیماً و صحیح مسلم باب فضل الاحسان الی الیتیم [۲] ترغیب و ترہیب منذری جلد ۲ ص ۱۳۲ و ص ۱۳۳ بحوالہ ترمذی (حدیث حسن صحیح) [۳] ایضاً بحوالہ ابن ماجہ و ادب المفرد باب من یعول یتیماً [۴] صحیح بخاری باب عمرۃ القضاء،

مقابلہ مین جگر گوشۂ رسول فاطمہ بتول اپنے دعوی کو اٹھا لیتی ہین[۱]، حضرت عائشہ صدیقہ اپنے خاندان[۲] اور انصار[۳] وغیرہ[۴] کی یتیم لڑکیون کو اپنے گھر لیجا کر دل و جان سے پالتی ہین، حضرت عبد اللہ ابن عمر صحابی کا یہ حال تھا کہ وہ کسی یتیم بچہ کو ساتھ لئے بغیر کبھی کھانا نہین کھاتے تھے[۵]،

صحابہ نے صرف یہی نہین کیا کہ یتیمون کو اُن کا حصہ دینے اور اُن کے مال و دولت کی تولیت اور نگرانی مین دیانتداری برتنے لگے، بلکہ اُن کی جائدادون کی حفاظت مین فیاضی اور سیرچشمی کا پورا ثبوت دیا، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت مین ایک یتیم نے ایک شخص پر ایک نخلستان کے متعلق دعویٰ پیش کیا، مگر وہ دعوی ثابت نہ ہو سکا، اور آپ نے وہ نخلستان مدعا علیہ کو دلا دیا، وہ یتیم اس پر رو پڑا، آپ کو رحم آیا، اور اُس مدعا علیہ سے فرمایا کہ تم یہ نخلستان اس کو دیدو، خدا تم کو اُس کے بدلہ جنت دے گا، وہ اس ایثار پر راضی نہ ہوا، ابوالدحداح صحابی حاضر تھے، انھون نے اُس شخص سے کہا کیا تم اپنا یہ نخلستان میرے فلان باغ سے بدلتے ہو؟ اس نے آمادگی ظاہر کی، انھون نے فوراً بدل دیا، اور وہ نخلستان اپنی طرف سے اس یتیم کو ہبہ کر دیا[۶]،

آج دنیا کے شہر شہر مین یتیم خانے قائم ہین، مگر اگر یہ سوال کیا جائے کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی یہ بدقسمت گروہ اس نعمت سے آشنا تھا، تو تاریخ کی زبان سے جواب نفی مین ملے گا، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اس مظلوم فرقہ کی دادرسی کی، عرب پہلی سرزمین ہے

---

[۱] ابو داؤد باب مواضع قسم الخمس [۲] موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ وزکوٰۃ اموال الیتمیٰ وزکوٰۃ، محلی دکتاب الطلاق [۳] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۶۹ [۴] تذکرۃ الحفاظ ذہبی ذکر مسروق بن اجدع تابعی و مسند جلد ۶ ص ۳۲ [۵] ادب المفرد امام بخاری باب فضل من یعول یتیماً [۶] استیعاب ابن عبدالبر تذکرۂ ابوالدحداح،

جہان کسی یتیم خانہ کی بنیاد پڑی، اور اسلام کی حکومت دنیا کی پہلی حکومت ہے جس نے اس ذمہ داری کو محسوس کیا، اور عرب، مصر، شام، عراق، ہندوستان جہان جہان مسلمانون نے اپنی حکومتون کی بنیادین ڈالین، ساتھ ساتھ ان مظلومون کے لیے بھی امن و راحت کے گھر بنائے، اُن کے وظیفے مقرر کئے، مکتب قائم کئے، جائدادین وقف کین[1] اور دنیا مین ایک نئے انسٹیٹیوشن کی طرح ڈالی، اور قانوناً اپنے قاضیون کا یہ فرض قرار دیا کہ وہ بے والی وسرپرست یتیمون کے سرپرست ہون، اُن کی جائدادون کی نگرانی، اُن کے معاملات کی دیکھ بھال، اور اُن کی شادی بیاہ کا انتظام کرین[2]، اور یہی وہ دستور ہے جس کی پیروی آج یورپ کے ملکون مین کیجاتی ہے، اور لندن کے لارڈ میر یا آرفنس کورٹ کے حکام مسلمان قاضیون کے ان فرائض کی نقل کرتے ہین

---

[1] تاریخ اسلام مین یہ واقعات مذکور ہین، [2] حدیث مین ہے کہ آپ نے فرمایا السلطان ولی من لا ولی لہ (کتاب النکاح) فقہ کی کتابون مین قاضیون کے یہ فرائض لکھے ہین، قاضیون کو جو شاہی فرامین تقرر کے وقت ملتے تھے اُن مین بھی خصوصیت کے ساتھ ان کی تصریح ہوتی تھی ۱۲

بیوہ کے ساتھ حسنِ سلوک

یتیمون کے بعد اصنافِ انسانی مین سب سے ناچار و ناتوان گروہ صنفِ لطیف کے اُن افراد کا ہے جن کو قدرت نے شوہرون کے سایہ سے محروم کر دیا ہے، اب وہ بے یار و مددگار، اور بے مونس و غمخوار ہین، نہ اُن کے کھانے پینے کا کہین سہارا ہے، اور نہ اُن کے تن ڈھانکنے، اور ستر پوشی کی کسی کو فکر ہے، عورت جس کو خدا نے دنیا کے عملی مشکلات سے پرے رکھا تھا، اور اُس کی ذمہ داری اُس کے شوہر کے حوالہ کر دی تھی؛ اب وہ ناچار اُن سے دوچار ہے، اب غم و الم اور فکر و تردد کے علاوہ بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ ایک بے حامی و بے محافظ عورت کو دیکھ کر نہ صرف اس کے جسمانی ستانے والے، بلکہ اُس کے روحانی، اور اخلاقی حملہ آور گدھ کی طرح اس کے پس و پیش منڈلاتے رہتے ہین، اور موقع کی تاک مین رہتے ہین، دنیا کے روزمرہ کے واقعات اور اخبارات کی اطلاعین کافی سے زیادہ ثبوت ہین،

یہودی مذہب مین بیوہ عورت ایک بھائی کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے بھائی کی ملک ہو جاتی تھی، وہ جس طرح چاہتا تھا، اس سے معاملہ کر سکتا تھا، عورت کی مرضی کو اس زن و شوئی کے مجبورانہ تعلق مین کوئی دخل نہ تھا، عیسوی مذہب مین یہ جبری قانون تو جاتا رہا، مگر وہ کوئی دوسرا

Marfat.com

ایجابی پہلو پیش نہ کرسکا، ہندوؤن مین اب اس کی زندگی کی ضرورت نہین سمجھی جاتی تھی، اسلیے اُس
کو اپنے شوہر کی چتا سے لپٹ کر بے موت مرجانا چاہئے اور اگر زندہ رہے تو اُس کی ضرورت یہ ہے
کہ وہ دنیا کی تمام آرائشون اور لذتون سے علحدہ ہو کر ساری عمر سوگ مین گذار دے، یہودیون
مین رواج یہ تھا کہ وہ شوہرون کے وارثون کی ملکیت بن جاتی تھی اور
وہ جو چاہتے اُس کے ساتھ کرسکتے تھے، اُس کو تکلیفین دے دے کر اس سے وہ اپنا مہر معاف کرا لیتے
تھے، اور اس کو اپنی مرضی کے بغیر کہین شادی نہین کرنے دیتے تھے،

اسلام آیا تو اس مظلوم گروہ کی فریاد رسی ہوئی، اُس نے سب سے پہلے تو یہ کیا کہ اُن کے عمر بھر کے
سوگ کے زمانہ کو محدود کر دیا، اور صرف اتنی مدت تک کے لئے رکھا جس مین تھوڑا بہت اس کا
طبعی غم فراموش ہو سکے، اور یہ بھی پتہ لگ سکے کہ اُس کو اپنے شوہر سے کوئی حمل تو نہین، اس لئے
سوگ کا ایک زمانہ متعین کیا، جس کی حد چار مہینے دس دن قرار دی، اور اس کا نام عدت رکھا، یعنی
شمار کے دن، اس مدت کے گذر جانے کے بعد قانونی حیثیت سے اُس کو ہر قسم کے جائز [illegible]
کی اجازت دے دی، اس کا دین مہر اگر اب تک ادا نہ ہوا ہو، تو اس فرض کا ادا کرنا اس شوہر
کے ترکہ مین سب سے اول ضروری ٹھہرایا، پھر اس ترکہ مین سے اگر شوہر کی اولاد ہو تو عورت کو آٹھوان
حصہ اور نہ ہو تو چوتھائی حصہ دلوا دیا، عورت کو اپنی دوسری شادی کے متعلق پوری آزادی دی، اور
اس کے سسرے، دیورون اور شوہر کے دوسرے عزیزون کی ہر قسم کی جابرانہ حکومت کا خاتمہ
کر دیا، اور ان تمام امور کو نہ صرف اخلاق، بلکہ اسلام کے قانون کا جزو بنا دیا،

اس بے یار و مددگار طبقہ کی دوسری ضروری امداد یہ ہے کہ جس سوسائٹی سے اُس کو

Marfat.com

اوروں نے نکال دیا ہے، اس میں دوبارہ اس کو عزت کے ساتھ داخلہ کا موقع دیا جائے، اور جو کسی شریف شریکِ زندگی کی معیت کا شرف اس کو دوبارہ بخشا جائے، اور جس مہر و عنایت کے سایہ سے وہ محروم ہوگئی ہے، وہ اس کو پھر عطا کیا جائے، قرآن نے اس کے بارہ میں صرف نصیحت و موعظت پر اکتفا نہیں کی، بلکہ مسلمانوں کو صریحاً یہ حکم دیا،

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ۔ اور اپنے میں سے بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کردو،

(نور - ۴)

اس سے پہلے کہ یہ حکم اترے بلکہ خود نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیکس فرقہ کی امداد کی طرف توجہ فرمائی اور عین اس وقت ایک نوجوان کے تمام ولولے برانگیختہ ہوتے ہیں، اور بہتر سے بہتر اور نوجوان سے نوجوان عورت کا مشتاق ہوتا ہے، آپ نے پچیس برس کی عمر میں چالیس برس کی ایک ادھیڑ بیوہ سے شادی کی، اور پچیس برس تک اس طرح اس کے ساتھ کامل رفاقت کی کہ اس اثنا میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، ان کی وفات کے بعد وقتاً فوقتاً دس عورتوں سے نکاح کئے، جن میں سے آٹھ حضرت سودہؓ، حفصہؓ، زینبؓ ام المساکین، ام سلمہؓ، جویریہؓ، ام حبیبہؓ، میمونہؓ اور صفیہؓ بیوہ تھیں جن کی کفالت کا بار آپ نے اپنے دوشِ مبارک پر اٹھایا، اور اس طرح اپنے پیرووں کے لئے اس کو مستحسن اور مسنون طریقہ خود اپنے عمل سے بھی بتادیا،

یہ تو آپ کا عمل تھا، قول یہ ہے کہ اس مظلوم فرقہ کی امداد کو آپ نے ایسی نیکی قرار دیا کہ رات رات بھر (نفل) نمازیں پڑھ پڑھ کر اور اکثر (نفل) روزے رکھ رکھ کر جو ثواب حاصل کیا

Marfat.com

جا سکتا ہے، وہ اس فرقہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا با آسانی کر سکتا ہے، فرمایا:۔

السّاعی علی الارملۃ والمسکین کالسّاعی فی سبیل اللہ واحسبہ قال کالقائم لا یفتر، وکالصائم لا یفطر[1]

بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا خدا کی راہ میں دوڑنے والا، (اور راوی کہتا ہے کہ میں گمان کرتا ہوں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ) اور جیسا وہ نمازی جو نماز سے نہیں تھکتا، اور وہ روزہ دار جو کبھی اپنا روزہ نہیں توڑتا،

صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں:۔

السّاعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ، وکالذی یصوم النّھار ویقوم اللّیل، (کتاب الآداب)

بیوہ اور غریب کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا، خدا کی راہ کے مجاہد کی طرح ہے، اور اس کے برابر ہے، جو دن بھر روزہ اور رات بھر نماز پڑھا کرے،

ان بیواؤں کی تسکین کی خاطر جو اپنی گود میں ننھے بچے رکھتی ہوں اور اس لئے وہ تکلیف اٹھاتی ہوں لیکن ان ننھے بچوں کی پرورش کی مصروفیت کے سبب سے اپنے کو اس وقت تک دوسرے نکاح کے بندھن میں نہیں باندھتی ہیں، جب تک وہ بڑے ہو کر ان سے علیحدہ نہ ہو جائیں، یا وہ دنیا سے رخصت نہ ہو جائیں، یہ فرمایا ہے، اور محنت و مشقت کے سبب سے وہ کالی پڑ جاتی ہیں

[1] صحیح بخاری وصحیح مسلم وموطا امام مالک بحوالہ مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق،

Marfat.com

بیوی قیامت کے دن مرتبہ میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے وہ حسن و جمال اور جاہ و عزت والی بیوی جو شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ ہو جائے لیکن اپنے ننھے یتیم بچوں کی خدمت کی خاطر اپنے کو روکے رہے، یہاں تک کہ وہ اس سے علیحدہ ہو جائیں، یا مر جائیں۔[1]" اسی مقصد کو ابویعلیٰ کی مسند میں ہے کہ آپ نے اس طرح ایک واقعہ کی صورت میں بھی بیان فرمایا، کہ قیامت کے دن میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا، تو دیکھوں گا کہ ایک عورت مجھ سے بھی پہلے اندر جانا چاہتی ہے، میں پوچھوں گا تو کون ہے؟ تو وہ کہے گی کہ میں ایک بیوہ ہوں جس کے چند ننھے یتیم بچے تھے۔[2]"

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب فضل من عال یتیماً [2] حاشیہ سنن ابی داؤد، بتحشیۃ ابی الحسنات محمد ابن عبداللہ بن نورالدین پنجابی، مطبوعہ اصح المطابع، لکھنؤ،

حاجتمندون کے حقوق

ہر انسان خواہ وہ کسی قدر صاحبِ دولت اور بے نیاز ہو، کسی نہ کسی وقت اس پر ایسی افتاد پڑتی ہے کہ اُس کو دوسرون کا دست نگر بننا پڑتا ہے، اور اس کو دوسرون سے مدد لینے کی ضرورت ہو جاتی ہے، اس لئے انسانی جماعت کے ہر رکن کا فرض ہے کہ وہ اپنے ایسے مصیبت زدہ بھائی کی ہر طرح مدد کرے، اور اپنی موجودہ بہتر حالت پر مغرور ہو کر کبھی کسی حاجت مند کی حاجت روائی سے بے پروائی نہ برتے، اور نہ یہ سمجھے کہ اُس کو کبھی کسی دوسرے کی ضرورت نہین پڑیگی،

قرآن پاک مین دو موقعون پر ذرا سے فرق سے ایک آیت ہے :-

فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (ذاریات-۱)	جن (مسلمانون) کے مالون مین مانگنے والون اور محروم کے لئے حق ہے،
فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (معارج ۱)	جن (مسلمانون) کے مالون مین مانگنے والے اور محروم کے لئے مقرر حق ہے،

سائل مانگنے والے کو کہتے ہین لیکن عام شہرت کی بنا پر سائل کے معنی صرف "بھیک منگے" کے لینا ٹھیک نہین ہے، بلکہ اس سے ہر وہ ضرورتمند مراد ہو سکتا ہے، جو تم سے کسی مالی مدد

Marfat.com

کا خواستگار ہو، محروم کی تشریح میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے، بعض اس کو محروم کہتے ہیں، جس کا مالِ غنیمت میں کوئی حصہ نہیں، کسی نے اُس کے ظاہر معنی لئے ہیں کہ جو دولت سے محروم ہو، کوئی متعفف کے معنی لیتا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اُن سے مراد وہ مصیبت زدہ ہیں جن کی کمائی یا کھیتی پر کوئی آسمانی اُفتاد پڑ گئی ہو، اور اب وہ دوسروں کی مدد کا محتاج ہو گیا ہو، اسی معنی کی تائید اہل لغت اور بعض اہل تفسیر کے بیان اور قرآن پاک[1] سے ہوتی ہے،

دوسری بحث یہ ہے کہ اس حق سے مراد زکوٰۃ ہے یا عام صدقہ، مفسرین دونوں آیتوں میں دونوں طرف گئے ہیں، مگر صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذاریات میں جس میں مطلق "حق" کا بیان ہے، مطلق صدقہ اور مالی امداد مراد ہے، اور معارج میں جس میں مطلق "حق" کا نہیں بلکہ مقررہ حق" کا بیان ہے، زکوٰۃ مراد ہو، کیونکہ "مقررہ حق" کا مفہوم عام صدقہ پر نہیں، بلکہ زکوٰۃ ہی پر صادق آتا ہے، نتیجہ نکلا کہ ایسے حاجتمندوں کی جن پر کوئی مالی مصیبت اور افتاد پڑی ہو، دونوں طرح سے مدد مسلمانوں کے حقوق میں سے ایک حق ہے،

قرآن پاک میں دوسرے موقع پر ہے،

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ (ضحیٰ-۱) — اور تو سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کر،

یہاں "سوال کرنے والے" کے معنی اغنی کے قرینہ سے عام طور سے بھیک مانگنے والے کے سمجھے جاتے ہیں، مگر لفظ کا عموم، وسعت کو چاہتا ہے یعنی ہر ضرورتمند جو تم سے کسی قسم کی مدد کا

---

[1] دیکھو لسان العرب لفظ محروم و مخارف اور تفسیر ابن جریر میں سورۂ ذاریات و معارج کی آیت مذکورہ اور سورۂ قلم میں اصحاب الجنۃ کے قصہ میں محرومون اور سورۂ واقعہ میں بل نحن محرومون کے معنی،

خواستگار ہو، خواہ وہ جسمانی ہو، مالی ہو، علمی ہو، یہاں تک کہ کوئی لنگڑا تم سے صرف تمہارے کندھے کا سہارا چاہتا ہے تو وہ بھی سائل کے تحت میں ہے، اس کے سوال کو بھی سختی سے رد نہ کرو، بلکہ امکان بھر اس کو پورا کرو، اور نہ کر سکو تو نرمی اور خوبصورتی سے عذر کرو،

مدد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تم کسی دوسرے سے اس مستحق کی مدد کی سفارش کرو، اللہ تعالی فرماتا ہے،

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ	جو نیک بات کی سفارش کرے گا، تو
لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ	اُس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہوگا،
شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ	اور جو بُری بات کی سفارش کرے گا
مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ	تو اُس کے گناہ میں وہ بھی حصہ پائیگا،
مُّقِيْتًا، (نساء-۱۱)	اور اللہ ہے ہر چیز کا نگہبان،

اگرچہ یہ آیت عبارت کے نظم ونسق کے لحاظ سے لڑائی کے سلسلہ میں ہے یعنی اگر کوئی کمزور قبیلہ درخواست کرے کہ طاقتور قبیلہ کے مقابلہ میں اس کی امداد کی سفارش کی جائے تو اس نیک کام میں اس کی سفارش کی جائے، اور وہ قبول کی جائے تاہم الفاظ قرآنی کی وسعت ہر نیک کام کی سفارش تک وسیع ہے، اور اس میں یہ اصول بتا دیا گیا ہے کہ کسی نیک غرض کی جدوجہد میں جتنا حصہ بھی لیا جائے، حصہ لینے والا بھی اس نیک کام کے ثواب میں شریک ہوگا،

لہ طبری میں ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ واما من سئالک من ذی حاجۃ فلا تنھر، زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ بعضوں نے اس سائل سے مراد طالب علم لیا ہے،

Marfat.com

ایسا ہی بُرے کام کی جد وجہد مین حصہ لینا اس کے گناہ مین شریک ہونا ہے،

ایک اور آیت مین ارشاد ہے،

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ،

(مائدہ ۱-۷)

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کامون مین ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کامون مین ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو، اور ڈرو اللہ سے، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے)

غرض یہ ہے کہ حاجت مندون کی حاجت برآری ضرورت مندون کی ضرورت کو پورا کرنا اور جس قدر بھی مدد تم سے چاہے اگر تمہاری طاقت مین ہو تو وہ اُس کو دینا، ہر مسلمان پر ایک حق کی حیثیت رکھتا ہے جس کو ہر مسلمان کو ادا کرنا چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا انہی آیات کی تشریح اپنے ان الفاظ مین فرمائی ہے،

من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ

(صحیحین)

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے مین لگا رہیگا، تو خدا اس کی ضرورت پوری کرنے مین لگا رہیگا، اور جو کسی مسلمان کی کسی مصیبت کو دور کریگا، تو اللہ قیامت کی مصیبتون مین سے کسی مصیبت کو اس سے دور فرمائے گا،

Marfat.com

ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا :۔

و اللہ فی عون عبدہ ما کان	اللہ اپنے بندہ کی مدد میں اس وقت
العبد فی عون اخیہ (ترمذی باب	تک رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی
ماجاء فی الستر علی المسلمین)	کی مدد میں رہتا ہے،

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سائل یا حاجتمند آتا تو آپ صحابہ سے فرماتے کہ تم سفارش کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا[1] ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ اگر کچھ اور نہ ہو سکے تو بیکس حاجتمند کی مدد ہی کیا کرو[2] یہ بھی فرمایا کہ بھولے بھٹکے ہوئے کو اور کسی اندھے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے[3] یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ جو شخص راستہ چلنے میں کوئی کانٹا راستہ سے ہٹا دے تو خداوند تعالیٰ اس کے اس کام کی قدر کرتا ہے، اور اس کا گناہ معاف کرتا ہے[4]،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب باب تعاون المومنین و باب قول اللہ من یشفع شفاعۃ حسنۃ [2] ایضاً باب کل معروف صدقۃ

[3] ترمذی کتاب البر والصلۃ، [4] ایضاً،

Marfat.com

بیمار کے حقوق

دنیا کا ایک اور کمزور طبقہ جو ہماری ہمدردیون کا مستحق ہے، بیمارون اور مریضون کا ہے، جو عموماً اپنی اس حالت مین اپنی خبرگیری اور خدمت آپ نہین کرسکتے، ان ہمدردی کے لائق انسانون کی دیکھ بھال، خدمت غمخواری اور تیمارداری بھی انسانیت کا ایک فرض ہے، اور اس فرض کا نام عربی مین "عیادت"[1] ہے،

[1] عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ عیادۃ المریض کے معنی صرف بیمار پرسی کے ہین، یعنی کسی بیمار کو بیماری کی حالت مین دیکھنے کو جانا، لیکن واقعہ ایسا نہین ہے، بیمار کی عیادت کے معنی بیمار پرسی کے بھی ہین، اور اس کی تیمارداری غمخواری اور خدمت گذاری کے بھی ہین، بیمار کو بیماری کی حالت مین صرف دیکھنے کو جانا تو عیادۃ کی معمولی قسم ہے، اس سے بڑھکر یہ ہے کہ اس کی غمخواری کرے، اس سے زیادہ یہ ہے کہ اس کی پوری تیمارداری اور خدمت گذاری کرے، عرب کا ایک قدیم شاعر جو حجاج کے زمانہ مین تھا، کہتا ہے،

ذهب الرقاد فما يحس رقاد — مما شجاك ونامت العوّاد

تجھے جو غم پہنچا اس سے نیند چلی گئی تو نیند معلوم نہین ہوتی، اور عیادت کرنے والے سو گئے،

قاعدہ یہ ہے کہ کسی بیمار کے تیماردار اور خدمت گذار اس کی آخری حالت مین شب و روز اس کی خدمت مین جاگتے رہتے ہین، یہان تک کہ ان کی کئی کئی راتین جاگتے کٹ جاتی ہین، لیکن جب بیمار سے مایوسی ہوجاتی ہے اور وہ موت کے قریب ہوجاتا ہے یا مرجاتا ہے، تو پھر ان پر نیند طاری ہوجاتی ہے، اور وہ سو جاتے ہین، اب اگر "عیادت" کے معنی صرف بیمار پرسی کے ہوتے تو عیادت کرنے والون کے سوجانے کا کوئی مطلب نہ ہوتا، اس سے ظاہر ہوا کہ "عیادت" کی وسعت مین خدمت گذاری اور تیمارداری سے لے کر بیمار پرسی تک سارے مدارج داخل ہین،

ان بیمارون کے ساتھ اسلام نے سب سے پہلی ہمدردی تو یہ دکھائی ہے کہ وہ بہت سے فرائض جن کے ادا کرنے سے وہ مجبور ہو رہے ہین، یا جن کے ادا کرنے سے اُن کی تکلیف کی زیادتی کا خیال ہی، اُن کو یک قلم معاف یا کم کر دیا ہی، اور قرآن نے اس کے لئے ایک کلی اصول بنا دیا ہی،

وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ، (نور-۸)	اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے،
لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ، (فتح-۲)	نہ اندھے پر تنگی ہے (کہ وہ جہاد مین شریک ہو) اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر،
لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ ٥ (توبہ-۱۲)	نہ کمزورون پر اور نہ بیمارون پر (جہاد کے عدم شرکت کی بازپرس ہے)

بیمارون کے لئے وضو معاف ہے، وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ (یا تم بیمار ہو تو تیمم کرو) (مائدہ-۲) اسی طرح ان سے تہجد کی لمبی نمازین معاف ہین، عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَّرْضَىٰ (خدا کو معلوم تھا کہ تم مین کچھ بیمار بھی ہون گے) (مزمل-۲) اسی طرح حج کے احکام مین بھی بیمار کے لئے رعایت فرمائی گئی، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا (تو تم مین جو بیمار ہو) (بقرہ-۲۴) روزہ توڑنے کی اُس کو اجازت دی گئی، کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی قوت نہ ہو تو بیٹھ کر، اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۶) اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عیادت کے معنی صرف بیمار کے دیکھنے کو جانے ہی کے ہون تب بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ جب صرف اس کے دیکھنے جانے کا ثواب اتنا ہے تو اس کی خدمت اور تیمارداری کا ثواب کتنا ہوگا،

Marfat.com

نماز کی رخصت دی گئی، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب خدا نے اُن سے اپنے فرائض معاف کر دیئے تو بندوں کو کس حد تک اُن سے اپنے اخلاقی مطالبہ میں کمی کر دینی چاہیئے،

اسلام نے مسلمان کی بیماری کی تکلیف کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے کی حالت میں غم کے بجائے خوشخبری بنا دیا ہے،

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ مومن کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے وہ اُس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، اگر وہ بیمار ہو جائے اور صبر کے ساتھ بیماری کی تکلیفوں کو برداشت کرے تو آخرت کے عذاب شدید سے بچانے کے لئے وہ اُس کے گناہوں کا معاوضہ بن جاتی ہیں، اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے،[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماروں کی عیادت کی خاص تاکید فرمائی ہے، اس کے آداب تعلیم کئے ہیں، اس کی دعائیں سکھائی ہیں، اور اس کا ثواب بتایا ہے، فرمایا جو کوئی مسلمان کسی غم کو ہلکا کرے گا، خدا اُس کے غم کو ہلکا کرے گا،[2] اور یہ بھی فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ جب وہ بیمار پڑے تو وہ اس کی عیادت کرے[3] صحابہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات باتوں کا حکم دیا تھا جن میں سے ایک بیمار کی عیادت ہے،[4] ارشاد ہوا کہ جب کوئی صبح کو کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو شام تک فرشتے اُس کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور جب وہ شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک فرشتے

---

[1] صحیح مسلم باب ثواب المومن فیما یصیبہ وسنن ابی داؤد، اوائل کتاب الجنائز [2] ابوداؤد کتاب الادب فی المعونۃ للمسلم [3] صحیح بخاری کتاب الجنائز [4] ایضاً [5] سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز،

اس کی مغفرت کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہیں[۵۱]، یہ بھی آیا ہے کہ جب کوئی کسی بیمار کی عیادت کو جاتا ہے تو واپسی تک وہ جنت کے میوے چنتا رہتا ہے[۵۲]، فرمایا کہ جب کوئی کسی کی عیادت کے لئے جائے تو اس کے ہاتھ اور پیشانی پر ہاتھ رکھے، اور اس کو تسلی اور دلاسا دے اور اس کو شفا پانے کے لئے خدا سے دعا کرے[۵۳]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعلیم سے صحابہ کرام کو بیماروں کی عیادت کا اس قدر اہتمام تھا کہ وہ اس کو ایک اسلامی حق جانتے تھے، بلکہ اس معاملہ میں مسلمان اور غیر مسلمان کی بھی تفریق نہ تھی، آپ نے یہودیوں کی عیادت فرمائی ہے[۵۴]، منافقوں کی عیادت کو تشریف لے گئے ہیں[۵۵]، اور اسی سے علماء نے غیر مسلموں کی عیادت کی بھی اجازت دی ہے[۵۶]،

حضرت سعد بن معاذ جب زخمی ہوئے تو آپ نے ان کا خیمہ مسجد میں نصب فرمایا، تاکہ بار بار ان کی عیادت کی جا سکے[۵۷]، رفیدہ ایک صحابیہ تھیں جو ثواب کی خاطر زخمیوں کا علاج اور ان کی خدمت کیا کرتی تھیں، ان کا خیمہ بھی اسی مسجد میں رہتا تھا تاکہ لڑائیوں کے مسلمان زخمیوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی کریں[۵۸]، غزوات اور لڑائیوں میں بھی بعض ایسی بیبیاں فوج کے ساتھ رہتی تھیں جو بیماروں کی خدمت اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں[۵۹]،

آپ نے اپنے پیروؤں کو عمومیت کے ساتھ حکم دیا ہے کہ بھوکے کو کھلاؤ، قیدی کو چھڑاؤ، اور بیمار کی عیادت کرو[۶۰]،

---

۵۱ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز ۵۲ صحیح مسلم باب عیادۃ المریض، بطریق خلفہ ۵۳ سنن ابی داؤد کتاب الجنائز ۵۴ صحیح بخاری کتاب الجنائز ۵۵ ایضاً ۵۶ مجمع البحار علامہ طاہر فتنی لفظ عیادۃ ۵۷ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز ۵۸ سیرۃ ابن ہشام غزوۂ بنی قریظہ وادب المفرد، بخاری باب کیف اصبحت واصابہ ابن حجر وغیرہ میں حضرت رفیدہ کا حال پڑھیے ۵۹ صحیح مسلم، غزوۃ النساء ۶۰ مسند احمد صفحہ ۳۹۴،

Marfat.com

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کی فضیلت حسب ذیل مؤثر و دلکش طرز ادا میں ظاہر فرمائی کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ "اے آدم کا بیٹا! میں بیمار پڑا تو میری عیادت تو نے نہ کی"، وہ کہے گا "اے میرے پروردگار! تو تو سارے جہان کا پروردگار تھا میں تیری عیادت کیونکر کرتا"، فرمائے گا "کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا بندہ بیمار ہوا مگر تو نے اُس کی عیادت نہ کی، اگر کرتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا"[1]

تعلیم کی یہ طرز ادا بیمار پرسی، بیماروں کی تیمارداری اور غمخواری کی کیسی دلنشین تلقین ہے، اور صابر و شاکر بیمار کی کیسی ہمت افزائی ہے کہ اس کا رب گویا اس کے سرہانے کھڑا اپنی مہربانیوں سے اسے نوازتا رہتا ہے، اور اس کے درجوں اور رتبوں کو بلند کرتا رہتا ہے، اور کیسے خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو ان بیماروں کی خدمت کرکے خدا کا قرب پاتے ہیں،

---

[1] صحیح مسلم باب فضل عیادۃ المریض،

Marfat.com

غلامون کے حقوق

انسانیت کے کمزور اور ناتوان طبقون مین غلامون کی بھی ایک جماعت ہے، ہم کو دنیا کی تاریخ جب سے معلوم ہے، یہ طبقہ موجود نظر آتا ہے، قوی اور فاتح قومون نے ہمیشہ مفتوح قوم کے افراد کو غلامی کی زنجیرون مین جکڑا ہے، یعنی خود بادشاہ بن کر عیش وراحت، سیر وتفریح اور حکومت وشہنشاہی کے کام کئے، اور مفتوح افراد سے کان کنی، کاشتکاری اور محنت ومزدوری کے مشقت والے کام لئے، ہندوؤن مین اچھوت قومین اسی کی یادگار ہین، مصریون مین قیدی بنی اسرائیل کی یہی کیفیت تھی، رومیون مین غیر رومی اسی غلامی اور مشقت ومحنت کے کامون مین مصروف رکھے جاتے تھے، اور عربون مین بھی اُن کے ساتھ یہی برتاؤ تھا، بلکہ عربون مین قبائلی نظام ہونے کے سبب سے ہر وہ شخص جو کسی قبیلہ سے وابستہ نہ تھا وہ مظلوم ہر قبیلہ کے آدمیون کے ظلم وستم کا تختۂ مشق تھا، کیونکہ اُس کو اپنی حفاظت کے لئے کسی قبیلہ کی قوت حاصل نہ تھی، چنانچہ اسلام کے آغاز مین ظالم قریشیون نے جن لوگون پر سب زیادہ ستم ڈھائے وہ یہی تھے،

اسلام زیردستون کی مدد اور کمزورون کی حمایت مین اٹھا تھا، نبوت سے پہلے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے جس معاہدہ فضول مین شرکت کی تھی، اور جس کو نبوت کے بعد بھی پورا کرنا اپنا فرض جانتے تھے وہ اسی غرض سے منعقد ہوا تھا کہ ان زیردستون کی حفاظت اور حمایت کی جائے، اسی لئے اسلام کی آواز پر قریش کے رئیسون سے پہلے قریش کے غلامون اور کنیزون نے لبیک کہا، چنانچہ زید ابن حارثہؓ خبابؓ بن الارت بلال حبشیؓ یاسر یمنیؓ، عمارؓ صہیب رومیؓ، ابوفکیہہؓ، عامر بن فہیرہؓ اور سالمؓ غلامون مین اور لبینہؓ زنیرہؓ، نہدیہ، ام عبیسؓ اور سمیہؓ لونڈیون مین سب سے پہلے اسلام کے آغوش مین آئین، اور زید بن حارثہؓ کے سوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ مین پرورش پارہے تھے، سب نے اسلام کی محبت اور الفت مین سخت سے سخت گڑیان جھیلین، اور بعض نے اسی راہ مین اپنی جانین بھی دین،

اسلام نے غلامون کی آزادی اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کو اپنی تحریک کا لازمی جزء بنا لیا تھا، غلامون کی آزادی کو بڑے ثواب کا کام قرار دیا تھا، سورۂ بلد مین جو مکہ مین نازل ہوئی تھی، جن کامون کو گھاٹی بتایا گیا ہے، اُن مین ایک فَكُّ رَقَبَةٍ گردن سے غلامی کی رسی کو کھولنا بھی ہے، چنانچہ مکہ کی پرُخطر زندگی مین بھی حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے اہل ثروت مسلمانون نے بہت سے غلامون کو کافرون سے خرید خرید کر آزاد کر دیا تھا،

مدینہ آکر اس تحریک نے اور فروغ پایا، تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ یعنی گردن کو آزاد کرنا، بہت سی فروگذاشتون کا کفارہ قرار پایا، اور غلامون کے آزاد کرنے کے لئے بہت سی ترغیبات کا اعلان کیا گیا، صحابہؓ نے اپنے پیغمبر کی اس ندا پر لبیک کہا، اور چند روز مین غلامون کی دنیا کچھ سے کچھ ہوگئی، حضرت حکیم بن حزامؓ نے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے ہین، اسلام کے بعد سو غلام آزاد کئے حضرت

عائشہؓ نے صرف ایک قسم کے کفارہ مین چالیس غلام آزاد کیے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک ہزار اور حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ نے تین ہزار غلامون کو آزادی کی نعمت عطا کی،

شرک کی ممانعت کے بعد اللہ کا دوسرا حکم یہ ہے کہ اُس کے بندون کے ساتھ نیکی کی جائے، ان بندون مین سر فہرست جن لوگون کے نام ہین، اُن مین یہ مظلوم فرقہ بھی ہو فرمایا،

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا	اور اللہ کو پوجو اور کسی کو اس کا ساجھی
بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ	نہ بناؤ، اور مان باپ کے ساتھ نیکی
اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى	کرو، اور رشتہ دار کے ساتھ اور تیمون
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ	کے ساتھ، اور موزنز پڑوسی اور
الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ	بیگانہ پڑوسی کے ساتھ، اور پہلو
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ	کے رفیق کے ساتھ، اور مسافر کے
وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ	ساتھ، اور اس کے ساتھ جس کے
اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ	تمھارے ہاتھ مالک بن گئے ہین، اور
مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ	اللہ غرور اور فخاری کرنے والے کو پسند
(نساء-۶)	نہین کرتا،

یہ آخری ہستی وہی ہے جس کو دنیا غلام کہہ کر پکارتی ہے، لیکن اسلام نے اس کی بھی

۱؎ صحیح بخاری جلد دوم کتاب الآداب باب الہجرۃ ۲؎ یہ دونون تعداد ین امیر اسماعیل نے شرح بلوغ المرام کتاب العتق مین نقل کی ہین،

Marfat.com

ممانعت کردی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آقا اپنے غلام کو میرا عبد نہ کہے بلکہ فتای

میرا جوان کہے، اور اسی طرح غلامون کو ممانعت کی کہ وہ اپنے آقاؤن کو ربّ نہ کہین،

بلکہ مولیٰ کہین[۱] اس طرح ان ذلت کے الفاظ کا بھی خاتمہ کر دیا، اور فرمایا کہ "یہ جن کو

تم غلام کہتے ہو، یہ بھی تمہارے بھائی ہین جن کو خدا نے تمہارے تحت مین کر دیا ہے، پس

جس کو خدا نے تمہارے تحت مین کر دیا ہے، تو اُس کو وہ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، اور وہی

پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، اور اس کو اتنا کام نہ دے دو، جو اُس پر بھاری ہو جائے اور جو بھاری

کام بھی دے تو اس کے کام مین خود بھی شریک ہو کر اُس کی مدد کرے"[۲]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر صحابہؓ نے اس طرح عمل کیا کہ اُن کے غلامون اور آقاؤن کے درمیان

تمیز مشکل ہو گئی تھی[۳]، ان بے خانمان افراد کو اُن کے آقاؤن کے گھرون کا غلام بنا کر نہیں، بلکہ

ایک طرح سے ارکان اور ممبر بنا رکھا، کہ جس غلام کو جو آزاد کرے گا، وہ اسی کے علاقہ مندون

(موالی) مین شمار ہوگا[۴]، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین اپنے فوجی افسرون کو حکم دیا تھا

کہ رومی اور عجمی آزاد غلام جو مسلمان ہو گئے ہون، اُن کو اُن کے قدیم آقاؤن کے خاندانون

مین شمار کرو، جو اُن کا حق ہو، وہ ان کا ہو، اور اگر یہ غلام چاہین، تو اپنا ایک الگ مستقل قبیلہ

---

[۱] صحیح بخاری کتاب العتق [۲] صحیح بخاری جلد دوم، کتاب الآداب باب النہی عن السباب [۳] صحیح بخاری

جلد دوم، کتاب الآداب باب النہی عن السباب، [۴] حدیث مین آیا ہے انما الولاء لمن اعتق، ولاء کا حق اسی

کو ہے جو آزاد کرے، دوسری حدیث مین او انتمیٰ الی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ الخ جو غلام آزاد ہو کر

اپنے غیر آقا کی طرف اپنے کو منسوب کرے تو اس پر خدا کی لعنت، امام نووی شرح مین لکھتے ہین، بل ھو

Marfat.com

بنالیں[۱] ان تعلیمات نے ان غلامون کو غلام نہین، بلکہ اسلام کا سردار اور مملکتون کا بادشاہ بنادیا، اسلام کی تاریخ ان واقعات سے لبریز ہے جس کی تفصیل آیندہ جلدین اپنے مناسب موقع پر آئے گی،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۴) لحمة کلحمة النسب، یعنی آزاد غلام اور آقا کے درمیان ولار کا تعلق نسب کے تعلق کی طرح ہے، (صحیح مسلم کتاب العتق)

[۱] کتاب الاموال ابی عبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ مطبوعہ مصر ص ۲۳۵،

Marfat.com

مہمان کے حقوق

موجودہ نظامِ تمدّن میں گو مہمانی کی زحمت ہوٹلوں اور ریسٹرانوں نے اپنے سر لے لی ہے، مگر گذشتہ نظامِ تمدّن میں اس کی جگہ نہایت اہم تھی، اور اب بھی مہمان نوازی مشرقی تمدّن کے خمیر میں داخل ہے، اور مغربی تمدّن نے بھی اس کی رسمی حیثیت کو باقی رکھا ہے، ہر انسان کسی نہ کسی وقت کسی کا مہمان ہوتا ہے، اس لئے یہ کہنا چاہئے کہ سوسائٹی کے نظام میں اس کی حیثیت مبادلۂ اخلاق کی ہے، آج ہم اپنے مہمان کے ساتھ نیک سلوک اور عزت کا برتاؤ کریں گے، تو کل وہ ہمارے ساتھ کرے گا، گذشتہ مذاہب کے اخلاق میں مہمان نوازی کی تعلیم کا ذکر خصوصیت کے ساتھ نہیں لیکن اہلِ عرب میں مہمان کا بہت بڑا حق سمجھا جاتا تھا، مہمان کی خدمت اور حفاظت میزبان اپنا فرض سمجھتا تھا، اسلام آیا تو اس نے اس فرض کی اہمیت کو اور بڑھا دیا،

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مہمانوں کا ذکر سورۂ ذاریات کی ان آیتوں میں آیا ہے،

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا، قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ، فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ

(ذاریات-۲)

(اے پیغمبر) ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت بھی تم تک پہنچی ہے کہ جب (یہ لوگ) اُن کے پاس آئے تو (آتے ہی) سلام علیک کی، ابراہیم نے سلام کا جواب دیا، (اور دل میں کہا کہ یہ) لوگ (تو کچھ) اجنبی سے معلوم ہوتے ہیں، پھر جلدی سے اپنے گھر جا (ایک) موٹا تازہ بچھڑا (یعنی اس کا گوشت بھنوا کر مہمانوں کیلئے) لائے اور ان کے سامنے رکھا تو (جب) انہوں نے تامل کیا، (ابراہیم نے) پوچھا آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں (اس پر بھی انہوں نے کھانے سے انکار کیا تب) تو ابراہیم ان جی ہی جی میں ڈرے، انہوں نے (ان کی یہ حالت دیکھ کر) کہا کہ آپ (کسی طرح کا) اندیشہ نہ کریں، اور ان کو ایک ہشیار فرزند کی خوشخبری بھی دی،

اس حکایت سے آدابِ مہمانداری کے متعلق حسبِ ذیل نتیجے نکالے جا سکتے ہیں،

(۱) مہمان اور میزبان مین کلام کی ابتدا باہمی سلام سے ہونا چاہیے،

(۲) مہمان کے کھانے پینے کا فوراً سامان کرنا چاہیے، کیونکہ روغان کے معنی سُرعت کے ہین،

(۳) روغان کے ایک معنی چپکے چلے جانے یا دزدیدہ نگاہون سے دیکھنے کے بھی ہین، اس لئے مہمانون کے کھانے پینے کا سامان مخفی طور پر اُن کی نگاہ بچاکر کرنا چاہیے، کیونکہ اگر مہمانون کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے لئے کچھ سامان کیا جارہا ہے، تو وہ ازراہ تکلف اوس کو روکین گے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے اہل و عیال سے یہ نہین کہا کہ کھانے پینے کا سامان کرو، بلکہ چپکے سے خود کھانے پینے کا سامان کرنے چلے گئے،

(۴) کسی بہانے سے تھوڑی دیر کے لئے مہمانون سے الگ ہوجانا چاہیے تاکہ اُن کو آرام کرنے یا دوسرے ضروریات سے فارغ ہونے مین تکلیف نہ ہو، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کھانے پینے کا سامان کرنے کے لئے اُن سے الگ ہوگئے،

(۵) مہمانون کے سامنے عمدہ سے عمدہ کھانا پیش کرنا چاہیے، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کیا،

(۶) کھانا مہمانون کے سامنے پیش کرنا چاہیے، اُن کو کھانے کا حکم نہین دینا چاہیے اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اُن سے کہا کہ آپ لوگ کیون نہین کھاتے یہ نہین کہا کہ آپ لوگ کھائیے

(۷) مہمانون کے کھانے سے مسرور اور نہ کھانے سے مغموم ہونا چاہیے، کیونکہ جو لوگ بخیل ہوتے ہین، وہ کھانا تو مہمانون کے سامنے پیش کردیتے ہین، لیکن اُن کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ نہ کھائے یا کم کھائے تاکہ وہ کھانا اُن کے اور اُن کے اہل و عیال کے کام آئے، اسی لئے جب

اُن لوگون نے کھانے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس کو ناپسند کیا اور اُن کے دل مین خطرہ پیدہ ہوا کہ یہ دشمن بن کر تو نہین آئے ہین،

(۸) نہ کھانے کی حالت مین مہمان کو عمدہ الفاظ مین عذر کرنا چاہئے، اسی لئے ان فرشتون نے کہا کہ اگر ہم نہین کھاتے تو آپ کو خوف زدہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہم لوگ کھا پی نہین سکتے بلکہ صرف آپ کو ایک لائق فرزند کے تولد کی بشارت دینے کے لئے آئے ہین،

سورۂ حجر مین حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان فرشتون کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آرام و آسائش کے ساتھ میزبان، مہمان کی عزت و آبرو کا بھی محافظ ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی شخص اس کے ساتھ اہانت امیز برتاؤ کرنا چاہے، تو میزبان کا یہ فرض ہے کہ مہمان کی جانب سے مدافعت کرے، کیونکہ اس سے خود میزبان کی توہین ہوتی ہے، اسی لئے جب قوم لوط نے ان مہمان فرشتون کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کرنا چاہا تو حضرت لوط علیہ السلام نے،

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا	کہا یہ میرے مہمان ہین تو ان کے بارے
تَفْضَحُوْنِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا	مین) مجھ کو فضیحت نہ کرو، اور خدا سے
تُخْزُوْنِ (حجر ۵)	ڈرو، اور مجھے رسوا نہ کرو،

یہ تو قرآن مجید کے ضمنی اشارات تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکارم اخلاق مین مہمان نوازی کو بہ تصریح اس قدر اہمیت دی کہ اس کو ایمان کامل کا ایک جزو قرار دیا، اور فرمایا کہ جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے، اس کو چاہئیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے،

اور جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے، اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا جائزہ عزت کے ساتھ دے"، کہا گیا کہ یا رسول اللہ اس کا جائزہ کیا ہے؟ فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات اور مہمانی تین دن کی ہے، اس کے آگے مہمان پر صدقہ ہوگا[۱]، نیز فرمایا کہ "جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے، اور جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے، اس کو چاہئے کہ اپنے قرابت کے تعلقات کو جوڑے رکھے"[۲]

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ کیا مجھے یہ خبر نہیں ملی ہے کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو، اور دن کو روزہ رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا بیشک، فرمایا ایسا نہ کرو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی، روزہ بھی رکھو اور بے روزہ بھی رہو، کیونکہ تمھارے اوپر تمھارے جسم کا حق ہے، تمھاری آنکھ کا حق ہے، تمھارے مہمانوں کا حق ہے اور تمھاری بی بی کا حق ہے[۳]

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شب کی مہمانی تو واجب ہے، پھر اگر مہمان کسی کے یہاں رہ جائے تو مہمانی اس پر قرض ہے، چاہے وہ دے، چاہے چھوڑ دے[۴]

چونکہ کہیں مہمان ہونا میزبان کے لئے بہرحال یک گونہ تکلیف کا باعث ہے، اور کسی کے ہاں بے وجہ مفت کھانا انسانی اور اسلامی غیرت کے خلاف ہے، اس لئے ضرورت

---

[۱] بخاری کتاب الادب باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یوذ جارہ [۲] بخاری کتاب الادب باب اکرام الضیف وخدمتہ ایاہ بنفسہ وقولہ تعالیٰ ضیف ابراھیم المکرمین [۳] بخاری کتاب الادب باب حق الضیف [۴] ابن ماجہ کتاب الادب باب حق الضیف،

کہ جہاں میزبان کو مہمان کی خاطر تواضع اور تعظیم و تکریم کی ہدایت کی گئی ہے وہاں مہمان کو بھی یہ بتادیا جائے کہ وہ کسی دوسرے کے خوانِ کرم سے حدِ ضرورت سے زیادہ فائدہ نہ اٹھائے، چنانچہ احادیث میں یہ تصریح کردی گئی ہے کہ مہمان کو کسی کے یہاں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرنا چاہئے، کیونکہ اس سے صاحبِ خانہ کو تکلیف ہوگی، اور اس پر بار پڑے گا[1]، اس کے علاوہ تین دن سے زیادہ کی مہمانی صدقہ ہوجائے گی، جس کو خود غیور اور خود دار مہمان پسند نہ کرے گا،

---

[1] بخاری کتاب الادب باب اکرام الضیف وخدمتہ ایاہ بنفسہ،

Marfat.com

مسلمانون کے باہمی حقوق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب کا بچہ بچہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا دشمن تھا، ایک ایک خون کا بدلہ کئی کئی پشتون تک جا کر لیتے تھے، اس طرح خاندانون مین لڑائیون کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا، اور ہر شخص اپنی جگہ پر اپنے کو ہمیشہ خطرون مین گھرا ہوا پاتا تھا، اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے ہر وقت چوکنا رہتا تھا کہ کوئی اس پر حملہ نہ کر بیٹھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اپنے ساتھ خون کے رشتہ سے بڑھ کر ایک اور رشتہ لائے، اور وہ دین کا رشتہ تھا جس نے مدت کے بچھڑون کو ملا دیا، دشمنون کو بھائی بھائی بنا دیا، اور خاندانی اور قبائلی یگانگی سے بڑھ کر اسلامی برادری کی یگانگی ان کے اندر پیدا کر دی، جس نے اس طرح ان کی ہر قسم کی عداوتون کا خاتمہ کر دیا، اور باہمی دشمنیون کو ان کے دلون سے ایسا بھلا دیا کہ وہ درحقیقت بھائی بھائی ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ — اے مسلمانو! خدا سے ڈرو، جیسا کہ

Marfat.com

حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۝ (ال عمران-١١)

اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور نہ تم مرو، لیکن مسلمان، اور خدا کی رسی سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو، اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو، اور تم اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے، تو اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، پھر تم بھائی بھائی ہو گئے،"

مسلمانوں کے اس باہمی میل ملاپ اور محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل ظاہر فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی روئے زمین کا سارا خزانہ بھی لٹا دیتا تو ان دشمنوں کو باہم ملا کر ایک نہیں کرسکتا تھا،

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (انفال - ٨)

اور خدا نے مسلمانوں کے دل ملا دیئے، اگر تو زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتا، تب بھی تو اُن کے دلوں کو ملا نہ سکتا لیکن خدا نے ملا دیا، بیشک وہ (ہر شکل پر) غالب آنے والا اور مصلحت جاننے والا ہے،

تو اب مسلمانوں کو یہ چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل کی قدر کریں، اور سب مل کر خدا کے

Marfat.com

دین کی رسّی کو جو اُن کی یگانگی کا اصلی رشتہ ہے، مضبوط پکڑیں، اور باہم اختلاف پیدا کرکے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں، کیونکہ اس رسّی کی مضبوطی اسی وقت تک ہے جب تک سب مل کر اس کو پکڑے رہیں، فرمایا،

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا	اور اللہ اور رسول کا کہا مانو، اور آپس
تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ	میں جھگڑا نہ کرو (کہ ایسا ہوگا تو)
رِیْحُکُمْ،	ہمّت ہار دوگے، اور تمھاری ہوا اُکھڑ
(انفال - ۶)	جائے گی،

یہی باہمی اتفاق و اتحاد، ملّتِ اسلامیہ کی عمارت کا ستون ہے، اور مسلمانوں کی جماعت کا شیرازہ، اس شیرازہ کے استحکام کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں باہم الفت و محبت ہو، اب اگر اتفاق سے اُن میں اختلاف پیش آجائے تو اس کے دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ دونوں خدا اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کریں،

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ	تو اگر تم (مسلمانوں) میں کسی بات میں
اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ؕ	جھگڑا ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف
(نساء - ۸)	لوٹا دو،

اگر یہ جھگڑا بڑھتے بڑھتے جنگ تک پہنچ جائے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ جو فریق ظالم ہو سب مل کر اس سے لڑیں اور اس کو صلح پر مجبور کریں، اور جب وہ راضی ہو جائے تو عدل و انصاف سے اُن میں صلح کرا دیں،

Marfat.com

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اگر مسلمانون کے دو گروہ لڑ پڑین تو
اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا	اون مین صلح کرادو، پھر اگر ایک
فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى	دوسرے پر ظلم کرے، تو ظلم کرنے
الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ	والے سے لڑو، یہان تک کہ وہ
حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ	خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو، تو
فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ	اگر وہ رجوع کرلے، تو اُن مین عدل
وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ	کے ساتھ صلح کرادو، اور انصاف
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا	کرو، خدا منصفون کو دوست رکھتا
بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ	ہے، مومن تو آپس میں بھائی ہی ہین
	تو اپنے دونون بھائیون کے درمیان
(حجرات - ۱)	صلح کرادو،

آیت کے اخیر ٹکڑے نے بتایا کہ باہم مسلمانون مین بھائی بھائی کا رشتہ ہے، یہ رشتہ جنگ وخونریزی کے بعد بھی نہین کٹتا، انہی آیتون کے تحت مین وہ حدیث ہے جس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا	تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ
(بخاری۔ مظالم)	ظالم ہو مظلوم،

صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ اگر وہ مظلوم ہو، تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے

Marfat.com

لیکن اگر وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کیونکر کی جائے، فرمایا اس طرح کہ اُس کے ہاتھوں کو ظلم سے روکا جائے،

کیسا ہی بڑا سے بڑا کافر، اور سخت سے سخت دشمن ہو، جس وقت اُس نے کلمۂ شہادت پڑھا، اور شریعتِ اسلامی کو قبول کیا، وہ دفعۃً ہمارا مذہبی بھائی ہو گیا، خدا نے فرمایا،

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ	تو اگر یہ کافر (کفر سے) توبہ کریں
وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی	اور نماز کھڑی کریں، اور زکوٰۃ دیں
الدِّیْنِ ط (توبہ - ۲)	تو وہ تمہارے مذہبی بھائی ہیں،

غلام بھی اگر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے، تو وہ اسلام کے رشتہ میں داخل ہو گیا، اگر اس کے باپ کا نام و نسب نہیں معلوم تو کوئی حرج نہیں، وہ دین کے رشتہ سے ہر مسلمان کا بھائی ہے، فرمایا :-

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ	تو اگر تم اُن کے باپوں کے نام نہ جانو
فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ ۔	تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، اور
(احزاب - ۱)	علاقہ مند،

ایک مسلمان کسی مسلمان کو قتل کر دے، تب بھی اللہ تعالیٰ مقتول کے متعلقوں کو قاتل کا بھائی قرار دے کر اُس کے جذبۂ رحم کی تحریک فرماتا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ	تو اگر قاتل کو اُس کے بھائی کی طرف سے

Marfat.com

شَیۡءٌ ؕ (بقرہ ۔۲۲) کچھ معاف کر دیا جائے،

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی غیبت حرام ہے کیونکہ

اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے

اَخِیۡہِ مَیۡتًا ؕ (حجرات ۔۲) مردہ بھائی کا گوشت کھائے،

یتیموں کے مال کی دیکھ بھال اور خوبی سے اس کا انتظام کرنا متولیوں کا فرض ہے اور اگر وہ اُن کو اپنے اندر شامل کر کے نیک نیتی کے ساتھ اُن کو اپنے کنبہ کا جزء بنا لیں، اور ملا جُلا کر خرچ کریں تو یہ بھی درست ہے، کیونکہ یہ اُن کے بھائی ہیں، جن کی خیر خواہی اُن کا فرض ہے، فرمایا:۔

وَاِنۡ تُخَالِطُوۡہُمۡ فَاِخۡوَانُکُمۡ اور اگر تم اُن کو اپنے میں ملا لو تو یہ بھی جائز

(بقرہ ۔۲۷) ہے کیونکہ وہ تمھارے بھائی ہیں،

ایک مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائی پر یہ بھی حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حق میں دعائے خیر کریں، وہ یوں کہتے ہیں،

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا اے ہمارے پروردگار ہم کو اور ہمارے

الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ ؕ اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے

(حشر ۔۱) معاف کر،

ایک مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے کینہ ہونا ایسی برائی ہے جس کے دور کرنے کے لئے خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہئے، اور کہنا چاہیئے،

Marfat.com

وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ؁ (حشر-۱)

اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ مت رہنے دے، اے ہمارے پروردگار تو مہربان رحم والا ہے،

مسلمانوں کی یہ صفت ہے کہ باہم وہ ایک دوسرے سے رحم و شفقت کے ساتھ پیش آتے ہیں، خدا نے مدح فرمائی،

رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ؁ (فتح-۴)

وہ (مسلمان) آپس میں رحم و شفقت رکھتے ہیں،

مسلمان کی یہ صفت ہونی چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان سے جھک کر ملے، اور نرمی کا برتاؤ کرے،

اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ؁ (مائدہ-۸)

مسلمانوں سے جھکنے اور نرمی کرنے والے،

مسلمانوں کی اس باہمی اخوت محبت اور مہربانی کی مزید تشریح اور تاکید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے یوں فرمائی ہے "مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت کرنے، اور شفقت کرنے میں جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ اس کے ایک عضو میں بھی تکلیف ہو، تو بدن کے سارے اعضا بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں"[۱] صحیح مسلم

۱؎ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۸۰ کتاب الادب و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۹ کتاب البر و الصلۃ والآداب، مصر،

کی ایک اور روایت مین ہے کہ فرمایا: "سارے مسلمان مل کر ایک آدمی کے مثل ہین، کہ اگر اس کی آنکھ بھی دُکھے تو سارا بدن دکھ محسوس کرتا ہے اور اگر سر مین درد ہو، تو پورا جسم تکلیف مین ہوتا ہے[51]" مقصود یہ ہے کہ اُمت مسلمہ ایک جسم ہے، اور اُس کے سارے افراد اس کے اعضا ہین، بدن کے ایک عضو مین بھی اگر کوئی تکلیف ہو یا دکھ درد ہو تو سارے عضا اس تکلیف کو محسوس کرتے ہین، اور اس دکھ درد مین شریک ہوتے ہین یہی مسلمانون کا حال ہونا چاہیے کہ اُن مین سے ایک کو بھی تکلیف پہونچے، تو سارے مسلمانون کو وہ تکلیف محسوس ہونی چاہیے'

ایک دوسری تمثیل مین آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مسلمان باہم ایک دوسرے سے مل کر اس طرح مضبوط ہوتے ہین، جیسے دیوار کہ اس کے ایک حصہ سے اس کا دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے[52]" بخاری مین ہے کہ یہ کہہ کر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیون کو دوسرے ہاتھ کی انگلیون مین ڈال کر دکھایا، کہ کیسے ایک حصہ سے دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے، اس تمثیل مین آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے مل کر مضبوط ہو کر ناقابلِ تسخیر حصن حصین بن جاتی ہے، اسی طرح جماعتِ اسلامیہ ایک قلعہ ہے جس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک مسلمان ہے، یہ قلعہ اسی وقت تک محفوظ ہے، جب تک اُس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے ملی ہوئی ہے، جب یہ اینٹ اپنی جگہ سے کھسک جائے گی تو پوری دیوار دھم سے زمین پر آجائے گی،

---

[51] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۹ مصر کتاب البر والصلۃ والآداب [52] صحیح بخاری کتاب الآداب ج ۲ ص ۸۹۰ وصحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب ج ۲ ص ۳۰۹ مصر،

Marfat.com

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا کہ "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اُس پر ظلم کرے، نہ اس کو بے مدد چھوڑے، اور نہ اُس کی تحقیر کرے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انسان کے لئے یہ بُرائی کیا کم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، مسلمان کا ہر حصہ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اُس کا خون، اُس کا مال اور اُس کی آبرو"[1] یہ صحیح مسلم کی روایت ہے، ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، تو وہ نہ اُس پر ظلم کرے، اور نہ اس کو اس کے دشمن کے حوالہ کرے، جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں رہے گا، تو خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا، اور جو کوئی کسی مسلمان کی تنگی کو دور کرے گا تو خدا اُس کے بدلہ قیامت میں اُس کی تنگی کو دور فرمائے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا"[2]

ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا "جو کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور کرے گا، اور جو کسی تنگدست پر آسانی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی کرے گا، اور جو کسی مسلمان کا پردہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُس کا پردہ رکھے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد میں رہتا ہے، جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے"[3]

---

[1] صحیح مسلم کتاب مذکور ج ۲ ص ۲۰۲ مصر [2] سنن ابی داؤد کتاب الادب ج ۲ ص ۱۹۰ [3] سنن ابی داؤد کتاب الادب جلد ۲ ص ۱۹۴!

فرمایا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں[1] یہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے، دوسری میں ہے کہ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے اچھا مسلمان کون ہے؟ فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں[2] یعنی جو مسلمان اپنے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہیں پہنچاتا، وہی سب سے بہتر مسلمان ہے،

جریر بن عبداللہ بجلی جو ایک مشہور صحابی تھے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتوں پر بیعت کی، نماز کو قائم رکھنا، زکوٰۃ دینا، اور ہر مسلمان کی خیرخواہی کرنا[3] کئی روایتوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا، مسلمان کو گالی دینا خدا کی نافرمانی (فسوق) ہے، اور اس سے لڑنا (قتال) خدا کا انکار (کفر) ہے[4] یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں باہم برادری اور صلح و آشتی کا حکم دیا ہے، اب جو اس کے خلاف کرتا ہے، وہ خدا کے حکم کو نہیں مانتا اور یہ ایک معنی میں خدا کا انکار ہی ہے، چنانچہ اسی لئے قرآن پاک میں مسلمان کے ناحق اور بالارادہ قتل کرنے کی سزا وہی رکھی ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے، فرمایا کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو قتل کرے، الا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے،

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا	اور جو کوئی کسی مسلمان کو قصداً قتل
فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا	کرے گا، تو اس کا بدلہ دوزخ ہے،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان ج ۱ ص ۶ [2] صحیح بخاری کتاب الایمان ج ۱ ص ۶ و صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ ص ۳۶ مصر [3] صحیح بخاری کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۳،

[4] صحیح بخاری کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۲ و جلد ۲ ص ۸۹۳،

Marfat.com

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ	اس مین پڑا رہے گا، اور خدا اس پر
وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ه	خفا ہوا اور لعنت کی، اور اُس کے لئے
(نساء-۱۳)	بڑا عذاب تیار کیا،

حجۃ الوداع کے نہایت اہم خطبہ مین آپ نے پہلے لوگون کو چپ کرایا، پھر فرمایا، "دیکھو میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو[۱]" ایک اور موقع پر فرمایا کہ جو ہم (مسلمانون) پر ہاتھ اٹھائے وہ ہم مین سے نہین[۲]"

جان تو بڑی چیز ہے کسی مسلمان کی آبرو کے پیچھے پڑنا بھی بڑا گناہ ہے، فرمایا "سب سے بڑا ربا کسی مسلمان کی آبرو کی طرف بے سبب ہاتھ بڑھانا ہے[۳]" اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مخمصہ مین گرفتار ہو جس مین اُس کی آبرو جانے کا ڈر ہو تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کے بچانے کی کوشش کرے، ارشاد ہوا "جو کوئی کسی مسلمان کو کسی ایسے موقع پر بے مدد چھوڑے گا جس مین اُس کی عزت پر حرف آتا ہو، اور اس کی آبرو جاتی ہو، تو خدا بھی اس کو ایسی جگہ بے مدد چھوڑ دے گا، اور جو کوئی کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد کرے گا، تو خدا بھی اوس کی ایسے موقع پر مدد فرمائے گا[۴]"

اگر دو مسلمانون مین کسی ناراضی کے سبب سے بول چال بند ہوجائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز سے زیادہ ایسا کرنے سے منع فرمایا، ارشاد ہوا "کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہین

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الایمان ص ۲۳ [۲] صحیح بخاری کتاب الدیات ج ۲ ص ۱۰۱۵ و کتاب الفتن ج ۲ ص ۱۰۴۰، [۳] سنن ابی داؤد کتاب الادب ج ۲ صفحہ ۱۸۹ [۴] ایضاً،

کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ دے، ملاقات ہو تو وہ اُدھر منہ پھیرلے اور یہ اُدھر منہ پھیرلے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے کہ جو پہلے سلام کی ابتدا کرے[1]" ایک اور طریقہ سے یہ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "آپس میں کینہ نہ رکھو، حسد نہ کرو، اور ایک دوسرے کو منہ پیچھے بُرا نہ کہو، اے خدا کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ، اور کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بولنا چالنا چھوڑ دے[2]"

ایک مسلمان کے لئے اُس کی عزت و آبرو سے بڑھ کر معاملہ اُس کے ایمان کا ہے، قرآن نے کہا کہ جب تم کو کوئی اپنے اظہار اسلام کے لئے سلام کرے تو اُس کو یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ؕ — اور اس کو جو تمہاری طرف سلامتی کا کلمہ ڈالے، یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں، (نساء - ۱۳)

مقصد یہ ہے کہ جو کوئی اپنے کو مسلمان کہے یا وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے کہ تم مسلمان نہیں، ایک لڑائی میں ایک صحابی نے ایک کافر کو زد میں پاکر حملہ کیا، اُس نے فوراً کلمہ پڑھ دیا، مگر اس پر بھی اُن صحابی نے اُس کو قتل ہی کر دیا، یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچی، آپ نے اُن کو بلا کر دریافت کیا، انھوں نے عرض کی، یا رسول اللہ اس نے صرف ڈر سے کلمہ پڑھا تھا، آپ نے کس طرح اندازہ میں

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب ج ۲ ص ۹۲۱، وسنن ابی داؤد کتاب الادب ج ۲ ص ۲، [2] صحیح بخاری کتاب الادب ج ۲ ص ۸۹۶،

Marfat.com

فرمایا "تم اس کے لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کیا کرو گے" ایک روایت مین ہو کہ فرمایا "کیا تم نے اس کا سینہ چیر کر دیکھ لیا تھا" [1]

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ "مومن کو لعنت کرنا یا اُس پر کفر کی تہمت رکھنا اُس کے قتل کے برابر ہے" [2] یہ بھی فرمایا کہ "جو کوئی اپنے بھائی کو اے کافر کہے، تو وہ کفر دونوں سے ایک پر لوٹے گا" [3] یعنی اگر وہ درحقیقت کافر نہ تھا تو اُس نے ایک مسلمان کو کافر کہا، اور یہ خود ایک درجہ کا کفر ہے،

جان، ایمان اور آبرو کے بعد مال کا درجہ ہے، ارشاد ہوا کہ "جو کوئی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارے گا تو خدا اُس کے لئے دوزخ واجب، اور جنت حرام کرے گا، ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر کوئی معمولی سی چیز ہو تب بھی، فرمایا درخت کی ایک شاخ ہی کیون نہ ہو" [4]

فرمایا "ہر مسلمان پر اُس کے مسلمان بھائی کے پانچ حق ہیں اسلام کا جواب دینا، اس کے چھینکنے پر خدا تم پر رحمت کرے کہنا، اس کی دعوت کو قبول کرنا، بیمار ہو تو عیادت کرنا، اور مرجائے تو اُس کے جنازہ کے ساتھ چلنا" [5] یعنی یہ کم سے کم حقوق ہین جن سے دو مسلمانون کے

---

[1] پہلی روایت صحیح بخاری غزوۂ حرقات اور کتاب الدیات مین ہے، دوسری روایت کے لئے دیکھو فتح الباری کتاب الدیات شرح حدیث مذکور۔ [2] صحیح بخاری کتاب الادب ج ۲ ص ۹۰۲ [3] ایضاً ص ۹۰۱ و صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۳۴ مصر [4] صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۶۵ مصر،

[5] سنن ابی داؤد کتاب الادب ج ۲ ص ۲۰۱،

درمیان خوش خلقی اور حسن تعلق کا اندازہ ہوتا ہے، ارشاد ہوا کہ جب کوئی مسلمان اپنے بیمار مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے، تو وہ جب تک واپس نہ ہو جنت کی روش پر ہوتا ہے[51] حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی ایمان و اخلاص کے ساتھ کسی مسلمان کے جنازہ کے پیچھے چلتا ہے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھتا ہے اور اس کے دفن سے فراغت پاتا ہے، تو اس کو ثواب کی دو رتی (قیراط) ملتی ہے جن میں سے ہر رتی احد کے پہاڑ برابر ہو گی[52] یعنی یہ رتی دنیاوی پیمانہ کے حساب سے نہ ہوگی، بلکہ یہ اس پیمانہ پر ہوگی جس کا ایک ذرہ اپنی بڑائی میں پہاڑ کا حکم رکھتا ہے،

یہ تمام حقوق جن کے جزئیات کا احاطہ نہیں ہو سکتا، اُس برادرانہ الفت و محبت کے فروع ہیں جن کے بغیر کسی مومن کا ایمان کامل نہیں ہوتا، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ "تم میں سے کوئی کامل مومن نہ ہوگا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے[53]" الغرض امت اسلامیہ کی جماعت کا ہر رکن دوسرے کے ساتھ ایسی محبت کرے جیسی وہ خود اپنے ساتھ کرتا ہے، اس کا نفع اپنا نفع اور اس کا نقصان اپنا نقصان سمجھے، ابوداؤد میں ہے کہ آپ نے فرمایا "مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے، اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس کے نقصان کو دور کرتا ہے اور اس کے

---

[51] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۴ کتاب البر والصلۃ

[52] صحیح بخاری کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۲

[53] صحیح بخاری کتاب الایمان ج ۱ ص ۶

Marfat.com

پیچھے میں اس کی حفاظت کرتا ہے"[۱]

دیکھیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعتِ اسلامیہ کی عمارت کیسی مستحکم بنیادوں پر قائم فرمائی تھی، اگر آج بھی ان ہدایتوں پر عمل کیا جائے تو اس عمارت کی دیواریں ایسی شکستہ نہ رہیں جیسی آج ہیں، ہر جماعت ان ہی اصولوں پر دنیا میں بنی ہے، اور آیندہ بھی بنے گی،

۱؎ سنن ابی داؤد کتاب الادب ج ۲ ص ۱۹۲، تیسرے فقرہ کے مطلب میں شارحین کا اختلاف ہے،

Marfat.com

انسانی برادری کا حق

ایک انسان کے دوسرے انسان پر انسانی برادری کی حیثیت سے بھی کچھ فرائض ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے تبلیغ یعنی غیر مسلم انسانوں کو اسلام کی دعوت کا جو حکم ہے، اس کے دوسرے اسباب کے علاوہ ایک سبب یہ بھی ہے کہ جس چیز کو ایک مسلمان سچائی سمجھتا ہے اُس کا انسانی فرض ہے کہ وہ اس سے دوسرے انسانوں کو آگاہ اور باخبر کرے، اور یہ انسانی خیر خواہی کا لازمی نتیجہ ہے،

قرآن پاک نے توراۃ کے بعض احکام کو دہرایا ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے،

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا، (بقرہ-۱۰) اور لوگوں سے اچھی بات کہو،

لوگوں سے اچھی بات کہنا اور اچھائی سے پیش آنا انسانیت کا فرض ہے جس میں کسی دین و مذہب کی تخصیص نہیں، دین و مذہب اور نسل و قومیت کا اختلاف اس منصفانہ برتاؤ سے باز نہ رکھے اسی لئے ارشاد ہوا :-

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اور کسی قوم کی عداوت تم کو اس پر

Marfat.com

عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ	آمادہ نہ کرے کہ تم عدل اور انصاف
اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی،	نہ کرو، عدل اور انصاف (ہر حال مین)
(مائدہ ۷-۲)	کرو کہ یہ بات تقویٰ کے قریب ہے،

ہر قسم کا برا سلوک اور بیرحمانہ برتاؤ جو ایک انسان دوسرے انسان، اور ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ کرتی ہے، اس کا اصل سبب یہی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے حق مین عدل سے کام نہین لیتا، بلکہ اس پر ظلم اور بے انصافی کے لئے آمادہ رہتا ہے، یہ آیت پاک انسان کے اسی مادۂ فاسد کے سرچشمہ کو بند کرتی ہے، ابوہریرہؓ اور انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا	آپس مین ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو،
وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ	ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے
اِخْوَانًا ہ	سے منہ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے
(بخاری ۲)	اور آپس مین بھائی بن جاؤ،

بعض روایتون مین الفاظ یہ ہین،

لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا	ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، نہ ایک
وَلَا تَدَابَرُوْا وَكَانُوْا عِبَادَ اللّٰهِ	دوسرے پر حسد کرو، اور نہ ایک دوسرے
اِخْوَانًا	سے منہ پھیرو اور سب خدا کے بندے آپس
(بخاری)	مین بھائی بھائی بن جاؤ،

Marfat.com

اس حدیث پاک میں انسانی برادری کا وہ نقشہ کھینچا گیا ہے جس پر سچائی سے عمل کیا جائے تو یہ شر اور فساد سے بھری ہوئی دنیا دفعۃً جنت بن جائے، فرمایا من لا یرحم لا یرحم (بخاری) "جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا" جو بندوں پر رحم نہیں کرتا، اس پر خدا رحم نہیں کرتا، یا یہ کہ جو دوسرے پر رحم نہیں کرتا، دوسرا بھی اس پر رحم نہیں کرے گا" مستدرک حاکم میں ہو کہ آپ نے فرمایا کہ "تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا"[1] یہ حدیث رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی شان رحمت کو کتنی عمومیت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے، ایک اور موقع پر ارشاد ہوا کہ "جو مسلمان کوئی درخت لگائے گا اس سے جو انسان یا پرندہ بھی کچھ کھائے گا، اس کا ثواب اس لگانے والے کو ملے گا" (بخاری) اس فیض کے عموم میں انسانیت کی قید بھی نہیں ہے ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کا قصہ بیان کیا جس نے ایک جانور کے ساتھ نیک سلوک کیا تھا کہ اس کو اس کے اس کام پر ثواب ملا صحابہؓ نے پوچھا اے خدا کے رسول! کیا جانوروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں بھی ثواب ہے، فرمایا: ہر تر جگر کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں ثواب ہے یعنی ہر اس ہستی کے ساتھ جس میں زندگی کی تری ہے نیک سلوک کرنے میں ثواب ہے[2] (بخاری) اس ثواب کے دائرہ میں ہر وہ ہستی شریک ہے، جو زندگی سے بہرہ ور ہے

جامع ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے ارشاد فرمایا: "جہاں بھی ہو خدا کا خیال رکھو، برائی کے پیچھے بھلائی کرو تو اس کو مٹا دوگے، اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ" (باب ماجاء فی معاشرۃ الناس ص ۳۳) ابوہریرہؓ کہتے ہیں، کہ ایک دفعہ حضورؐ نے

---

[1] مستدرک حاکم کتاب البر والصلہ جلد ۴ صفحہ ۱۵۹ [2] یہ حدیثیں صحیح بخاری جلد دوم کتاب الادب کے مختلف ابواب میں ہیں،

Marfat.com

پانچ باتین گنائین جن مین سے ایک یہ بھی، کہ واحبّ للنّاس ما تحبّ لنفسك" یعنی تم لوگون (ناس) کے لئے وہی چاہو جو تم اپنے لئے چاہتے ہو، تو مسلمان بن جاؤ گے"[1] النّاس کا لفظ عام ہے جس مین تمام انسان داخل ہین، اس سے معلوم ہوا کہ جب تک سارے انسانون کی بھلائی کا جذبہ دل مین نہ ہو، انسان پورا مسلمان نہین بنتا،

کیونکہ دوسرون کے لئے وہی چاہنا جو اپنے لئے چاہو، اخلاق کی وہ تعلیم ہے جو انسانی برادری کے ہر قسم کے حقوق کی بنیاد ہے، ایک اور حدیث مین یہ تعلیم ان لفظون مین ہے، کہ تم اپنے بھائی کے لئے وہی چاہو، جو اپنے لئے چاہتے ہو، بھائی کے لفظ سے مسلمان بھی مراد ہو سکتا ہے اور ایک عام انسان بھی، تورات اور انجیل کے اندر یہی تعلیم ان لفظون مین ہے کہ تم اپنے پڑوسی کو ایسا چاہو جیسا کہ تم اپنے آپ کو چاہتے ہو، اسلام مین پڑوسیون کے حقوق کا بیان علیحدہ باب مین گذر چکا ہے، اس پر یہان ایک نظر ڈال لینی چاہئے کہ صحابۂ کرام نے اس تعلیم کی پیروی مین یہودی اور عیسائی پڑوسیون کا حق بھی مسلمان پڑوسیون ہی کی طرح مانا ہے،

صدقہ و خیرات کے باب مین گو فقرا اور مساکین مین مسلمانون کی ترجیح ایک قدرتی بات ہے، تاہم حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ مین نامسلمان ذمی مسکینون کے حق کو بھی تسلیم کیا، قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک بڈھا جو اندھا بھی تھا، ایک دروازہ پر کھڑا بھیک مانگ رہا ہے، حضرت عمرؓ نے پیچھے سے اُس کے بازو پر ہاتھ مارا اور پوچھا کہ تم کو بھیک مانگنے کی ضرورت کیا پڑی، اس نے کہا جزیہ ادا کرنے اور اپنی ضرورت

[1] ترمذی ابواب الزہد غریب،

پوری کرنے اور اپنی اس عمر کے سبب سے بھیک مانگتا ہون، حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لائے، اور اپنے گھر سے اُس کو کچھ دیا، پھر اس کو بیت المال کے خزانچی کے پاس بھیجا، اور کہلوایا کہ اس کو اور اس جیسے لوگون کو دیکھو، خدا کی قسم ہم انصاف نہین کرین گے، اگر ہم اس کی جوانی کی کمائی تو کھائین اور اس کے بوڑھے ہونے پر اس کی مدد چھوڑ دین، قرآن مین صدقہ کی اجازت فقراء اور مساکین کے لیے ہے، فقراء تو وہی ہین جو مسلمان ہین، اور یہ لوگ مساکین اہل کتاب مین ہین، اُن سے جزیہ نہ لیا جائے[1]

اسلام کا یہ عام فیصلہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے عام صدقے غیر مسلمانون کو دیئے جا سکتے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا، ام المومنین حضرت صفیہؓ نے اپنے دو یہودی رشتہ دارون کو ۳۰ ہزار کی مالیت کا صدقہ دیا، امام مجاہد نے مشرک رشتہ دار کا قرض معاف کرنے کو ثواب کا کام بتایا، ابن جریج محدث کہتے ہین کہ قرآن[2] نے اسیر کے کھلانے کو ثواب بتایا ہے، اور ظاہر ہے کہ صحابہ کے قبضہ مین مشرک ہی قید ہو کر آتے تھے، ابو میسرہ اور عمرو بن میمون اور عمرو ابن شرحبیل صدقہ فطر سے عیسائی راہبون کی مدد کیا کرتے تھے[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین حضرت عمرؓ نے اپنے مشرک بھائی کو تحفہ بھیجا[4] اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعضون کو اُن کے مشرک والدین کے ساتھ صلۂ رحمی کی اجازت دی[5]

تفسیر کی روایتون مین ہے کہ صحابہؓ جب مذہبی اختلاف کی بنا پر غریب مشرکون کی مدد سے

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۲۶ مصر [2] سورہ دہر ۱ [3] کتاب الاموال امام ابو عبید ص ۶۱۳ و ۶۱۴ مصر
[4] بخاری کتاب الجمعہ [5] مسلم باب فضل الصدقۃ علی الاقربین،

Marfat.com

کنارہ کرنے لگے، تو یہ آیت اُتری،[1]

لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰاھُمْ وَلٰکِنَّ	اُن کو راہ پر لے آنا تیرے اختیار کی بات نہین
اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ط وَمَا	لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہ پر لے آتا ہے اور جو
تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَ نْفُسِکُمْ ہ	بھلائی خرچ کرو، وہ تمھارے ہی لئے ہے،

(بقرہ - ۳۷)

یعنی تم کو تمھاری نیکی کا ثواب بہرحال ملے گا،

مسند احمد مین ہے کہ آپ نے مسلمانون کو خطاب کرکے فرمایا،

لَایومن احدکم حتی یحبّ	تم مین سے کوئی اس وقت پورا مومن
للنّاس ما یحبّ لنفسہٖ وحتی	نہیں ہوگا جب تک وہ اور لوگون
یُحِبُّ المرءَ لَا یحبہ الا اللّٰہ	کے لئے وہی نہ پسند کرے، جو اپنے لئے
عزّ وجلّ،	پسند کرتا ہے اور جب تک وہ آدمی کو
(جلد ۳ صفحہ ۲۷۲)	صرف خدا کے لئے پیار نہ کرے،

اس حدیث مین محبت انسانی کی وسعت ساری انسانی برادری تک وسیع کردی گئی ہے،

---

[1] طبری،

جانوروں کے حقوق

اسلام دنیا میں لطف و محبت کا جو عام پیغام لے کر آیا تھا، اس کا سلسلہ حیوانات تک وسیع ہے، اس نے حیوانات کے ساتھ متعدد طریقوں سے سلوک کرنے کی ہدایت کی اہلِ عرب وحشت اور قساوت کی وجہ سے حیوانات پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے، وہ جانوروں کو اندھا دھند مار کر گرا دیتے تھے، اور لوگوں سے کہتے تھے کہ تم اُن کو کھا جاؤ، اور اس کو فیاضی سمجھتے تھے، دو آدمی شرط باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، اور باری باری سے اپنا اپنا ایک اونٹ ذبح کرتا چلا جاتا تھا، جو رُک جاتا وہ ہار جاتا، یہ سب جانور دوست و احباب کی دعوت میں نذر ہو جاتے تھے، یہ بھی فیاضی سمجھی جاتی تھی، ان واقعات کا ذکر اشعارِ عرب میں موجود ہے، ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی سواری کے جانور کو اُس کی قبر پر باندھتے تھے، اور اس کو دانہ گھاس اور پانی نہیں دیتے تھے، اور وہ اسی حالت میں سوکھ کر مر جاتا، ایسے جانور کو بلیّہ کہتے تھے، اسلام آیا تو اُس نے اس سنگدلی کو مٹا دیا، عرب میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جانور کو کسی چیز سے باندھ کر اُس پر نشانہ لگاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے جانوروں کے گوشت کو ناجائز قرار دیا اور عام حکم دیا

Marfat.com

کہ کسی ذی روح چیز کو اس طرح نشانہ نہ بنایا جائے[1]، ایک بار ایک لڑکا اسی طرح ایک مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ بنا رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مرغی کو کھول دیا، اور مرغی کے ساتھ اس لڑکے کو لیکر اسکے خاندان میں آئے اور کہا کہ اپنے لڑکے کو اس سے منع کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے جانور یا کسی جاندار کو نشانہ بنانیکی ممانعت فرمائی ہے اسی طرح کچھ اور لوگ مرغی کو باندھ کر نشانہ بنا رہے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا گذر ہوا تو وہ لوگ بھاگ گئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ ایسا کس نے کیا ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ملعون قرار دیا ہے[2]، اس سے بھی زیادہ بے رحمانہ طریقہ یہ تھا کہ زندہ اونٹ کے کوہان اور دنبہ کے دم کی چکتی کاٹ کر کھاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر یہ حالت دیکھی، تو فرمایا کہ اس طریقہ سے زندہ جانوروں کا جو گوشت کاٹ کر کھایا جاتا ہے، وہ مردار ہے[3]، یہ ایک خاص صورت تھی، لیکن عموماً زندہ جانوروں کے مثلہ کرنے یعنی اُن کے کسی عضو کے کاٹنے کی ممانعت فرمائی، اور ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی[4]،

بلا ضرورت کسی جانور کے قتل کرنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا[5]، ایک حدیث میں ہے کہ کسی نے اگر گنجشک یا اس سے بھی کسی چھوٹے جانور کو اس کے حق کے بغیر ذبح کیا، تو خدا اُس کے متعلق اس سے بازپرس کرے گا، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ اس کو ذبح کرے اور کھائے، یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کے پھینک دے[6]، اس حدیث سے معلوم

---

[1] ترمذی ابواب الصید باب ماجاء فی کراہیۃ اکل المصبورۃ ص ۲۵۵) [2] بخاری کتاب الذبائح والصید باب مایکرہ من المثلۃ والمصبورۃ والمجثمۃ [3] ترمذی ابواب الصید باب ماجاء ما قطع من الحی فہو میت [4] بخاری کتاب الذبائح والصید باب مایکرہ من المثلۃ والمصبورۃ والمجثمۃ [5] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۱۸۲ [6] مشکوٰۃ الصید والذبائح ص ۳۵۰،

ہوتا ہے کہ جن جانورون کا گوشت کھایا نہین جاتا، اور وہ درندہ بھی نہین اُن کا مارنا جائز نہین،
سنن نسائی مین ہو کہ جو شخص کنجشک کو بلاضرورت مارے گا وہ قیامت کے دن خدا کے یہان فریاد
کرے گی کہ فلان نے مجھ کو بلاضرورت مارا ہے، اس سے اس کا کوئی فائدہ نہ تھا[1] جو جانور کوئی نقصان
نہین پہنچاتے، یا اُن سے انسانون کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے، اُن کا مارنا بھی جائز نہین، چنانچہ آپ نے
خاص طور پر چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد کے مارنے کی ممانعت فرمائی ہو[2]

جو جانور ضرورۃً مارے یا ذبح کئے جاتے ہین، اُن کے مارنے یا ذبح کرنے مین بھی ہر طرح
کی نرمی کرنے کا حکم دیا، ایک حدیث مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض
کیا ہو، اس لئے جب تم لوگ کسی جانور کو مارو تو اچھے طریقہ سے مارو، اور جب ذبح کرو تو اچھے
طریقہ سے ذبح کرو، تم مین ہر شخص اپنے چھری کو تیز کرلے، اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے[3]
ایک حدیث مین ہو کہ ایک صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ مین بکری کو ذبح کرتا ہون تو مجھے اس
پر رحم آتا ہو، یا یہ کہ مجھے اس پر رحم آتا ہے کہ بکری کو ذبح کرون، فرمایا کہ اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا تم
پر رحم کرے گا[4] یہی وجہ ہے کہ دانت سے کاٹ کر یا ناخن سے خراش دے کر جانورون کے ذبح
کرنے کی ممانعت فرمائی[5] کیونکہ اس سے جانورون کو تکلیف ہوتی ہے کنکر، پتھر یا غلیل چلانے
کی بھی ممانعت فرمائی، اور فرمایا کہ اس سے نہ شکار ہو سکتا، نہ دشمن شکست کھا سکتا، البتہ اس سے
دانت ٹوٹ سکتا ہے، اور آنکھ پھوٹ سکتی ہے[6] مطلب یہ کہ بلاضرورت جانورون اور پرندون کو جسمانی

---

[1] نسائی کتاب الضحایا ص ۹۶، [2] مشکوٰۃ کتاب الصید والذبائح ص ۳۶۳، [3] مسلم کتاب الصید والذبائح باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرۃ، [4] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۶، [5] نسائی ص ۴۰، [6] بخاری کتاب الذبائح والصید باب الخذف والبندقہ،

Marfat.com

صدمہ پہنچانا جائز نہین، جانورون کے ساتھ جو بےرحمیان کی جاتی تھین، ان کا اصل سبب یہ تھا کہ اہل عرب کو یہ معلوم نہ تھا کہ جانورون کو دکھ درد پہنچانا گناہ کا کام ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو بتایا کہ جس طرح انسانون کی ایذارسانی ایک شرعی جرم ہے اسی طرح جانورون کی ایذارسانی بھی ایک مذہبی گناہ ہے،

چنانچہ ایک عورت کی نسبت آپ نے فرمایا کہ اس پر صرف اس لئے عذاب ہوا کہ اُس نے ایک بلی کو باندھ دیا، اور اس کو کھانا پانی کچھ نہ دیا، اور آخر وہ اسی طرح بندھی بندھی مرگئی،[1] بلکہ لوگ چونکہ انسانون کی بہ نسبت جانورون کو زیادہ ستاتے ہین، اس لئے وہ اس معاملہ مین بہت زیادہ گنہگار ہین، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جانورون کے ساتھ جو بدسلوکیان کرتے ہو، اگر خدا اُن کو معاف کردے تو سمجھو کہ اس نے تمھارے بکثرت گناہ معاف کردیئے،[2]

ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ کسی سفر کے پڑاؤ مین تھے، آپ ضرورت سے کہین تشریف لے گئے تھے، جب واپس آئے تو دیکھا کہ ایک صاحب نے اپنا چولھا ایسی جگہ جلایا ہے، جہان زمین مین یا درخت پر چیونٹیون کا سوراخ تھا، یہ دیکھ کر آپ نے دریافت کیا کہ یہ کس نے کیا ہے، ان صاحب نے کہا یا رسول اللہ! یہ مین نے کیا ہے، آپ نے فرمایا بجھاؤ بجھاؤ،[3] (غرض یہ تھی کہ ان چیونٹیون کو تکلیف نہ ہو، یا جل نہ جائین)،

ایک حدیث مین ہے کہ ایک پیغمبر کسی درخت کے نیچے اترے تو اُن کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا

---

[1] بخاری کتاب الانبیاء ص ۴۹۵ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۴۴۱ [3] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۴۰۶ عن عبد اللہ بن مسعود رض

انھون نے پہلے اپنا سامان اُس جگہ سے ہٹایا، پھر تمام چیونٹیون کو آگ سے جلا دیا، اس پر خدا نے انکو وحی کے ذریعہ سے متنبہ کیا کہ صرف ایک ہی چیونٹی کو کیون نہین جلایا[۱] یعنی قصاص کی مستحق صرف وہی چیونٹی تھی جس نے کاٹا تھا، تمام چیونٹیون کا قصور نہ تھا، ایک حدیث مین ہے کہ سفر جہاد مین صحابۂ کرام ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لائے، چڑیا فرط محبت سے اُن کے گرد منڈلانے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاے حاجت کے لئے گئے ہوئے تھے، واپس آکر یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اس کے بچون کو پکڑ کر کس نے اُس کو بے قرار کیا ہے، اس کے بچون کو چھوڑ دو، صحابۂ کرام نے چیونٹیون کے ایک گھر کو بھی جلا دیا تھا، دریافت کرنے پر جب معلوم ہوا کہ یہ خود صحابہ کا فعل تھا، تو فرمایا کہ آگ کی سزا دینا صرف خدا ہی کے لئے سزاوار ہے[۲]

اسی طرح اہل عرب کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس طرح انسانون کے ساتھ سلوک کرنا ثواب کا کام ہے، بعینہٖ اسی طرح جانورون اور پرندون کے ساتھ سلوک کرنا بھی موجب ثواب ہے، اسی عدم واقفیت کی بنا پر ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ مین نے خاص اپنے اونٹون کے لئے پانی کے جو حوض بنائے ہین، اُن پر بھولے بھٹکے اونٹ بھی آجاتے ہین، اگر مین اُن کو پانی پلا دون تو کیا مجھ کو اس پر ثواب ملے گا؟ فرمایا کہ ہر پیاسے یا ذی حیات کے ساتھ سلوک کرنے پر ثواب ملتا ہے[۳] ایک حدیث مین ہے کہ ایک شخص راستہ مین جا رہا تھا کہ اس کو سخت پیاس لگ گئی، اتفاق سے اس کو ایک کنوان مل گیا، اور اُس نے کنوئین مین اُتر کر پانی پی لیا، کنوئین سے نکلا تو دیکھا کہ ایک

---

[۱] بخاری جلد اول کتاب بدء الخلق ص ۴۶۹ [۲] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی کراہیۃ حرق العدو بالنار [۳] ابن ماجہ ابواب الادب باب فضل صدقۃ الماء

Marfat.com

کتا پیاس سے زبان نکال رہا ہے، اور کیچڑ چاٹ رہا ہے، اُس نے اپنی پیاس کی شدت کو یاد کر کے اُس پر ترس کھایا، اور کنوئیں مین اتر کر پانی لایا، اور اُس کو پلایا، خدا کے نزدیک اس کا یہ عمل مقبول ہوا اور خدا نے اُس کو بخش دیا، صحابۂ کرام نے اس واقعہ کو سُنا تو بولے کہ یا رسول اللہ! کیا جانورون کے ساتھ سلوک کرنے مین بھی ثواب ملتا ہے؟ فرمایا کہ ہر ذی حیات کے ساتھ سلوک کرنا موجب ثواب ہے[1]، صرف جاندارون ہی تک نہین، بلکہ نباتات تک کی خدمت اور پرورش کو بھی اجر کا موجب بتایا، اور فرمایا کہ جو مسلمان درخت نصب کرتا ہے، یا کھیتی باڑی کرتا ہے، اور اُس کو چڑیا یا انسان یا جانور کھاتا ہے، تو یہ ایک صدقہ[2] یعنی ثواب کا کام ہے۔ اس اصول کے بتانے کے بعد عملی طور پر جانورون کے ساتھ سلوک کرنے کے متعدد اصول بتائے، یعنی

(۱) جو جانور جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اُس سے وہی کام لینا چاہئے، چنانچہ فرمایا کہ ایک شخص ایک بیل پر سوار ہو کر جا رہا تھا، بیل نے مڑ کر کہا کہ مین اس کے لئے نہین پیدا کیا گیا ہون، صرف کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہون[3]، نیز فرمایا کہ اپنے جانورون کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ، خدا نے اُن کو تمھارا فرمانبردار صرف اس لئے بنایا ہے کہ وہ تم کو ایسے مقامات مین پہنچا دین، جہان تم بڑی مشقت سے پہنچ سکتے تھے، تمھارے لئے خدا نے زمین کو پیدا کیا ہے، اپنی ضرورتین اسی

---

[1] بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبہائم۔ [2] بخاری ابواب الحرث والمزارعۃ باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منہ۔

[3] بخاری ابواب الحرث والمزارعۃ باب استعمال البقر للحراثۃ۔

Marfat.com

پوری کرو،[۵۱] اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعون پر اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر خطبہ دیا ہے، اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت سواری کے جانورون کی پیٹھ پر بیٹھے رہنا مناسب نہین کہ اس سے جانور کو غیر ضروری تکلیف ہوتی ہے، صرف سفر کی حالت مین اس پر سوار ہونا چاہئے،

(۲) جانورون کے آرام وآسایش کا خیال رکھنا چاہئے، چنانچہ فرمایا کہ جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانہ مین سفر کرو تو اونٹون کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ،[۵۲] اور جب قحط کے زمانہ مین سفر کرو تو اُس کو تیزی کے ساتھ چلاؤ تاکہ قحط کی وجہ سے اس کو گھاس یا چارے کی جو تکلیف راستہ مین ہوتی ہے، اس سے وہ جلد نجات پائے،

ایک بار آپ نے ایک اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا، فرمایا ان بے زبان جانورون کے معاملہ مین خدا سے ڈرو، اُن پر سوار ہو، تو اُن کو اچھی حالت مین رکھ کر سوار ہو، اور اُن کو کھاؤ تو اُن کو اچھی حالت مین رکھ کر کھاؤ،[۵۳]

ایک بار آپ ایک انصاری کے باغ مین رفعِ حاجت کے لئے گئے، اس مین ایک اونٹ تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بلبلایا، اور آبدیدہ ہو گیا، آپ اُس کے پاس گئے، اور اُس کی کنپٹی پر ہاتھ پھیرا، اور فرمایا یہ کس کا اونٹ ہے؟ ایک انصاری

---

[۵۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الوقوف علی الدابۃ [۵۲] مسلم کتاب الامارۃ باب مراعاۃ مصلحۃ الدواب فی السیر والنہی عن التعریس فی الطریق، [۵۳] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یومر بہ من القیام علی الدواب البہائم،

نوجوان نے آکر کہا کہ میرا یا رسول اللہ"! فرمایا اس جانور کے بارہ مین جس کا خدا نے تم کو مالک بنایا ہے، خدا سے نہین ڈرتے، اس نے مجھ سے شکایت کی کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو، اور اس پر جبر کرتے ہو[۵۱]

(۳) جانورون کے منھ پر مارنے یا اس پر داغ دینے کی ممانعت فرمائی، اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا[۵۲]،

(۴) جانورون کے باہم لڑانے سے بھی منع فرمایا[۵۳]، کہ اس سے وہ بے فائدہ گھائل اور زخمی ہوکر تکلیف پاتے ہین،

پچھلے صفحون پر پھر ایک نظر ڈال لیجئے تاکہ معلوم ہو کہ اسلام کے سینہ مین جو دل ہے، وہ کتنا نرم ہے، اور کس طرح رحم وکرم سے بھرا ہوا ہے،

---

۵۱ ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یومر بہ من القیام علی الدواب والبہائم ۵۲ ابوداؤد کتاب الجہاد باب وسم الدواب

۵۳ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی التحریش بین البہائم،

Marfat.com

فضائلِ اخلاق

اخلاقِ حسنہ کے جزئیات اس کثرت سے ہین کہ اُن کا احاطہ بھی مشکل ہے، قدیم حکماے اخلاق نے اُن کی دو قسمین کی ہین، ایک اُمّہاتِ اخلاق، اور دوسری فروعِ اخلاق، اُمّہاتِ اخلاق سے مراد اخلاق کے وہ جوہری ارکان ہین، جو دوسرے اخلاق کی اصل و مرجع ہین، اور جن مین کمی و بیشی سے اخلاق کی مختلف قسمین پیدا ہوتی ہین، اور جن کے اعتدال سے فضائلِ اخلاق کا وجود ہوتا ہے،

ان کے نزدیک انسان کے اندر تین فطری قوتین ہین، قوتِ علمیہ، قوتِ شہوانیہ اور قوتِ غضبیہ، قوتِ علمیہ کے اعتدال کا نام **حکمت**، قوتِ شہوانیہ کے اعتدال کا **عفّت** اور قوتِ غضبیہ کے اعتدال کا **شجاعت** ہے، اور انہی کے عدمِ اعتدال کو رذائل کہتے ہین، پھر ان دونون قسمون کے اختلافِ مدارج سے اچھے اور بُرے اخلاق کے مختلف مراتب ظہور مین آتے ہین،

یہ تقسیمین محض فلسفیانہ ہین، یا یون کہیے کہ علمی اور نظری ہین لیکن اسلام کے پیشِ نظر اخلاق کی علمی و نظری حیثیت نہین بلکہ عملی ہے، کیونکہ اُس کا منشا انسان کو فقط اخلاق کا علم بخشنا نہین

بلکہ انسان کو فضائلِ اخلاق کا عامل بنانا، اور رذائلِ اخلاق سے عملاً بچانا ہے، اس لئے اُس کو اس سے بحث نہین کہ فلان خلق کی اصلیت کیا ہے، اور اس سے دوسرے اخلاق کس طرح پیدا ہوتے ہین، بلکہ اس سے بحث ہے کہ انسان کو کس طرح اچھے اخلاق کا پابند بنایا، اور بُرے اخلاق سے بچایا جائے، اسی لئے اپنی تعلیم مین اُس نے اہلِ فلسفہ کا رنگ اختیار نہین کیا ہے، اور نہ یہ طریقہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور تربیت کا ہے،

اسلام کی ہر شے مین خواہ وہ عقیدہ سے متعلق ہو یا عبادت سے یا اخلاق و معاملات سے مرکزی چیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے، ہر وہ کام اچھا ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، اور وہ بُرا ہے جس کو وہ ناپسند فرمائے، گو یہ دوسری بات ہو کہ وہ جس کو پسند فرماتا ہے، اُس مین عقلی خوبیان اور جمہور کا فائدہ بھی ہوتا ہے اور جس کو وہ ناپسند فرماتا ہے، اُس مین عقلی بُرائیان اور خلقِ خدا کا نقصان بھی ہوتا ہے، اس بنا پر اسلام کی نظر سے اخلاق کی یہ دو قسمین ہین، وہ اخلاق جن کو خدا پسند فرماتا ہے، یہ فضائل کہلاتے ہین، اور وہ کام جن کو وہ ناپسند کرتا ہے، رذائل ہین، ہم نے اوپر اخلاق اور محبتِ الٰہی کے عنوان مین وہ آیتین لکھدی ہین جن مین اللہ تعالیٰ نے بہت سے اوصاف کو پسند یا ناپسند فرمایا ہے،

جن اوصاف کو خدا پسند فرماتا ہے، اُن کو ابھی ہم نے اصطلاح مین فضائل کا نام دیا ہے، یہ فضائل بہت سے ہین، اور قرآنِ پاک اور احادیث شریفہ مین جابجا اُن کی تصریح ہے لیکن اُن کے بیان مین اخلاقِ شرعی کے مصنفون نے کوئی خاص ترتیب نہین رکھی ہے، اسی لئے اُن کی اہمیت کے درجے اور رتبے نہین مقرر ہوئے،

میرا خیال یہ ہے کہ فضائل مین سب سے پہلے اُس اخلاقی فضیلت کو جگہ ملنی چاہیے جو خود اللہ تعالی کا وصف ہو، اور جس کے ساتھ رسولون اور پیغمبرون کی توصیف اکثر کی گئی ہو، اور مسلمانون کو اُس سے متصف ہونے پر کتاب الٰہی اور پیام نبوی مین زیادہ زور دیا گیا ہو، اور جو بجائے خود بہت سی اخلاقی خوبیون کی بنیاد ہو،

گو اس معیار کو سامنے رکھکر فضائل کی ترتیب کو قائم کرنا بہت مشکل کام ہے، اور غور و فکر کرنے والون مین اس بارہ مین اختلاف بھی ممکن ہے لیکن جہان تک میری تلاش اور محنت کو دخل ہے اس مین کامیابی کی کوشش کرون گا،

فضائل کی مختصر فہرست

جن فضیلتون کو اللہ تعالی پسند فرماتا ہے، اور جن کو گنا کر اُس نے اپنے اچھے بندون کی توصیف کی ہے، یا اُن اوصاف والون کے لئے اپنی بخشش اور بخشایش کا وعدہ فرمایا ہے، قرآن پاک اور احادیث نبوی مین جا بجا اُن کی تفصیل ہے جیسے :-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِیْنَ	ایمان والے مراد کو پہنچ گئے، جو اپنی
هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ	نماز مین عاجزی کرتے ہین، جو بیکار
وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ	باتون کی طرف رُخ نہین کرتے،
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فَاعِلُوْنَ	جو زکوٰة دیتے، اور اپنی شرمگاہون
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ	کی حفاظت کرتے ہین، لیکن اپنی
حٰفِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ	بیویون سے اور اپنی (شرعی) باندیون

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ	ہے کہ ان پر کوئی الزام نہیں، تو جو
غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ	اس کے سوا کے خواہاں ہوں تو وہی
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝	حد سے بڑھنے والے ہیں، اور وہ جو
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ	اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ
رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى	رکھتے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کے
صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ	پابند ہیں یہی اصلی وارث ہیں جو
هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ	فردوس کے وارث ہوں گے، اور
الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝	وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے،

(مومنون-۱)

ان آیتوں میں جن اخلاقی فضائل کا بیان آیا ہے وہ یہ ہیں نکمی اور بے کار باتوں سے کنارہ کشی عصمت اور پاکدامنی، امانت داری اور ایفائے عہد، ایک دوسری جگہ ہے،

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ	اور لیکن اصلی نیکی اس کی ہے جو اللہ پر
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	اور آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتاب الٰہی
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى	پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا، اور اپنا مال
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى	اس کی محبت کے ساتھ رشتہ داروں کو
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ	اور یتیموں کو اور غریبوں کو اور مسافر کو اور
السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ	مانگنے والوں کو اور گردنوں کو چھڑانے
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ	میں دیا، اور نماز کھڑی کی، اور زکوٰۃ دی،

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا	اپنے قول کو جب انھوں نے اقرار کیا
عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي	پورا کرنے والے اور مصیبت میں اور
الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ	تکلیف میں اور لڑائی کے ہل چل کے
الْبَاْسِ ۭ (بقرہ-۲۲)	وقت ثابت قدم رہنے والے،

ان آیتوں میں جو اخلاقی اوصاف گنائے گئے ہیں، وہ یہ ہیں، سخاوت، قول و قرار کو پورا کرنا اور مشکلوں میں ثابت قدمی،

سورہ آل عمران میں ہے،

الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَ	ثابت قدم رہنے والے اور سچ بولنے
الْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ ۝	والے اور (خدا کی) فرمانبرداری کرنے
(آل عمران-۲)	والے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنیوالے

اس آیت میں ثابت قدمی، سچائی اور فیاضی کو سراہا گیا ہے، اسی سورہ میں ان متقیوں کا حال ہے، جو خدا کی مغفرت اور آسمان و زمین کے برابر کی جنت کے مستحق ہوں گے،

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ	جو خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں
وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ	میں (خدا کے نام پر) خرچ کرتے ہیں اور
وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ	غصہ کو روکتے اور لوگوں کو معاف کرتے
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝	ہیں، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست
(آل عمران-۱۴)	رکھتا ہے،

Marfat.com

اس اوپر کی آیت میں فیاضی، عفو و درگذر اور احسان کی تعریف کی گئی ہے سورہ معارج میں ہے،

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ	اور جن کے مال میں مانگنے والے، اور
مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَ	مصیبت زدہ کا حصہ مقرر ہے، اور جو
الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ	روز جزا کو سچ مانتے ہیں، اور جو اپنے
وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ	رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شبہ
مُّشْفِقُوْنَ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ	اُن کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز
غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ	نہیں، اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى	کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں اور شرعی
اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ	باندیوں سے، کہ اس میں اُن پر کوئی
فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى	ملامت نہیں، جو اس کے علاوہ چاہیں
وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	وہ حد سے آگے بڑھنے والے ہیں، اور
الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ	جو اپنی امانتوں کا اور اپنے عہد کا
لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ	پاس کرتے ہیں، اور جو اپنی گواہیوں
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ (معارج-۱)	پر قائم رہتے ہیں،

ان آیتوں میں سخاوت نفس، عفت، عصمت، امانتداری، ایفائے عہد اور سچی گواہی کو ایک مومن کی ان فضیلتوں میں شمار کیا ہے، جو اس کے جنت میں جانے کی سبب بنی ہیں سورہ احزاب میں ان مردوں اور عورتوں کا ذکر ہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشایش

اور بڑی مزدوری کا وعدہ فرمایا ہے،

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ	اور سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیان
وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ	صبر کرنے والے، اور صبر کرنے والیان
وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ	اور عاجزی کرنیوالے اور عاجزی کرنیوالیان
وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ	اور صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیان
وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ	اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ	والیان، اور اپنی شرمگاہون کی
وَالْحٰفِظٰتِ ۝	حفاظت کرنے والے، اور حفاظت
(احزاب - ۵)	کرنے والیان،

ان مین سچائی، صبر، عاجزی، اور عصمت وعفت کے اوصاف کا ذکر ہے،

سورۂ فرقان مین خدا کے اچھے بندون کی پہچان یہ بتائی گئی ہے،

(۱) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ	(۱) اور رحم والے اللہ کے بندے وہ
يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا	ہین جو زمین مین ہولے چلتے ہین اور
وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ	جاہل جب اُن سے (جہالت کی) باتین
قَالُوْا سَلٰمًا (ع - ۶)	کرین تو وہ کہیں سلامت رہیئے،[1]
(۲) وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ	(۲) اور جب وہ خرچ کرین تو نہ تو

[1] یا سلام کہین

يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ
بَيْنَ ذَالِكَ قَوَامًا (فرقان ۶)
(۳) وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (۳)
(۴) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ
الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا
كِرَامًا (۴)

فضول خرچی کریں اور نہ تنگی کریں، اور
دونوں کے بیچ کی راہ ہو،
(۳) اور جو ناحق کسی بے گناہ کی جان
نہیں لیتے، اور نہ بدکاری کرتے ہیں
(۴) اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے،
اور جب وہ بیہودہ مشغلہ کے پاس سے
گذریں تو شریفانہ وضع سے گذر جائیں،

پہلی آیت میں عاجزی اور فروتنی اور بردباری، دوسری آیت میں اعتدال اور میانہ روی، تیسری میں عدم ظلم اور عفت، اور چوتھی میں سچائی، اور متانت و سنجیدگی کی تعریف کی گئی ہے، سورۂ رعد میں وہ صفتیں بتائی گئی ہیں جو عقبیٰ میں کام آئیں گی،

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ
وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ وَ
الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ
بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ
الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوْا
ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا

جو لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں
اور قول کو توڑتے نہیں، اور جس کے
جوڑنے کو خدا نے کہا ہے، اس کو
جوڑے رکھتے ہیں، اور اپنے مالک
سے ڈرتے ہیں، اور بری طرح حساب
ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں، اور جنہوں نے
اپنے مالک کی خوشی کے لئے صبر کیا، اور

Marfat.com

اَلصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ	نماز کھڑی کی، اور ہم نے جو ان کو دیا اس سے
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ	چھپے اور کھلے (اچھے کاموں میں) خرچ
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ	کیا، اور برائی کو بھلائی سے دور کرتے
عُقْبَى الدَّارِ (رعد-۳)	ہیں، انہی کے لئے عاقبت کا گھر ہے؛

اس ایفائے عہد سے وہ بھی مراد ہو سکتا ہے، جو بندہ اپنے خدا سے کرتا ہے، اور اس سے وہ عہد بھی سمجھا جا سکتا ہے، جو خدا کا نام لے کر بندہ بندہ سے کرتا ہے، اور جس کے جوڑنے کا حکم ملا ہے، وہ اہلِ قرابت اور حقداروں کے حقوق ہیں، ان دو کے سوا ان آیتوں میں انکی تعریف کی گئی ہے جو برائی کے بدلہ لوگوں سے بھلائی کرتے ہیں، یا یہ کہ بھلائی کر کے برائی کو دور کرتے ہیں

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا	اس پچھلے گھر کو ہم ان کے لئے کریں گے
لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي	جو زمین میں غرور اور فساد کرنا نہیں
الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ	چاہتے، اور آخر انجام پرہیزگاروں
لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (قصص-۹)	کے لئے ہے۔

یعنی غرور و نخوت نہیں کرتے ،

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ	اور جو بڑے گناہوں اور بے حیائی
وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ	کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب
يَغْفِرُوْنَ ۝ (شوریٰ-[illegible])	انہیں غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں

یعنی غصہ آنے پر بھی بے قابو نہیں ہوتے، اور معاف کر دیتے ہیں،

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (مائدہ ۶) بیشک اللہ انصاف والوں کو پیار کرتا ہے،

عدل وانصاف کی فضیلت کے لئے اس سے بڑھ کر کیا چاہئے کہ وہ خدا کے پیار اور محبت کا ذریعہ ہے،

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ہ بے شک اللہ نیک کام کرنے والوں کو پیار کرتا ہے، (بقرہ - ۲۴)

اس پیار اور محبت کے استحقاق مین ہر نکی کا کام کرنے والا داخل ہے،

حدیثون مین جن اخلاقی فضیلتون کا بیان ہے، وہ متفرق طور سے پچھلے صفحون مین گذر چکی ہین، اور آگے بھی اپنی اپنی جگہ پر آئین گی،

صدق

اوپر کے معیار کے مطابق اخلاقی خوبیوں کے سرفہرست ہونے کی حیثیت جس فضیلت کو حاصل ہے وہ میرے خیال میں سچائی ہے، اس ایک فضیلت کے نیچے منطقی اور نفسیاتی نتیجہ کے طور پر بہت سی اہم اخلاقی فضیلتیں آجاتی ہیں۔

انسان کے ہر قول اور عمل کی درستی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کے لئے اس کا دل اور اُس کی زبان باہم ایک دوسرے سے مطابق اور ہم آہنگ ہوں، اسی کا نام صدق یا سچائی ہے، جو سچا نہیں اُس کا دل ہر بُرائی کا گھر ہو سکتا ہے، اور جو سچا ہے، اس کے لئے ہر نیکی کے حصول کا راستہ آسان ہے، کہتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ مجھ میں چار بُری خصلتیں ہیں، ایک یہ کہ بدکار ہوں، دوسری یہ کہ چوری کرتا ہوں، تیسری یہ کہ شراب پیتا ہوں، چوتھی یہ کہ جھوٹ بولتا ہوں، ان میں جس ایک کو فرمایئے آپ کی خاطر سے چھوڑ دوں، ارشاد ہوا کہ جھوٹ نہ بولا کرو، چنانچہ اُس نے اس کا عہد کیا، اب جب رات ہوئی تو شراب پینے کو اٹھا کہ جی چاہا اور پھر بدکاری

کے لئے آمادہ ہوا تو اس کو خیال گذرا کہ صبح کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوچھیں گے کہ رات تم نے شراب پی اور بدکاری کی ؟ تو کیا جواب دوں گا، اگر ہاں کہوں گا تو شراب اور زنا کی سزا دیجائے گی، اگر نہیں کہوں تو عہد کے خلاف ہوگا، یہ سوچ کر ان دونوں سے باز رہا، جب رات زیادہ گذر گئی، اور اندھیرا خوب چھا گیا تو چوری کے لئے گھر سے نکلنا چاہا، تو پھر اسی خیال نے اس کا دامن تھام لیا کہ کل پوچھ گچھ ہوئی تو کیا کہوں گا، ہاں کروں گا تو ہاتھ کٹے گا، اور نہیں کرتا تو بدعہدی ہوتی ہے، اس خیال کے آتے ہی اس جرم سے بھی باز آیا، صبح ہوئی تو وہ دوڑ کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا، اور عرض کی، یا رسول اللہ جھوٹ نہ بولنے سے میری چاروں بری خصلتیں مجھ سے چھوٹ گئیں، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے، [1]

یہ روایت سند کے رو سے کتنی ہی کمزور ہو مگر نتیجہ کے لحاظ سے بالکل درست ہے، سچائی کی عادت انسان کو بہت سی برائیوں سے بچاتی ہے، جو سچا ہوگا وہ برائی سے پاک ہونے کی کوشش ضرور کرے گا، وہ راست باز ہوگا، راست گو ہوگا، ایماندار ہوگا، وعدہ کو پورا کرنیوالا ہوگا، عہد کو وفا کرے گا، دلیر ہوگا، دل کا صاف ہوگا، ریا کار نہ ہوگا، اس کے دل میں نفاق نہ ہوگا، پیچھے کچھ اور سامنے کچھ اوس کی شان نہ ہوگی، خوشامدی نہ ہوگا، سب کے بھروسہ کے قابل ہوگا، لوگوں کو اس کے قول وفعل پر اعتبار

---

[1] اس قصہ کو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں سورۂ ن میں کتب کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن مجھے اس کا ماخذ نہیں معلوم ہوا،

Marfat.com

ہوگا، جو کہے گا، کرے گا، غرض جس پہلو سے دیکھئے سچائی بہت سی اخلاقی خوبیوں کی اصلی بنیاد قرار پائے گی،

صدق، صفاتِ ربانی میں سب سے بڑی صفت ہے، خدا سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے، قیامت کے وعدہ کے سلسلہ میں خدا آپ فرماتا ہے،

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ہ (نساء-۱۱) اور کون اللہ سے زیادہ سچا ہے بات میں،

اسی طرح بہشت کے وعدہ کی تقریب سے ارشاد ہے،

وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ہ (نساء-۱۸) وعدہ کیا اللہ نے سچ، اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچا بات میں،

خدا سچا ہے، اس لیے اسی کی ساری شریعت بھی ہے، فرمایا:

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ہ (انعام-۱۸) اور ہم ہیں سچے،

قُلْ صَدَقَ اللّٰہُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ہ (آل عمران-۱۰) کہہ (اے پیغمبر) اللہ نے سچ فرمایا تو ابراہیم حنیف کے پنتھ کی پیروی کرو،

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (زمر-۴) اور جو سچائی کو لے کر آیا، اور اس سچائی کو سچ مانا، وہی تو پرہیزگار ہیں،

اس آخری آیت میں سچائی سے گو مراد دین کی سچائی ہے، مگر لفظ کا مفہوم ہر سچائی کو وسیع ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پرہیزگاری کی بنیاد سچائی کے ساتھ ہے

ہوتے ہین، ہر سچی بات کو قبول کرتے ہین، اور اپنے ہر قول اور عمل مین سچائی کو پیش کرتے ہیں،

اہل ایمان کا یہ حال ہے کہ جب خدا اور اس کے رسولون کے وعدون کو سچا ہوتے اپنی آنکھون سے دیکھتے ہین تو پکار اٹھتے ہین،

وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (احزاب) اور خدا اور اُس کے رسول نے سچ کہا،

چونکہ رسول، خدا سے علم پاتے ہین، اس لئے وہ بھی سچے ہوتے ہین،

وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (یٰسین ۲) اور پیغمبرون نے سچ کہا،

اسی سے ظاہر ہے کہ صدق اور سچائی پیغمبرون کا سب سے پہلا وصف ہے، کیونکہ اُن کی ساری باتین، دعوے، دلیلین اور حکم اگر نعوذ باللہ سچائی سے ذرا بھی خالی ہون تو اُن کی پیمبری اور نبوت کی ساری عمارت دھم سے زمین پر گر جائے، اللہ تعالیٰ نے کئی پیغمبرون کو اس صفت سے خاص طور سے موصوف کیا ہے، سب سے پہلے تو خود ملت حنیف کے داعی حضرت ابراہیمؑ کو اس سے متصف فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّہٗ اور کتاب مین ابراہیم کا حال بیان کر کہ

کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۝ (مریم ۳) کہ وہ بڑے سچے اور نبی تھے،

ایک اور پیغمبر حضرت ادریسؑ کو بھی اللہ نے اس سے نامزد کیا ہے،

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ اِنَّہٗ اور کتاب مین ادریس کا حال بیان کر کہ

کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۝ (مریم ۴) وہ بڑے سچے اور نبی تھے،

Marfat.com

حضرت مریمؑ جنھون نے اللہ کی باتون کے سچ ماننے مین ذرا بھی پس وپیش نہین کیا،
اس وصف سے ممتاز ہوئین، فرمایا گیا،

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ (مائدہ-۱۰) اور اُن (عیسٰی) کی ماں بڑی سچی تھین،

حضرت یوسفؑ جو خواب کی تعبیر مین ایسے سچے نکلے، بندون کی زبان سے
صدیق کہلائے،

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ (یوسف) یوسف! اے بڑے سچے!

حضرت اسماعیلؑ نے اپنے باپ سے صبر وشکو کا جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا کر دیا تو
خدا سے صادق الوعد (وعدہ کا سچا) خطاب پایا،

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ اور کتاب مین اسمٰعیل کا ذکر کر،
كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ بے شبہ وہ وعدہ کا سچا، اور بھیجا
رَسُوْلًا نَّبِيًّا (مریم-۴) ہوا نبی تھا،

خدا کی خوشنودی والی جنت جن لوگون کو ملے گی، اُن مین وہ بھی ہون گے، جو دنیا
میں دوسری صفتون کے ساتھ سچائی اور راستبازی سے ممتاز تھے،

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ (آل عمران ۲) صبر کرنے والے اور سچے،

خدا نے جن لوگون کے لئے اپنی مغفرت اور اجر عظیم کے وعدے کئے ہین، اُن مین
اسلام وایمان اور خدا کی فرمان برداری کے بعد پہلا درجہ سچون اور راستبازون کا
ہے، فرمایا:-

Marfat.com

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ	بے شک اسلام قبول کرنے والے
وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ	مرد اور عورتیں، ایمان لانے والے
وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَ	مرد اور عورتیں، اور فرمانبردار مرد
الصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ	اور عورتیں، اور سچے، مرد اور سچی
الآیہ ۔ ۔ ۔ ۔	عورتیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا	خدا نے اُن کے لئے مغفرت اور بڑی
عَظِيْمًا ۝ (احزاب۔ ۵)	مزدوری رکھی ہے،

اس سچائی کے کاروبار کا صلہ دوسری زندگی میں ملے گا، اور وہ وہاں ہماری کامیابی کا ذریعہ بنے گی، قیامت کی نسبت ہے،

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ	یہ دن ہے کہ سچے بندوں کو اُن کا
صِدْقُهُمْ، (مائدہ۔۱۶)	سچ کام آئے گا،

اس امتحان میں جس سے جس قولی اور عملی سچائی کا ظہور ہوگا، اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کو انعام اور عوض بھی عطا فرمائے گا، چنانچہ فرمایا،

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ	تاکہ اللہ سچے اُترنے والوں کو اُن کی
بِصِدْقِهِمْ ۝ (احزاب۔۳)	سچائی کا عوض دے،

اسلام میں سچائی کی اہمیت اتنی بڑھائی گئی ہے کہ یہی نہیں کہ سچائی اختیار کرنیکا یہ حکم دیا گیا ہے، بلکہ یہ بھی تاکید آئی ہے کہ ہمیشہ سچوں کا ساتھ دو، سچوں کا

جماعت سے علاقہ اور رابطہ رکھو، اور ان ہی کی صحبت میں رہو کہ ان کی سچائی کے اثر سے تم بھی سچے بنو، کعب بن مالکؓ اور ان کے دوساتھیوں نے جو تبوک کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جاسکے تھے، ہر قسم کی تکلیفیں سہہ کر جس سچائی کا ثبوت دیا تھا، اس کی طرف اشارہ کرکے خدا فرماتا ہے،

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ	اے ایمان لانے والو خدا سے ڈرو، اور
وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (توبہ ۱۵)	سچوں کے ساتھ رہو،

اہل تفسیر کے نزدیک یہاں ان سچوں سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ بڑے بڑے صحابی ہیں جن کی سچائی کا بارہا امتحان ہوچکا تھا، مگر بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بعد بھی یہ آیت کریمہ اپنی لفظی وسعت کے سبب سے ہر دور کے مسلمانوں کو سچوں کی معیت اور صحبت کی دعوت دیتی ہے،

سچائی کے معنی عام طور سے صرف سچ بولنے کے سمجھے جاتے ہیں، مگر اسلام کی نگاہ میں اس کے بڑے وسیع معنی ہیں، جس کے لحاظ سے اس کے اندر اکیلے قول ہی نہیں، بلکہ عمل کی بھی ہر سچائی داخل ہے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں بڑی وضاحت سے اس کی چھ قسمیں کی ہیں، اور قرآن و حدیث سے ہر ایک کے معنی بتائے ہیں، یعنی زبان کی سچائی، ارادہ اور نیت میں سچائی، عزم میں سچائی، عزم کو پورا کرنے میں سچائی، عمل میں سچائی، اور دینداری کے مقامات اور مراتب میں سچائی، لیکن ذرا معنی میں وسعت دیجئے تو اس کی تین ہی قسموں میں ساری سچائیاں آجاتی ہیں، یعنی زبان کی سچائی،

دل کی سچائی اور عمل کی سچائی،

زبان کی سچائی | یعنی زبان سے جو بولا جائے وہ سچ بولا جائے، اور منہ سے کوئی حرف صداقت کے خلاف نہ نکلے، یہ سچائی کی عام اور مشہور قسم ہے، جس کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے، وعدہ کو پورا کرنا اور عہد اور قول و قرار کو نباہنا بھی اسی قسم میں داخل ہے، اور یہ ایمان اور اسلام کی بڑی نشانی ہے، اس کے برخلاف ہر قسم کا جھوٹ دل کے نفاق کے ہم معنی ہے، سورۂ احزاب میں ایک آیت ہے،

لِّيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ	تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا عوض
وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ الآية	دے، اور منافقوں کو سزا دے، اگر
(احزاب-۳)	چاہے.....

اس آیتِ پاک میں صادق کا مقابل منافق کو قرار دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ صدق ایمان کا، اور جھوٹ نفاق کا سرمایہ ہے، اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کے مختلف پیرایوں میں ظاہر فرمایا ہے، صفوان بن سلیم تابعی سے مرسلاً روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا مسلمان نامرد بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہو سکتا ہے، پھر پوچھا کیا بخیل بھی ہو سکتا ہے، جواب دیا ہو سکتا ہے، پھر دریافت کیا کیا جھوٹا بھی ہو سکتا ہے، فرمایا نہیں[1]، کسی صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مومن ہر خصلت پر پیدا ہو سکتا ہے، لیکن خیانت کاری

---

[1] موطا امام مالک باب ما جاء فی الصدق والکذب،

اور جھوٹ پر[1] (نہیں) مطلب یہ ہے کہ مومن میں ہر برائی ہو سکتی ہے، مگر خیانت کاری اور جھوٹ کی صفت نہیں ہو سکتی ہے، کہ یہ ایمان کے جوہر کے سراسر خلاف ہے، اسی لئے ارشاد ہوا کہ کسی بندہ کا ایمان پورا نہیں ہوگا جب تک وہ جھوٹ کو ہر طرح سے نہ چھوڑ دے، یہاں تک کہ مذاق اور جھگڑے میں بھی اگر چہ وہ حق ہی پر کیوں نہ ہو[2]، ان روایتوں کی معنوی تائید اس مشہور حدیث سے ہوتی ہے، جو صحاح کی اکثر کتابوں میں ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرو صحابی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں چار باتیں ہوں، وہ پکا منافق ہے، اور جس میں ان میں سے ایک بات ہو تو اس میں نفاق کی ایک نشانی پائی جاتی ہے، جب تک وہ اس کو نہ چھوڑ دے، جب امانت اس کے سپرد کی جائے، تو خیانت کرے، جب بات کرے جھوٹ بولے، جب کوئی قرار کرے، تو پورا نہ کرے، اور جب جھگڑے تو حق کے خلاف کہے[3]، یہی روایت اس طرح بھی ہے کہ منافق کی علامتیں تین ہیں، جب کہے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، اور جب امین بنایا جائے، تو بے ایمانی کرے[4]، صحیح مسلم میں اس کے بعد ہے

---

[1] عن ابی امامۃ عند احمد، وعن سعد بن ابی وقاص عند البزاز وابی یعلی والطبرانی فی الکبیر والبیہقی من حدیث ابن عمر وقد روی مرفوعاً وموقوفاً [2] مسند احمد عن ابی ہریرۃ وطبرانی، نیز مسند ابی یعلی عن عمر رضی اللہ عنہ یہ حدیثیں حافظ منذری کی ترغیب وترہیب جلد دوم باب الترغیب فی الصدق سے لی گئی ہیں، [3] صحیح بخاری کتاب الایمان، صحیح مسلم وابو داود وترمذی ونسائی [4] صحیح بخاری کتاب الایمان، و کتاب الادب وصحیح مسلم،

اگرچہ وہ نمازی اور روزہ دار ہی کیوں نہ ہو اور اپنے کو مسلمان ہی کیوں نہ کہتا ہو[۱]

ان روایتوں سے یہ پوری طرح معلوم ہوا کہ سچائی سے ایمان کی اور جھوٹ سے نفاق کی پرورش ہوتی ہے، یعنی صدق کی راہ سے ایمان اور نیکی کا جذبہ ابھرتا ہے، اور جھوٹ کی راہ سے نفاق اور برائی کی خواہش پیدا ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ بولنا نیکی کا راستہ بتاتا ہے، اور نیکی جنت کو لے جاتی ہے، اور آدمی سچ بولتا جاتا ہے اور سچ بولتے بولتے وہ صدیق ہو جاتا ہے، اور جھوٹ بدکاری کا راستہ بتاتا ہے، اور بدکاری دوزخ کو لے جاتی ہے، اور آدمی جھوٹ بولتا جاتا ہے، یہانتک کہ جھوٹ بولتے بولتے وہ خدا کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے[۲]

دل کی سچائی صدق کی دوسری قسم دل سے تعلق رکھتی ہے، اور اس حیثیت سے صدق اور اخلاص دونوں ایک ہی چیز بن جاتے ہیں، اور اس حالت میں بعض موقعوں پر زبان سے سچ کا اظہار بھی اس لئے جھوٹ ہو جاتا ہے کہ وہ دل کی تہ سے نہیں نکلا، منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر آپ کی رسالت کا زبانی اقرار کرتے تھے، اور آپ کی رسالت ایک بالکل سچی بات تھی، لیکن چونکہ یہ اقرار اُن کے ضمیر کے خلاف تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ، (منٰفقون-۱)	اور اللہ جتائے دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں،

[۱] صحیح مسلم [۲] صحیح بخاری، کتاب الادب،

Marfat.com

یعنی اپنی شہادت میں جھوٹے ہیں، زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں لیکن اُن کا یہ اقرار اور اُن کی یہ گواہی اُن کے دل کا اقرار اور گواہی نہیں، اُن کے دل میں کچھ ہے، اور زبان پر کچھ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سچائی اس کا نام ہے کہ زبان سے دل کی صحیح ترجمانی کی جائے، اگر ایسا نہ ہو تو اسی کا نام نفاق ہے، جس کی بُرائی سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے، اسی طرح اگر کسی عمل کی دلی غرض کچھ اور ہو، اور ظاہر کچھ اور کیا جائے، تو وہ بھی جھوٹ ہے، ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے تین شخص یعنی ایک عالم، ایک شہید اور ایک دولتمند پیش ہوں گے، ہر ایک اپنے علم و دولت اور جانبازی کے کارنامے بیان کرے گا، لیکن ان کارناموں کو سُن کر خدا کہے گا کہ تم جھوٹ بکتے ہو، اور فرشتے بھی یہی کہیں گے[1] یہ کارنامے اگرچہ غلط طور پر بیان نہیں کئے گئے تھے، تاہم چونکہ اُن میں اخلاص نہ تھا، اور وہ محض شہرت حاصل کرنے کی غرض سے کئے گئے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو جھوٹ کہا کہ اُن کے کارناموں کی حقیقی غرض خدا کی خوشنودی نہ تھی، بلکہ دنیا کی شہرت اور ناموری تھی جس کا خدا کے یہاں کوئی معاوضہ نہیں،

عمل کی سچائی

عمل کی سچائی یہ ہے کہ جو نیک عمل ہو وہ ضمیر کے مطابق ہو، یا یوں کہئے کہ ظاہری اعمال باطنی اوصاف کے مطابق ہوں، مثلاً ایک شخص نماز میں خشوع وخضوع کا اظہار کرتا ہے اور اس سے اس کا مقصود صرف نمائش ہے، تو یہ شخص ظاہر کرکہ

[1] ترمذی کتاب الزہد باب الریاء والسمعۃ،

Marfat.com

دکھاوا ریاکار اور جھوٹا ہے، لیکن ایک گلی جھوٹ اس سے بھی بڑھکر باریک ہے، ایک شخص نمائش کے لئے ایسا نہیں کرتا تاہم ظاہری طور پر اس کی نماز سے جو خشوع و خضوع ظاہر ہوتا ہے، اس کے باطن میں وہ خشوع و خضوع نہیں ہے، اس لئے اس کے ظاہری اعمال اس کے باطن کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے، اس بنا پر وہ بھی اپنے ان اعمال میں صادق نہیں اس لئے زبان کی سچائی، اور دل کی سچائی کے ساتھ عمل کی سچائی بھی ضروری ہے، اسی لئے جن مسلمانوں نے غیر متزلزل ایمان کے بعد خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا، وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک سچے ٹھہرے، خدا نے فرمایا،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا	مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا	رسول پر ایمان لائے، پھر (کسی طرح
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَ	کا) شک و شبہہ نہیں کیا، اور
أَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ	اللہ کے رستے میں اپنی جان و مال سے
هُمُ الصَّادِقُونَ (حجرات-۲)	جہاد کیا یہی سچے لوگ ہیں۔

یہ سچے اس لئے ٹھہرے کہ ان کا یہ عمل ان کی دلی کیفیت کا سچا ترجمان ہوا، زبان اور دل سے جس ایمان کا اقرار کیا تھا عمل سے اس کی تصدیق کردی،

اس صدق عملی کے کئی مرتبے ہیں، ایک یہ بھی ہے، کہ جو ارادہ کیا جائے اس میں کسی قسم کا ضعف و تردد نہ پیدا ہو، مثلاً ایک شخص احکام الٰہی کی تعمیل کا ارادہ ظاہر کرتا ہے لیکن جب اس کی آزمایش کا وقت آتا ہے، تو اس کے ارادہ کا ضعف ظاہر ہوتا ہے، اس لئے

Marfat.com

ایسے شخص کو صادق العزم یعنی ارادہ کا پکا نہیں کہہ سکتے۔ اس قسم کا صادق العزم وہی شخص ہو سکتا ہے جو مومن کامل ہو۔ منافق لوگ اس امتحان میں پورے نہیں اتر سکتے، کیونکہ عدم یقین کی بنا پر وہ دل کے بودے ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ (محمد ع ۳)	اور سچے مسلمان تو یہ تمنا ظاہر کرتے ہیں کہ (جہاد کے بارے میں) کوئی سورت نازل ہو، پھر جب کوئی سورۃ اترتی ہے، اس میں لڑائی کا تذکرہ ہو تو (اے پیغمبر) جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، تم اُن کو دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف ایسے (خوفزدہ) دیکھ رہے ہیں، جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو، تو اُن پر تف ہو، (رسول کی) فرمانبرداری چاہیئے اور صاف و صحیح جواب دینا چاہیئے اور جب بات ٹھن جاتی پھر یہ لوگ خدا سے سچے رہیں تو یہ اُن کے حق میں بہتر ہے،

اس مرتبہ سے بڑھکر صدق عملی کا مرتبہ یہ ہے کہ جو قول و قرار کیا جائے اور جس قول و

قرار کے پورا کرنے کا سچا عزم کیا جائے، اس کو وقت پڑنے پر پورا کر بھی دکھایا جائے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ انسان کسی موقع پر عزم صادق کرلے، اور اس میں کسی قسم کا ضعف نہ ہو، لیکن جب اس کے پورے کرنے کا وقت آئے تو اُس میں ضعف ظاہر ہو، اس لئے صحابہ کرام میں جن لوگوں نے عزم صادق کے ساتھ عملاً اپنے عزم کو پورا کر دکھایا ہے، خدا نے اُن کو سچا کہا ہے،

چنانچہ حضرت انسؓ بن نضر کو غزوہ بدر میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا، اس کی تلافی کے لئے انھوں نے کہا کہ اب اگر مجھ کو کسی غزوہ میں شرکت کا موقع ملا، تو اپنی جانبازی کے جوہر دکھاؤں گا، چنانچہ اس کے بعد غزوہ اُحد میں شریک ہوئے اور نیزے تلوار اور تیر کے تقریباً اسی زخم کھا کر شہادت حاصل کی، ایفاے عزم کی یہ بہترین مثال تھی، اس لئے خداوند تعالیٰ نے اُن کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی، [1]

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا	مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ
مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ	خدا کے ساتھ انھوں نے (جان نثاری
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ	کا) جو عہد کیا تھا، اس میں سچے اُترے
مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا	سو (بعض تو) اُن میں سے ایسے تھے
بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا لِيَجْزِيَ	جو اپنی پوری کرگئے، (یعنی شہید ہوگئے)
اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ	اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو

[1] بخاری تفسیر سورۂ احزاب،

Marfat.com

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔

(احزاب - ۳)

(شہادت کے) منتظر ہیں اور انھوں نے (اپنی بات میں) ذرا سا بھی تو رد و بدل نہیں کیا تاکہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا عوض دے، اور منافقوں کو سزا دے اگر چاہے یا اُن کو معاف کرے[1] بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

صدق عمل کی سب سے اعلیٰ قسم یہ ہے کہ انسان کے ظاہر و باطن یعنی اس کی زبان کا ہر حرف، دل کا ہر ارادہ اور عمل کی ہر جنبش حق و صداقت کا پورا مظہر ہو جائے، قرآن نے ایسے ہی لوگوں کو صدیق کہا ہے، اُن کا یہ حال ہوتا ہے کہ جو کچھ دل سے مانتے ہیں عمل اس کی تصدیق اور زبان سے اس کا برملا اقرار اور یقین کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں بعض بعض صحابیوں کے حالات میں اس کیفیت کا ذکر آتا ہے، ایک بار ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں خدا پر سچائی کے ساتھ ایمان لایا ہوں، آپ نے کہا کہ سوچ سمجھ کر کہو کیونکہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ بولے میرا دل دنیا سے پھر گیا ہے، اس لئے رات کو جاگا کرتا ہوں، (نماز) اور دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں (روزہ) گویا میں علانیہ عرشِ الٰہی کو دیکھ رہا ہوں گویا مجھ کو نظر آتا ہے کہ اہل جنت باہم مل جل رہے ہیں، گویا میں دوزخیوں کو واویلا کرتے ہوئے دیکھتا ہوں ارشاد ہوا کہ تم نے جان لیا اسی پر قائم رہو۔[2]

[1] یعنی ان منافقوں کو توبہ کی توفیق ہو اور وہ سچے دل سے پچھتائیں تو خدا ان کو معاف فرما دے گا۔ اسد الغابہ تذکرۂ حارث بن مالک۔

صحابۂ کرام ایمان کی یہی حقیقت سمجھتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص صحبتوں میں اُن کو ایمان کا یہی درجہ حاصل ہوتا تھا، ایک بار حضرت حنظلہؓ اسیدی حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے روتے ہوئے گذرے، انھوں نے پوچھا حنظلہ کیا بات ہے؟ بولے میں منافق ہوگیا، ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں، اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں، تو گویا ہم اُن کو علانیہ دیکھ لیتے ہیں لیکن جب پلٹ کر بال بچوں، اور دنیوی کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں تو سب بھول جاتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ہماری بھی یہی حالت ہوتی ہے، اب دونوں بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور یہ واقعہ بیان کیا، ارشاد ہوا کہ اگر یہ حالت ہمیشہ قائم رہتی تو فرشتے تم سے تمھاری مجلسوں میں مصافحہ کرتے، یہ حالت تو کبھی کبھی پیش آجاتی ہے[1]

قرآن پاک کی اس آیت میں گویا اسی قسم کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے فرمایا،

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ	ہرگز نہیں اگر تم کو یقینی علم ہوتا تو تم
(تکاثر)	سے غفلت نہ ہوتی،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سچے یقین سے اس کے نتائج الگ نہیں ہوسکتے،

سچائی کی اسی اعلیٰ ترین قسم کا تذکرہ قرآن پاک کی ان آیتوں میں ہے،

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ	نیکی یہی نہیں کہ (نماز میں) اپنا منہ مشرق
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	یا مغرب کی طرف کرو، بلکہ نیکی تو اُن کی ہے

[1] ترمذی ابواب الزہد،

Marfat.com

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ	جو اللہ اور روزِ آخرت اور فرشتوں
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	اور (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى	پر ایمان لائے، اور مال اللہ کی
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى	حُب پر رشتہ داروں اور یتیموں
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ	اور محتاجوں اور مسافروں اور
السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي	مانگنے والوں کو دیا، اور (غلامی
الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ	وغیرہ کی قید سے لوگوں کی) گردنوں
اٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ	(کے چھڑانے) میں (دیا) اور نماز
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا	پڑھے اور زکوٰۃ دیتے رہے، اور جب
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ	(کسی بات کا) اقرار کرلیا، تو اپنے
وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ	قول کے پورے، اور تنگی اور تکلیف
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	میں اور لڑائی کے وقت میں ثابت
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ،	قدم رہے، یہی لوگ ہیں جو سچے نکلے
(بقرہ ع ۔ ۲۲)	اور یہی ہیں پرہیزگار،

ان آیتوں میں جن کو صادق کہا گیا ہے اُن کے تین قسم کے اوصاف بتائے گئے ہیں، اوّل اُن کے ایمان کا کمال، دوسرے اُن کے نیک عمل اور تیسری جانچ میں ان کا ہر طرح پورا اترنا، اور جو لوگ علم اور عمل کے اِن تمام فضائل کے درجۂ کمال

کو پہنچ جاتے ہیں، اُن کو شریعت کی زبان میں جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا، صدیق کہتے ہیں[1] جو نبوت کے بعد انسانیت کا سب سے پہلا مرتبہ کمال ہے چنانچہ آیتِ ذیل میں نبی کے بعد ہی صدیق کا نام لیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ اس جماعت کی رفاقت اور ہمرہی کا ذریعہ اللہ اور رسول کی کامل اطاعت ہے،

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ	اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے۔
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ	تو وہ (جنت میں) اُن (مقبول بندوں)
عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ	کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ	کئے یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور
حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا	(دوسرے) نیک بندے اور یہ لوگ
(نساء - ۹)	(کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں،

سورۂ حدید میں ایمان کامل اور جانی و مالی جہاد کی بار بار دعوت کے بعد ارشاد ہے،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ	اور جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (حدید)	لائے وہی صدیق ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ صدیقیت اُس کامل ایمان کے ذریعہ سے نصیب ہوتی ہے، جس سے عمل کبھی جدا نہیں ہو سکتا، یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ انسان سچ

---

[1] الصدیق الذی یصدق قولہ	صدیق وہ ہے جس کے قول کی تصدیق
بالعمل، (مجمع البحار فتنی)	عمل سے ہو،

بولتے بولتے صدیق ہو جاتا ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف ایک دو دفعہ سچ بول دینے سے یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے صداقت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی ضرورت ہے،

اس تفصیل سے اندازہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے سچائی کی تلقین کس وسعت اور گہرائی کے ساتھ کی ہے، زبان کی سچائی، دل کی سچائی، اور عمل کی سچائی اور جب ان تینوں میں کوئی مسلمان کامل ہو، تو وہ کامل راست باز اور صادق ہے

Marfat.com

سخاوت

سچائی کے بعد اسلام کی دوسری بنیادی اخلاقی تعلیم سخاوت ہے، سخاوت کے حقیقی معنی اپنے کسی حق کو خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کردینے کے ہیں، اور اس کی بہت سی صورتیں ہیں، اپنا حق کسی کو معاف کرنا، اپنا بچا ہوا مال کسی دوسرے کو دینا، اپنی ضرورت کا خیال کئے بغیر کسی دوسرے کو دینا، اپنی ضرورت کو روک کر کسی دوسرے کو دینا، دوسرے کے لئے اپنے جسم کی قوت کو خرچ کرنا، اپنے دماغ کی قوت کو خرچ کرنا، اپنی آبرو کو خطرہ میں ڈال دینا، اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دینا، دوسروں کو بچانے کے لئے یا حق کی حمایت میں اپنی جان دے دینا، یہ سب سخاوت کی ادنیٰ اور اعلیٰ قسمیں ہیں جن کے امتیاز کے لئے الگ الگ نام رکھے گئے ہیں،

اس سے معلوم ہوگا کہ سخاوت اور فیاضی کی تعلیم کتنے وسیع معنوں کو گھیرے، اور اخلاق کی کتنی ضمنی تعلیموں کو محیط ہے، اور ان سب کا منشا یہ ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہی خیال اکثر بنیادی کاموں کی بنیاد ہے،

سورۂ بقرہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے کچھ اوصاف بتائے

ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے،

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (بقرہ - ۱)

اور ہم نے ان کو جو روزی دی، اس میں سے کچھ (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں،

بعض اہل تفسیر نے اس خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ لی ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ کے ساتھ خاص نہیں ہے[1]، بلکہ یہاں جس طرح روزی کی تخصیص نہیں کی گئی کہ کیا دی گئی پھل کہ مویشی کہ سونا چاندی یا کوئی اور چیز، اسی طرح اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں دینے کی صورت کی بھی تعیین نہیں کی گئی، خدا نے جس بندہ کو جو کچھ اپنے فضل سے دیا ہے، اس کو اس میں سے اس شخص کو دینا چاہیے جس کو یہ نہیں ملا، یا ضرورت سے کم ملا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس کو ملا ہے، اس میں سے کچھ اُن کو دینا جو اس سے محروم رہے ہیں، یا جو اس کے محتاج ہیں متقیوں کی نشانی ہے، اور اسی کا نام اخلاق کی اصطلاح میں سخاوت اور فیاضی ہے،

ایمان کے بعد اسلام کے دو سب سے اہم رکن نماز اور زکوٰۃ ہیں، زکوٰۃ کی اصلی روح یہی سخاوت اور فیاضی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی نظر میں اس اخلاقی تعلیم کی حیثیت بالکل بنیادی ہے، یعنی جس طرح نماز کی عبادت ہر قسم کے حقوق الٰہی کی بنیاد ہے، اسی طرح سخاوت اور فیاضی بندوں کے ہر قسم کے حقوق کی اساس ہے، جب تک کسی میں یہ وصف پیدا نہ ہوگا، اس میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا

[1] تفسیر ابن جریر طبری جلد اول تفسیر آیت مذکور۔

جذبہ نہ ہوگا، اسی لئے اسلام نے زکوٰۃ کو فرض کرکے انسان کے اسی جذبہ کو ابھارا ہے،
سارا قرآن انفاق (خرچ کرنا) اور ایثار (دینا) کے حکم اور تعریف سے بھرا ہوا ہے، سورہ
بقرہ میں خصوصیت کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید آئی ہے، اور کہیں کہیں
اس کو جہاد کی ایک کڑی بنا دیا گیا ہے، فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اس میں
رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ	سے کچھ خرچ کرو، جو ہم نے تم کو دیا،
يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ	اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں
وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ	نہ خرید ناہے، نہ دوستی ہے، نہ سفارش
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ، (بقرہ - ۳۴)	ہے اور کافر ہی ہیں ظالم،

اس آیت پاک کا آخری ٹکڑا (اور کافر ہی ہیں ظالم) غور کے قابل ہے، اس ٹکڑے سے قیاس ہوتا ہے کہ جو شخص، روز جزا کے فائدہ کا خیال نہ کرکے خدا کی راہ میں اپنی کوئی چیز خرچ نہیں کرتا، وہ کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے، یا یہ کہ وہ کافر نعمت ہے، جو خدا کی روزی کی نعمت پاکر اس کے شکرانہ میں اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں نہیں دیتا،

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کیسے پُر تاثیر انداز میں بندوں کو اپنی دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرنے پر ابھارا ہے، کہ اے لوگو! اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں خدا کی رحمت، اور عذاب سے چھٹکارا نہ خرید و فروخت سے حاصل ہو سکتا ہے، نہ دوستی و محبت سے اور نہ کسی وسفارش سے، کچھ اپنی روزی میں سے جو خود تمہاری نہیں،

میری ہی دی ہوئی ہے، خرچ کر کے خدا کی رحمت اور دوستی کو خرید لو، کہ اس دن یہی کام آنے والا ہے،

خدا کی راہ میں جو سخاوت کی جائے ضرور ہے کہ اس میں خلوص نیت ہو، اس سے مقصود نہ تو کسی کو ممنونِ احسان بنانا ہو اور نہ اس کا دنیا میں بدلہ لینا ہو، خود رسول کو حکم ہوا وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ، (مدثر-۱) اور احسان نہ کیا کرو کہ اس کے عوض زیادہ بدلہ چاہو، اس خلوص کے ساتھ جو خرچ کیا جائے گا اس کی مزدوری خدا دے گا اور قیامت کے غم و ملال سے اس کو ہر طرح آزاد رکھے گا، ارشاد ہے:

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا
أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَّهُمْ
أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
(بقرہ-۳۶)

جو لوگ دولت اللہ کی راہ میں خرچ
کرتے ہیں پھر اس کے خرچ کرنے کے پیچھے
نہ تو احسان دھرتے ہیں اور نہ ستاتے
ہیں، ان کی مزدوری ان کے
پروردگار کے یہاں دھری ہے اور
نہ ان کو ڈر ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے،

آگے چل کر ارشاد ہے کہ جو دیا جائے وہ کوئی نکمی چیز نہ ہو کہ اس کے دینے سے نفس کی بلندی کے بجائے نفس کی دناءت ظاہر ہو، اس سے، فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا
مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے اس میں
سے جو تم نے کمایا اور اس میں سے

اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ط

(بقرہ - ۳۷)

جو ہم نے تمھارے لئے زمین سے نکالا اچھی چیزیں خرچ کرو، اس میں سے بُری چیز کے دینے کا قصد نہ کرو اگر تم دیتے ہو، حالانکہ تم آپ اس کو لینے والے نہیں مگر یہ کہ آنکھ اُس کے لینے میں بیچ لو۔

مطلب یہ ہے کہ جس کو تم خوشی سے لینا پسند کرو، اس کا دینا بھی پسند کرو جب تک ایسا نہ کرو گے اخلاق کا وہ جوہر جس کا نام نیکی اور فیاضی ہے تم کو ہاتھ نہیں آسکتا، صاف فرمایا :-

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۔

(آل عمران - ۱۰)

ہرگز تم نیکی کو نہ پاؤگے جب تک تم اُس میں سے خرچ نہ کرو جو تم کو پسند ہے، اور جو بھی تم خرچ کرو خدا جانتا ہے،

یعنی خدا دل کے حال سے خبردار ہے کس نیت سے اور کس طرح کا مال تم دے رہے ہو، اس کی حقیقت اوروں سے چھپی رہے، تو چھپی رہے مگر اس سب دلوں کے حال جاننے والے سے تو نہیں چھپ سکتی ہے، اور اسی لئے وہ پورا پورا بدلہ بھی دے سکتا ہے، اور اس طرح نیکی کے کام میں جو کچھ تم دیتے ہو، اس کا نفع بھی لوٹ کر تم ہی کو ملے گا، دنیا میں تو اس طرح کہ جماعتی کاموں کی مضبوطی اور جہاد او

Marfat.com

محتاجوں کی مدد میں جو کچھ دیتے ہو، اس سے اس جماعت کا فائدہ بلکہ زندگی ہے جس کے تم خود بھی ایک ممبر ہو، اور دین میں تو ظاہر ہے کہ ہر کام کا بدلہ اسی کو ملے گا جو کریگا، فرمایا:

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (بقرہ۔ ۳۷)	اور جو بھی تم نیکی خرچ کرو تو وہ تمہارے ہی لئے ہے، اور تم نہیں خرچ کرتے، مگر اللہ کے لئے، اور جو بھی تم خرچ کرو، وہ تم کو پورا دیدیا جائے گا، اور تمہارے ساتھ ذرا بے انصافی نہ کی جائے گی،

اور اسی لئے کہ دنیا میں جو کچھ دے گا، وہ آخرت میں اس کو پورا پورا بلکہ بڑھا کر ادا کردیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو قرض سے تعبیر کیا ہے، اور دل بڑھانے والے انداز سے پکارا ہے،

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً (بقرہ۔ ۳۲)	کون ہے ایسا جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض، تو اس کے واسطے وہ اس کو بہت گنا کرے،
مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ (حدید۔ ۲)	کون ہے ایسا جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض، تو وہ اس کو اس کے واسطے دونا کرے اور ہے اس کے لئے عزت کی مزدوری

Marfat.com

آگے چل کر فرمایا،

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ — بے شک خیرات کرنے والے اور خیرات

وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا — کرنے والیاں اور قرض دیتے ہیں اللہ

يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ — کو اچھا قرض، ان کو دونا دیا جائے گا

(حدید-۲) — اور ان کے لئے عزت والی مزدوری ہے،

کہیں حکم کی صورت میں ہے،

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا (مزمل-۲) — اور اللہ کو اچھا قرض دو،

قرض حسنہ یعنی اچھا قرض اسی لئے فرمایا کہ وہ خلوص سے دیا جائے، اور اس کے بدلے میں لینے والے سے کسی دنیاوی غرض کا مطالبہ نہ ہو، نہ اس پر احسان دھرا جائے، نہ اس سے بدلہ مانگنے کی نیت ہو، بنی اسرائیل سے خدا نے جن باتوں کا عہد لیا تھا، اور ان کو قرآن میں مسلمانوں کے سامنے بھی دہرایا گیا ہے، ان میں نماز اور ایمان کے بعد زکوٰۃ کا ذکر ہے،

اور اس کے بعد آخری بات یہ ہے،

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا — اور اگر (اگر) تم اللہ کو اچھی طرح کا قرض

(مائدہ-۳) — دیتے رہے،

تو ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوگا،

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ — تو میں تم سے تمہاری برائیاں اتار دوں گا

وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ — اور تم کو ان باغوں میں داخل کروں گا

Marfat.com

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (مائدہ-۳) | جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو بدوی ایمان لائے، اور خوشی خوشی نیتی کے ساتھ کارِ خیر میں خرچ کرتے تھے، خدا نے اُن کی تعریف فرمائی،

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ | اور بعضے بدوی ایسے ہیں جو اللہ اور
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ | پچھلے دن پر ایمان لائے ہیں، اور
مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ | ٹھہراتے ہیں جس کو خرچ کرتے ہیں،
صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط | اللہ سے نزدیک ہونا، اور رسول کی
(توبہ-۱۲) | دعا لینا،

خدا نے ایسے سخی داتاؤں کو خوشخبری دی،

اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَيُدْخِلُهُمُ | ہاں! وہ اُن کے حق میں نزدیکی کا
اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ | سبب ہے، اُن کو اللہ اپنی رحمت میں
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ | داخل فرمائے گا، بیشک اللہ بخشنے والا
(توبہ-۱۲) | مہربان ہے،

متقی سخیوں کے لئے خدا نے اپنی بخشش اور وسیع جنت کا وعدہ فرمایا ہے، اور اُس کی طرف جھپٹ کر جانے کی منادی کی ہے،

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ | اور اپنے پروردگار کی بخشش اور اس
رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ | جنت کی طرف دوڑو، جس کا پھیلاؤ

وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ	آسمان اور زمین تیار ہوئی ہے پرہیزگارون
الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ	کے واسطے جو خوشی اور تکلیف (دونون
الضَّرَّآءِ (الآیۃ) (آل عمران ۱۴)	حالتون) مین خرچ کرتے ہین.....

سورہ بقرہ مین اللہ تعالیٰ نے اس خرچ کی جو خدا کی راہ مین کیا جائے ایک مثال دی ہے جس سے یہ اچنبھا کہ ایک معمولی سے صدقہ کا ثواب دس گونا کیونکر ہوگا، دور ہوجاتا ہے فرمایا،

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ	اُن کی مثال جو اپنے مال خدا کی راہ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ	مین خرچ کرتے ہین، ایک دانہ کی
اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ	سی ہے جس سے سات بالیں اُگتی
كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط	ہین، ہر بال مین سو دانے ہوتے ہین
وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط	اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھا
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ ۳۶)	دیتا ہے، اور اللہ کشایش والا ہے

جیسے یہ ایک دانہ سینکڑون دانے بن جاتا ہے، ایسے ہی نیکی کا ایک بیج ثواب کے سینکڑون دانے پیدا کرلیتا ہے، خدا گنجایش اور کشایش والا ہے، اس کے ہان ایک کا سو بن جانا کچھ مشکل نہین ہے، اور وہ جانتا بھی ہے کہ کس نے کتنی اچھی نیت سے دیا ہے، اسی رکوع کے آخر مین اللہ تعالیٰ نے اُن کی جو خدا کی خوشنودی کے لئے اچھی نیت سے اپنا مال دیتے ہین، ایک اور مثال دی ہے،

Marfat.com

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ، فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

(بقرہ - ۳۶)

اور اُن کی مثال جو اپنا مال خدا کی خوشنودی چاہنے کے لئے اور اپنے کو پکا کرنے کو دیتے ہیں ایک باغ کی سی ہے، جو کسی ٹیلہ پر ہو، اس پر مینہ پڑا تو اُس نے اپنا پھل دونا دیا، اور اگر مینہ نہیں پڑا تو اوس ہی پڑی، اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے،

اس مثال میں ٹیلہ کی اونچی صالح زمین سے اچھی نیت، بارش سے زیادہ اور اوس سے تھوڑا بہت خرچ کرنا، اور پھل سے ثواب مراد ہے، تو جیسے باغ کسی اچھی زمین میں پانی سے اور نہ ہو تو ذرا سی نمی سے بھی لہلہا اٹھتا ہے، ایسے ہی اچھی نیت سے خدا کی راہ میں جو دیا جائے، وہ ایک کے بدلہ میں سو ہو جاتا ہے، اور اللہ ہمارے ہر کام سے باخبر ہے اس لئے ہماری نیتوں کے بھید سے بھی آگاہ ہے،

اس داد و دہش اور جود و سخا کی بلندی اور پاکیزگی کا بہت اونچا معیار سورۂ واللیل میں بیان کیا گیا ہے،

۱- فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ

تو جس نے (راہِ خدا میں) دیا، اور پرہیز کیا، اور اچھی بات کو مانا،

Marfat.com

لِلْيُسْرٰى ،	تو ہم اس کے لئے (نیکی کی) سہج بات کا
(لیل - ۱)	راستہ آسان کرین گے ،
۲ - وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي	۲ - اور اس (دوزخ کی آگ) سے وہ
يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا	پرہیزگار بچا یا جائے گا جو اپنا مال
لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ	پاکیزگی چاہ کر دیتا ہے ، اور اس پر
تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ	کسی کا احسان نہین جس کا بدلہ دیا
رَبِّهِ الْأَعْلَى وَلَسَوْفَ يَرْضَى	جائے ، بلکہ اپنے پروردگار برتر کی
(لیل - ۱)	خوشی کے لئے اور وہ خوش ہو جائیگا ،

پہلی آیت بتاتی ہے کہ راہ خدا مین دینے کی عادت ، اطاعت و عبادت یا نیک کامون کے کرنے کی روح پیدا کر دیتی ہے جس سے ہر نیک کام کا کرنا اس پر آسان ہو جاتا ہے ، یہ اس نیک عادت کا کتنا بڑا فائدہ ہے ، دوسری آیت کہتی ہے کہ ایسے متقی پر جو داد و دہش کا عادی ہے ، دوزخ کی آگ حرام ہے ، مگر شرط یہ ہے کہ اس جود وسخا کا سبب دنیاوی ناموری یا کسی کے احسان کا بدلہ اتارنا یا کوئی اور غیر مخلصانہ غرض نہ ہو ، بلکہ مقصود صرف خدا ہو ، اور یہ ہو کہ مال و دولت کے میل سے اُس کا دامنِ دل پاک ہو جائے ، تو خدا فرماتا ہے ، تو خدا بھی اس کے اس نیک عمل کا وہ بدلہ اس کو عنایت فرمائے گا کہ وہ بھی خوش ہو جائے گا ، اس دوسری آیت مین یہ اشارہ ہے کہ اس نیک عادت کا اثر یہ بھی ہے کہ اس سے دل مین پاکیزگی آتی ہے ،

Marfat.com

کفر اور نفاق کے بعد مال و دولت کی محبت ہی وہ کثیف غبار ہے، جو دل کے آئینہ کو میلا کرتا، اور حق کے قبول سے روکتا رہتا ہے، دنیا کے اصلاحات کی پوری تاریخ اس واقعہ پر گواہ ہے، اسی لئے اسلام نے جب اپنی دعوت اور اصلاح کا کام شروع کیا تو سب سے پہلے دلوں کے اسی میل کو دھونا چاہا، اور جود و سخا اور داد و دہش کی بر ملا تعریف، اور جمع مال، حرص و طمع اور بخل کی بہت مذمت کی، اور اس بات کی کوشش کی کہ اس کی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ اس کے پیرودں کے دلوں سے مال و دولت کی محبت ہمیشہ کے لئے جاتی رہے،

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ٥	پھٹکار ہو ہر غیبت کرنے والے عیب
الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ	کرنے والے پر جس نے دولت اکٹھی
يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ٥	کی، اور اس کو گن گن کر رکھا سمجھتا ہے
(ھُمزہ - ۱)	کہ اس کی یہ دولت اس کو سدا رکھے گی

ایک اور آیت میں مال کی محبت پر کافروں کو طعنہ دیا ہے،

وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ٥	اور تم مال و دولت سے بہت ہی
(الفجر - ۱)	محبت رکھتے ہو،

یہی محبت سچائی اور نیکی کے راستہ پر چلنے سے روکتی ہے، اور انسان سمجھتا ہے کہ اگر میں نے یہ راستہ اختیار کیا تو میری یہ دولت مجھ سے چھن جائے گی، اور میرا مال خرچ ہو جائے گا، اسی وسوسۂ شیطانی کو خدا نے انفاق (خدا کی راہ میں دنیا) کے سلسلہ

Marfat.com

مین ان لفظون مین ادا کیا ہے،

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ	شیطان تم کو محتاجی کا خیال دلاتا ہے
یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَ اللّٰہُ	اور تمین بے حیائی کی بات (بخل)
یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَ	کو کہتا ہے، اور خدا تم سے اپنی طرف
فَضْلًا ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ	سے گناہون کی بخشایش اور فضل وکرم
	کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ کشایش
(بقرہ ۳۷)	والا ہے، جانتا ہے،

قرآن کی اصطلاح مین دین و دنیا کی ایک بہت بڑی دولت کا نام حکمت ہے، یہ دل کی وہ کنجی ہے جس سے علم اور عمل کا ہر بند خزانہ کھل جاتا ہے حکمت کا یہ خزانہ اس وقت تک کسی کو نہین ملتا جب تک اس کے دل سے دنیا کے مال و دولت کی محبت جاتی نہ رہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس اوپر والی آیت کے بعد ہی ارشاد فرمایا،

یُّؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ	وہ دیتا ہے سمجھ (حکمت) جس کو چاہے
یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ	اور جس کو سمجھ (حکمت) دی گئی اسکو
خَیْرًا کَثِیْرًا ؕ (بقرہ ۳۷)	بڑی دولت ملی،

یعنی یہ سمجھ لینا کہ شیطان کا یہ وہم دلانا کہ ہم دینے سے محتاج ہوجائین گے اس کا سراسر دھوکا ہے، اور خدا کا یہ وعدہ کہ دینے سے اس کے فضل وکرم کا دروازہ کھلے گا درست ہے بہت بڑی دانائی کی بات ہے،

Marfat.com

ایک اور آیت میں ارشاد ہے کہ مال و دولت کی محبت ایک آزمائش ہے، اس آزمائش میں پورا اترنا کامیابی کی شرط ہے، پھر فرمایا جو بخالت اور لالچ سے بچا وہی مراد کو پہنچا، کیونکہ ہر اونچے مقصد کے لئے پہلی شرط جان و مال کی بازی لگانا ہے جس کے پاؤں اس بازی میں ٹھہر گئے، وہی بامراد ہوا، اور جس کے اکھڑ گئے وہ نامراد رہا،

اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ	تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو جانچ
فِتْنَةٌ ط وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ	ہے، اور اللہ کے پاس بڑی مزدوری
عَظِیْمٌ ط فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ	ہے۔ تو اللہ سے ڈرو، جتنا ہو سکے، اور
وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا	(اس کی باتوں کو) سنو اور مانو، اور
لِّاَنْفُسِكُمْ ط وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ	(راہ خدا میں) خرچ کرو، اپنے لئے
نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	بھلائی کرو، اور جو اپنی جان کی لالچ سے
اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا	بچایا گیا، وہی کامیاب ہیں، اگر اللہ
یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ	کو قرض دو اچھا قرض، تو وہ اس کو
شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ	تمہارے لئے دونا کریگا، اور تمہارے گناہ
	معاف فرمائیگا، اور اللہ (نیکی کی) قدر
(تغابن - ۲)	پہچانتا ہے اور برائی کا بدلہ لینے میں ...

ان آیتوں میں انفاق اور کار خیر میں دینے کو کامیابی کی کنجی جو کہا گیا ہے، وہ انسانیت کی اصلاحی تاریخ کے حرف بحرف مطابق ہے۔ قوموں کی ترقی کا مدار بہت

کچھ اس پر ہے کہ وہ اپنی دولت کو اچھے کاموں میں لگاتی اور افراد میں بانٹتی رہیں، یعنی جماعت کے کاموں اور کمائی کے ناقابل یا کمائی سے محروم افراد کی مدد میں اپنا سرمایہ خرچ کرتے رہیں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دولت ایک شخص کے پاس اکٹھی نہ ہونے پائے گی، اور تموّل کی برائیوں سے لوگ بچے رہیں گے، اور بخل اور لالچ کے سبب اچھے کاموں کے کرنے سے ہچکچایا نہ کریں گے، اور سخاوت کی تعلیم سے اسلام کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے،

سخاوت سے جو چیز انسان کو روکتی ہے وہ اس کے دو قسم کے بیہودہ خطرے ہیں،

۱۔ میری چیز ہے میں دوسروں کو کیوں دوں،

۲۔ دوسروں کو دونگا تو میری کمی ہو جائے گی، جس سے ضرورت کے وقت مجھے تکلیف ہو گی،

اسلام نے اپنی تعلیم سے انسان کے ان دونوں وسوسوں کا خاتمہ کر دیا ہے، اس نے یہ بتایا اور اپنے پیروؤں کو اچھی طرح یقین دلایا ہے کہ یہ مال حقیقت میں میرا تیرا کسی کا نہیں وہ صرف خدا کا ہے وہی اس کا مالک ہے، اسی کی چیز ہے، اور اس کی راہ میں دی جانی چاہیئے،

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ	اور تم کو کیا ہوا ہے جو خدا کی راہ میں
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ	خرچ نہیں کرتے، اور آسمانوں اور
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (حدید)	زمین کی میراث اللہ ہی کی ہے،

بخل کی برائی میں کہا،

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (اٰل عمران - ۱۸۰)

اور نہ سمجھیں وہ لوگ جو اس میں بخل کرتے ہیں جس کو اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے کہ یہ اُن کے حق میں بہتر ہے بلکہ یہ اُن کے حق میں بُرا ہے، قیامت کے دن اُن کے گلے میں اس کا طوق ڈالا جائے گا جس کا بخل کیا تھا اور آسمانوں کی اور زمین کی

میراث اللہ ہی کی ہے

ذرا ذرا سے فرق سے قرآن پاک میں بیسیوں جگہ یہ آیت ہے،

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

اور خدا ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے،

اسی طرح بیسیوں مقام پر تھوڑے فرق سے یہ آیت آتی ہے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ،

آسمانوں اور زمین کی ملکیت (یا بادشاہی) اسی کی ہے،

منافقوں نے سازش سے یہ طے کرنا چاہا کہ اب رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور اسلام کی مالی امداد وہ نہ کریں تاکہ جو مسلمان اکٹھے ہوگئے ہیں، وہ سرمایہ نہ ہونے پر بکھر جائیں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اس سازش کی خبر اپنے رسول کو دی، اور ساتھ ہی منافقوں کے اس زعم باطل کی کہ اسلام کا سرمایہ اُن کے دینے سے ہوگا، تردید کی، فرمایا،

Marfat.com

هُمُ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا	وہی لوگ ہین جو کہتے ہین کہ خدا کے
عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ	رسول کے پاس جو لوگ ہین، اُن پہ
حَتّٰی یَنۡفَضُّوۡا ؕ وَ لِلّٰہِ خَزَآئِنُ	خرچ نہ کرو، تاکہ وہ[1] چھوڑ کر الگ ہوجائین،
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لٰکِنَّ	اور اللہ ہی کے ہین خزانے آسمانون
الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَفۡقَہُوۡنَ ،	کے اور زمین کے، اور لیکن منافقین
(منافقون-۱)	سمجھتے نہین ہین.

منافق یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کا یہ سارا سرمایہ جس سے تبلیغ نبوی کی کل چل رہی ہے، اُن کے بل بوتے سے ہے، خدا نے فرمایا یہ سارا خیال غلط ہے، آسمان اور زمین کے خزانہ مین جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے، وہ جہان سے جس کو چاہے، جو چاہے دے دے، دوسرے خیال کو طرح طرح سے باطل کیا، فرمایا،

لَہٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ	اسی کے پاس ہین آسمانون کی اور
یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ	زمین کی کنجیان پھیلا دیتا ہے روزی
وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ	جس کے لئے چاہے، اور ناپ دیتا
عَلِیۡمٌ (شوری-۲)	ہے وہ ہر ایک چیز کی خبر رکھتا ہے،

یہ حقیقت ظاہر کی کہ روزی کی فراوانی اور تنگی دونون انسان کی جانچ کے دو راستے ہین، اگر ایک مین انسان کی فیاضی، مال کے عدم محبت، ایثار، اور جذ

[1] (یا) یہان تک کہ وہ چھوڑ کر الگ ہوجائین،

کا امتحان ہے، تو دوسرے مین انسان کی قناعت پسندی، بے طمعی اور جذبۂ صبر کی آزمایش ہے، فرمایا،

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝ كَلَّا

(فجر)

سو آدمی جو ہے جب اس کا مالک اُس کو جانچے، پھر اس کو عزت دے اور نعمت دے، تو وہ کہتا ہے کہ میرے مالک نے مجھے عزت دی اور جب اوس کو جانچے تو اس کی روزی اس پر تنگ کرے، تو کہتا ہے کہ میرے مالک نے مجھے ذلیل کیا، یہ کوئی بات نہین

غرض روزی کی کشایش اور تنگی دونون خدا کے کام ہین، اور مصلحت سے ہین، دولتمند انسان یہ سمجھتا ہے کہ مجھی مین کوئی بات ہے جس سے مجھے یہ دولت ملی، یا مجھی کو کوئی ایسا ہنر یا طریقہ معلوم ہے جس سے یہ ساری دولت میرے چارون طرف سمٹی آرہی ہے، مذہبی تعلیم کے علاوہ دنیا کے واقعات پر گہری نظر اس یقین کے مٹانے کے لئے کافی ہے، مگر کم نگاہ لوگ ادھر دیکھتے نہین، قرآن نے اس انسانی جبلت کا نقشہ ان لفظون مین کھینچکر اس کی غلطی بتائی ہے،

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ

سو جب آدمی کو کوئی تکلیف آلگے، تو ہم کو پکارے پھر جب ہم اپنی طرف

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ	ہے اس کو کوئی نعمت دین تو کہے کہ
بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ	یہ تو مجھے علم[1] پر ملا ہے (خدا فرماتا ہے) بلکہ
لَا يَعْلَمُوْنَ ، قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ	یہ تو جانچ ہے، مگر بہتیرے اس کو نہین
مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ	سمجھتے یہی بات اُن کے پہلون نے کہی
مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ فَاَصَابَهُمْ	تھی[2]، تو اُن کو اُن کی یہ کمائی کام نہ
سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ	آئی، اور جو کمایا تھا، اس کی بُرائیان
ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ	اُن پر پڑین، اور جو اُن مین سے گنہگار
سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ	ہین، اُن پر بھی اُن کی کمائی کی بُرائیان
بِمُعْجِزِيْنَ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا	پڑنے والی ہین، وہ تھکا نہین سکتے،
اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ	کیا اُن کو یہ خبر نہین کہ اللہ ہی روزی
يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ	جس کے لئے چاہتا ہے پھیلاتا ہے اور
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ،	(جس کو چاہتا ہو) ناپ کر دیتا ہو اس مین

[1] اس کا ایک مطلب تو اہلِ تفسیر نے یہ لیا ہو کہ مجھے یہ پہلے سے معلوم تھا، دوسرا یہ ہو کہ دولت کے حصول کے طریقون کا مجھے ہنر معلوم تھا، اس دوسرے مطلب کی تائید سورۂ قصص مین قارون کے قصہ والی آیت سے ہوتی ہے، (دیکھو روح المعانی جلد ۲۴ ص ۱۱ مصری)

[2] چنانچہ "قارون کو جب راہ خدا مین خرچ کرنے کی نصیحت کی گئی ہو تو اس نے بھی یہی کہا تھا،

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ	قارون نے کہا یہ دولت تو مجھے ایک ہنر
(قصص - ۸)	سے ملی ہے جو میرے پاس ہے،

ایمان والون کے لئے البتہ نشانیان ہین، (زمر- ۵)

ہر جاندار کی روزی خدا کے ذمہ ہے، اس کا یقین انسان کو آجائے تو سخاوت اور فیاضی کا ہر راستہ اُس کے لئے آسان ہو جائے، اسلام نے انسانون کو یہی یقین دلایا ہے، خدا نے فرمایا،

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝

اور کوئی چلنے والا نہین زمین مین مگر یہ کہ اس کی روزی خدا پر ہے، وہ جانتا ہے، جہان اس کو ٹھہرنا ہے (یعنی دوزخ یا بہشت) اور جہان اس کو سونپا جاتا ہے، (یعنی قبر) سب (علم الٰہی) کی کھلی کتاب مین (موجود) ہے،

(ہود - ۱)

دوسرا یقین یہ آئے کہ ہماری روزی مین سے جو کچھ دوسرے کو مل جاتا ہے وہ تقدیر مین اُسی کا حصہ تھا، اس لئے درحقیقت وہ ہمارا تھا ہی نہین، اسلام نے اپنے پیروون کے اندر سخاوت اور فیاضی کا جوہر پیدا کرنے کے لئے اُن یقینیات کو مسلمانون کے ریشہ ریشہ مین رچا دینا چاہا ہے، وہی سب کو روزی پہنچاتا ہے، خدا تعالیٰ پوچھتا ہے،

وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ ۗ

اور تم کو کون روزی دیتا ہے آسمان سے اور زمین سے؟ اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی ہے،

(نمل - ۵)

روزی دینا اسی کا کام ہے،

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ (ذاریات-۳) بے شبہہ اللہ جو ہے وہی روزی دینے والا ہے، زور آور مضبوط،

احادیث مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح کے پر اثر انداز سے اس تعلیم کی تشریح اور تاکید کی ہے، فرمایا "تم باندھو نہین، ورنہ تم پر باندھا جائے گا" یعنی اگر تم اپنی تھیلی کا منہ بند کروگے، اور دوسرون کو نہ دوگے، تو خدا بھی اپنی تھیلی کا منہ تم سے بند کرلے گا، اور تم کو نہین دے گا" ایک دفعہ صحابہ سے پوچھا "تم مین سے کس کو اپنے مال سے اپنے وارثون کا مال زیادہ پیارا ہے"؟ لوگون نے کہا ہم مین کوئی ایسا نہین جسکو اپنے مال سے اپنے وارثون کا مال زیادہ پیارا ہو، فرمایا تو اس کا مال تو وہی ہے جس کو اس نے آگے بھیجا، اور جو پیچھے چھوڑا وہ تو اس کے وارث کا مال ہے[۱] ایک دفعہ آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی، أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ تم کو مال و دولت اور ناز و نعمت کی بڑھوتری نے غفلت مین ڈال دیا) پھر فرمایا آدم کے بیٹے کا یہ حال ہے کہ کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، اور تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے صدقہ کیا، اور آگے چلایا، یا کھالیا تو اس کو فنا کرچکا، اور پہن لیا تو اس کو پرانا کرچکا،[۳]

فرمایا "اے ابوذر! مجھے یہ پسند نہین کہ میرے پاس احد پہاڑ برابر سونا ہو اور تیسرے

[۱] صحیح مسلم ۱ باب الحث علی الانفاق [۲] صحیح بخاری جلد ۲ باب ما قدم من مالہ فہولہ [۳] جامع ترمذی باب ما جاء فی الزہادۃ فی الدنیا، حدیث حسن صحیح،

Marfat.com

دن تک اُس میں سے ایک اشرفی بھی میرے پاس رہ جائے، مگر یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کو رکھ چھوڑوں، میں کہوں گا کہ اس کو خدا کے بندوں میں ایسے ایسے داہنے بائیں پیچھے بانٹ دو" پھر فرمایا ہاں جن کے پاس یہاں زیادہ ہے ان ہی کے پاس وہاں قیامت میں کم ہوگا، لیکن یہ کہ وہ کہے کہ ایسے ایسے داہنے بائیں پیچھے بانٹ دو"[1]

فرمایا "رشک دو ہی پر روا ہے، ایک اُس پر جس کو اللہ نے دولت دی ہے، تو وہ ہاتھوں سے اُس کو صحیح مصرف (حق) میں لٹا رہا ہے، دوسرے اُس پر جس کو اللہ نے علم دیا ہے تو وہ اُس کے مطابق بتا رہا ہے اور سکھا رہا ہے"[2]

اس حدیث کے پہلے ٹکڑے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سخاوت اُس دینے کا نام ہے جو صحیح مصرف (حق) میں ہے، اور اس میں دینا جس کا مصرف صحیح نہ ہو، یا جو اپنی حد سے زیادہ ہو، اسراف اور فضول خرچی ہے جس کی برائی قرآن پاک میں آئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ مسلمان کا قدم میانہ روی اور اعتدال سے باہر نہ پڑھے، اس کی تفصیل اسراف اور بخل کے بیان میں آئے گی،

یہ بھی سخاوت نہیں کہ کوئی عمر بھر اپنی دولت کو اپنے کلیجے سے لگائے رکھے، اور جب موت سامنے آکر کھڑی ہو جائے، اور یقین ہو جائے کہ اب یہ عمر بھر کی ساتھی ساتھ چھوڑ رہی ہے، تو ہتھیلی مل کر افسوس کرے کہ اب ذرا سا بھی موقع مل جاتا تو اس کو نیک کاموں میں لٹا جاؤں، قرآن پاک نے آدمی کی اس بے بسی کا نقشہ کس موثر انداز میں کھینچا ہے!

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما احب ان لی مثل احد ذہبا۔ [2] صحیح بخاری کتاب العلم

اور مسلمانوں کو اپنی زندگی ہی میں کچھ کر جانے کی نصیحت کی ہے،

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ | اور ہم نے تم کو جو روزی دی اس میں
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ | سے خرچ کرو، اس سے پہلے کہ تم میں سے
الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ | کسی ایک کو موت آنے لگے، تو کہے کہ
اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ | اے میرے مالک تو نے مجھے تھوڑی مہلت
فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ | اور نہ دی کہ میں خیرات کرتا اور نیکوں
الصّٰلِحِيْنَ ۝ (منافقون-۲) | میں ہو جاتا،

خدا نے اس کے جواب میں فرمایا:-

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ | اور خدا ہرگز کسی کو مہلت اور نہ دیگا جب
اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (منافقون ع۲) | اس کا وقت آجائیگا اور اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو

اس لئے جو کچھ کرنا ہے وقت پر کرنا چاہئے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا صدقہ سب سے بڑا ہے، فرمایا "یہ کہ تم صدقہ کرو، اور تم تندرست ہو، مال کی خواہش ہو، اور جینے کی بھی امید ہو، اور تم اس پر ڈھیل نہ دو کہ جب جان حلق تک آجائے تو تم کہو کہ فلاں کو اتنا دو، اور فلاں کو اتنا دو، حالانکہ وہ تو اب (تمہارے بعد) فلاں کا ہو ہی چکا"[۱] فرمایا "اے آدم کے بیٹے! تیرا دینا تیرے لئے بہتر اور تیرا رکھ چھوڑنا تیرے لئے برا ہے"[۲]

---

[۱] صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۱ مصر باب بیان افضل الصدقہ [۲] ایضاً باب الید العلیا،

Marfat.com

عِفّت و پاکبازی

عفت و پاکبازی اُن ساری اخلاقی خوبیون کی جان ہے جن کا لگاؤ عزت اور آبرو سے ہے، اسی لیئے اسلام نے اس کو اُن اخلاقی محاسن مین گنایا ہے، جو مسلمانون کے چہرہ کا نور ہین، چنانچہ سورۂ مومنون مین مسلمانوں کے جو امتیازی اوصاف بتائے گئے ہین ان میں اس اخلاقی وصف کا بھی خاص طور پر ذکر ہے،

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ	اور (وہ مسلمان) جو اپنی شرمگاہون
حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ	کی پاسبانی کرتے ہین، مگر اپنی بیبیون
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ	یا اپنے ہاتھ کی مملوکہ (باندیون) سے
غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰی	تو اُن پر کچھ الزام نہین، لیکن جو اس کے
وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	علاوہ کے طلبگار ہون، تو وہی لوگ حد
الْعٰدُوْنَ ۵ (مومنون-۱)	سے باہر نکلے ہوئے ہین،

سورۂ معارج میں مسلمانون کے جن اخلاقی اوصاف کی تعریف کی گئی ہے، اُن مین ایک عفت اور پاک بازی بھی ہے، فرمایا،

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ، (معارج۔۱)
اور جو اپنی شہوت کی جگہ کی حفاظت کرتے ہیں،

جن مسلمانوں کے لئے خدا نے اپنی بخشش اور بڑی مزدوری کا وعدہ کیا ہے ان میں وہ بھی ہیں جو عفیف اور پاکدامن ہیں،

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ (احزاب۔۵)
اور اپنی شرمگاہوں کی پاسبانی کرنیوالے مرد اور پاسبانی کرنے والی عورتیں،

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوگا کہ عفت اور پاکدامنی کے لئے قرآن کی اصطلاح "حفظ فروج" ہے، حفظ کے معنی حفاظت اور پاسبانی کے ہیں، اور فروج اپنے معنی میں ایک مجازی استعمال ہے، کتنے لفظ ہیں، جو شرم کے قابل لفظوں سے بچاؤ کے لئے پہلے پہل مجاز کے طور پر بولے گئے، مگر بعد کو استعمال کی کثرت سے وہ اپنے مفہوم میں بالکل بے پردہ ہوگئے، فروج کے اصلی معنی دو چیزوں کے درمیان خلا کے ہیں، اور اسی لئے اس سرحدی مقام کو بھی کہتے ہیں جدھر سے دشمنوں کے حملہ کا ڈر ہو، اس بنا پر یہ انسانوں کے اعضا میں سے اس خلا کا نام ہے جو ان کے دونوں پاؤں کے بیچ میں ہے اور جدھر سے دشمنوں کی آمد کا خطرہ ہر وقت لگا ہو، اور جس پر پہرہ چوکی بٹھا کر ہر دم پاسبانی اور نگرانی کی ضرورت ہو، اس طریقۂ تعبیر سے اندازہ ہوگا کہ عفت و پاکبازی کا جو تخیل ان لفظوں کے اندر پوشیدہ ہے وہ کتنا گہرا اور کتنا بلند ہے،

عفت و پاکبازی کے لئے قرآن کا دوسرا لفظ احصان ہے جو حِصن سے بنا ہے جس کے

معنی قلعہ یا محفوظ مقام کے ہیں، اس سے حِصَانٌ، اِحْصَانٌ، مُحْصِنٌ اور مُحْصَنٌ الفاظ بنائے گئے ہیں، پہلا لفظ قرآن میں نہیں آیا، مگر عربوں کے اشعار میں آیا ہے، اس کے معنی پاکدامن عورت کے ہیں، دوسرے کے معنی حفاظت میں لینے یا حفاظت میں رکھنے کے ہیں، یہ قرآن میں تین موقعوں پر آیا ہے، دو دفعہ حضرت مریمؑ کی عصمت و پاکدامنی کے بیان میں، ماضی معروف کے صیغہ میں،

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٓ	اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرمگاہ
اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم-۲)	کو محفوظ رکھا،
وَالَّتِيٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا	اور وہ بی بی جس نے اپنی شرمگاہ کو
فِيهَا مِنْ رُّوحِنَا	محفوظ رکھا، تو ہم نے اس میں اپنی
(انبیاء-۶)	روح پھونکی،

تیسری جگہ ماضی مجہول کا صیغہ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شوہر نے اس کو اپنے نکاح میں لا کر اپنی حفاظت میں لے لیا، لونڈیوں کے بیان میں ہے کہ اگر وہ کسی کے نکاح میں آکر بدکاری کریں تو ان کی سزا کیا ہے فرمایا،

فَاِذَآ اُحْصِنَّ ، (نساء-۴)	تو جب وہ نکاح کی قید میں آچکیں

اسی سے اس کا اسم فاعل مُحْصِنِيْن (حفاظت میں لینے والا) اور اسم مفعول مُحْصَنَات (حفاظت میں لائی گئی) نکاح کے سلسلہ میں قرآن میں آیا ہے،

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ ط (نساء-۴)	حفاظت میں لانے والے نہ کہ مستی نکالنے والے

Marfat.com

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ ط (نساء-۴) — حفاظت مین آنے والیان نہ مستی نکالنے والیان،

یعنی نکاح کی غرض یہ ہے کہ عورت کو عصمت اور حفاظت کی قید مین لایا جائے صرف حیوانی خواہش کا دفع کرنا نکاح کا مقصد نہین، اسی لئے قرآن پاک مین اس کے علاوہ مُحْصَنٰتٌ (حفاظت مین رکھی ہوئی بی بیان) دو معنون مین آیا ہے، ایک بیاہی عورتون کے معنی مین، جیسے

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ، (نساء-۴) — اور بیاہی عورتین (یعنی جو عورتین کسی کے نکاح مین ہیں، وہ دوسرے مرد پر حرام ہین)

دوسرے شریف آزاد بی بیون کے معنی مین جیسے

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ (نساء-۴) — اور جس کو تم مین سے مسلمان شریف وآزاد بیویون کے نکاح کا مقدور نہ ہو (تو مسلمان باندی سے نکاح کرے)

عورتون کی عصمت کے بیان مین قرآن پاک نے ایک اور محاورہ بھی استعمال کیا ہے،

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ (نساء-۶) — پیٹھ پیچھے حفاظت کرنے والیان،

یعنی اپنے شوہرون کی غیر حاضری مین اپنی عزت وآبرو کی پوری حفاظت کرتی ہین

اسلام میں عفت اور پاکبازی کا وہ رتبہ ہے کہ وہ نبوت ورسالت کا لازمی جزء ہو، نبی، نبی کے سلسلۂ نسب اور نبی کے اہل بیت کا دامن اس داغ سے ہمیشہ پاک رہتا ہو، حضرت عیسیٰ کی ماں حضرت مریمؑ کی نسبت یہود نے جو بہتان باندھا تھا، قرآن نے اس کی تردید کی، اور ان کی عصمت اور پاکدامنی کی شہادت دی، اور دو موقعوں پر اس شہادت کی تصریح کی،

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٓ	اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی
اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم-۲)	شرمگاہ کو محفوظ رکھا،
وَالَّتِيٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا	اور وہ بی بی جس نے اپنی شرمگاہ
فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُّوحِنَا	کو محفوظ رکھا، تو ہم نے اس میں
(انبیاء-۶)	اپنی روح پھونکی،

حضرت یوسفؑ نے جس پاکبازی کا ثبوت دیا، اس کی گواہی خود عزیز مصر کی بیوی نے دی،

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ	اور میں نے اس کو اس سے چاہا تو
فَاسْتَعْصَمَ (یوسف-۴)	وہ بچا رہا،

خدا نے فرمایا میں نے ایسا اس لئے کیا،

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ	تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی
الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا	کو دور کریں، وہ بے شبہہ ہمارے

Marfat.com

الْمُخْلَصِيْنَ ۔ (یوسف ۳) چُنے ہندون مین تھا،

معلوم ہوا کہ خدا کے چنے ہوئے اور برگزیدہ بندے ایسی بے حیائی کی باتون سے پاک رکھے جاتے ہین،

حضرت یحیٰی کی تعریف مین فرمایا گیا،

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ — اور سردار ہوگا، اور اپنی قوت شہوانی

الصّٰلِحِيْنَ ۝ (آل عمران ۴) — پر ضبط رکھتا ہوگا، اور نبی ہوگا صالحون

اسلام مین اہل بیت نبوی کی زندگی جس عفت عصمت اور پاکبازی کی تصویر تھی، غیب کے دانائے راز نے اس کی گواہی ان لفظون مین دی،

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا — یہ لوگ تہمت سے پاک ہین، ان کے

يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ — لیے بخشایش ہے اور عزت والی

رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔ (نور ۳) — روزی،

عفت و پاکدامنی کے خلاف کا نام قرآن کی زبان مین فاحشۃ[1] آیا ہے جس کے معنی بہت بڑی برائی کے ہین، جیسے

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (نساء ۳) — مگر یہ کہ وہ عورتین کھلی برائی کرین،

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ — اور تمھاری عورتون میں سے جو

---

[1] اس کا یہ منشا نہین ہے کہ قرآن مین ہر جگہ یہ لفظ اسی معنی مین آیا ہے، بلکہ وہ لغت کے رو سے قولی اور عملی کی ہر برائی کو شامل ہے،

وَسَاءَ کُمْ،   کُھلی بُرائی کریں،

اس بُرائی کا مشہور عربی نام زنا ہے، قرآن پاک کی ذیل کی آیت میں مسلمانوں کو اس بُرائی سے روکا گیا ہے،

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ   (بنی اسرائیل ۴)   اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بیشک یہ

فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا   بڑی بُرائی اور بُرا چلن ہے

یہ نصیحت جس طرز سے کی گئی ہے، وہ بلاغت کی جان ہے، یہ نہیں فرمایا کہ تم زنا نہ کرنا، بلکہ یہ کہا کہ "تم زنا کے قریب نہ جانا" اس طرز ادا نے نہ صرف یہ کہ اس فعل بد ہی سے بچنے کی تاکید کی، بلکہ اس سے قریب ہو کر گذرنے کی بھی ممانعت کی، اس سے یہ نکتہ پیدا ہوا کہ جس طرح اس بدکاری سے بچنا شرافت ہے، اس کی تقریب اور تمہید کے کاموں سے بھی بچنا شرافت کا اقتضا ہے، کسی غیر محرم کی طرف للچائی ہوئی نظروں اور بُرا بھلائی کے ارادہ سے دیکھنا تنہائی میں ملنا جلنا، بے وجہ اس کے بدن کو چھونا، یا اور کسی طرح سے اس کی بات چیت اور آمد و رفت سے ناجائز لطف اٹھانا، یا دوسرے غیر شریفانہ حرکات کرنا، ایمانی عزت اور اخلاقی شرافت کے سراسر منافی ہے،

اسی لئے اسلام نے اُن ساری باتوں کو جو بے حیائی اور بدکاری کی تقریب اور تمہید ہیں حرام قرار دیا، مرد و عورت کے ناجائز تعلق و محبت کا پہلا قاصد نظر ہے، مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں دونوں کو حکم دیا کہ جب وہ ایک دوسرے کے سامنے ہوں تو اپنی نظریں نیچی رکھیں،

Marfat.com

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ	اے پیغمبر ایمان والوں سے کہدے کہ
أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ	وہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں، اور اپنے
ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ	ستر کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لئے
بِمَا يَصْنَعُونَ ۞	بڑی ستھری بات ہے، اللہ جانتا ہے
(نور - ۴)	جو وہ کرتے ہیں،

عورتوں کی ذرا سی بے باکی بھی مردوں کو آگے بڑھنے کی جرأت دلاتی ہے، اس لئے اُن پر شرافت کی چند پابندیاں عائد کی گئیں، مثلاً یہ کہ وہ بھی نگاہیں نیچی رکھیں، غیروں کو اپنے اندر کا بناؤ سنگار نہ دکھائیں، اپنے زیوروں کی جھنکار کسی کو نہ سنائیں، اسی لئے زمین پر ہولے چلیں یا جھنکار کے زیور نہ پہنیں، سینہ کا پردہ رکھیں، باہر نکلیں تو سارے جسم پر چادر ڈال کر نکلیں، باہر نکلنے میں خوشبو نہ ملیں، بیچ راستہ سے کترا کر کنارہ پہ چلیں، مرد اور عورت راستہ میں باتیں نہ کریں، مرد و عورت مل جل کر نہ بیٹھیں، کسی غیر عورت سے کوئی تنہائی میں نہ ملے، اجازت کے بغیر گھر کے اندر کوئی اور قدم نہ رکھے، یہ تمام باتیں در حقیقت لَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ (زنا کے قریب بھی نہ ہو) کی شرح ہیں، فرمایا،

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ	اور اے پیغمبر ایمان والی بی بیوں سے
مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ	کہدے کہ اپنی آنکھیں ذرا نیچی رکھیں
فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ	اور اپنے ستر کی جگہ کی حفاظت کریں
زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا	اور اپنا بناؤ سنگار کھول کر نہ دکھائیں

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى
جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ
اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ
اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ
اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ
اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ
مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ
لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ
وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ
مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا
اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (نور - ۴)

آیت نمبر ۴۰۰

مگر جو طبعاً کھلا رہتا ہے[۱]، اور اپنی اوڑھنی
اپنے گریبانوں (یعنی سینوں کے مقام)
پر ڈال لیں، اور اپنا سنگار نہ کھولیں مگر
اپنے شوہر یا اپنے باپ کے آگے، یا اپنے شوہر
کے باپ، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے شوہر کے
بیٹوں، یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں، یا
اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں[۲] یا اپنے غلاموں
یا اپنے ان مرد نوکروں کے آگے جن کو غرض
نہیں، یا اُن لڑکوں کے آگے جو عورتوں
کے ستر کے رمز سے ابھی آگاہ نہیں، اور
مسلمان عورتیں اپنے پاؤں
سے دھمک دیں کہ جس سنگار کو وہ چھپاتی
ہیں، اس کا پتہ لگ جائے اور تم سب
مل کر اے مسلمانو خدا کے آگے توبہ کرو۔

اور حسب ذیل ادب، گو پیغمبر کی بیویوں کو خطاب کرکے سکھایا گیا ہے، مگر عام عورتوں کیلئے

---

[۱] جیسے آنکھوں کا سرمہ، ہاتھوں کی مہندی، یا انگلیوں کی انگوٹھی، اسی لئے چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم ستر میں داخل نہیں [۲] یعنی سہیلیاں اور خادمائیں جن کا اکثر ساتھ رہا کرتا ہے۔ (روح المعانی) ۱۲

اس میں پیروی کا نمونہ ہے،

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ	اے پیغمبر کی بیویو! تم نہیں ہو جیسی ہر
مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا	کوئی عورت، اگر تم (اللہ کا) ڈر رکھو
تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ	سو تم دب کر بات نہ کرو کہ جس کے
فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا	دل میں روگ ہے، وہ خواہش کرے[1]
مَّعْرُوْفًا، وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ	اور نیک بات کہو، اور اپنے گھروں
وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ	میں وقار سے رہو، اور جیسے نادانی
الْاُوْلٰى،	کے پہلے زمانہ میں دستور تھا، دکھلانے
(احزاب ۴)	بناؤ سنگار کر کے دکھاتی نہ پھرو[2]

کسی غیر کے گھر کے اندر اجازت کے بغیر قدم نہ رکھا جائے،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا	اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں
بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ	اس کے بدون کہ تم کو اجازت دی جائے
لَكُمْ، الآية (احزاب ۷)	(کھانے کی دعوت کے لیے) داخل نہ ہو

گو یہ حکم یہاں خاص واقعہ سے متعلق ہے، مگر حکم کا منشا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے ساتھ خاص نہیں، چنانچہ عفت و پاکدامنی ہی کے سلسلہ میں سورۂ نور میں اسی قسم کا حکم عام مسلمان گھروں کی نسبت بھی ہے،

[1] یعنی تم سے جرأت کر کے تمھارا خواہاں ہو۔ [2] التبرج اظہار الزینة للناس الاجانب (لسان العرب)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا	اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے
بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا	سوا دوسرے گھروں میں نہ جایا کرو،
وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ	جب تک خبر نہ کر لو، اور ان گھر والوں
خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ	کو سلام نہ دے لو یہ بہتر ہے تمہارے
(نور-۴)	حق میں شاید تم یاد رکھو،

کوئی غیر مرد اگر کسی غیر کے زنانہ مکان سے کوئی چیز مانگے، تو چاہیئے کہ پردہ کے اوٹ سے مانگے، یہ نہیں کہ دھڑ دھڑا کر اندر گھس جائے، چنانچہ کاشانۂ نبوتؐ کے تعلق سے حکم ہوتا ہے،

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا	اور جب تم مانگنے جاؤ ان بیویوں سے
فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ	کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردہ
ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ	کے باہر سے، اس میں تمہارے
وَقُلُوبِهِنَّ (احزاب-۷)	اور ان کے دلوں کی پاکی زیادہ ہے

یہ حکم گو شانِ نزول کے لحاظ سے ازواجِ مطہرات کے سلسلہ سے ہے، مگر اس میں عام مسلمان گھروں کے لئے بھی حسنِ ادب کا ایک نمونہ ہے،

مسلمان عورتیں جب گھر سے باہر نکلیں تو ان کو ایک چادر سے ڈھانپے رہیں، تاکہ ان کی زیبائش و آرائش کا ہر نقش اوباشوں کی نظروں سے اوجھل رہے، اور یہ پہچان ہو کہ یہ عزت والی شریف بیبیاں ہیں، ان کو چھیڑنا تو کیا ان کی طرف نظر کر کے دیکھنا بھی شریعت کا جرم ہے، فرمایا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ	اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں

Marfat.com

وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ	اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدے
يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ	کہ اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا	نیچی لٹکا لیں، اس سے یہ ہوگا کہ وہ
يُؤْذَيْنَ، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا	پہچان پڑیں گی، (کہ یہ شریف ہیں)
رَّحِيْمًا ۝ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ	تو اُن کو ستایا نہ جائے، اللہ بخشنے والا
وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ	مہربان ہے، اگر اس پر بھی منافق، اُور
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ	جن کے دلوں میں (بے حیائی کا) روگ
لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ	ہے، اور مدینہ میں جھوٹ اڑانے والے
فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝	نہ رکے، تو ہم تجھے اُن پر بھڑکا دیں گے
	پھر وہ نہ رہنے پائیں گے اس شہر
(احزاب - ۸)	میں تیرے ساتھ مگر تھوڑے دن،

ان آیتوں میں اشارہ مدینہ کے بعض شریروں اور منافقوں کی طرف ہے جو مسلمان بی بیوں کو جو خاص خاص ضرورتوں کے لئے اپنے گھروں سے نکلتی تھیں، چھیڑتے تھے اور جب انھیں اس پر ڈانٹا جاتا تھا، تو کہتے تھے، کہ ہم اُن کو لونڈی سمجھے تھے اس معاشرتی برائی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو دو حکم دیئے، شریروں کی نسبت فرمایا کہ اگر وہ اب اس حرکت سے باز نہ آئیں تو انھیں کافی سزا دی جائے، بلکہ اُن کو شہر بدر کیا جا سکتا ہے، اور مسلمان بی بیوں کے لئے فرمایا کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے

Marfat.com

گھرون سے باہر نکلین تو وہ اپنی ظاہری وضع قطع سے بھی شریف معلوم ہون اور سوسائٹی کی کم درجہ عورتون سے اپنی پوشاک و وضع الگ رکھین، اس کے لئے ضروری تھا کہ جب گھر سے نکلنے لگین تو ایک بڑی چادر سر کے اوپر سے اوڑھ لین جس سے ان کا بھڑکیلا لباس، زیور، اور دوسرے بناؤ سنگار سب چھپ جائین، اور دیکھنے والون کو معلوم ہو کہ یہ شریف گھرانون کی بی بیان ہین جن کی عزت کا احترام ہر شریف کا فرض ہے،

عرب مین اسلام سے پہلے لونڈیون سے عصمت فروشی کا کام لیا جاتا تھا[1] اور لوگ اس کی کمائی کھاتے تھے، اور اس کو عیب نہین سمجھتے تھے، مدینہ کا ایک ممتاز منافق عبداللہ ابن ابی بن سلول اپنی لونڈیون کو اس پیشہ پر مجبور کرتا تھا، مگر اس کے باوجود اسلام سے پہلے مدینہ مین وہ اس عزت کا مستحق سمجھا جاتا تھا کہ اس کے سر پر مدینہ کا تاج رکھا جائے، عورتین بناؤ سنگار کر کے گھر سے باہر نکلا کرتی تھین سینون کی پوشش کا لحاظ نہین کرتی تھین، بدکار عورتین شراب کی محفل مین ساقی گری کرتی تھین، اور گریبان کھلا رکھتی تھین کہ جو چاہے دست درازی کر سکے، ان کے نشان کے لئے اپنے گھرون پر جھنڈیان لگاتی تھین، اسلام نے آکر ان مراسم کی اصلاح کی، بدکاری کے انسداد اور عفت و پاکبازی کے خیالات پھیلانے کے لئے ضرورت تھی کہ اس بدترین پیشہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ اس پر یہ آیت اُتری،

---

[1] تفسیر سورۂ طبری، تفسیر سورۂ نور صفحہ ۹۳ مصر و صحیح مسلم و سنن ابی داود عن جابر[2] سبعہ معلقہ مین اعشیٰ کے قصیدہ کا یہ شعر پڑھئے:- رحیب قطاب الجیب منہا رفیقۃ بجس الندامی بضۃ المتجرد

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ	اور تمہاری لونڈیاں اگر کسی ایک کی
إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا	ہو کر رہنا چاہیں، تو ان سے دنیا کی زندگی
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ	کے عارضی فائدہ کے لئے زبردستی بدکاری
يُّكْرِهْهُّنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ	نہ کرایا کرو، اور جو ان کو اس پر مجبور کریگا
إِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥	تو ان کی بے بسی کے پیچھے اللہ بخشنے والا رحم
(نور-۴)	فرمانے والا ہے،

اسی لئے اسلام نے اس کو حرام کمائیوں میں سے قرار دیا ہے[1]، اسی کے ساتھ یہ بھی کیا کہ کسی مسلمان مرد کے لئے یہ اچھا نہیں سمجھا ہے، کہ ایسی پیشہ ور عورتوں کو توبہ سے پہلے اپنے نکاح میں لے، کیونکہ اس سے اسلامی معاشرت کی ساری آب و ہوا زہر آلود ہو جاتی ہیں۔ ابی داؤد (کتاب النکاح) میں ہے کہ ایک صحابی نے اسی قسم کی ایک پیشہ ور عورت سے نکاح کرنا چاہا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی، وحی الٰہی نے ان کی اس درخواست کا یہ جواب دیا،

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ	بدکار مرد، بدکار ہی عورت یا مشرکہ
مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا	عورت سے نکاح کرے گا، اور بدکار
إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ	عورت سے بدکار ہی مرد یا مشرک نکاح
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ٥ (نور-۱)	کریگا، ایمان والوں پر یہ حرام ٹھہرایا گیا ہے

[1] صحیح مسلم باب تحریم حلال النعی وغیرہ (۱۲۱۵)

اس آیت مین انسانی فطرت کی تصویر ہے کہ بدکار عورتون کو اپنے قبضہ مین لانے کیلئے نکاح کا خیال بدکار ہی مردون کے دل مین آسکتا ہے، اسی لئے اس کے بعد آگے چل کر فرمایا گیا،

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ	گندی عورتین گندے مردون کے لئے
لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ	ہوتی ہین، اور گندے مرد گندی عورتون
وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ	کے لئے، اور پاک عورتین پاک مردون کیلئے
(نور - ۳)	اور پاک مرد پاک عورتون کے لئے،

اسی لئے کسی بدکار مرد کا کسی عفیفہ سے اور کسی پاکباز کا بدکار عورت سے نکاح شریعت مین پسندیدہ نہین، بلکہ بعض علمار کے نزدیک سرے سے جائز نہین، اور ان کی دلیل سورہ نور

۵۱ جمہور کے نزدیک زانی کا غیر زانیہ سے یا زانیہ کا غیر زانی سے قانوناً نکاح درست ہے لیکن اخلاقی پستی کی بات ہے، اور اس آیت سے اس کی جو حرمت بظاہر سمجھی جاتی ہے اس سے مراد اس کی برائی ہے یا یہ کہ اہل ایمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ ایسون سے نکاح کرین، یا انکحوا الایامی منکم اور فانکحوا ما طاب لکم من النساء سے منسوخ ہے، یا مخصوص ہے لیکن بعض صحابہ اور علمار کا مسلک یہ ہے کہ زانی مرد کا عفیف عورت اور عفیف مرد کا بدکار عورت سے نکاح واقعی حرام ہے، بلکہ اگر زن وشو مین سے کسی اس برائی کا مرتکب ہو، تو قاضی نکاح کو فسخ کر دے گا، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ مین یہی فیصلہ کیا، ابوداؤد کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، بعض فقہار نے یہ بھی کہا ہے کہ زن وشو مین کفو ہونا شرط ہے، اور چونکہ عفیف بدکار کا کفو نہین ہوسکتا، اس لئے یہ نکاح فریقین مین سے جو عفیف ہے اس کے اعتراض کے بعد قائم نہین رہ سکتا، ایک اور مسلک یہ ہے کہ یہ حرمت اس وقت ہے جب زانی یا زانیہ نے توبہ نہ کی ہو، توبہ کرنے کے بعد جائز ہے، (دیکھو احکام القرآن جصاص رازی، تفسیرات احمدیہ ملا جیون و تفسیر کبیر رازی و روح المعانی تفسیرات مذکورہ)

کی اوپر والی آیت کے علاوہ اُس حدیث سے ہے جس کو ابوداؤد اور احمد نے ثقات سے روایت کیا ہے، اور ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر زنا ثابت ہوا اس کی سزا اس کو دی گئی ہو اس کا نکاح اپسے ہی سے کیا جائے[1]

غرض اہل ایمان جن کی شان ستھرائی اور پاکبازی ہے، اُن کے ذہن میں بھی ایسا گندہ تصور نہیں آنا چاہئے، چنانچہ سورۂ فرقان میں خدا نے جن کو اپنا خاص بندہ کہا ہے، اُن کی تین صفتیں آخر میں یہ بتائی ہیں: جو خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرتے، جو کسی کا خون ناحق نہیں بہاتے، اور جو بدکاری نہیں کرتے، فرمایا

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ	اور جو خدا ئے برحق کے ساتھ کسی اور خدا
اِلٰـهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ	کو نہیں پکارتے، اور کسی ایسی جان کا
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ	جس کو خدا نے منع کیا ہے خون نہیں بہاتے
(فرقان - ۶)	اور بدکاری نہیں کرتے،

اس آیت میں یہ نکتہ لحاظ کے قابل ہے کہ ان تین ممنوعہ باتوں میں سے پہلی اُس سب سے بڑی سچائی سے متعلق ہے جس کا انکار سراسر کفر ہے، اس کے بعد جو دو باتیں ہیں، اُن میں سے ایک جان سے تعلق رکھتی ہے، اور دوسری عزت و آبرو سے،

قرآن پاک میں اس عفت و عصمت کی حفاظت اور بدکاری کے اسباب اور ذریعوں کے انسداد کی جو تدبیریں اختیار کی ہیں جن کا بیان اوپر آیا ہے، اور جو حقیقت میں کا تقرب والزنٰی

[1] ابوداؤد کتاب النکاح،

(بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ) کی تشریحین ہین، اُن کی مزید تشریح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عام احکام اور مواعظ مین بھی فرمائی ہے،

چنانچہ آپ نے ایک صحابی کو فرمایا کسی غیر محرم پر اتفاقاً نظر پڑ جائے تو پہلی نظر تو بلا ارادہ ہونے کے سبب سے معاف ہے، مگر دوسری دفعہ پھر اس پر نظر ڈالنا روا نہین[1] حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ ایک دفعہ باریک کپڑون مین سامنے آئین، تو فرمایا کہ اے اسماءؓ جب عورت بالغ ہوجائے تو چہرہ اور ہتھیلیون کے سوا اس کے جسم کا کوئی اور حصہ دکھنا جائز نہین[2] حکم دیا کہ مخنث زنان خانون مین نہ جانے پائین[3] فرمایا کسی کے گھر جاؤ تو اجازت سے پہلے پردہ اٹھا کر اس کے اندر نہ جھانکو کہ اس کے اہل خانہ کی بے ستری ہو[4] فرمایا کہ عورت تیز خوشبو لگا کر باہر نہ نکلے[5] سبب ظاہر ہے کہ اس کی خوشبو پاس سے گذرنے والون مین تحریک پیدا کرے گی، یہ بھی ارشاد ہوا کہ عورت بیچ راہ سے الگ ہو کر کنارہ کنارہ چلے[6] تاکہ مردون کی بھیڑ بھاڑ اور دھکون سے بچے، یہ بھی تاکید فرمائی کہ کوئی مرد کسی غیر عورت کے گھر اس کے شوہر کی غیر موجودگی مین اکیلا نہ جائے[7] کہ اس سے شیطان کو موقع ہاتھ آتا ہے، یہ بھی نصیحت کی گئی کہ گھر کے دروازہ پر پردہ پڑا رہے، اگر کسی گھر کے دروازے بند نہ ہون یا ان پر پردہ پڑا نہ ہو، اور کوئی اندر گھس گیا تو اُس کی ذمہ داری خود گھر والون پر ہے[8]

---

[1] ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی نظرۃ الفجاءۃ [2] ابوداؤد کتاب اللباس باب فیما تبدی المرأۃ من زینتہا [3] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الحکم فی المخنثین [4] ترمذی کتاب الاستیذان باب الاستئذان قبالۃ البیت [5] ابوداؤد کتاب الترجل باب فی المرأۃ تطیب للخروج [6] ابوداؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق [7] مسلم کتاب السلام باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ والدخول علیہا [8] ترمذی کتاب الاستیذان باب الاستیذان قبالۃ البیت

Marfat.com

یہ ساری ہدایتیں اسی لئے دی گئی ہیں کہ مسلمان گھروں کی معاشرت عفت اور پاکدامنی کی تصویر ہو،

لیکن صرف انہی اخلاقی ہدایتوں پر بس نہیں کی، بلکہ اُن کے لئے جو سوسائٹی کی عزت وحرمت کو خطرہ میں ڈالیں، شرعی ثبوت کے بعد دنیا میں قانونی سزا بھی مقرر کی تا کہ اس کا خوف لوگوں کو پاک زندگی بسر کرنے پر مجبور کرے،

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا	بدکاری کرنے والی عورت، اور بدکاری
كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ	کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو سو
(نور - ۱)	کوڑے لگاؤ،

احادیث میں بیاہے مردوں اور عورتوں میں سے جو بدکاری میں پکڑے جائیں اُن کو سنگسار کرنے کا بھی حکم ہے، اس جرم میں عورتوں کی حیثیت سب سے نازک ہوتی ہے، اس لئے قرآن پاک میں ایک طرف یہ آیا کہ مسلمان عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لیجائے، ان میں ایک یہ بھی ہو کہ وہ اپنی عزت وآبرو کی پوری حفاظت کریں گی، فرمایا،

وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ	اور وہ بدکاری نہ کریں گی، اور نہ اپنی اولاد
وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ	کو مار ڈالا کریں گی، اور نہ اپنے ہاتھوں اور
أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ (ممتحنہ-۲)	پاؤں کے بیچ میں بہتان باندھ کر لایا کریں گی

بدکاری نہ کرنے کا مطلب تو ظاہر ہے لیکن اولاد کے نہ مار ڈالنے کی جو بیعت خاص طور سے

---

[1] یعنی بیوی والے شوہر اور شوہر والی بیوی،

Marfat.com

عورتون سے لی گئی، حالانکہ یہ کام مردون کا تھا، اس سے خیال ہوتا ہے کہ عجب نہین کہ اس سے حمل گرانے کی ممانعت کی طرف اشارہ ہو[۱] یا یہ بات بھی عدم قتل کے عموم مین داخل ہو اور ہاتھ پانون کے بیچ مین تہمت باندھ کر لانے سے اشارہ جاہلیت کے ایک رواج کی طرف ہے، جاہلیت مین ایک عورت کئی کئی مردون سے ملتی تھی، جب لڑکا ہوتا تو وہی عورت بتاتی کہ یہ ان مین سے کس کا لڑکا ہے، بعض عورتین دوسرے کے بچہ کو اپنا بنا کر اپنے شوہرون کے سر تھوپتی تھین یہ ساری باتین عفت اور پاکدامنی کے خلاف تھین، اس لیے ان سے باز رکھا گیا، اور خاص طور سے ان سے عہد لیا گیا کہ وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہین فتح مکہ کے وقت آپ نے قریشی بیویون سے[۲]، اور مدینہ مین انصاری خاتونون سے بھی اس پر عہد لیا[۳]، بلکہ مسلمان مردون سے ان باتون کا عہد لیا گیا، اور صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پر بیعت کی[۴]،

دوسری طرف عورتون کو مردون کے بہتان اور تہمت سے بچانے کے لئے یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ جب کوئی شخص کسی عورت پر اس طرح کا الزام لگائے تو ضروری ہے کہ وہ اس کے ثبوت مین چار چشم دید گواہ پیش کرے، اگر پیش نہ کر سکے تو اس کو ایک شریف خاتون کو جھوٹ بدنام کرنے کے جرم مین اسّی کوڑے مارے جائین گے، اور اس کی گواہی پھر کبھی معتبر نہ ہوگی، اور اگر یہ الزام خود شوہر لگائے اور گواہ نہ ہون تو مرد قسم کھائے، ورنہ عورت قسم کھائے کہ

---

۱ مفسرین مین صاحب روح المعانی کا بھی ادھر خیال گیا ہے ۲ صحیح بخاری فتح مکہ ۳ تفسیر طبری، سورۂ ممتحنہ ۴ صحیح بخاری کتاب الایمان باب حلاوۃ الایمان،

یہ الزام غلط ہے۔ اور اگر دونوں اپنے دعووں پر قائم رہیں تو اسلام میں دستور یہ رہا ہے کہ اپنے دعویٰ کی سچائی پر قائم رہنے کی بنا پر خود ہی نکاح کو توڑ ڈالا ہے[۱]

اسلام کی نظر میں حقوق اللہ میں تقصیر کا سب سے بڑا گناہ **شرک** ہے، اور حقوق عباد میں تقصیر کا سب سے بڑا گناہ کسی کی ناحق جان لینا ہے، اور اس کے بعد ہی جس برائی کا نمبر ہے، وہ کسی کی عفت و پاکبازی کے پردہ کو چاک کرنا ہے،

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے خدا کے رسول! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا، بولے اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ اپنے لڑکے کو اس خوف سے قتل کر ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا، بولے اس کے بعد، فرمایا یہ کہ اپنے پڑوسی کی بی بی کے ساتھ زنا کرو، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اس کی تصدیق کے لئے یہ آیت نازل فرمائی[۲]

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ	اور جو خدا کے ساتھ (کسی) دوسرے
اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ	معبود کو نہ پکاریں، اور ناحق (ناروا)
الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا	کسی شخص کو جان سے نہ ماریں کہ اس
يَزْنُوْنَ ؕ	کو خدا نے حرام کر رکھا ہے، اور نہ زنا
(فرقان - ۶)	کے مرتکب ہوں،

---

[۱] اس کی تفصیل سورۂ نور میں ہے کہ اس کے بعد نکاح توڑنے یا ٹوٹ جانے کا حکم نہیں مگر شروع سے عہد رسالت اسی پر رہا ہے بخاری باب اللعان [۲] بخاری کتاب الادب باب قتل الولد خشیۃ ان یاکل معہ،

حدیث میں اپنے لڑکے کے مار ڈالنے اور پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کی خصوصیت اس لیے کی گئی ہے کہ یہ دونوں جرم اپنی نوعیت میں بھی حد درجہ شرم کے قابل اور افسوسناک ہیں کہ جن سے یہ امید نہیں ہوسکتی، اُن سے یہ فعل ظہور میں آیا، اور انسانی اعتماد و اعتبار کو صدمہ پہنچا۔

ایک حدیث میں ہے کہ "زانی جس وقت زنا کرتا ہے، شرابی جس وقت شراب پیتا ہے، چور جس وقت چوری کرتا ہے اور لوٹنے والا جس وقت سب کی آنکھوں کے سامنے لوٹتا ہے، تو مسلمان نہیں رہتا" کیونکہ ایمان نام یقین کا ہے اور خدا اور خدا کے احکام پر یقین رکھ کر کوئی اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرتا، اس حالت میں ہوتا یہ ہے کہ مجرم کے ایمان کا چراغ جذبات کی آندھی میں گل ہو جاتا ہے، اور تھوڑی دیر کے لئے وہ سب کچھ بھول جاتا ہے اور پھر جب اس کا نشہ ہرن ہوتا ہے، تو سب کچھ جاننے اور سمجھنے لگتا ہے،

اسلام میں زانیوں کی سزا بعض حالتوں میں سو کوڑے مارنا اور بعض حالتوں میں سنگسار کرنا ہے، لیکن اُن کو آخرت میں جو عذاب دیا جائے گا، وہ اس سے بہت زیادہ سخت اور بہت زیادہ عبرت انگیز ہے، ایک روحانی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے لوگوں کے اُخروی عذاب کی دردناک صورتیں دکھائی گئیں، اُن میں بدکاروں کے عذاب کی صورت اُن کے فعلِ قبیح کے مشابہ ہے، کہ تنور کے مانند ایک سوراخ تھا جس کے اوپر کا حصہ تنگ اور نیچے کا حصہ کشادہ تھا، اور اس کے نیچے آگ بھڑک رہی تھی، اور اس میں بہت سے برہنہ مرد اور برہنہ عورتیں تھیں، جب اس آگ کے شعلے

۱؎ بخاری کتاب الحدود باب الزنا و شرب الخمر

بلند ہوتے تھے، تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ اُس کے اندر سے نکل آئیں گے لیکن جب آگ بجھ جاتی تھی تو یہ لوگ پھر اس کے اندر چلے جاتے تھے[1] یہ عالم برزخ کا عذاب تھا جو قیامت تک جاری رہے گا،

اس کے بخلاف پاکباز اور پاکدامن لوگوں کے فضائل بھی نہایت مؤثر انداز میں بیان کئے گئے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب کہ خدا کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا، خداوند تعالی سات آدمیوں کو اپنے سایہ میں لے گا جن میں ایک شخص وہ ہوگا جس کو ایک معزز اور حسین عورت نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن اُس نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں[2]

یہ تو وہ شرف ہے جو پاکبازوں کو آخرت میں حاصل ہوگا لیکن پاکبازی کی دنیوی برکتیں بھی کچھ کم نہیں، ایک حدیث میں آپ نے زمانۂ قدیم کے تین آدمیوں کا قصہ بیان کیا ہے، جو ایک ساتھ سفر کر رہے تھے کہ دفعۃً پانی برسنے لگا، تینوں نے پانی سے بچنے کے لئے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی، سو اتفاق سے پہاڑ کے اوپر سے ایک پتھر لڑھک آیا جس سے غار کا منھ بند ہوگیا، اب نجات کی صورت اس کے سوا نہ تھی کہ اپنے اپنے اعمال صالحہ کی برکت سے خدا سے دعا کریں، چنانچہ اس طرح ہر ایک نے دعا کی اور ان اعمال کی برکت سے پتھر رفتہ رفتہ ہٹ گیا، ان میں پاکباز آدمی کی دعا یہ تھی،

" خداوندا میرے ایک چچازاد بہن تھی، جس سے میں بڑی محبت رکھتا تھا، میں نے اس سے

[1] بخاری کتاب الجنائز [2] بخاری کتاب المحدود باب فضل من ترک الفواحش،

اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن جب تک مین اُس کو سو دینار نہ دیدوں وہ راضی نہ ہوئی،
مین نے سو دینار کما کر جمع کئے، اور اس کو دے کر اپنی خواہش نفسانی پوری کرنی چاہی،
لیکن اُس نے کہا کہ خدا سے ڈرو، مین فورًا رُک گیا، خداوندا اگر تو جانتا ہو کہ مین نے صرف
تیری مرضی کے لئے ایسا کیا ہو تو اس پتھر کو ہٹالے، چنانچہ وہ سرک گیا[1]،

یہ روایت عفّت و پاکبازی کو اُن اعمال مین شمار کرتی ہے جن سے خدا کا قرب ملتا
اور دعا کو قبولیّت کا درجہ حاصل ہوتا ہے،

---

[1] بخاری کتاب الادب باب اجابۃ دعا من برّ والدیہ،

Marfat.com

دیانتداری اور امانت

آپس کے لین دین کے معاملوں میں جو اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے، وہ دیانتداری اور امانت ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے کاروبار میں ایماندار ہو، اور جس کا جس کسی پر حق ہو، اُس کو پوری دیانت سے رتی رتی دیدے، اسی کو عربی میں امانت کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خود اپنی شرعی تکلیف کو جسے اس نے نوعِ انسانی کے سپرد کیا ہے امانت کے لفظ سے ادا کیا ہے،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی	ہم نے (اپنی) امانت آسمانوں پر اور
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ	زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی، تو
فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ	انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ	کیا، اور اس سے ڈرے اور انسان
كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ	نے اس کو اٹھا لیا، بے شبہہ وہ ظالم
(احزاب - ۹)	اور نادان ہے،

Marfat.com

اس سے ظاہر ہوا کہ یہ پوری شریعت ایک خدائی امانت ہے جو ہم انسانون کے سپرد ہوئی ہے، اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اُس کے مطابق اپنے مالک کا پورا پورا حق ادا کرین، اگر ہم ایسا نہ کرین تو خائن ٹھہرین گے،

خدا کا فرشتہ جو خدا کا پیام لے کر اُس کے خاص بندون پر اُترتا تھا، امانت سے متصف ہوتا تھا تاکہ بندون کے لئے جو حکم خدا کی جانب سے آئے وہ کمی بیشی کے بغیر خدا کا اصلی حکم سمجھا جائے، اسی لئے قرآن مین اس فرشتہ کا نام "الامین" رکھا گیا ہے،

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (شعراء-۱۱) — اس پیام کو لے کر امانت والی روح اتری،

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (تکویر-۱) — اُس کا کہا مانا جاتا ہے وہان امانت والا ہے،

اکثر پیغمبرون کی صفت مین بھی یہ لفظ قرآن مین آیا ہے کہ انھون نے اپنی اپنی امت سے یہ کہا:

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (شعراء-۱۰) — مین تمھارے لئے امانت دار قاصد ہون،

یعنی خدا سے جو پیغام مجھے ملا ہے، وہ بے کم و کاست تم کو پہنچاتا ہون، اس مین اپنی طرف سے ملاوٹ کچھ نہین ہے،

ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے مکہ والون کی طرف سے "امین" کا خطاب ملا تھا، کیونکہ آپ اپنے کاروبار مین دیانتدار تھے، اور جو لوگ جو کچھ آپ کے پاس رکھواتے تھے، وہ آپ جون کا تون ان کو واپس کرتے تھے،

Marfat.com

نیک عمل مسلمانون کی صفت یہ بتائی گئی،

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ (مومنون - ۱)

اور جو اپنی امانتون اور وعدہ کا پاس رکھتے ہین،

بعض روایتون مین ہے کہ خانۂ کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ بن عبد الدار شیبی کے پاس رہتی تھی، فتح مکہ کے وقت وہ اُن کے ہاتھ سے زبردستی لے لی گئی، اس پر یہ آیت اُتری،

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (نساء - ۸)

بے شبہہ تم کو اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتون کو اُن کے مالکون کے حوالہ کر دیا کرو،

اس حکم کے مطابق یہ امانت اُن کو واپس کی گئی، انھون نے سبب پوچھا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خدا نے یہی حکم دیا ہے، وہ اُس وقت تک مسلمان نہین ہوے تھے، اسلام کے اس انصاف اور امانت داری کے حکم کا ان پر یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہوگئے[1]، بہرحال یہ واقعہ صرف شانِ نزول کا حکم رکھتا ہے، اور معنی کے لحاظ سے امانت کے ہر جزئیہ پر اُس کا اطلاق یکسان ہوگا، اسی لئے اہلِ تفسیر کی تصریحات کے مطابق اس کی وسعت مین وہ امانتِ الٰہی بھی داخل ہے جس کا نام عموم کے ساتھ تکلیفِ شرعی ہے[2]، اور وہ امانت بھی داخل ہے جس کا نام عدل و انصاف ہے اور جو حاکمون کو اپنی رعایا کے حقوق کو ادا کرنے پر مجبور کرتا ہے[3]، اور وہ تمام امانتین بھی اس مین داخل ہین جن کو رعایا کے مالکون کے سپرد کرنا ضروری ہے،

[1] تفسیر کشاف زمخشری. [2] ایضاً [3] تفسیر ابن جریر طبری،

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ امانت کا دائرہ صرف روپیہ پیسہ جائداد اور مالی اشیا ہی تک محدود نہیں، جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ سیاسی، قانونی، اور اخلاقی امانت تک وسیع ہے، اگر کسی کی کوئی چیز آپ کے پاس رکھی ہے، تو اس کے مانگنے پر یا یوں بھی اس کو جوں کا توں دے دینا امانت ہے، اگر کسی کا کوئی حق آپ پر باقی ہو تو اسکو ادا کرنا بھی امانت ہے، کسی کا کوئی بھید آپ کو معلوم ہے، تو اس کو چھپانا بھی امانت ہے، کسی مجلس میں آپ ہوں، اور کچھ باتیں آپ دوسروں کے متعلق وہاں سن لیں، تو ان کو اسی مجلس تک محدود رکھنا، اور دوسروں تک پہنچا کر فتنہ اور ہنگامہ کا باعث نہ بننا بھی امانت ہے، کسی نے آپ سے کسی نج کے کام میں مشورہ مانگا، تو اس کو سن کر اپنے ہی تک محدود رکھنا، اور اس کو اپنے جانتے صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے، اگر کوئی کسی کام پر نوکر ہے، تو اس کو اس نوکری کے شرائط کے مطابق اپنی ذمہ داری کو محسوس کرکے وہ انجام دے تو یہ بھی امانت ہے، اگر کوئی کسی کا آٹھ گھنٹے کا نوکر ہے، اور وہ اس کی اجازت کے بغیر کچھ وقت چرا لیتا ہے، یا بے سبب سستی کرتا ہے، یا دیر سے آتا اور وقت سے پہلے چلے جاتا ہے، تو یہ بھی امانت کے خلاف ہے،

قرآن پاک اور حدیثوں میں ان جزئیات کی تفصیل پوری طرح مذکور ہے، ان مسلمانوں میں جن کو خدا نے فلاح پانے کی خوشخبری سنائی ہے، وہ بھی ہیں،

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (مومنون - ۱)

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے قول وقرار کی پاسبانی کرتے ہیں،

Marfat.com

پھر جن مسلمانوں کو جنت میں عزت کی جگہ دی جانے والی ہے اُن میں بھی وہ داخل ہیں،

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ — اور جو اپنی امانتوں اور اپنے قول و

عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (معارج) — قرار کی پاسبانی کرتے ہیں،

اگر کسی نے کسی کو کوئی چیز دھرنے کو دی، یا سفر میں گواہ وشاہد اور کاتب نہ ملنے کے سبب سے قرض سے گرگرو رکھی،

فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ — تو جو امین بنایا گیا، اس کو چاہیے کہ

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ — اپنی امانت ادا کردے، اور چاہیے کہ اپنے

(بقرہ - ۳۹) — پروردگار اللہ سے ڈرے،

یعنی لے کر مکر نہ جائے یا دینے میں حیلے حوالے نہ کرے، یا اس میں بلا اجازت کوئی تصرف نہ کرے، یا کسی نے ہم پر بھروسہ کرکے ہم سے کوئی بات کی تو ہم اُس کے اس بھروسہ سے غلط فائدہ اٹھاکر اس کے خلاف کوئی حرکت نہ کر بیٹھیں کہ انہی چیزوں کا نام خیانت ہے جس کی ممانعت اسلام نے برملا کی ہے،

وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ — اور اپنی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت

تَعْلَمُوْنَ ٥ (انفال - ۳) — نہ کرو،

حضرت موسیٰؑ نے مدین کے سفر میں دو لڑکیوں کی بکریوں کے پینے کے لئے پانی بھر دیا، اور اس کی کوئی مزدوری اُن سے نہیں مانگی، اور اُن لڑکیوں میں سے ایک نے واپس جاکر اپنے بزرگ باپ سے ان کی تعریف کی، اور سفارش کی کہ اُن کو نوکر رکھ لیجئے،

Marfat.com

تو اس موقع پر قرآن پاک کی یہ آیت ہے،

یَاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ	اے میرے باپ اس کو نوکر رکھ لیجیے،
اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ،	سب سے اچھا نوکر جس کو آپ رکھنا چاہیں
(قصص - ۳)	وہ ہی ہے جو طاقتور اور امانتدار ہو،

اس آیت میں سب سے بہتر نوکر کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ جس کام کے لئے اس کو رکھا جائے اس میں اس کی پوری اہلیت اور طاقت ہو اور اس کام کو وہ پوری امانت سے ادا کرے، اس سے یہ اصول بنا کہ جس کو جس کام کا اہل سمجھ کر رکھا جائے وہ اس کی اہلیت کا ثبوت دے اور اس کو پوری دیانت داری کے ساتھ انجام دے، اب ایک شخص جو چھ گھنٹے کا نوکر ہو، وہ ایک دو گھنٹہ سستی سے یا چوری سے بیکار بیٹھا رہے، تو گو عام لوگ اس کو خیانت کا مرتکب نہیں سمجھتے لیکن اسلام کی دوربین نگاہوں میں یہ وہ امین نہیں ٹھہر سکتا، یا کوئی شخص اپنے کو کسی کام کا اہل بنا کر کوئی نوکری حاصل کرے، مگر حقیقت میں وہ اس کا اہل نہیں، تو یہ بھی ایک طرح سے امانت کے خلاف ہے،

حدیثوں میں امانت کے بہت سے جزئیوں کو الگ الگ کر کے گنایا گیا ہے اور بہت سی ایسی باریک باتوں کو جن کو لوگ امانت کے خلاف نہیں سمجھتے امانت کے خلاف بتایا گیا ہے، اور کوئی غور سے دیکھے، تو اخلاق کے دستے دو یقینی طور سے امانت کے خلاف ہیں،

جس طرح قرآن پاک کی آیت نے بتایا ہے کہ خدا کی امانت کا بوجھ انسان نے

اٹھایا ہے، اسی طرح ایک حدیث بھی ادھر اشارہ کرتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو باتیں سنی تھیں، ایک کو تو آنکھوں سے دیکھ چکا، دوسری یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امانت داری لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اتری ہے، (یعنی اُن کی فطرت ہوتی ہے) پھر انھوں نے کچھ قرآن جانا، کچھ سنت سے سیکھا، (یعنی فطری امانت کے جوہر میں کسب اور اچھی تعلیم سے ترقی ہوتی ہے)

حذیفہؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ نے اس امانت کے مٹ جانے کا حال بھی بتایا، فرمایا پھر یہ حال ہوگا کہ آدمی سوئے گا، اور امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی، اور اس کا ایک ہلکا سا نشان رہ جائے گا، اور پھر سوے گا، تو امانت چلی جائے گی، اور ایک آبلہ کی طرح کا داغ رہ جائے گا، جو اٹھ تو جاتا ہے مگر اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا، لوگ ایسے ہو جائیں گے کہ لین دین کریں گے لیکن کوئی امانتداری نہیں کرے گا اس وقت امانتداری کی مثال ایسی کمیاب ہو جائے گی، کہ لوگ مثال کے طور پر کہیں گے کہ فلاں قوم میں ایک امانت دار شخص ہے آدمی کی تعریف ہوگی کہ کیسا عقلمند، کیسا خوش مزاج اور کیسا بہادر ہے، حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمانداری نہ ہوگی"[1]

حدیث کے پہلے ٹکڑے میں انسانوں میں ایمان داری کا جوہر فطری طور سے موجود ہونے کا اور پھر دینداری کی تعلیم سے اس کے بڑھنے کا ذکر ہے، اس کے بعد بری صحبت کے اثر سے اس فطری جوہر کے دب جانے اور مٹ جانے کا تذکرہ ہے، اور بتایا گیا ہے،

[1] صحیح بخاری باب رفع الامانۃ و کتاب الفتن والرقاق و صحیح مسلم و مسند احمد و ترمذی و ابن ماجہ،

آخر زمانہ میں وہ ایسا ہی رہ جائے گا، جیسا آبلہ کا داغ رہ جائے۔

طبرانی کبیر میں ہے کہ آپ نے فرمایا جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں جس کو عہد کا پاس نہ ہو اس میں دین نہیں، اُس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کسی بندہ کا اُس وقت تک دین درست نہ ہوگا، جب تک اُس کی زبان درست نہ ہو، اور اس کی زبان درست نہ ہوگی، جب تک اس کا دل درست نہ ہوگا .... اور جو کوئی کسی ناجائز راہ سے کوئی مال پائے گا، اور اس میں سے خرچ کرے گا، تو اس کو اس میں برکت نہیں دیجائے گی، اور اگر اُس میں سے خیرات کرے گا تو قبول نہیں ہوگی، اور جو اس میں سے بچ رہے گا، وہ اُس کے دوزخ کی طرف سفر کا توشہ ہوگا، بُری چیز بری چیز کا کفارہ نہیں بن سکتی ہے البتہ اچھی چیز اچھی چیز کا کفارہ ہوتی ہے[۱]

حدیث کی کئی کتابوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں"[۲] اور یہ ظاہر ہے کہ کیونکہ جب دل نے ایک جگہ دھوکا دیا تو ہر جگہ دھوکا دے سکتا ہے،

جب کسی سے کوئی مشورہ لیا جائے، تو اُس کو چاہیے کہ اپنی رائے ایمانداری سے دے، ایک دفعہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا جس سے مشورہ چاہا جائے، اس کو امانت سپرد کی جاتی ہے[۳] اس لئے آپ نے فرمایا کہ مجلس میں

---

[۱] کنز العمال ج ۲ ص ۱۵ حیدرآباد از طبرانی کبیر عن ابن مسعودؓ [۲] کنز العمال ج ۲ ص ۱۵، از طبرانی اوسط وطبرانی کبیر، ابن عدی فی الکامل و بیہقی فی شعب الایمان [۳] ادب المفرد بخاری باب المستشار مؤتمن،

Marfat.com

جو باتین ہون وہ امانت ہین یعنی ایک جگہ کی بات دوسری جگہ پہنچا کر فتنہ کا سبب نہ بنانا چاہیئے، الّا یہ کہ اس سے کسی فتنہ کے روکنے کا کام لیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَۃ یعنی نشستیں امانت کے ساتھ ہون، مگر تین موقعون پر یعنی کسی کے ناحق قتل کی، یا کسی کی آبروریزی کی، یا کسی کا مال ناجائز طور سے لے لینے کی سازش ہو، تو متعلقہ لوگون کو اس سے آگاہ کر دینا چاہیئے،

کسی کا راز افشا کرنا بھی امانت کے خلاف ہے، بلکہ میان بیوی کے درمیان پردہ کی جو باتین ہوتی ہین، وہ بھی ایسے راز ہین جن کا عام طور سے افشا کرنا بے شرمی کے علاوہ امانت کے خلاف بھی ہے، راز کے یہی معنی نہین ہین کہ جس کو کہنے والا راز کہکر ہم سے کہے، بلکہ وہ بھی راز ہے جس سے وہ ہمارے سوا دوسرے کو آگاہ کرنا نہین چاہتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی سے بات کرے، اور وہ احتیاطاً ادھر اودھر اس غرض سے دیکھے کہ کوئی سنتا نہ ہو تو وہ بات بھی امانت ہو جاتی ہے، امانت مین خیانت کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی ایک نشانی بتائی ہے،

مرد جب کسی عورت کو اپنی زوجیت مین لیتا ہے، تو خدا کی مقرر کی ہوئی شرطون کے مطابق لیتا ہے، لیکن اگر کوئی مرد کسی عورت کو اپنی زوجیت مین لے کر اُس کے حقوق ادا کرنے مین کمی کرتا ہے یا اُس کے حقوق کو بالکل نظرانداز کر دیتا ہے، تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی

---

۵۱ ابوداؤد باب فی نقل الحدیث ۵۲ ابوداؤد کتاب الادب ۵۳ ایضاً ۵۴ صحیح بخاری کتاب الایمان باب علامات المنافق،

امانت میں خیانت کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں فرمایا کہ عورتوں کے باب میں خدا سے ڈرو" فرمایا "کیونکہ تم نے اُن کو اللہ کی امانت اور عہد کے ساتھ اپنی زوجیت[1] میں لیا ہے"

قیامت کی نشانیوں میں آیا ہے کہ سب سے پہلے اس امت سے امانت کا جوہر جاتا رہے گا، اور سب سے آخر میں جو چیز رہ جائے گی وہ نماز ہوگی، اور کتنے نمازی ہیں جن کی نمازوں کا کوئی حصہ خدا کے ہاں نہیں[2]" فرمایا "میری اُمت اُس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی، جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی یعنی جو امانت سپرد کی جائے گی اس کو آمدنی اور کار خیر میں دینے کو جرمانہ جب تک مسلمان نہیں سمجھیں گے، اُن کی فطری صلاحیت باقی رہے گی۔

---

[1] صحیح مسلم حجۃ الوداع [2] کنز العمال ج ۲ ص ۱۵، از طبرانی وابن مبارک وحکیم ترمذی وابن عباس [3] کنز العمال ج ۲ ص ۱۵، از سنن سعید بن منصور۔

شرم وحیا

انسان کا یہ وہ فطری وصف ہے جس سے اُس کی بہت سی اخلاقی خوبیون کی پرورش ہوتی ہے، عفت اور پاکبازی کا دامن اسی کے بدولت ہر داغ سے پاک رہتا ہے، درخواست کرنے والون کو محروم نہ پھیرنا اسی وصف کا خاصہ ہے، آپس مین ایک دوسرے کے ساتھ مروّت اور چشم پوشی اسی کا اثر ہے، اور بہت سے گناہون سے پرہیز اسی وصف کی برکت ہے، اس وصف سے متصف سب سے پہلے خود خداوند تعالیٰ ہے، لیکن اس کے معنی یہان وہی ہون گے، جو اس کی ذات اقدس کے لائق ہین، مثلاً یہ کہ وہ اپنے بدکار بندون کو بُرائی کرتے دیکھتا ہے، لیکن اُن کو پکڑتا نہین، اور اس کے آگے جو بھی ہاتھ پھیلاتا ہے اُس کو نامراد نہیں لوٹاتا، حدیث مین آتا ہے کہ آپ نے فرمایا "عزت اور جلال والے خدا کے آگے جب کوئی بندہ اپنے دونون ہاتھ پھیلا کر کچھ بھلائی مانگتا ہے، تو وہ اس کو نامراد لوٹاتے ہوئے شرماتا ہے[1]"، ایک دفعہ تین صاحب مجلس نبوی مین آئے، آپ کے اردگرد

---

[1] بیہقی کتاب الاسماء والصفات الہ آباد ص ۴۴،

صحابہ کا حلقہ تھا، ایک صاحب کو وہاں ذراسی جگہ ملی، اس میں بیٹھ گئے، دوسرے صاحب شرما کر پیچھے بیٹھ گئے، تیسرے صاحب چلے گئے، آپ نے فرمایا کہ میں ان صاحبوں کی خبر نہ دوں؟ جو حلقہ کی ذراسی جگہ میں آکر بیٹھا، وہ خدا کی پناہ میں آیا، تو خدا نے پناہ کی جگہ دی، اور جو پیچھے جاکر بیٹھا وہ شرمایا، خدا نے بھی اس سے شرم کی، (یعنی معاف کیا) اور جو چلا گیا، اُس نے خدا سے منہ پھیرا[1]، تو خدا نے بھی اس سے منہ پھیرا،

سورۂ بقرہ میں ہے،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا، (بقرہ-۳) خدا کوئی مثال بیان کرنے سے شرماتا نہیں،

یعنی کسی حق بات کے ظاہر کرنے میں وہ شرماتا نہیں جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ ہے "وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، (احزاب-۷)" خدا حق بات کہنے سے نہیں شرماتا" حدیث میں بھی ہے، إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ[2]، "اللہ تعالیٰ حق کے اظہار سے شرماتا نہیں" قرآن اور حدیث کے اس طرز ادا سے ظاہر ہے کہ جو بات حق کے خلاف ہے، اس کی نسبت خدا کی طرف خدا کی غیرت وحیا کے خلاف ہے، حدیث میں آتا ہے کہ خدا سب سے زیادہ غیرت مند ہے اور اسی لئے اس نے بدکاریوں کو حرام کیا ہے[3]"

---

[1] بخاری کتاب العلم وصحیح مسلم باب السلام [2] بخاری کتاب الادب باب مالایستحیی من الحق [3] صحیح مسلم کتاب التوبہ

عربی میں غیرت کا لفظ حیا سے خاص ہے مگر اس موقع پر خدا کے تعلق سے اس کے معنی کچھ حیا کے قریب قریب ہو جاتے ہیں، غیرت کے اصلی معنی رقابت سے ملتے جلتے ہیں، جو محبت میں شرکت کو نہیں چاہتی،

Marfat.com

موسیٰ علیہ السّلام کو مدین کے سفر مین ۲ دو لڑکیون سے سابقہ پڑا تھا، وہ اگرچہ بدویانہ زندگی بسر کرنے کی عادی تھین تاہم یہ وصف اُن مین ایسا نمایان تھا کہ خدا نے بھی اس کا ذکر کیا، ان کی عادت یہ تھی کہ جب تک تمام لوگ اپنے اپنے مویشیون کو پانی پلا کر پلٹ نہ جاتے، وہ اپنے مویشیون کو پانی نہین پلاتی تھین، تا کہ مردون کی کشمکش سے الگ رہین، اور جب اُن کے باپ نے اُن مین سے ایک کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بُلانے کے لئے بھیجا،

فَجَاءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ	تو ان دو لڑکیون مین سے ایک شرماتی
عَلَى اسْتِحْيَاءٍ، (قصص - ۳)	اُن کے پاس آئی،

اس آیت مین واقعہ کے اظہار کے ساتھ اس حیا والی لڑکی کی مدح وستایش بھی مقصود ہے، یہ وصف انسان مین بچپن ہی سے فطری ہوتا ہے، اور اگر اس کی مناسب تربیت کیجائے تو وہ قائم رہتا ہے، بلکہ بڑھتا جاتا ہے، اور اگر بُری صحبت لگ جائے اور اچھے لوگون کا ساتھ نہ رہے، تو جاتا بھی رہتا ہے، اسی لئے اسلام نے اُس کی مناسب نگہداشت کا حکم دیا، ستر عورت کا خیال، نگاہین نیچی رکھنا، بے حیائی کی باتون کو بولنے اور دیکھنے سے روکنا، برہنگی کو منع کرنا، یہان تک کہ غسل خانہ اور خلوت مین بھی اسکی اجازت نہ دینا، اسی لئے ہے کہ آنکھین شرم سے جھپکتی رہین، اگر تھوڑی تھوڑی بے حیائی کی جرأت بڑھتی جائے گی، تو رفتہ رفتہ انسان بالکل بے حیا بن جائے گا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بچہ تھے، تو خانہ کعبہ کی تعمیر کا کام ہو رہا تھا آپ اینٹین

اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا تم تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو کہ اینٹ کی رگڑ نہ لگے، آپ نے ایسا کیا تو آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی، ہوش آیا تو زبانِ مبارک پر تھا، میرا تہبند، حضرت عباسؓ نے تہبند باندھ دیا[1]، نبوت کے بعد بھی آپ کا یہ حال تھا کہ صحابہ کہتے ہیں،

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ
اَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي	نشیں کواری لڑکی سے بھی زیادہ
خِدْرِهَا[2]،	شرمیلے تھے،

بعض موقعوں پر آپ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی، مگر شرم کے مارے زبان سے نہیں کہتے تھے، جیسا کہ سورۂ احزاب میں مذکور ہے،

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ	تمہاری اس بات سے رسول کو ایذا
فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ، (احزاب - ۷)	پہنچتی تھی، تو تم سے وہ شرماتا تھا،

حیا کا فطری وصف اگرچہ اپنی جگہ پر تعریف کے قابل ہے، تاہم وہ کبھی کبھی انسان کے لئے اس وقت مضر بھی ہو جاتا ہے، جب اس میں بزدلی اور خوف کا عنصر شامل ہو جاتا ہے، اور وہ بہت سے اجتماعی کام محض شرم و حیا کی وجہ سے نہیں کر سکتا، بلکہ بعض حالتوں میں اس سے اس کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے، اس لئے حیا کی حقیقت میں بزدلی کا جو جزو شامل ہے، شریعتِ مطہرہ نے اس کی اصلاح کی ہے، اور وہ یہ کہ

---

[1] بخاری کتاب الحج باب فضل مکۃ وبنیانہا [2] بخاری کتاب الادب باب الحیاء

Marfat.com

کہ امرِ حق کے اظہار مین شرم وحیا دامنگیر نہ ہو، لیکن دوسرون کی مروّت سے چپ رہ جانا ایک قسم کی شرافت ہے، جو ایک معنی مین تعریف کے قابل ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین ایک شخص نہایت شرمیلا اورحیادار تھا، اس وجہ سے نقصان اٹھاتا تھا، اس کا بھائی اس پر ناراضی کا اظہار کررہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اس پر غصہ نہ کرو کیونکہ حیا ایمان سے ہے،[1]

یہی حیا جو ایمان کا ایک جزو ہے شرعی حیا ہے، یعنی جس طرح ایمان کا اقتضا یہ ہے کہ تمام فواحش ومنکرات سے اجتناب کیا جائے، اسی طرح حیا بھی انسان کو ان چیزون سے روکتی ہے، اس لئے وہ دونون ایک ہی ہین لیکن جن لوگون مین فطرۃً حیا، کا مادّہ موجود ہوتا ہے، اُن کو اس شرعی حیا کے حاصل کرنے مین مدد ملتی ہے، اس لئے بذاتِ خود یہ فطری مادہ ملامت کے قابل نہین، بلکہ اصلاح کے قابل ہے، اور اصلاح کی صورت یہ ہے کہ جہان تک اظہارِ حق، وعظ وپند، تبلیغ ودعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ کا تعلّق ہے، حیا کے طبعی ضعف کو دور کردیا جائے، اور شریعت نے ان موقعون پر اسی ضعف کو دور کیا ہے، مثلاً خدا نے قرآن مجید میں جا بجا بہت سی چھوٹی چھوٹی باتون کو ذکر کیا ہے، جس کو کفار اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان کے منافی سمجھ کر اعتراض کرتے تھے، خدا نے فرمایا کیسی ہی حقیر بات ہو لیکن اگر وہ بندون کے فائدہ کی ہے تو اُس کے کہنے سے خدا نہین شرماتا، یعنی شرم کی وجہ سے وہ اس کو نہین

[1] بخاری کتاب الادب باب الحیاء،

چھوڑ دیتا، فرمایا،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ — اللہ کسی مثال کے بیان کرنے میں (ذرا بھی)

مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا — نہیں جھنیپتا (چاہے وہ مثال) مچھر کی ہو یا

(بقرہ ۳-۳) — اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور حقیر چیز کی)

حضرت زینبؓ کی دعوتِ ولیمہ میں صحابہ کرام کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف تو ہو رہی تھی لیکن فطری حیا کی بنا پر اس کا اظہار نہیں کرتے تھے، تاہم چونکہ لوگوں کا اس طرح جم کر بیٹھنا عام اخلاق بالخصوص آدابِ نبوت کے خلاف تھا، اس لئے خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ — اس سے پیغمبر کو ایذا ہوتی تھی، اور وہ

فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ — تمہارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ تو حق بات کے

مِنَ الْحَقِّ (احزاب - ۷) — کہنے میں (کسی کا کچھ) لحاظ کرتا نہیں،

اپنی ذاتی تکلیف کے لئے لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خلقی اور مروت کے خلاف تھا، اس لئے آپ کو اس سے شرم آتی تھی، تاہم اس طرح بیٹھ جانا آدابِ مجلس کے خلاف تھا اس لئے خداوند تعالیٰ نے لوگوں کو ٹوکا کہ اخلاق و آداب کی تعلیم دینے میں شرم و حیا کا موقع نہیں،

یہی حیا تھی جس نے ان مواقع پر صحابہ کرام کو نہایت دلیر، بے جھجک اور آزاد بنا دیا تھا، ایک صحابیہ آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنے آتی ہیں، اور یہ کہتی ہیں

Marfat.com

کہ یہ سوال عورت کی فطری شرم وحیا کے خلاف ہے تاہم اسی شرعی حیا کی بنا پر سوال سے پہلے کہہ دیتی ہیں کہ یا رسول اللہ! خدا حق بات سے نہیں شرماتا، کیا عورت پر جنابت کا غسل فرض ہے؟

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کی مثال ایک ایسے سرسبز درخت کی ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی، اکابر صحابہؓ اس درخت کا نام بتانے سے قاصر رہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سمجھ گئے کہ یہ کھجور کا درخت ہے تاہم چونکہ کمسن تھے، اس لئے شرم سے چپ رہے لیکن چونکہ یہ شرم وحیا کا موقع نہ تھا، اور علمی مجالس میں آزادی کی ضرورت تھی، اس لئے جب حضرت عمرؓ سے انھوں نے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس درخت کا نام بتا دیتے تو مجھے بڑی خوشی ہوتی۔[1]

انصار یہ عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کے مسئلے پوچھتی تھیں، اور یہ اُن کا خاص اخلاقی وصف سمجھا جاتا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،

نعم النساء نساء الانصار	انصار کی عورتیں کس قدر اچھی تھیں
لم یکن یمنعھن الحیاء ان	کہ دین کا علم حاصل کرنے سے اُن کو
یتفقھن فی الدین۔[2]	حیا نہیں روکتی تھی،

ان موقعوں یعنی تبلیغ، دعوت، پند و نصیحت، ارشاد و ہدایت، تعلیم و تعلّم اور

---

[1] بخاری کتاب الادب باب مالا یستحی من الحق للتفقہ فی الدین [2] مسلم کتاب الطہارۃ باب استحباب استعمال المغتسلۃ من الحیض فرصۃ من مسک فی موضع الدم

Marfat.com

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علاوہ اور ہر جگہ حیا انسان کا ایک ایسا اخلاقی جوہر ہے جس سے اس کو فائدہ ہی فائدہ پہنچتا ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الحیاء لا یاتی الا بخیر [1] — حیا سے صرف بھلائی ہی پہنچتی ہے۔

اور جس شخص کو کسی برے کام کے کرنے میں باک نہیں ہوتا اس کا نام آزادی اور دلیری نہیں ہے بلکہ بے حیائی اور بے شرمی ہے، کیونکہ یہی جذبۂ حیا ہے جو انسان کو برائیوں سے باز رکھتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو پھر بے حیا ہو کر انسان جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی روک نہیں سکتا، اس لئے فرمایا کہ

ان مما ادرک الناس من — لوگوں نے پہلی پیغمبری کی باتوں میں
کلام النبوة الاولیٰ اذا — سے جو پایا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ اگر تم میں
لم تستحی فاصنع ما شئت [2] — شرم نہ رہے تو جو چاہو کرو۔

امام نووی [3] نے اس حدیث کا ایک دوسرا مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اگر تم کوئی ایسا کام نہیں کرتے، جو شرم کے قابل ہو تو پھر تم آزادی سے کر سکتے ہو۔

قرآن و حدیث میں جہاں جہاں فحش، منکر، اور سوء وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں ان سے بے حیائی کے یہی سب کام مراد ہیں، اور اسلام نے اس شدت سے امر بالمعروف کے ساتھ ان تمام کاموں سے روکا ہے کہ حیا اسلام کا ایک مخصوص اخلاقی نشان بن گیا ہے، اسی

[1] بخاری کتاب الادب باب الحیاء۔ [2] بخاری کتاب الادب باب اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔ [3] فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۳۴۔

Marfat.com

بنا پر حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر دین کا ایک خاص خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خاص خلق حیا ہے[1]
یہ بھی فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں، اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے[2]
فطری مواقع کے علاوہ ایک مسلمان کو کبھی یہاں تک کہ تنہائی کی حالت میں بھی شرم وحیا
کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہئے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برہنگی سے
بچو کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے فرشتے رہتے ہیں جو صرف بول وبراز اور مباشرت کے وقت تم سے
الگ ہو جاتے ہیں، تو ان سے شرماؤ، اور ان کا خیال رکھو[3]

مقصد یہ ہے کہ شرم کا پانی آنکھوں سے گرنے نہ پائے،

---

[1] موطا امام مالک کتاب الجامع باب ما جاء فی الحیاء [2] صحیح بخاری کتاب الایمان [3] ترمذی کتاب الاستئذان والآداب باب ما جاء فی الاستتار عند الجماع،

Marfat.com

رحم

رحم بھی انسان کے بنیادی اخلاق میں سے ہے، دنیا میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ کسی معاوضہ کا خیال کئے بغیر جو کچھ نیکی کے کام کرتے ہیں، اُن کو کرید کر دیکھئے تو سب کی تہ میں رحم کا جذبہ کام کرتا نظر آئے گا، جس کے دل میں اس جذبہ کا کوئی ذرہ نہ ہوگا، اُس سے دوسروں کے ساتھ بے رحمی، ظلم، سنگ دلی، اور شقاوت جو کچھ نہ ظاہر ہو وہ کم ہے اسی لئے اسلام کی اخلاقی تعلیم میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کے خاص ناموں میں سے اللہ کے بعد جو نام سب سے زیادہ اہم اور عام ہے، وہ رحمٰن یعنی "بڑا رحم والا" ہے، اسی کے ساتھ دوسرا نام "رحیم" آتا ہے یعنی رحم سے بھرا ہوا، قرآن پاک میں پہلا نام ایک طرح سے خدا کے علم کی حیثیت سے لیا گیا ہے، اور دوسرا نام صفت کے طور پر بار بار آتا ہے مسلمان کو حکم ہے جب وہ کوئی اچھا کام شروع کرے تو پہلے رحمان و رحیم خدا کا نام لے، ہر سورہ کا آغاز اسی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہے، دنیا میں جو کچھ ہے، وہ خدا کی رحمت کے جلووں کے سوا کچھ اور نہیں ہے، خدا کے فرشتے اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں،

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً — اے ہمارے پروردگار تو نے اپنی رحمت

وَّعِلْمًا (مومن-۱) — اور علم میں ہر چیز کو سما لیا ہے،

اس رحمت الٰہی کی تفصیل سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے، بلکہ

هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (حشر-۳) — وہی رحم والا مہربان ہے،

مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ دعاؤں میں کہیں،

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ، (مومنون-۶) — اور تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے،

دنیا میں رحم و کرم کے جو آثار پائے جاتے ہیں، وہ اسی کی رحمت کے آثار اور پرتو ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ خدا نے رحمت کے سو ٹکڑے کئے، جن میں سے ننانوے ٹکڑے اپنے پاس رکھ لئے اور دنیا پر صرف ایک ٹکڑے کو اتارا، اور اسی ایک ٹکڑے کی بنا پر لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، یہاں تک کہ گھوڑا اس خوف سے اپنے بچہ پر پاؤں نہیں رکھتا کہ اس کو صدمہ نہ پہنچ جائے۔[1]

اسی لئے انسانی صفات میں اخلاق کا سب سے بڑا مظہر پیغمبروں کی ذات اور پیغمبروں میں سب سے اعلیٰ و اشرف ہستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اور خداوند تعالیٰ نے آپ کو ہی رحمت کے ساتھ متصف کیا ہے،

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ — (لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں کے

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ — ایک رسول آئے ہیں، تمہاری تکلیف

[1] بخاری کتاب الادب۔

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ — ان پر شاق گذرتی ہے، اور اُن کو بھلا[ئی]

رَّحِيمٌ، — بہبود کا ہوکا ہے، اور مسلمانوں پر بہت

(توبہ-۱۶) — شفیق (اور) رحیم ہیں،

پیغمبروں کے بعد اگلے پیغمبروں کی امتیں ہیں، اور ان امتوں میں سے خداوند تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کا یہ خاص اخلاقی وصف بتایا ہے،

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ — اور جو لوگ اُن کے پیرو ہوئے، اُن کے

اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً (حدید-۴) — دلوں اور ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا،

اور اس وصف میں اُمتِ محمدیہ بھی ان کی شریک وسہیم ہے،

وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى — اور جو لوگ محمدؐ کے ساتھ ہیں وہ کافروں

الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (فتح-۴) — پر زور آور ہیں، آپس میں رحم دل ہیں،

آپس کے تعلقات میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کا جو برتاؤ کیا جاتا ہے، اس کو صلہ رحم کہتے ہیں، کیونکہ قرابتوں کے سارے رشتے رحمِ مادری سے پیدا ہوتے ہیں، اور رحم، رحم اور رحمان جو خدا کا نام ہے، ایک ہی اصل سے مشتق ہیں، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رحم کا جذبہ (رحمان) خدا کی رحمت کا پرتو ہے، اور اسی سے صلہ رحم کا جذبہ دنیا میں پیدا ہوا، حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا،

الرحم شجنة من الرحمن[1] — رحم رحمان کی جڑ سے نکلی ہوئی شاخ ہے،

---

[1] بخاری کتاب الادب باب من وصل وصله الله،

یعنی قرابت کی رحمدلی اور شفقت کے جذبہ کی جڑ خود رحمان کی ذات ہے، اور سارے رحمدلیوں کے جذبے اس کی شاخیں ہیں، بچوں کی محبت اسی جذبہ سے پیدا ہوتی ہے، حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک زانو پر مجھ کو اور دوسرے زانو پر امام حسنؓ کو بٹھا لیتے تھے، پھر دونوں زانو کو ملا کر کہتے تھے کہ خداوندا ان دونوں پر رحم کر کیونکہ میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں"[1]

ایک بار ایک شخص اپنے بچے کو ساتھ لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اس کو لپٹانے لگا، آپ نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ "تم اس پر رحم کرتے ہو؟" اس نے کہا "ہاں" ارشاد ہوا کہ خداوند تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، جس قدر تم اس بچے پر رحم کرتے ہو، وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے[2]

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن علیہ السلام کا بوسہ لیا، اقرع بن حابس جو ایک درشت خو بدو تھے، پاس بیٹھے ہوئے تھے، بولے کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا، آپ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ "جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا"

ایک اور بدو نے آپ سے کہا کہ آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں، لیکن ہم لوگ نہیں چومتے، ارشاد ہوا کہ "خدا نے جب تمہارے دل سے رحم کو نکال لیا تو میرا کیا زور ہے"[3]

---

[1] بخاری کتاب الادب باب وضع الصبی علی الفخذ [2] ادب المفرد باب رحمۃ العیال [3] بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ،

رحم کی یہ خاص قسم یعنی چھوٹون پر ترس کھانا اُمتِ محمدیہ کا ایک عنصر ہے، اس لئے فرمایا کہ جو شخص ہمارے چھوٹون پر رحم نہین کرتا، وہ ہم مین سے نہین ہے[1]، اور اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ رحم ہمیشہ چھوٹون اور زیردستون پر کھایا جاتا ہے، تو اس حدیث کی وسعت صرف عمر کے چھوٹون تک نہین، بلکہ ہر حیثیت کے چھوٹون تک وسیع ہے،

خود اپنی قوم کی ہمدردی محبت اور اعانت کا جذبہ اسی اخلاقی وصف سے پیدا ہوتا ہے، اسی لئے قرآن مجید نے صحابۂ کرام کا اخلاقی وصف یہ قرار دیا ہے "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" یعنی وہ لوگ آپس میں رحمدل ہین، اور حدیث مین اس وصف کو ایک نہایت عمدہ مثال مین بیان کیا گیا ہے یعنی یہ کہ مسلمانون کی باہمی رحمدلی، باہمی دوستی اور باہمی مہربانی کی مثال انسان کے جسم کی ہے کہ جب کسی عضو کو درد دکھ پہنچتا ہے تو تمام جسم متاثر ہوجاتا ہے[2]، جس کے معنی یہ ہین کہ جذبۂ رحم نے اخلاقی اور معاشرتی حیثیت سے مسلمانون کو اس قدر متحد کردیا ہے کہ مجموعی طور پر وہ ایک جسم ہوگئے ہین، اور انفرادی طور پر مسلمانون کے تمام افراد اس جسم کے اعضا اور جوارح ہین، اس لئے جس طرح ایک عضو کے درد دکھ مین تمام جسم شریک ہوجاتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کے درد دکھ مین تمام مسلمانون کو شریک ہونا چاہئے،

اسلام نے جس رحمدلی کی تعلیم دی ہے، وہ مسلمانون ہی کے ساتھ مخصوص نہین ہے بلکہ اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے، اور اس مین تمام بنی نوع انسان شامل ہین، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حدیثون مین عام رحم کی تعلیم دی ہے، اور فرمایا ہے کہ جو شخص

---

[1] ترمذی، ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان [2] بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبہائم

Marfat.com

انسانون پر رحم نہین کرتا، خدا بھی اُس پر رحم نہین کرے گا، یہ بھی فرمایا کہ رحم کرنے والون پر رحم کرنے والا خدا رحم کرے گا، زمین والون پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔[۱]

رحم دلی کی یہ تعلیم صرف بنی نوع انسان ہی تک محدود نہین ہے بلکہ اس مین بے زبان جانور بھی شامل ہین، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ذبیحہ جانور پر بھی رحم کرے گا، تو خدا قیامت کے دن اس پر رحم کرے گا[۲]، ایک شخص نے آپ کی خدمت مین عرض کی کہ مین بکری کو ذبح کرتا ہون تو مجھے اس پر ترس آتا ہے، یا یہ کہ مجھے اس پر ترس آتا ہے کہ بکری کو ذبح کرون، آپ نے دو بار فرمایا کہ اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا بھی تم پر رحم کرے گا[۳]،

جانورون کے لڑانے کا جو بے رحمانہ طریقہ جاری ہو گیا تھا، اور اب بھی جاری ہے، وہ اس رحم دلی کے بالکل مخالف تھا، اس لیے اسلام نے اس تفریحی مشغلہ کو ناجائز کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی[۴]،

اس عام رحم دلی کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ایسے مختصر اور جامع لفظون مین دی ہے، جو بلاغت کی جان ہین، فرمایا،

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ[۵] — جو رحم نہین کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا

ان دو لفظون کی تشریح دفترون مین نہین سما سکتی، رحم دلی کا ہر منظر، اور شفقت و کرم کا ہر جذبہ ان ہی دو لفظون سے ابھارا جا سکتا ہے، اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جو دوسرون

---

[۱] جامع ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی رحمۃ الناس [۲] ادب المفرد باب رحمۃ البہائم [۳] ادب المفرد باب ارحم من فی الارض [۴] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی التحریش بین البہائم [۵] صحیح بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبہائم،

پر رحم نہین کرتا، اس پر خدا بھی رحم نہین فرمائے گا، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو دوسرون پر رحم نہین کھاتا، تو دوسرے بھی اس پر رحم نہین کھائین گے۔ محدث ابن بطال نے اس حدیث کی شرح مین لکھا ہے، کہ اس مین تمام مخلوق پر رحم کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اس لئے اس مین مسلمان، کافر، مملوک اور غیر مملوک جانور سبھی داخل ہین، اور انکے کھانے پینے کی خبرگیری کرنا، ان پر ہلکا بوجھ لادنا، اور ان کو بہت نہ مارنا یہ سب چیزین اسی رحم مین شامل ہین، غرض یہی وہ چیز ہے جس سے مصیبت زدون کی غمخواری ہمسایون و مسکینون، بیمارون کی تسلی، فقیرون کی امداد، مظلومون کی حمایت اور دوستون کی اعانت کرتے ہیں اور اس حدیث کے عموم کا وسیع دائرہ ان سب کو گھیرے ہے، اس لئے [illegible] ہین، وہ جو رحم کرتے ہین کہ ان پر رحم کیا جائے گا،

ل فتح الباری جلد ۱۰ ص ۳۷۸ مصر

Marfat.com

عدل و انصاف

کسی بوجھ کو دو برابر حصّوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دونوں سے کسی میں ذرا بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں "عدل" کہتے ہیں[1]، اور اس سے وہ معنی پیدا ہوتے ہیں جن میں ہم اس لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں، یعنی جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں، اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے، اور وہی بات کہی، اور وہی کام کیا جائے، جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے، اس تشریح سے معلوم ہوگا کہ اخلاق کی ترازو میں عدل و انصاف کا پلہ بھی کچھ کم بھاری نہیں،

عدل سب سے پہلے خود اللہ کی صفت ہے، جن روایتوں میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام گنائے گئے ہیں، ان میں ایک عَدْل (عدل والا) بھی ہے، علماء نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے، وہ حق بات کہتا ہے، اور وہی کرتا ہے جو حق ہے، قرآن پاک میں کئی دفعہ یہ حقیقت مختلف لفظوں میں دہرائی گئی ہے، فرمایا۔

[1] مفردات راغب اصفہانی ۵۲ کتاب الاسماء والصفات بیہقی ص ۱۲ الہ آباد

Marfat.com

وَاللّٰہُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ (مومن ۲) اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے

یہ عدل عملی کی طرف اشارہ ہے، دوسری آیت مین ہے۔

وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ (احزاب ۱) اور اللہ حق بات کہتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے عدلِ قولی کو ظاہر کرتا ہے، اور یہ دونوں باتین قرآن پاک کی ذیل کی آیت مین یکجا ہین،

وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا اور تیرے رب کی بات سچائی اور

وَّعَدْلًا ؕ (انعام ۱۴) انصاف کے ساتھ پوری ہوگئی،

دنیا کا یہ سارا کارخانہ جو آسمان سے لے کر زمین تک پھیلا ہے، صرف اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے بل بوتے پر قائم ہے، وہ اپنی تمام مخلوقات مین اپنی شہنشاہی پورے انصاف کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہے، اور یہی اس کی وحدانیت کی دلیل ارشاد ہوتا ہے،

شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی

ہُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ اور خدا نہین اور فرشتون نے اور علم والون

قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ (آل عمران ۲) نے، وہی خدا انصاف کو لے کر کھڑا ہے

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل وانصاف صرف نظم وسلطنت ہی کے لئے مخصوص نہین ہے، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ مین عدل کی ضرورت ہے، اور نظامِ عالم محض عدل کی وجہ سے قائم ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت ہی جامع آیت مین جن

اچھی باتوں کا حکم دیا ہے، ان میں سب سے پہلے عدل و انصاف ہی کرنے کا حکم ہی فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ	بے شبہ اللہ انصاف اور نیکی کرنے
الْاِحْسَانِ (نحل۔۱۳)	کا حکم دیتا ہے،

عدل قانون کا اقتضا ہے اور احسان کرنا اور درگذر کرنا اخلاق کا مطالبہ ہے، اللہ تعالیٰ نے نظم عالم کو قائم رکھنے کے لئے سب سے پہلے عدل کا حکم دیا ہے، اور اس کے بعد احسان کی تاکید کی ہے جس سے اشخاص کی روحانی تکمیل ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ سارے عالم کی نگہداشت کا فرض کسی شخص کی ذاتی تکمیل کے فرض سے زیادہ اہم ہے، پھر اسی مجمل تعلیم پر بس نہیں کیا ہے، بلکہ زندگی کے اہم شعبوں کو لے کر ان میں عدل و انصاف کا حکم دیا ہے، مثلاً معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف کی سب سے زیادہ ضرورت اُن لوگوں کو ہوتی ہے جو ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرتے ہیں، اس لئے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً	پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ	(کئی بیبیوں میں) انصاف نہ کرسکو گے
	تو ایک ہی (بی بی کرنا) یا جو (لونڈی)
(نساء۔۱)	تمہارے قبضہ میں ہو،

عورتوں کی طرح یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لئے بھی عدل و انصاف کی ضرورت ہے، اس لئے فرمایا،

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ (نساء۔۱۹)	اور (خاص کر) یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف

Marfat.com

عام معاملات مین عدل وانصاف کی سب سے زیادہ ضرورت روزانہ کی خرید وفروخت مین

وزن وپیمانہ مین ہے، اس نے فرمایا:

وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ	اور انصاف کے ساتھ (پوری پوری)
بِالۡقِسۡطِ (انعام-۱۹)	ناپ کرو، اور (پوری پوری) تول،

قرآن مجید کی متعدد آیتون مین بار بار اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ ناپ اور تول مین بے انصافی نہ کی جائے، کیونکہ خرید وفروخت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی ہر انسان کو ضرورت ہوتی ہے، اس لئے وزن وپیمانہ مین کمی کرنے سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ نہایت عام ووسیع ہے، اس کے ساتھ نہایت حقیر مقدار مین کمی کرنے سے انسان کی سخت دنائت ثابت ہوتی ہے، اور اس سے روح مین سخت اخلاقی گندگی پیدا ہوتی ہے؛

عدل وانصاف کی ضرورت خاص طور سے عدالتی معاملات مین ہوتی ہے، اور اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو مین عدل وانصاف کا لحاظ رکھا ہے، تحریر وستاویز کے متعلق حکم ہے کہ

وَلۡيَكۡتُبۡ بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبٌۢ	اور تمھارے باہمی قرارداد کو) کوئی
بِالۡعَدۡلِ، (بقرہ-۳۹)	لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے،
فَاِنۡ كَانَ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَقُّ	پھر جس کے ذمہ قرض عائد ہوگا اگر
سَفِيۡهًا اَوۡ ضَعِيۡفًا اَوۡ لَا يَسۡتَطِيۡعُ	وہ کم عقل ہو یا معذور یا خود اداے
اَنۡ يُّمِلَّ هُوَ فَلۡيُمۡلِلۡ وَلِيُّهٗ	مطلب نہ کرسکتا ہو، تو (جو) اُس کا

بِالْعَدْلِ ۝ | مختارِ کار (ہو وہ) انصاف کے ساتھ

(بقرہ - ۳۹) | (دستاویز کا) مطلب بولتا جائے،

شہادت یا فیصلہ کے وقت دو حالتوں میں اکثر لوگوں کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے، ایک تو یہ کہ فریقِ مقدمہ اپنا قرابت دار ہو، یا اُس سے گواہ یا حاکم کو عداوت ہو، لیکن اسلام کی اخلاقی تعلیم اس حالت میں بھی عدل و انصاف سے تجاوز کرنے کو جائز نہیں رکھتی،

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۝ | اور (گواہی دینی ہو یا فیصلہ کرنا پڑے) جب بات کہو تو گو (فریقِ مقدمہ اپنا) قرابت مند ہی (کیوں نہ) ہو انصاف (کا پاس) کرو،

(انعام - ۱۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۝ | مسلمانو! خدا واسطے انصاف کیساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم (کے ارتکاب) کی باعث نہ ہو کہ (معاملات میں) انصاف نہ کرو (نہیں ہر حال میں) انصاف کرو کہ (شیوۂ) انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے،

(مائدہ - ۲)

پہلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمہاری باہمی دوستی و محبت تم کو بے انصاف نہ بنائے

اور دوسری آیت مین یہ ارشاد ہے کہ کسی کی دشمنی تم کو انصاف سے باز نہ رکھے، اور یہ کہ ہر حال مین عدل وانصاف کرنا تقوٰی کی نشانی ہے،

یہود اور نصاریٰ اسلام کے کھلے ہوے دشمن تھے، اس پر بھی رسولِ اسلام علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے وحیِ الٰہی یہ کہلواتی ہے،

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	اور کہدے کہ مین ہر اُس کتاب کو مانتا
مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ	ہون جو اللہ نے اتاری، اور مجھے (خدا
بَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ	سے) یہ حکم ملا ہے کہ مین تمہارے بیچ
لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ	مین انصاف کرون، اللہ رب ہے
لَاحُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ	ہمارا اور تمہارا، ہم کو ہمارے کامون
يَجْمَعُ بَيْنَنَا ط وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ	کا بدلہ ملنا ہے، اور تمکو تمہارے
	کامون کا، ہم مین تم مین کچھ جھگڑا
(شوریٰ - ۲)	نہین، اسی کی طرف (سب کو) پھر جانا ہے

جس عدل اور برابری کا حکم اس آیتِ پاک مین ہے، اس کے کئی پہلو ہین، ایک یہ کہ جو سچائی مجھ تک پہنچی ہے، اس کو مین برابر برابر تم سب کو پہنچا دون، دوسرا یہ کہ محض دینی مخالفت کی وجہ سے تمہارے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے بلکہ وہ کیا جائے جس کو تقاضا عدل وانصاف کرتا ہو، اور تیسرا یہ کہ اب تک تم مین مقدمات کے فیصلہ کی جو یہ صورت جاری ہے کہ دولتمندون اور عزت والون کے ساتھ رعایت کا اور عام لوگون کے ساتھ

سختی کا قانون ہونا چاہئے، میرے خدا نے ایسا کرنے سے مجھے منع کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ حاکم و محکوم، امیر و غریب سب کے ساتھ یکسان اور برابری کا سلوک کیا جائے کیونکہ ہمارا تمھارا سب کا رب ایک ہی ہے، ہم سب اُس کے غلام ہین، اس لئے اس کے سب غلامون کے لئے ایک ہی قانون ہونا چاہئے ہم کو ہمارے اعمال، اور تم کو تمھارے اعمال کا بدلہ ملے گا، اس مین جھگڑنے کی کوئی بات نہین، سب کو قیامت مین اُس مالک کے سامنے پیش ہونا ہے جس کا کام اُس کو پسند آئے گا اُس کو ویسا انعام ملے گا، اور اگر بُرا کام کیا ہو تو ویسی ہی سزا ملے گی،

عدل وانصاف کی راہ مین ان دونون سے بھی زیادہ ایک کٹھن منزل ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کے مقابلہ مین بھی عدل وانصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم کی روشنی مین اہل ایمان کو اس کٹھن منزل کی رہنمائی بھی پوری طرح کی گئی ہے ارشاد خداوندی ہوا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا	اے ایمان والو انصاف کی حمایت
قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ	مین کھڑے ہو، اللہ کے لئے گواہ بنو،
لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ	اگرچہ تمھارا اپنا اس مین نقصان ہی
وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا	ہو یا ماں باپ کا، یا رشتہ دارون کا،
أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا	اگر وہ دولت مند ہے یا محتاج ہے تو
فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا	اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے تو تم

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ	انصاف کرنے مین اپنے نفس کی
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ،	خواہش کی پیروی نہ کرو، اگر تم
	زبان ملو گے، یا کچھ بچاؤ گے تو اللہ
(نساء ع ۲۰)	تمھارے کام سے واقف ہی؛

ان آیتون مین عدل کے خلاف ایک ایک ریشہ کو جڑ سے نکال کر پھینک دیا گیا ہے، کہا گیا کہ معاملات مین عدل وانصاف کی حمایت تمھارا مقصد ہو، جو کچھ کہو یا کرو خدا لگتی کہو، اور خدا واسطے کہو، عدل وانصاف کے فیصلہ اور گواہی مین نہ تو اپنے نفس کا خیال بیچ مین آئے، نہ عزیزون اور قرابت دارون کا، نہ دولتمند کی طرفداری کا، نہ محتاج پر رحم کا، پھر اس فیصلہ اور گواہی مین کوئی بات لگی لپٹی نہ رکھی جائے نہ حق کا کوئی پہلو جان بوجھ کر بچا لیا جائے، مطلب یہ ہوا کہ فیصلہ اور گواہی مین دولتمند کی خاطر نہ کرو، اور نہ محتاج پر ترس کھاؤ، اور قرابت کو بھی نہ دیکھو، جو حق ہو وہ کرو، یا کہو، پھر سچ کہنے مین کوئی توڑ مروڑ نہ کرو، کہ سننے والا شبہہ مین پڑ جائے، یا پوری بات نہ کہو، کچھ چھپا لو، تو یہ سب باتین عدل اور انصاف کے خلاف ہین، کسی غریب کی غربت پر ترس کھا کر فیصلہ مین ردّ و بدل کر دینا بظاہر نیکی کا کام دکھائی دیتا ہے، مگر درحقیقت یہ ایک مقدس فریب ہو، فیصلہ مین ترس کھا کر بے ایمانی کرنا بھی ویسا ہی ہو جیسا کسی کی خاطر رکھ کر یا کسی کی بزرگی کو مان کر یا اس کی بڑائی سے مرعوب ہو کر بے ایمانی کرنا ہو، غرض یہ ہے کہ عدل وانصاف کی راہ مین کوئی اچھا یا برا جذبہ حاکم کے لئے ٹھوکر کا پتھر نہ بنے،

Marfat.com

اسی طرح اس آیت کا اشارہ ادھر بھی ہوا کہ جو گواہ کسی فریق کو نفع پہنچانے کی غرض سے طرف دارانہ گواہی دیتا ہے، وہ غلطی میں مبتلا ہے، اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اس کا نگراں نہیں ہو سکتا، اس لئے نہ گواہوں کو اس لئے طرفداری کرنی چاہیے اور نہ خود کسی فریق کو گواہ کی طرف داری کے ذریعے سے اپنی منفعت کا خیال دل میں لانا چاہئے، بلکہ دونوں کو اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دینا چاہئے کہ وہی اُن کا سب سے بہتر اور سب سے بڑھکر ولی ہے، لوگ عدل و انصاف کے فیصلہ یا گواہی میں اسی لئے غلط بیانی کرتے ہیں کہ جس فریق کی طرف داری مقصود ہے اس کو فائدہ پہنچ جائے، تو ارشاد ہوا کہ اللہ اپنے امیر اور غریب دونوں بندوں کے حق میں تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، تمہاری کم بین نظر تو اس پاس تک جا کر رہ جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب کچھ ہے، وہ سب کچھ دیکھ کر اور سب کچھ جان کر اپنے بندوں کے ساتھ وہ کرتا ہے جس میں ... اُن کی بھلائی ہے، غور کیجئے کہ ان لفظوں میں عدل و انصاف کا فلسفہ کس خوبی سے ادا کیا گیا ہے، کم حوصلہ انسان اپنے فیصلہ اور گواہی میں کسی خاص انسان کی بھلائی کیلئے جھوٹ بولتا یا غلط فیصلہ دیتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ اس سے اس کو فائدہ پہنچے گا، حالانکہ عالم الغیب کے سوا کس کو معلوم ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر اس کے لئے کیا چیز مفید ٹھہرے گی، پھر ایک اور حیثیت سے دیکھئے کہ بالفرض ایک خاص آدمی کو اپنی طرف داری سے فائدہ پہنچا بھی دیا تو کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اس نے اس طرح حقیقت میں سچائی کا خون کر کے نظم عالم کو ابتر کرنے کی کوشش کی اور ظلم کی بنیاد رکھی، جس سے عالم کے امن و امان کے درہم برہم ہو جانے کا خطرہ ہے، غلط گو انسان کی محدود نگاہ میں

Marfat.com

صرف ایک جزئی واقعہ کے نفع ونقصان کا خیال ہے، اور اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے حکم میں سارے عالم کی خیر خواہی کا بھید چھپا ہے جس کا ایک فرد وہ خاص انسان بھی ہے اسی لئے رشوت دے کر حاکموں کی رائے کو متاثر کرنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں گناہ ہے، اور بعض مفسروں کے خیال کے مطابق قرآن پاک کی اس آیت میں:

وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا	اور نہ مال حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں
فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ	کے مال میں سے گناہ کر کے کچھ کھا جاؤ
وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (بقرہ ۲۳)	تم جان بوجھ کر

اس رشوت کی ممانعت کی طرف بھی اشارہ ہے۔[1]

دو شخصوں یا دو گروہوں میں مصالحت کرانا بھی [illegible] تو مطلوب ہے اس لئے اس میں بھی عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے، اور کس حالت میں دیا گیا ہے جب دونوں طرف سے تلواریں میان سے نکل چکی ہوں اور ایک دوسرے کے سر و سینہ پر تڑاپ تڑاپ کے گر رہی ہوں یعنی اس وقت جب عقل کی قوت اور نیکی کی استعداد کا چراغ جذبات کی آندھیوں میں بجھ رہا ہو، اس عالم میں بھی مسلمانوں سے یہی کہا گیا کہ عدل وانصاف کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹے، فرمایا:

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	اور اگر تم مسلمانوں کے دو فریق آپس

[1] تفسیر روح المعانی،

Marfat.com

اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا	مین لڑ پڑین تو ان مین صلح کرا دو، پھر
فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى	اگر ان مین کا ایک (فرقہ) دوسرے
الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ	پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہو
حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ	اس سے تم (بھی) لڑو، یہان تک
فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا	کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع کرے،
بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ	پھر جب رجوع لائے تو دونوں مین
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔	برابری کے ساتھ صلح کرا دو، اور
	انصاف کو ملحوظ رکھو، بیشک اللہ
(الحجرات - ۱)	انصاف کرنیوالون کو محبوب رکھتا ہے؛

عدل وانصاف حکومت وسلطنت کی عمارت کا ستون ہے، اسی لئے اسلام نے ہر حکم سیاسی اور عدالتی فیصلے کیلئے عدل کو ضروری قرار دیا ہے کہ یہ اگر نہ ہو تو کسی مظلوم کی دادرسی ممکن ہی نہین، اسی لئے ایک حاکم کا پہلا فرض یہ ہے کہ عادل ہو، ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا	بے شک اللہ تم کو یہ حکم فرماتا ہے کہ امانتین
الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا	امانت والون کو پہنچاؤ، اور یہ کہ جب
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ	لوگون کے درمیان جھگڑانے فیصل کرنے
تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۔ (نساء - ۸)	لگو، تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو،

اہل تفسیر لکھتے ہین کہ اس آیت پاک مین امانت سے مراد منصفانہ فیصلہ اور

منصفانہ حق ہے، جو ایک کا دوسرے پر ہوتا ہے خدا نے اس آیت میں اسی منصفانہ فیصلہ
حق کی امانت کو حقدار تک پہنچانے کا حکم دیا ہے، اور منصفانہ فیصلہ کی تاکید کی ہے اور یہ
فیصلہ دوست و دشمن، کافر و مسلم سب کے ساتھ یکساں عدل و انصاف کے ساتھ ہونا چاہیئے
چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے معاملات میں حکم ہوا،

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ	اور اگر فیصلہ کرو تو اُن میں انصاف کے
بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ	ساتھ فیصلہ کرنا کہ خدا انصاف
(مائدہ - ۶)	کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

عدل و انصاف کی برتری کی یہ اہمیت لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ عدل و انصاف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دو دفعہ اپنی دوستی اور محبت سے نوازنے کی بشارت سناتا ہے

اخلاق کے ساتھ یہ مسئلہ سیاست سے بھی تعلق رکھتا ہے یعنی جو شخص فیصلہ کرتا ہے اس کے لئے کن کن اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے، قرآن مجید میں اگرچہ اس کی کوئی تصریح نہیں کی گئی ہے تاہم اشارات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص فیصلہ کرتا ہے اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ آزاد ہو، اپنے فیصلہ کے نفاذ کی قدرت رکھتا ہو، اور حق و ناحق سے خود بھی صاحب علم ہو، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ	اور خدا [illegible]
اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى	کہ [illegible]
شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ	گونگا [illegible]

Marfat.com

أَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

(النحل-۱۰۰)

غلام کہ خود) کچھ نہیں کر سکتا، اور گونگا ہونے کی وجہ سے) وہ اپنے آقا کا بار خاطر بھی ہے کہ جہاں کہیں اس کو بھیجے اس سے کچھ بھی ٹھیک نہیں بن آتا کیا ایسا غلام اور وہ شخص (دونوں) برابر ہو سکتے ہیں، جو (لوگوں کو) عدل و انصاف کی تاکید کرتا ہے، اور وہ خود

اور امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جو شخص عدل کا حکم دیتا ہے اس کو صفت نطق سے متصف ہونا چاہیے، ورنہ وہ حکم نہ دے سکے گا، اور قادر ہونا چاہیے کیونکہ حکم سے علوے مرتبت کا اظہار ہوتا ہے، اور جب تک وہ قادر نہ ہو علوے مرتبت حاصل نہیں ہو سکتا، اور عالم ہونا چاہیے تاکہ ظلم و انصاف میں تمیز کر سکے، اس سے ثابت ہوا کہ عدل و انصاف کی صفت، قدرت اور علم دونوں کو شامل ہے، پہلا شخص گونگا ہے، تو دوسرے کو گویا ہونا چاہیے، پہلا شخص کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتا تو دوسرے کو صاحب قدرت ہونا چاہیے، پہلے شخص سے کوئی کام ٹھیک بن نہیں آتا، اس لئے دوسرے شخص کو عالم ہونا چاہیے تاکہ وہ ہر کام سلیقہ سے کر سکے،

ان تمام تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عدل و انصاف کا جو حکم دیا ہے وہ اخلاق، معاشرت اور سیاست کے ہر ایک گوشہ کو محیط ہے، یعنی زندگی کا کوئی

Marfat.com

شعبہ ایسا نہین ہے جس پر اسلام کی یہ اخلاقی تعلیم حاوی نہ ہو،

ان آیات کے رو سے اگرچہ ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہئے تاہم امام و حاکم وقت کے لئے عادل ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے، اس لئے حدیث مین امام عادل کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب کہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا، سات شخصون کو خدا اپنے سایہ مین لے گا جن مین ایک شخص امام عادل ہوگا"[1]

---

[1] بخاری کتاب المحاربین، باب فضل من ترک الفواحش،

Marfat.com

عہد کی پابندی

کسی سے جو وعدہ یا کسی قسم کا قول وقرار کر لیا جائے اُس کو پورا کرنا ایک راست باز کا شعار ہے، خود اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت بار بار فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ، (آل عمران اور رعد) بے شبہہ خدا وعدہ کے خلاف نہیں کرتا،

لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ الْمِیْعَادَ، (زمر-۲) اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا،

اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ، (آل عمران-۲۰) (اے ہمارے پروردگار) تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا،

وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ، (روم-۱) اللہ کا وعدہ ہوا ہے، اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا،

وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ (حج-۶) اور اللہ ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ

فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَھْدَہٗ، (بقرۃ-۹) تو البتہ اللہ اپنے قول وقرار کے خلاف نہ کرے گا،

وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ (توبہ-۱۴) اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا

Marfat.com

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا سچا اور اپنے عہد کا پکا ہے اسی طرح اس کے بندوں کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی سے جو وعدہ کریں وہ پورا کریں، اور جو قول و قرار کریں اُس کے پابند رہیں، سمندر اپنا رُخ پھیر دے تو پھیر دے، پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ٹل جائے، مگر کسی مسلمان کی یہ شان نہ ہو کہ منہ سے جو کہے وہ اس کو پورا نہ کرے، اور کسی سے جو قول و قرار کرے، اُس کا پابند نہ رہے،

عام طور پر لوگ عہد کے معنی صرف قول و قرار کے سمجھتے ہیں، لیکن اسلام کی نگاہ میں اس کی حقیقت بہت وسیع ہے، وہ اخلاق، معاشرت، مذہب اور معاملت کی اُن تمام صورتوں پر مشتمل ہے جن کی پابندی انسان پر عقلاً، شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً فرض ہے، اور اس لحاظ سے یہ مختصر سا لفظ انسان کے بہت سے عقلی، شرعی، قانونی، اخلاقی اور معاشرتی فضائل کو مجموعہ ہے، اسی لئے قرآن مجید میں بار بار اس کا ذکر آیا ہے اور مختلف حیثیتوں سے آیا ہے، ایک جگہ نیکی کے اوصاف کے تذکرہ میں ہے،

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا	اور اپنے قرار کو جب قول دیں پورا
عَاهَدُوْا ، (بقرہ ۔ ۲۲)	کرنے والے،

بعض آیتوں میں اس کو کامل الایمان مسلمانوں کی خصوصیت بتایا گیا ہے،

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ	اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے
عَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (مومنون)	عہد کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں،

ایک دوسرے سورہ میں جنتی مسلمانوں کے اوصاف کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اس تصویر

کا ایک رُخ یہ ہے،

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ	اور وہ جو اپنی امانتوں کا اور اپنے عہد
عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (معارج-۱)	کا پاس کرتے ہیں،

کسی کی امانت کو رکھ کر بلا کم وکاست ٹھیک وقت پر ادا کر دینا، معاملاتی حیثیت سے ایک قسم کے عہد کی پابندی ہے، جو عہد کے وسیع معنی میں داخل ہے، اس لئے پہلے عہد کی اس خاص قسم کا ذکر کیا، اور اس کے بعد عہد کا عام ذکر کیا یعنی تاکیداً پہلے ایک خاص عہد کی پابندی کو مسلمانوں کا مخصوص وصف قرار دیا، اس کے بعد عام عہد کا ذکر کیا، اس کے برعکس ایک آیت میں پہلے عہد کی عام پابندی کا، اس کے بعد عہد کی ایک خاص قسم کی پابندی کا حکم دیا،

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ	اور عہد کو پورا کیا کرو، کیونکہ (قیامت
كَانَ مَسْئُوْلًا، وَاَوْفُوا الْكَيْلَ	میں) عہد کی باز پرس ہوگی، اور جب
اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ	ناپ کرو، تو پیمانہ کو پورا بھر دیا کرو،
الْمُسْتَقِيْمِ، ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ	اور (تول کر دینا ہو تو) ڈنڈی سیدھی
اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا،	رکھ کر تولا کرو (معاملہ کا) یہ بہتر (طریق)
(بنی اسرائیل-۴)	ہے اور (اس کا) انجام بھی اچھا ہے،

قانون یا رسم ورواج سے جو وزن یا پیمانہ مقرر ہو جاتا ہے، وہ درحقیقت ایک معاہدہ ہوتا ہے جس کی پابندی بائع اور خریدار پر فرض ہوتی ہے، اس لئے تاکیداً پابندی عہد

Marfat.com

کے عام حکم کے بعد اس خاص عہد کی پابندی کا ذکر کیا، اور اس سے معلوم ہوتا ہو کہ عہد کیلئے زبانی قول و قرار کی ضرورت نہین، بلکہ عرفِ عام کے سارے مسلمات سوسائٹی کے قول و قرار ہین،

تمام عہدون مین سوسب سے پہلے انسان پر اُس عہد کو پورا کرنا واجب ہے، جو خدا اور اس کے بندون کے درمیان ہوا ہے، یہ عہد ایک تو وہ فطری معاہدہ ہے، جو روزِ الست کو بندون نے اپنے خدا سے باندھا، اور جس کا پورا کرنا اُن کی زندگی کا پہلا فرض ہے، اور دوسرا وہ عہد ہے، جو خدا کا نام لے کر کسی بیعت اور اقرار کی صورت مین کیا گیا ہے، اور تیسرا وہ عہد ہے، جو عام طور سے قول و قرار کی شکل مین بندون مین آپس مین ہوا کرتا ہے، اور چوتھا عہد وہ ہے جو اہلِ حقوق کے درمیان فطرۃً قائم ہے، اور جن کے ادا کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے، ارشاد ہے،

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ	جو اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا
وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ وَ	کرتے ہین، اور اپنے اقرار کو نہین
الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ	توڑتے، اور جو خدا نے جن تعلقات
بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ،	کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اُن کو جوڑے
(رعد-۳)	رکھتے ہین،

اس آیت مین پہلے اس فطری عہد کے ایفا، کا ذکر ہے، جو خدا اور بندہ کے درمیان ہے، پھر اُس قول و قرار کا جو باہم انسانون مین ہوا کرتا ہے، اس کے بعد اس فطری

عہد کا ہے، جو خاص کر اہلِ قرابت کے درمیان قائم ہے،

سورۂ نحل میں اللہ کے عہد کا مقدس نام اس معاہدہ کو بھی دیا گیا ہے، جو خدا کو حاضر و ناظر بتا کر یا خدا کی قسمیں کھا کھا کر بندے آپس میں کرتے ہیں، فرمایا،

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا	اور اللہ کا نام لے کر جب تم آپس میں
عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا	ایک دوسرے سے قرار کرو تو اس
الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا	کو پورا کرو، اور قسموں کو پکی کر کے
وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ	توڑا نہ کرو، اور اللہ کو تم نے اپنے پر
كَفِيْلًا، (نحل۔ ۱۳)	ضامن ٹھہرایا ہے،

اس معاہدہ کے عموم میں صحابہ کرام کے وہ عہد بھی داخل ہیں، جو اسلام لاتے وقت انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے، اور وہ نیک معاہدے بھی اس کے اندر شامل ہیں، جو جاہلیت میں کسی اچھی غرض سے کئے گئے تھے، ساتھ ہی وہ سب معاہدے بھی اس میں آجاتے ہیں، جو خدا کا واسطہ دے کر اور خدا کی قسمیں کھا کر آج بھی مسلمان ایک دوسرے سے کریں،

سورۂ انعام میں ایک اور عہد الٰہی کے ایفا کی نصیحت کی گئی ہے، فرمایا،

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ	اور اللہ کا قرار پورا کرو، یہ اس نے
وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ	تم کو نصیحت کر دی ہے، تاکہ تم دھیان
(انعام۔ ۱۹)	رکھو،

Marfat.com

اس عہدِ الٰہی مین خدا کے وہ فطری احکام بھی داخل ہین جن کے بجالانے کا اقرار تم نے خدا سے کیا ہے، یا خدا نے تم سے لیا ہی اسی طرح اُس نذر اور منت کو شتمل ہے جس کو خدا کے مقدس نام سے تم نے مانا ہے، اور انسانون کے اس باہمی قول و قرار کو بھی شامل ہے، جو خدا کی قسمین کھا کھا کر لوگ کیا کرتے ہین،

صلحِ حدیبیہ مین مسلمانون نے کفار سے جو معاہدہ کیا تھا اس کے بعد اللہ تعالٰی کی کارسازی نے یہ موقع بہم پہنچایا کہ فریقِ مخالف کی قوت روز بروز گھٹتی، اور اسلام کی قوت بڑھتی گئی، اس حالت مین اس معاہدہ کا توڑ دینا کیا مشکل تھا، مگر یہی وہ وقت ہے جس مین مسلمانون کے مذہبی اخلاق کی آزمایش کی جا سکتی تھی کہ اپنی قوت اور دشمنون کی کمزوری کے باوجود وہ کہان تک اپنے معاہدہ پر قائم رہتے ہین، چنانچہ اللہ تعالٰی نے بار بار اس معاہدہ کی استواری اور پابندی کی یاد دلائی، اور فرمایا کہ تم اپنی طرف سے کسی حال میں اس معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرو، جن مشرکون نے اس معاہدہ کو توڑا تھا، ان سے لڑنے کی اجازت گو دے دی گئی تھی، اور مکہ فتح بھی ہو چکا تھا، پھر یہ حکم ہوا کہ ان کو چار مہینون کی مہلت دو،

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ	اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے
اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ	اُن مشرکون کو پورا جواب ہے جن
الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ	سے تم نے معاہدہ کیا تھا، تو پھر لو
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا	(تم اے مشرکو!) ملک مین چار مہینے

Marfat.com

اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ (توبہ-۱) اور یقین مانو کہ تم اللہ کو تھکا نہیں سکتے،

آگے چل کر جب یہ اعلان ہوتا ہے کہ اب ان مشرکون اور مسلمانون کے درمیان کسی قسم کے معاہدہ کی ذمہ داری نہین رہی، تو ساتھ ہی ان مشرکون کے ساتھ ایفاے عہد کی تاکید کی گئی جنھون نے حدیبیہ کے معاہدہ کی حرمت کو قائم رکھا تھا، فرمایا،

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ	مگر جن مشرکون سے تم نے عہد کیا تھا،
الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ	پھر انھون نے تم سے کچھ کمی نہین کی،
شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ	اور نہ تمھارے خلاف کسی کو مدد دی
اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ	تو اُن سے اُن کے عہد کو اُن کی مقررہ
اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	مدت تک پورا کرو، بے شک اللہ
الْمُتَّقِيْنَ، (توبہ-۱)	کو خوش آتے ہین تقوی والے،

اور ان مشرکون کے ساتھ اس ایفاے عہد کو اللہ تعالیٰ تقوی بتاتا ہے، اور جو اس عہد کو پورا کرین اُن کو متقی فرمایا، اور اُن سے اپنی محبت اور خوشی کا اظہار فرمایا، آگے بڑھ کر اُن مشرکون سے اپنی برات کا اعلان کرتے وقت جنھون نے اس معاہدہ کو توڑا تھا، اللہ تعالیٰ مسلمانون کو پھر تاکید فرماتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ جوش مین ان عہد شکن مشرکون کیساتھ اُن مشرکون کے ساتھ بھی خلاف ضدی کی جائے، جنھون نے اس معاہدہ کو قائم رکھا ہے،

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ	مشرکون کو کیسے اللہ کے پاس اور اسکے
عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ	رسول کے پاس کوئی عہد ہو، مگر وہ

اِلَّا الَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ عِنْدَ	جن سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا	معاہدہ کیا، جب تک وہ تم سے سیدھے
لَكُمْ فَاسْتَقِیْمُوْا لَهُمْ ط اِنَّ	رہیں تم ان سے سیدھے رہو، بیشک
اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ، (توبہ-۲)	اللہ کو تقوی والے خوش آتے ہیں،

سیدھے رہنے" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی اس عہد کو پورا کرتے رہو، اور جو لوگ اپنے عہد کو اس احتیاط سے پورا کریں، ان کا شمار تقوی والوں میں ہے، جو قرآن پاک کے محاورہ میں تعریف کا نہایت اہم لفظ ہے، اور تقوی والے اللہ تعالی کی محبت اور رضامندی کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں، نتیجہ یہ نکلا کہ معاہدہ کا ایفا، اللہ تعالی کی خوشی اور پیار کا موجب ہے اور یہ وہ آخری انعام ہے جو کسی نیک کام پر بارگاہ الہی سے کسی کو مل سکتا ہے،

قرآن مجید میں قریب قریب اسی عہد کے معنی میں ایک اور لفظ عقد کا استعمال کیا گیا ہے؛

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا	مسلمانو! (اپنے) قراردن کو
بِالْعُقُوْدِ، (مائدہ-۱)	پورا کرو،

عقد کے لفظی معنی گرہ اور گرہ لگانے کے ہیں، اور اس سے مقصود لین دین اور معاملات کی باہمی پابندیوں کی گرہ ہے، اور اصطلاح شرعی میں یہ لفظ معاملات کی ہر قسم کو شامل ہے، چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :-

Marfat.com

"اوفوا بالعهد" خداوند تعالیٰ کے اس قول کے مشابہ ہے "یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" اور اس قول مین تمام عقد مثلاً عقدِ بیع، عقدِ شرکت، عقدِ یمین، عقدِ نذر، عقدِ صلح، اور عقدِ نکاح داخل ہین، خلاصہ یہ کہ اس آیت کا اقتضاء یہ ہے کہ دو انسانون کے درمیان جو عقد اور جو عہد قرار پا جاے اس کے مطابق دونون پر اس کا پورا کرنا واجب ہے[۱]"

لیکن عقد کا لفظ جیسا کہ کہا گیا، صرف معاملات سے تعلق رکھتا ہے، اور عہد کا لفظ اس سے بہت زیادہ عام ہے، یہان تک کہ تعلقات کو اس ہمواری کے ساتھ قائم رکھنا بھی جس کی توقع ایک دوسرے سے ایک دو دفعہ ملنے جلنے سے ہو جاتی ہے، حسنِ عہد مین داخل ہے، صحیح بخاری مین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ مجھ کو حضرت خدیجہؓ سے زیادہ کسی عورت پر رشک نہین آیا، میرے نکاح سے تین سال پیشتر اُن کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر کیا کرتے تھے، اور بکری ذبح کرتے تھے، تو اُس کا گوشت اُن کی سہیلیون کے پاس ہدیۃً بھیجا کرتے تھے[۲]" یعنی حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد بھی اُن کی سہیلیون کے ساتھ وہی سلوک قائم رکھا جو اُن کی زندگی مین جاری تھا، امام بخاری نے کتاب الادب مین ایک باب باندھا ہے جس کی سُرخی یہ ہے "حسن العهد من الایمان" اور اس باب کے تحت مین اسی حدیث کا ذکر کیا ہے،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین حکم دیا ہے، بیہقی کے حوالہ سے یہ روایت کی ہے کہ

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۰۵ [۲] بخاری کتاب الادب باب حسن العهد من الایمان،

ایک بڑھیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئی، آپ نے اُس سے کہا کہ تم کیسی رہین تمھارا کیا حال ہے ہمارے بعد تمھارا کیا حال رہا؟ اُس نے کہا کہ اچھا حال رہا، جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آپ نے اس بڑھیا کی طرف اس قدر توجہ فرمائی؟ فرمایا یا عائشہ یہ خدیجہ کے زمانہ مین ہمارے یہان آیا کرتی تھی، اور حسنِ عہد ایمان سے ہے، یعنی اپنے ملنے جلنے والون سے حسب توقع یکسان سلوک قائم رکھنا ایمان کی نشانی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک مشہور حدیث مین فرمایا ہے، اور حضرت انسؓ کہتے ہین کہ آپ ہر خطبہ مین اس کو ضرور فرمایا کرتے تھے،

لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ (احمد طبرانی وابن حبان) جس مین عہد نہین اس مین دین نہین،

یعنی اُس قول وقرار کو جو بندہ خدا سے کرتا ہے، یا بندہ بندہ سے کرتا ہے، پورا کرنا حق اللہ اور حق العباد کو ادا کرنا ہے جس کے مجموعہ کا نام دین ہے، اب جو اس عہد کو پورا نہین کرتا وہ دین کی روح سے محروم ہے،

Marfat.com

احسان

یعنی

بھلائی کرنا

بھلائی کرنا ایک ایسی صفت ہے جو ہر نیکی کے کام کو محیط ہے، اور اس لئے اس کی صورتین اتنی بے شمار ہین کہ اُن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، البتہ ان تمام صورتون کی ایک عام شکل یہ نکلتی ہے کہ دوسرے کے ساتھ ایسا نیک سلوک کرنا جس سے اس کا دل خوش ہو، اور اُس کو آرام پہنچے،

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر محسن کون ہوگا، جس کے احسانات کی حد و پایان نہین، عرش سے فرش تک جو کچھ ہے، وہ اسی کے احسانون کی جلوہ نمائی ہے،

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ	اور اگر اللہ کے احسان گنو، توان کو
لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ	پورا نہ گن سکوگے، بیشک انسان
لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراھیم-۵)	بے انصاف ناشکرا ہے،

حضرت یوسف علیہ السلام خدائے تعالیٰ کے اس احسان کا شکر کہ اس نے کسی سعی

Marfat.com

وسفارش کے بغیر اُن کو قید خانہ سے نجات دی، اور وہ اُن کے ماں باپ اور بھائیوں کو مصر لے آیا، ان لفظوں میں ادا کرتے ہیں،

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ، (یوسف - ۱۱)	اور خدا نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید خانہ سے باہر لایا اور آپ لوگوں کو گاؤں سے یہاں لے آیا،

اسی طرح قارون کے قصہ میں اللہ تعالیٰ کے صفتِ محسن سے متصف ہونے کا اشارہ موجود ہے فرمایا:۔

اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ٥ (قصص) تو احسان کر جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا،

(حاشیہ ص ۷۷۳) اس موقع پر ایک بات خیال میں رہے عربی میں احسان کے معنی اچھا کام کرنے اور کسی کام کو اچھے طریقہ سے کرنے کے ہیں، اُردو میں جن معنوں میں ہم احسان کا لفظ بولتے ہیں، عربی میں جب خاص وہ معنی مراد ہوں گے، تو عموماً اس کا استعمال مشتقات میں اِلیٰ یا ب کے صلہ کے ساتھ ہوگا، قرآن پاک میں جہاں جہاں مُحْسِنٌ یا مُحْسِنِيْنَ یا مُحْسِنُوْنَ کے لفظ بلا صلہ آئے ہیں، اُن سے حسب موقع احسان کرنے، اچھے کام کرنے یا کام کو اچھائی سے کرنے کے معنی لئے جائیں گے، اس اچھے کام کرنے یا اچھائی سے کام کرنے کی وسعت میں احسان وکرم بھی داخل ہوسکتا ہے لیکن وہ اسی پر محدود نہیں ہے جیسے،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ، (توبہ - ۱۵)	بے شبہ خدا اچھے کام کرنے والوں کی مزدوری برباد نہیں کرتا،
لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (زمر - ۶)	کاش اگر میرے لئے لوٹ کر جانا ہوتا تو میں اچھا کام کرنے والوں میں سے ہوتا،
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، (آل عمران - ۱۴)	اور اللہ احسان کرنے والوں کو م

Marfat.com

اس دنیا مین جہان قدم قدم پر اُولا بدلا اور داد وستد کا جذبہ ہر راہ رو کو دامنگیر ہے، احسان، حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کرنے کی تعلیم اور تنبیہ کتنی ضروری چیز ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم نے اس ضرورت کو پورا کیا ہے، اور قرآن مجید مین جا بجا اس کی اہمیت کی تاکید آئی ہو، چنانچہ سورہ نحل مین حکم کی صورت مین ہے،

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ	اللہ انصاف اور (لوگون کے ساتھ)
وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ،	احسان کرنے کا اور قرابت والون
(نحل - ۱۳)	کو دینے کا حکم دیتا ہے،

انصاف تو کسی کی تکلیف و آرام اور رنج و راحت کی پروا نہین کرتا، وہ ہر ایک کو اس کا واجبی حق دے دیتا ہے لیکن احسان مین اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اس لئے خداوند تعالیٰ نے عدل کے ساتھ اس کا ذکر کیا، پھر احسان کی خاص اور متداول صورت یعنی قرابت دارون کی مالی امداد کا ذکر کیا، لیکن احسان مالی امداد ہی کے ساتھ مخصوص نہین، بلکہ احسان کے اور بھی مختلف طریقے ہین، اور عام لوگون کے علاوہ باپ، مان، قرابت دار، یتیم، محتاج، قرابت دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی، آس پاس کے بیٹھنے والے، مسافر، اور لونڈی غلام اُس کے سب سے زیادہ مستحق ہین، اس لئے خداوند تعالیٰ نے سورہ نسار کی ایک آیت مین (رکوع - ۵) ان لوگون کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہو اور باپ مان کے ساتھ احسان کرنے کی متعدد آیتون مین تاکید کی ہے، بقرہ - ۹ زخرف - ۱۰ انعام - ۱۹ اسرائیل - ۳،

بہرحال یہ احسان تو ہر شخص کے فرائض میں داخل ہے لیکن جن کی مالی وسعت کا دائرہ جتنا بڑا ہے، اسی کے مطابق اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے احسان کے دائرہ کو وسیع کرے، اور ہر شخص کو اپنے جاہ و مال سے فائدہ پہنچائے، یہی وجہ ہے کہ قارون کی قوم نے اس سے یہ اخلاقی مطالبہ کیا،

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (قصص - ۸)

اور جس طرح سے اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے، تو بھی (اوروں کے ساتھ) احسان کر

احسان کی ایک اہم صورت یہ ہے کہ کسی کو مصیبت سے نجات دلائی جائے، خداوند تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے نجات دلائی تھی، اس کو وہ اس کا بڑا احسان سمجھتے ہیں،

وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ، (یوسف - ۱۱)

اور (اس کے سوا) اس نے مجھ پر (اور بھی بڑے بڑے) احسان کئے ہیں کہ (بے کسی کی سفارش کے) مجھ کو قید سے نکالا،

غرض مالی امداد دینا یا کسی کو مصیبت سے نجات دلانا احسان کی اہم صورتیں ہیں، ان کے علاوہ اور بھی سیکڑوں شریفانہ اور فیاضانہ افعال ہیں، جن کو خدا نے احسان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، مثلاً عورتوں کو قانونی حیلے نکال نکال کر دق کرنا برا کام تھا، اس سے روکا گیا، اور فرمایا گیا کہ کسی عورت کو اپنی زوجیت میں رکھنا پسند نہ ہو تو خوبی کے ساتھ اس کو الگ کر دو فرمایا،

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ	طلاق (جس کے بعد رجوع بھی ہو سکتا
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ	وہ تو دو ہی طلاقیں ہیں جو) دو دفعہ
(بقرہ - ۲۹)	(کر کے دی جائیں) پھر (دو طلاقوں
	کے بعد یا تو) دستور کے مطابق زوجیت
	میں) رکھنا ہے، یا حسن سلوک کیساتھ

اسی طرح اگر تم پر کسی کا کچھ واجب ہو تو اس کو بھی خوبی کے ساتھ ادا کر دو، اور اس کی ادائی میں لیت ولعل اور حجت حوالہ نہ کیا کرو، فرمایا،

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ	پھر جس (قاتل) کو اس کے بھائی (طالب
فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ	قصاص) سے کوئی جز (قصاص) معاف
اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ،	کر دیا جائے، تو (جان کے بدلے خونبہا
(بقرہ - ۲۲)	وارث مقتول کی طرف سے اس کا)
	مطالبہ دستور (شرع) کے مطابق
	اور (قاتل کی طرف سے) وارث مقتول
	کو خوش معاملگی کے ساتھ (خونبہا کا)

قصورواروں کے قصور کو معاف کرنا، اور ان کے مقابلہ میں غصہ کو پی جانا بھی احسان ہے اللہ تعالیٰ نے اس احسان کو یہ درجہ دیا ہے کہ جو اس صفت سے متصف ہوں وہ بھی خدا کے محبوب بندوں میں ہوں گے،

Marfat.com

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ، اور اللہ ان محسنون (یا نیکی کرنیوالون)

(آلِ عمران - ۱۴) کو پیار کرتا ہے،

احسان کے لئے قرآن کا ایک اور لفظ فضل ہے، اگر کوئی منکوحہ سے خلوت کئے بغیر اس کو طلاق دے دے، تو شوہر پر نصف مہر واجب ہوتا ہے، یہ تو قانون ہوا، مگر اخلاقی حکم یہ ہے کہ یا تو عورت اس نصف کو بھی معاف کر دے، اور کچھ نہ لے تو یہ عورت کا حسنِ خلق ہے، اور یا شوہر پورا ادا کر دے، اور آدھا کاٹے نہیں، تو یہ مرد کا حسنِ خلق ہے، اس کے بعد ارشاد ہے،

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ ط اور آپس مین فضل کو مت بھولو،

اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ، بے شک اللہ تمہارے کامون کو

(بقرہ - ۳۱) دیکھ رہا ہے،

کسی غریب یا کسی عزیز و قریب سے کوئی ایسی حرکت ہو جائے جس سے ناراضی پیدا ہو جائے، تو بھی احسان والون کا فرض یہ ہے کہ وہ جانے دیں، اور اپنے احسان سے باز نہ آئین، فرمایا،

وَلَا یَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ اور تم مین جو احسان اور کشائش والے

لہ یعنی جس حالت مین کہ مہر مقرر ہو چکا ہو، ورنہ صرف چند کپڑے لازم آتے ہیں، [illegible] "آپس مین فضل کو مت بھولو" یعنی احسان کو مت بھولو، ابن جریر طبری [illegible] تفسیر آیت مذکورہ، بعضون نے یہان "فضل" سے فضیلت دینی اور کسی نے فضل یعنی بڑائی مراد لیا ہے،

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا	ہیں، وہ قرابت داروں، غریبوں
اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰكِيْنَ	اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں
وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	کو نہ دینے کی قسم نہ کھالیں اُن کو چاہیئے
وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا (نور-۳)	کہ معاف کریں اور درگذر کریں،

احسان کے اسی وسیع معنی میں اسلام نے ایک اور جامع لفظ "معروف" کا استعمال کیا ہو یعنی ہر وہ چیز جس کی خوبی عقلاً و شرعاً معلوم ہو، معروف میں داخل ہو قرآن کا حکم ہے کہ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ (اعراف-۲۴) اور نیکی کرنے کو کہہ، اور اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو کہ

كُلُّ معروف صدقة	ہر نیکی ثواب کا کام ہو،

اور یہ ایک ایسا صدقہ ہے کہ جس کے لئے غریب و امیر کی تخصیص نہیں، بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ "ہر مسلمان پہ صدقہ فرض ہے" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اگر اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو کیا کرے" فرمایا "کمائے اور خود فائدہ اٹھائے اور صدقہ کرے" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اگر اُس کو کمانے کی قدرت نہ ہو یا وہ نہ کمائے" فرمایا "غریب حاجتمند کی اعانت کرے" صحابہ نے کہا کہ اگر وہ ایسا نہ کرسکے تو؟ فرمایا "نیکی کے کرنے کا حکم دے" صحابہ نے کہا کہ اگر وہ ایسا نہ کرسکے، ارشاد ہوا کہ "بُرائی سے باز رہے، کیونکہ یہ اُس کے لئے صدقہ ہے" اسی معنی کے لحاظ سے حدیث میں آیا ہے کہ "آدمی اپنے اہل وعیال پر جو کچھ صرف کرتا ہے، وہ صدقہ ہے کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا

بھی اسی میں داخل ہیں[1]

اسی معنی میں قرآن مجید نے ایک اور لفظ "بِرّ" کا استعمال کیا ہے، اور اس میں بھی دائرہ میں کافر و مسلم سب کو شامل کر لیا ہے،

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ
لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ
لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ
اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔
(ممتحنہ - ۲)

جو لوگ تم سے دین کے بارے میں
نہیں لڑے اور انہوں نے تم کو
گھروں سے نہیں نکالا، اُن کے ساتھ
احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے
سے تو خدا تم کو منع کرتا نہیں (کیونکہ)
اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست

صحابہ میں کچھ ایسے لوگ تھے جو نامسلموں پر صدقہ کرنا ثواب کا کام نہیں سمجھتے تھے اس پر یہ حکم آیا کہ ہدایت بخشنا تمھارا نہیں، میرا کام ہے، تم کو بلا امتیاز ہر ایک مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ نیکی کرنی، اور اپنی نیت ٹھیک رکھنی چاہیے، تم کو اپنی نیکی کا ثواب ملیگا (ارشاد ہوا)

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ

تیرا ذمہ نہیں ان کو راہ پر لانا لیکن
اللہ راہ پر لاتا ہے جس کو چاہے
اور تم جو خرچ کرو گے خیر سے اپنے ہی لئے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب باب کل معروف صدقہ مع فتح الباری [2] ابن جریر و ابن کثیر کوالہ تفسیر آیت مذکورہ

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰہِ ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (بقرہ ۔ ۳۷)

واسطے اور تم نہین دیا کرتے لیکن اللہ کی خوشی چاہ کر، اور جو دوگے خیرات وہ تم کو پوری مل جائے گی، اور تمہارا حق مارا نہ جائے گا،

گو یہ احسان کی ایک خاص صورت ہے مگر اس کی وسعت مین ساری دنیا سما گئی ہے نیکی کا بدلہ نیکی سے دینا اسلام کا وہ اصول ہے جس پر ثواب وعذاب کا دارو مدار ہے، جو نیک کام کرین گے اُن کو خدا کے ہان سے نیک ہی جزا ملے گی ارشاد ہوا

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ، (رحمان ۳)

بھلائی کا بدلہ کیا ہے، مگر بھلائی،

گو یہ آیت پاک اپنے سباق کے لحاظ سے آخرت مین نیک کامون کے نیک بدلہ ملنے سے متعلق ہے، مگر لفظون کے لحاظ سے اس اصول کی وسعت دنیا اور آخرت دونون کو شامل ہے،

دنیا کی سب سے بڑی ضرورت قرض کے بوجھ کو ہلکا کرنا ہے، دنیا مین اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اس بوجھ کو ہلکا کیا ہے قرضدارون پر احسان کرنا ضرورت مندون کو قرض دینا اور تنگدست مقروضون کو مہلت دینا جو قرض ادا کرنے سے بالکل مجبور ہون اُن کا قرضہ معاف کردینا ثواب کا کام بتایا ہے،

عرب مین سودخواری نے لوگون کو اس قدر بےرحم اور سنگدل بنا دیا تھا کہ جو لوگ

قرض نہین ادا کر سکتے تھے، وہ غلامون کی طرح فروخت کر دیئے جاتے تھے، اور جو قیمت ملتی تھی، اُس سے اُن کا قرض ادا کیا جاتا تھا، آج اس تمدّن کے زمانہ مین قرض کی زنجیر مقروضون کے لئے اتنی ہی بھاری ہے، بلکہ سرمایہ داری کے موجودہ نظام نے اس کو اور زیادہ بھاری بنا دیا ہے، قرآن پاک کی ایک ہی آیت اس سارے نظام کو تہ و بالا کرتی ہے،

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ	اور اگر کوئی تنگدست (تمھارا مقروض) ہو تو فراخی تک کی مہلت (دو) اور اگر سمجھو تو تمھارے حق مین یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کو (اصل قرض بھی) بخش دو،
(بقرہ - ۳۸)	

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مین خود خداوند تعالیٰ کی زبان سے یہ بیان فرمایا کہ قیامت کے دن مین خود تین آدمیون کا فریق ہون گا، جن مین ایک وہ شخص ہے جس نے آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی[1] اس کو اور بھی موکد کر دیا، اور قرض کے معاملہ مین تنگدستون پر احسان کرنے کی متعدد صورتین بتائین، یعنی مہلت دینا، قرض کا معاف کرنا اور انسانیت کے ساتھ تقاضا کرنا اور اس کو ایک ایسا ثواب کا کام بتایا کہ اگر ایک شخص اس کے سوا نیکی کا اور کوئی کام نہ کرے تب بھی صرف

[1] بخاری کتاب البیوع باب اثم من باع حرامع فتح الباری،

Marfat.com

یہی ایک کام اس کی مغفرت کا ذریعہ ہو سکتا ہے، چنانچہ حدیث شریف مین ہے کہ ایک شخص جو نیکی کا کوئی کام نہین کرتا تھا، لوگون کو قرض دیتا تھا اور جب اس کو کوئی مقروض تنگ نظر آتا تھا تو اپنے ملازمون سے کہتا تھا کہ اس سے درگذر کرو، شاید خدا ہم سے بھی درگذر کرے، چنانچہ خدا نے اس کے صلہ مین اس سے درگذر کیا، دوسری حدیث مین ہے کہ تم سے پہلے ایک شخص تھا جس سے موت کے بعد فرشتون نے سوال کیا کہ تم نے نیکی کا کوئی کام کیا ہے؟ اس نے کہا کوئی نہین، فرشتون نے کہا ذرا یاد کرو، اس نے کہا کہ مین لوگون کو قرض دیا کرتا تھا، اگر مقروض فراخ دست ہوتا تھا تو قرض کے لینے مین مین آسانی کرتا تھا، اور اگر تنگدست ہوتا تھا تو اس کو مہلت دیتا تھا یا یہ کہ فراخ دست مقروض کو مہلت دیتا تھا اور تنگدست کا قرض چھوڑ دیتا تھا،[1]

اس قسم کی بہت سی روایتین ہین ایک حدیث مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ خدا قیامت کی تکلیف سے اس کو نجات دے وہ تنگدست کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے،[2] یہی روایت مسند ابن حنبل مین ان الفاظ کے ساتھ آئی ہو کہ جو شخص اپنے قرضدار کو مہلت دے گا، یا اس کا قرض معاف کر دے گا تو قیامت کے دن خدا کے عرش کے سایہ مین ہوگا،[3]

غرض یہ ہے کہ اسلام نے دوسرون کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنے کو کسی خاص معنی مین محدود نہین کیا ہے، بلکہ اس کو نیکی کی راہ مین وسیع کر دیا ہے، زندگی تو زندگی

---

[1] بخاری کتاب البیوع باب من انظر معسرا و باب من انظر موسرا و صحیح مسلم باب فضل انظار المعسر [2] مسلم کتاب البیوع باب فضل انظار المعسر، [3] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۰۸

موت مین بھی اُس نے اس اصول کے دائرہ کو تنگ نہین کیا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر شے پر احسان کرنا فرض کیا ہے تو اگر تمھین کسی کو (کسی شرعی حکم کے سبب سے) جان سے مارنا بھی پڑے تو اُس کو بھی اچھائی کے ساتھ کرو، کسی جانور کو ذبح کرنا چاہو تو بھی خوبی کے ساتھ کرو، چھرے کو خوب تیز کر لیا کرو، اور اپنے ذبیحہ کو راحت دو۔"[1]

پھر یہ اصول کہ جو میرے ساتھ احسان کرے، اسی کے ساتھ احسان کرنا چاہئے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم کے خلاف ہے، ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا کہ "یا رسول اللہ! مین کسی شخص کے پاس سے گذرتا ہون تو وہ میری مہمانی نہین کرتا تو کیا جب اُس کا گذر مجھ پر ہو تو مین بھی اس کی کج خلقی کا بدلہ دون؟ فرمایا نہین تم اُس کی مہمانی کرو۔"[2]

ایک موقع پر ارشاد ہوا "ایسے نہ ہو کہ خود تمھاری گرہ کی عقل نہ ہو، صرف دوسرون کی دیکھا دیکھی کام کرو، کہتے ہو کہ اگر لوگ احسان کرین گے تو ہم بھی احسان کرین گے اور اگر وہ ظلم کرین تو ہم بھی کرین گے، بلکہ اپنے آپ کو اس پر مطمئن کر لو کہ اگر دوسرے احسان کرین تو تم احسان کرو ہی گے، اور اگر وہ برائی بھی کرین تو تم ظلم نہ کرو۔"[3]

لوگ احسان کو غلطی سے دولت و تمول یا اور دوسری بڑی بڑی باتون کے ساتھ خاص کرتے ہین، اور سمجھتے ہین کہ غریب کیا احسان کا کام کر سکتے ہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ لوگون کے ساتھ احسان اور نیکی کا کام کرنے کے لئے دولت کی نہین دل کی ضرورت ہے،

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح [2] جامع ترمذی باب ماجاء فی الاحسان والعفو [3] جامع ترمذی ایضًا

Marfat.com

اور اس کی وسعت بہت دور تک پھیلی ہوئی ہے حضرت براء بن عازبؓ صحابی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بدوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جس کے کرنے سے بہشت نصیب ہو، ارشاد ہوا تمہاری تقریر گو مختصر ہے لیکن تمہارا سوال بہت بڑا ہے، تم جانوں کو آزاد کرو، اور گردنوں کو چھڑاؤ، اُس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ دونوں باتیں ایک ہی نہیں ؟ فرمایا نہیں اکیلے اگر کسی کو آزاد کرتے ہو تو یہ جان کا آزاد کرنا ہے، اور دوسرے کے ساتھ شریک ہو کر کسی کی آزادی کی قیمت میں مالی مدد دینا گردن چھڑانا ہے اور لگاتار دیتے رہو، اور ظالم رشتہ دار کیساتھ نیکی کرو اگر تم یہ بھی نہ کرسکو تو بھوکے کو کھلاؤ، اور پیاسے کو پلاؤ، اور نیکی کے کام کرنے کو کہو، اور بُرائی کے کام سے باز رکھو، اور اگر یہ بھی نہ کرسکو تو اپنے آپ کو بھلائی کے سوا اور باتوں سے روکو۔[1]

ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کے ساتھ کوئی عمل بتائیے، فرمایا "جو روزی خدا نے دی، اس میں سے دوسروں کو دے" عرض کی "اے خدا کے رسول اگر وہ خود مفلس ہو" فرمایا "اپنی زبان سے نیک کام کرے" عرض کی "اگر اُس کی زبان معذور ہو" فرمایا "مغلوب کی مدد کرے" عرض کی اگر وہ ضعیف ہو، مدد کی قوت نہ ہو، فرمایا "جس کو کوئی کام کرنا نہ آتا ہو اس کا کام کردے" عرض کی اگر وہ خود ایسا ہی ناکارہ ہو، فرمایا "اپنی ایذا رسانی سے لوگوں کو بچائے رکھے"[2]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۲ کتاب المکاتب۔ [2] مستدرک حاکم کتاب الایمان، ج ۱ ص ۶۳۔

عفو و درگذر

عفو و درگذر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت ہے، اگر یہ نہ ہو تو دنیا ایک لمحہ کے لئے بھی آباد نہ رہے، اور دم کے دم میں یہ گناہوں سے بھری ہوئی کائنات کی بستی سونی پڑ جائے اللہ تعالیٰ کے خاص ناموں میں سے عَفُوٌّ (درگذر کرنے والا) غَافِرٌ، غَفُورٌ اور غَفَّارٌ (معاف کرنے والا ہے) اس کی شان یہ ہے،

وَهُوَالَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ	اور وہ ایسا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ
عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ	قبول کرتا ہے، اور برائیوں کو
السَّيِّاٰتِ، (شوریٰ-۳)	معاف کرتا ہے،

وہ چاہے تو انسانوں کے گناہوں کے سبب سے اُن کو ایک دم ہلاک کردے، یا اُن کو معاف کردے، فرمایا:-

اَوْيُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَ	(اگر خدا چاہے تو) گنہگاروں
يَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ	کے کرتوت کے سبب ہلاک کردے
(شوریٰ-۴)	اور بہتوں کو معاف کردے

وہ اپنے شرمندہ بندون کو اپنی غفاری کی شان کا یقین تاکید پر تاکید کرکے یون دلاتا ہے؛

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ	اور اس مین شبہہ نہین کہ مین البتہ اس
وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی۔	کی بڑی بخشایش کرتا ہون جو توبہ کرے
(طٰہٰ-۴)	اور یقین لائے اور نیک کام کرے، پھر

قرآن پاک مین اللہ تعالیٰ نے دو جگہ اپنے کو غافر (بخشنے والا) پانچ دفعہ غفار (بڑی بخشایش کرنے والا) اور اتنے ہی دفعہ عفو (معاف کرنے والا) اور ستر سے زیادہ آیتون مین غفور (بخشنے والا) کہا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ اس کے عفو و درگذر کا سمندر کس زور وشور سے جوش مار رہا ہے، خدا نے اپنی ساری صفتون مین سے اپنی اسی صفت کی تجلی کا پرتو اپنے بندون مین پیدا کرنے کی بے پردہ دعوت دی ہے، فرماتا ہے؛

اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ	یا کسی برائی کو معاف کرو، تو بیشک
كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا، (نسآء-۲۱)	ہے اللہ معاف کرنے والا قدرت والا؛

انسان اگر اپنے کسی قصوروار کو معاف کرتا ہے تو اس کی قدرت بہرحال کامل نہین لیکن اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہین، وہ معاف فرماتا ہے تو لاچار انسان کو اپنے قصوروارون کو معاف کرنا کتنا زیبا اور سزاوار ہے تو جس طرح قدرت والا ہمارے قصورون کو معاف فرماتا ہے، اسی طرح ہم کو چاہئے کہ ہم بھی اپنے قصوروارون کو معاف کرین۔[1]

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری و بحر محیط ابن حیان

اس آیت سے یہ اشارہ بھی نکل سکتا ہے کہ اگر ہم اپنے قصورواروں کو معاف کرین گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے قصوروں کو بھی معاف کرے گا، ایک دوسری آیت مین اس اشارہ کی پوری تصریح ہے، فرمایا،

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا اَلَا	اور چاہیئے کہ وہ معاف کرین اور
تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ	درگذر کرین، کیا تم نہین چاہتے کہ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ،	خدا تم کو معاف کرے، اور اللہ معاف
(نور - ۳)	کرنے والا مہربان ہے،

اس آیت مین اللہ تعالیٰ نے لوگون کو عفو و درگذر کی تعلیم اس ترغیب کے ساتھ دی ہے کہ تم دوسرون کو معاف کرو تو خدا تمھین معاف کرے گا، اور جب اللہ غفور و رحیم ہے تو تم بھی اس کے اس ابر کرم کی کچھ چھینٹین پڑنی چاہیئین، چنانچہ جن مومنون کے لئے خدا نے جزائے خیر کا وعدہ فرمایا ہے، اُن کی ایک صفت یہ بتائی ہے،

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ	اور جب غصہ آئے تو وہ معاف
(شوریٰ - ۴)	کرتے ہین،

سکون کی حالت مین معاف کرنا اتنا مشکل نہین، جتنا غصہ کی حالت مین، جب انسان کو اپنے آپ پر قابو نہین رہتا، لیکن اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمانِ کامل کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ جن مین یہ جوہر ہوتا ہے، وہ اس حالت مین بھی اپنے آپ کو قابو مین رکھتے ہین اور قصور والون کو معاف کر دیتے ہین،

Marfat.com

یہ تو کسی ذاتی غیظ و غضب کی حالت ہوئی، لیکن اس سے بڑھ کر وہ موقع ہی جہاں مذہبی اختلاف درمیان مین ہے کہ ان احمقون کو اچھی بات بتائی جاتی ہے، اور وہ نہین مانتے، اُن کے دعویٰ کی کمزوری ثابت کی جاتی ہے، مگر وہ اپنی بات پر اڑے ہین، اور حق کا جواب لایعنی گفتگو سے اور بُرا بھلا کہکر دیتے ہین، ایسے موقع پر ارشاد ہوتا ہے،

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى
لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ
خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ
اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ،
(الاعراف - ۲۴)

اور اگر تم اُن کو راہ راست کی طرف بلاؤ
تو (تمھاری ایک) نہ سنین اور (بظاہر)
وہ تم کو ایسے دکھائی دیتے ہین (گویا)
وہ تمھاری طرف دیکھ رہے ہین، حالانکہ
وہ دیکھتے نہین، (اے پیغبر) درگذر
(کا شیوہ) اختیار کرو اور (لوگون سے)
نیک کام (کرنے) کو کہو اور جاہلون سے

کیونکہ ایسے موقع پر دو ہی صورتین ہوسکتی ہین، یا تو تبلیغ و دعوت کا کام بند کر دیا جائے یا تبلیغ و دعوت کے سلسلہ مین ان ناگواریون کو برداشت کیا جائے، خدا نے اسی دوسری صورت کے اختیار کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ ان ناگواریون کو برداشت کرو، اور نیکی کا حکم دیتے رہو، صرف یہی نہین بلکہ اس سلسلہ مین بُرائی کا جواب بھلائی کے ساتھ دو،

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ،

(اگر کوئی تمھارے ساتھ بدی کرے تو)
بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو جو

Marfat.com

(مومنون - ۶) بہت ہی اچھا ہو، جو کچھ وہ تمھاری
نسبت کہا کرتے ہین وہ ہم کو خوب معلوم ہی،

مذہبی جماعت کے لئے اس سے بھی زیادہ اشتعال انگیز موقع وہ ہوتا ہے، جب کچھ لوگ اُن لوگون کو بھی اُن سے الگ کرنا چاہتے ہین، جو اُن کی جماعت مین شامل ہوچکے ہین، لیکن خدا نے اس موقع پر بھی مسلمانون کو عفو و درگذر کا حکم دیا ہے،

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ،

(بقرہ - ۱۳)

(مسلمانو!) اکثر اہل کتاب باوجودیکہ اُن پر حق ظاہر ہوچکا ہے (پھر بھی) اپنے دلی حسد کی وجہ سے چاہتے ہین کہ تمھارے ایمان لائے پیچھے پھر تم کو کافر بنا دین، تو معاف کرو، اور درگذر کرو، یہان تک کہ خدا اپنا حکم صادر فرمائے،

اسی طرح مشرک بھی جو قیامت پر یقین نہین رکھتے تھے، اگر غصہ دلانے والی کوئی بات کرین تو ان نادانون کو معاف کر دینا چاہئے کیونکہ وہ اگر نہین تو تم تو قیامت کی جزا و سزا کے قائل ہو، اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ اگر وہ تمھارے ساتھ برائی کرتے ہین، تو آج نہین تو کل اُس کا بدلہ اُن کو مل جائے گا، فرمایا،

قُل لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا ایمان والون سے کہدے کہ اُن کو

Marfat.com

لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ	جو اللہ کے جزا و سزا کے واقعات پر
لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	یقین نہین رکھتے، معاف کردیا کرین،
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ	تاکہ لوگون کو اُن کے کامون کا بدلہ ملے
مَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ	جس نے اچھا کیا، اُس نے اپنے بھلے
تُرْجَعُوْنَ ،	کے لئے کیا اور جس نے بُرا کیا، اوس نے اپنا
(جاثیہ - ۲)	بُرا کیا، پھر تم اپنے پروردگار کے پاس ؟

ترجمہ

اس آیت کے شانِ نزول مین لکھا ہے کہ کسی منافق یا کافر نے کسی مسلمان سے کوئی بدتمیزی کی بات کہی تھی، اس پر بعض مسلمانون کو طیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری اور مسلمانون کو عفو و درگذر کی نصیحت[1] فرمائی (تفسیر کبیر امام رازی زیر آیتِ بالا)

---

[1] اس قسم کی آیتون کے متعلق جن مین کفار سے عفو و درگذر کی نصیحت ہے، عام مفسرون کا نظریہ یہ ہے کہ وہ جہاد سے پہلے کی بات ہے، جہاد نے کفار کے حق مین عفو و درگذر کے ہر حکم کو منسوخ کر دیا ہے لیکن مفسرون مین کچھ ایسے لوگ بھی ہین جو جہاد کے حکم اور عفو و درگذر کی نصیحت کے درمیان کوئی منافات نہین سمجھتے، اور اس لئے ایک دوسرے کو منسوخ نہین جانتے، امام رازی نے اپنی تفسیر مین کئی موقعون پر اس کی تصریح کی ہے لکھتے ہین :-

"اس آیت (واَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ) مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جاہلون کی بداخلاقی پر صبر کرین اور اُن کی بیہودہ باتون اور کمینہ حرکتون کا جواب اسی قسم کی باتون اور حرکتون سے نہ دیا جائے، اور اس مین قتال سے باز رہنے کی کوئی ہدایت نہین، کیونکہ جاہلون سے اعراض برتنے اور مشرکون سے قتال مین کوئی تضاد نہین، اور جب دونون باتین ایک ساتھ ہو سکتی ہین، تو نسخ ماننے کی ضرورت نہین، مگر ظاہر پرست مفسرین بے ضرورت ناسخ و منسوخ آیتون کی تعداد بڑھانے کے عاشق ہین "

(جلد ۴، ص ۴۹۶)

غم و غصہ کے اظہار کا اصلی وقت وہ آتا ہے جب انسان کی عزت و آبرو پر حملہ کیا جاتا ہے، لیکن اس حالت مین بھی اسلام نے عفو و درگذر سے کام لینے کا حکم دیا ہے، چنانچہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۴) ایک اور آیت (ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ) کی تفسیر مین لکھتے ہین:-

"کہا گیا ہو کہ یہ آیت منسوخ ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہو کہ یہ منسوخ نہین کیونکہ نرمی برتنے پر ہر حال مین آمادہ کیا گیا ہو جب تک اس سے دین اور اخلاق مین کوئی نقصان نہ پیدا ہو" (ج ۶ ص ۳۰۰)

آیت وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا کی تفسیر مین فرماتے ہین :-

"کلبی اور ابو العالیہ نے کہا ہو کہ اس آیت کو قتال کے حکم نے منسوخ کر دیا لیکن اس نسخ کے ماننے کی ضرورت نہین کیونکہ احمقون سے چشم پوشی کرنا، اور ان کا مقابلہ نہ کرنا عقل اور شرع دونون مین مستحسن ہو، اور عزت و آبرو اور پرہیزگاری کی سلامتی کا باعث ہو" (جلد ششم ص ۴۹۰ طبع دار الطباعۃ العامرۃ مصر)

آیت يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا (جاثیہ) کی تفسیر مین لکھتے ہین :-

"اکثر مفسرون نے کہا ہو کہ یہ آیت منسوخ ہو کیونکہ کفار پر عفو و کرم کے عموم مین یہ بھی داخل تھا کہ اُن سے قتال نہ کیا جائے، لیکن جب خدا نے اُن سے قتال کا حکم دیا تو عفو و کرم کے حکم کا نسخ ہو گیا، لیکن قریب بہ صحت یہ ہو کہ اس آیت کے یہ معنی ہین کہ چھوٹی چھوٹی باتون پر کافرون سے جھگڑا نہ کیا جائے اور اُن کی تکلیف دہ باتون اور وحشیانہ حرکتون سے درگذر کیا جائے" (جلد ۷ ص ۴۸۴ طبع مذکور)

میرے نزدیک اوپر کی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانون کو کافرون اور مشرکون کے ... قصور وار کے اُن ہی قصورون کے معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہو .... جن کے معاف کرنے کا حق بندون کو ہو، اور وہ حقوق عباد ہین یعنی وہ مسلمانون کا ذاتی قصور کرین تو مسلمانون معاف کر دین ... کہ اس سے کفر و شرک اور عصیان الٰہی کے قصورون کی معافی لازم آتی ہو، جن کے معاف کرنے کا ... بندون کو ... سے حاصل نہین، اور قتال و جہاد حقوق الٰہی کے مقابلہ مین مشروع ہوا ہو، اس لئے جہاد کی آیتین ... عفو و درگذر کے اخلاقی احکام مین خلل انداز نہین،

درمنثور مین ابن عساکر سے حضرت ابو مسلم خولانی صحابی کا ایک واقعہ نقل کیا ہو کہ ... لونڈی کا قصور یہی آیت پڑھ کر معاف کیا تھا، اس سے میرے خیال کی تائید ہوتی ہو (جلد ۶ ص ۳۵ مصر)

Marfat.com

حضرت مسطح حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار تھے، اور وہ اُن کی کفالت کرتے تھے لیکن جب انھون نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تہمت مین حصہ لیا تو حضرت ابوبکرؓ نے انکی مالی امداد بند کردی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ	اور تم مین سے جو لوگ صاحبِ احسان
وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ	اور کشایش والے ہین، قرابت والون
وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ	اور محتاجون اور اللہ کی راہ مین ہجرت
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَ	کرنے والون کو (مدد خرچ) نہ دینے
لْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ	کی قسم نہ کھا بیٹھین، بلکہ چاہیے کہ ان
يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ	کے قصور بخش دین، اور درگذر کرین
رَحِيمٌ ۝	(مسلمانو!) کیا تم نہین چاہتے کہ اللہ
(نور-۳)	تمھارے قصور معاف کردے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اس آیت کے آخری ٹکڑے سے بھی ظاہر ہے کہ جو دوسرون کے قصور کو معاف کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے قصور سے درگذر فرمائے گا،

یہ اخلاقی وصف انتہا درجہ کی کشادہ دلی سے پیدا ہوتا ہے اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس کا ذکر ان اخلاقی اوصاف کے ساتھ کیا ہے جو کشادہ دلی سے پیدا ہوتے ہین، اور اس کا صلہ بھی ایسا عطا فرمایا ہے، جو انتہا درجہ کی وسعت رکھتا ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ	اور اپنے پروردگار کی بخشایش، اور

Marfat.com

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ	اس جنت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ
الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ	(اتنا بڑا ہے) جیسے زمین و آسمان
الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ	(کا پھیلاؤ ہوتا ہے) اُن پرہیزگارون
وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ	کے لئے تیار ہے جو خوشحالی و تنگدستی
وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ	(دونون حالتون) مین (خدا کی رضا کے لئے)
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ،	خرچ کرتے اور غصہ کو روکتے اور لوگون
	(کے قصورون) سے درگذر کرتے ہین اور
	(لوگون کے ساتھ) نیکی کرنے والون کو
(آلِ عمران - ١٤)	اللہ دوست رکھتا ہے ،

اوپر کی آیت مین متقیون کے دو وصف ایک ہر حال مین راہ خدا مین دینا اور دوسرا لوگون کو معاف کرنا اور درگذر کرنا اور اُن کے لئے دو جزائین ایک خدا کی مغفرت اور دوسری وسیع جنت بیان کی گئی ہین ، اس سے ادھر خیال جاتا ہے کہ ہر حال مین خدا کی راہ مین دینے کا معاوضہ تو وہ جنت ہے جس کی حد و پایان آسمان و زمین ہے اور غصہ کو روکنا اور لوگون کو معاف کرنے کی جزا یہ ہوگی کہ خدا کی مغفرت ہمارے شامل حال ہوگی اور وہ احکم الحاکمین ہم کو بھی معاف کرے گا ،

عفو و درگذر کی اس اخلاقی تعلیم مین اگر قوت اور قدرت کا جزء شامل نہ ہو تو وہ سراسر کمزوری اور دنائت پسندی کے مرادف ہو جاتا ہے ، اسی لئے اسلام نے اس اخلاقی تعلیم کے

Marfat.com

درس مین اس نکتہ کو فراموش نہین کیا ہے، اور موجودہ انجیل کی اس اخلاقی تعلیم سے کہ اگر ایک شخص کسی کے ایک گال پر طمانچہ مارے تو اس کے سامنے دوسرا گال کر دو، جو ذلت اور پست طبعی پیدا ہوتی ہے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے، کیونکہ اسلام نے عفو و درگذر کی ایسی معتدل تعلیم دی ہے جس کے ساتھ خودداری کی شان بھی قائم رہتی ہے،

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَھُمُ	اور جو ایسے (غیرت مند) ہین کہ جب
الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ۰ وَ	اُن پر (کسی طرف سے) بے جا زیادتی
جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ	ہوتی ہے تو وہ (واجبی) بدلہ لیتے
مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ	ہین، اور برائی کا بدلہ ہے، ویسی ہی
فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا	برائی، اس پر (بھی) جو معاف
یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۰	کر دے، اور صلح کرے تو اس کا ثواب
	اللہ کے ذمہ ہے، بیشک وہ ظلم کرنے
(شوریٰ - ۴)	والون کو پسند نہین کرتا،

برائی کا بدلہ برائی جماعت کا قانون ہے، اور عفو و درگذر افراد کا اخلاقی کمال ہے، جماعتی قانون کی قوت موجود ہوتے ہوئے افراد کا آپس مین عفو و درگذر سے کام لینا ایک بلند اخلاقی مثال ہے جس کی مزدوری کی ذمہ داری احکم الحاکمین نے اپنے ذمہ لی ہے اور بتا دیا ہے کہ ظلم کرنے والے خواہ وہ ہون جو بے سبب ظلم کر بیٹھین، یا وہ جو انتقام کے جوش مین آگے بڑھ جاتے ہین، خدا کی محبت سے محروم ہین،

Marfat.com

اس حق کے حاصل ہو جانے کے بعد عفو و درگذر خودداری کے منافی نہیں ہوتا بلکہ بڑی ہمت کا کام ہو جاتا ہے کہ قدرت کے باوجود اور اشتعال ہونے پر بھی اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر عفو و درگذر کرتا ہے، اسی لئے فرمایا،

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ	اور البتہ جو شخص صبر کرے اور دوسرے
لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ	کی خطا بخش دے، تو بے شک یہ
(شوریٰ - ۴)	بڑی ہمت کے کام ہیں،

ایک اور آیت میں اس خصلت کو بڑی خوش قسمتی سے تعبیر فرمایا ہے، اور اس کی تاثیر دکھائی ہے کہ اس سے کیونکر دشمنی دوستی کی صورت میں بدل جاتی ہے،

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا	اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوتی، اگر
السَّيِّئَةُ، اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ	کوئی برائی کرے تو اس کا جواب
فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ	اچھائی سے دے، تو تجھ میں اور جس کے
عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ	درمیان دشمنی ہے، وہ ایسا ہو جائیگا
وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا	گویا دوست ہے قرابت والا، اور یہ بات
وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيمٍ	ملتی ہے انہی کو جن کو صبر ہے، اور یہ بات
وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ	ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے، اور
نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ	اگر تجھ کو شیطان کے کونچے سے کوئی
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (حٰمٓ سجدہ - ۵)	کونچ لگ جائے تو اللہ کی پناہ ڈھونڈھ

آیت کے اخیر ٹکڑے سے واضح ہوتا ہے کہ غصہ اور اشتعال کے سبب سے عفو و درگذر کے خلاف انسان سے جو حرکت ہو جاتی ہے، وہ شیطانی کام ہے، اس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہو کہ انھوں نے کہا،

"خدا نے اس آیت میں ایمان والوں کو غیظ و غضب میں صبر کا، اور نادانی و جہالت کے وقت حلم و بردباری کا، اور بُرائی کے مقابلہ میں عفو و درگذر کا حکم دیا ہے جب وہ ایسا کریں گے، تو خدا اُن کو شیطان کے اثر سے محفوظ رکھے گا" [1]

ابو مسعود صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی، جان لو، جان لو مڑ کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، فرما رہے تھے کہ اے ابو مسعود! جتنا قابو تم کو اس غلام پر ہے، اس سے زیادہ خدا کو تم پر ہے ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کا یہ اثر مجھ پر ہوا کہ میں نے پھر کسی غلام کو نہیں مارا،

ایک شخص نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ میں اپنے خادم کا قصور کتنا معاف کروں آپ پہلے تھوڑی دیر چپ رہے، اس نے پھر یہی پوچھا تب آپ نے فرمایا ہر روز ستر دفعہ [2] اس سے مقصود ٹھیک تعداد کی تحدید نہیں بلکہ عفو و درگذر کی کثرت ہے،

---

[1] ابن کثیر تفسیر آیت مذکور۔ [2] ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ادب الخادم میں یہ ذکر حدیثیں ہیں،

بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ عفو و درگذر سے اُن کے رعب و داب اور وقار میں فرق آجائے گا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، انتقام سے گو فوری جذبہ کی تسکین ہو جاتی ہے اور کمزوروں پر دھاک بیٹھ جاتی ہے، مگر اس سے کسی پائدار شریفانہ عزت کا خیال نہیں پیدا ہوتا، یہ چیز عفو و درگذر ہی سے حاصل ہوتی ہے، اور اس کا شریفانہ وقار بالآخر سب پر چھا جاتا ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے[1]

وَمَا زَادَ اللّٰهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ	اور خدا اس شخص کو جو عفو و درگذر کرتا
إِلَّا عِزًّا	ہے، نہیں بڑھاتا ہے مگر عزت میں

[1] ترمذی ابواب البر والصلة باب ما جاء فی التواضع.

Marfat.com

حلم و بردباری

حلم و بردباری کے معنی یہ ہیں کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لیا جائے اور قدرت رکھنے کے باوجود اس کے لئے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ اللہ قدرت سے متصف ہے اور یہ صفت اسے تمام و کمال حاصل ہے، لیکن اس قدرت کے باوجود وہ اکثر اپنے بندوں کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے، اور انتقام نہیں لیتا، اور اسی لئے اس نے اپنے آپ کو حلم کے ساتھ متصف کیا ہے، اور جہاں جہاں اپنی اس صفت کا اظہار کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے علم اور اپنی بخشش کا بھی ذکر کر دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس کا یہ حلم اس کے علم کے باوجود صرف اس کی بخشش کا نتیجہ ہے، فرمایا،

وَاللّٰہُ غَفُورٌ حَلِیمٌ (بقرہ ۲۸، مائدہ ۱۴) اور اللہ ہے بخشنے والا بردبار،

اِنَّ اللّٰہَ غَفُورٌ حَلِیمٌ (آل عمران ۱۶) بیشک اللہ ہے بخشنے والا بردبار،

اِنَّہٗ کَانَ حَلِیمًا غَفُورًا، (اسرائیل ۵، ملائکہ ۵) بیشک وہ (اللہ) ہے بخشنے والا بردبار،

ان سب آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ حلم کے ساتھ اپنی صفتِ مغفرت

Marfat.com

کا ذکر کر دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس کی یہ بردباری نعوذ باللہ کسی ضعف یا عدمِ قدرت کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کی شانِ غفاری کا نتیجہ ہے، دوسری جگہ حلم کے ساتھ اپنی صفتِ علم کو شامل کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ (نساء-۲) اور اللہ ہے جاننے والا بردبار،

اِنَّ اللّٰہَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ (حج-۸) بے شک اللہ جاننے والا بردبار،

وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا، (احزاب-۶) اور ہے اللہ جاننے والا بردبار،

ان آیتوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ انسانوں کی طرح بے جانے بوجھے یا محدود علم کے سبب سے بردباری نہیں کرتا، بلکہ پورے علم، اور ہر چیز اور ہر نتیجہ سے باخبر ہوکر بردباری فرماتا ہے، ایک جگہ اپنی بردباری کے ساتھ اپنی صفتِ استغنار کا بھی ذکر فرمایا ہے،

وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ (بقرہ-۳۰) اور اللہ مستغنی اور تحمل والا ہے،

یہ صدقہ کے موقع کی آیت ہے، اس لئے یہ ظاہر فرمادیا کہ وہ مستغنی ہے اور بردبار ہے،

انسانوں میں بردباری اکثر کسی نہ کسی قسم کی کمزوری کا نتیجہ ہوتی ہے، مثلاً انتقام کے مقابلہ میں حلم، اگر اس برائی کرنے والے کو رام کرنے کے لئے کسی کو زیادہ قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے، تو یہ بھی ایک قسم کی کمزوری ہے کہ اس کو انتقام سے زیادہ حلم نفع بخش معلوم ہوتا ہے، لیکن خدا کی ذات ہر حیثیت سے غنی ہے، اس کا حلم کامل استغنا کے ساتھ ہے،

حلم گو اخلاقی حیثیت سے ہر حالت میں تعریف کے قابل ہے لیکن اس کی ایک حیثیت

Marfat.com

ایسی ہے کہ اُس سے بعض کم فہمون کے نزدیک حلیم اور بردبار آدمی کی کمزوری کا راز فاش ہوتا ہے اور اسی لئے اُس کے مقابلہ مین اُن مین سرکشی اور بے اعتنائی پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندون کی اس کمزوری سے واقف تھا اس نے اُس نے اپنے حلم اور داروگیر دونون کو پہلو بہ پہلو جگہ دیا ہے تاکہ اس سخت گیری کے سبب بندون مین مایوسی اور بردباری کے سبب سے سرکشی نہ پیدا ہو، فرمایا!

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ	اور جان رکھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو
اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا	تمھارے دلون مین ہے تو اس سے
اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝	ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ بخشش
(بقرہ ۔ ۳۰)	والا ہے تحمل والا،

یہ آیت عورت کے نکاح ثانی کے سلسلہ مین ہے، یعنی جب تک اُس کی عدت کے دن پورے نہ ہون کوئی چھپے چوری بھی اس سے نکاح کا وعدہ نہ لے، اور نکاح نہ کرے، دل مین رہے تو کوئی حرج نہین، اس کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ کو تمھارے دل کا ہر بھید معلوم ہے ایسے عالم الغیب سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، اس لئے ایک طرف تو اس کی گرفت سے ہمیشہ ڈرتے رہو، دوسری طرف اس کی بخشش اور بردباری بھی عام ہے اس لئے اس سے پُر اُمید بھی رہنا چاہئے،

نیکی کے کامون مین مخلصانہ خرچ کرنے کی اللہ تعالیٰ قدر فرماتا ہے اور ایسے لوگون کے گناہ معاف کرتا ہے اس موقع پر اس کا ارشاد ہے،

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا	اگر تم اللہ کو قرض دو اچھی طرح قرض
یُّضٰعِفْہُ لَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ؕ وَ	دینا تو وہ اس کو دونا کر دے گا اور
اللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ ؕ	تمہیں معاف کرے گا، اور اللہ بڑی
(تغابن - ۲)	قدردان اور تحمل والا،

اس کی قدردانی تو یہ ہے کہ وہ ایک کے بدلے دو دے گا، اور تحمل یہ ہے کہ دینے والے کے گناہ کو معاف کرے گا،

اس آیت میں تحمل اور بردباری کا ایک فلسفیانہ نکتہ بھی چھپا ہے، کسی قصوروار کے کسی قصور پر جب ہم کو غصہ آتا ہے تو اس وقت اس عیب کے سوا اس کے سارے ہنر ہماری آنکھوں سے چھپ جاتے ہیں، اور اس کی خوبیاں نظرانداز ہو جاتی ہیں، اس لئے ہمارا غصہ پوری طرح تیز ہو جاتا ہے، لیکن اگر یہ سامنے رہے کہ اس سے ایک غلطی ہوئی ہے یا اس میں ایک عیب ہے، مگر اس میں کچھ خوبیاں بھی ہیں تو اس کی ان خوبیوں کی قدر کرکے اس کی غلطی سے درگذر کرنا آسان ہو جاتا ہے، چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس کی مخلصانہ خیرات کی خوبی کی قدر فرما کر وہ اس کی غلطی سے درگذر کرتا ہے،

صفتِ حلم سے انبیائے کرامؑ بھی متصف فرمائے گئے ہیں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ جن کی بنا دونوں پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اسلام کی عمارت تعمیر ہونی ہو خاص طور سے اس وصف سے سرفراز ہوئے ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بت پرست باپ کو ہر طرح سے سمجھایا کہ وہ کسی طرح عذاب الٰہی سے بچ جائے انھوں نے ان

کافر باپ کے ہاتھوں طرح طرح کے ظلم سہے، اور آخر مجبور ہو کر اس علیحدگی پر مجبور ہوئے پھر بھی اُن کی بردباری اور تحمل کا سررشتہ اُن کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا، اور اس وقت تک اُس کے حق مین دعائے خیر کرتے رہے، جب تک اُن کو پوری مایوسی نہین ہوگئی، اور اُن کو قطعی طور سے معلوم نہیں ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے، اس واقعہ کے سلسلہ مین ہے،

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ	اور (نہ تھا) ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے
لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ	مغفرت کی دعا مانگنا، مگر ایک وعدہ
وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ	(کی وجہ) سے جو ابراہیم نے اپنے باپ
لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ	سے کر لیا تھا، پھر اُن کو (بھی) جب
مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ	معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو باپ
حَلِيمٌ ۝	سے (بالکل) دست بردار ہو گئے بیشک
	ابراہیم بڑے نرم دل (اور) بردبار
	تھے (کہ باپ کے کافر ہونے کے باوجود
(توبہ - ۱۴)	خدا سے اس کی مغفرت مانگنے کا وعدہ

دوسری آیت مین اس موقع پر جہان قوم لوط کی بربادی کی خبر پاکر وہ اللہ تعالیٰ سے عرض معروض کرتے ہین اُن کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ	بے شک ابراہیم، بردبار، نرم دل
مُنِيبٌ ۝ (ھود - ۷)	اور رجوع کرنے والے تھے،

Marfat.com

قرآن مجید کی آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حلم، عفو و درگذر، رفق و ملاطفت صبر و استقلال کے مجموعہ کا نام ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اپنی توصیف میں حلیم کے ساتھ اکثر غفور کا اور حضرت ابراہیمؑ کے وصف میں اوّاہ کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حلم کے لئے عفو و درگذر اور رفق و ملاطفت لازمی ہیں لیکن ایک اور آیت جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسبت فرمایا ہے،

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۔ (والصّٰفّٰت - ۳)

تو ہم نے اُن کو (ابراہیم کو) ایک بڑے بردبار لڑکے (اسمٰعیل کے پیدا ہونے) کی خوشخبری دی،

اس کے بعد جب اُن کی قربانی کا حکم ہوا ہے تو انھوں نے کہا :-

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ (والصّٰفّٰت - ۳)

اے باپ آپ کو جو حکم ہوا ہے (بے تأمل) اس کی تعمیل کیجئے، انشاء اللہ آپ مجھ کو بھی صابر ہی پائیں گے،

اس سے معلوم ہوا کہ صبر حلم کا ایک ضروری جزء ہے، حلم کی صفت خدا کو نہایت محبوب ہے، چنانچہ ایک شخص کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو خدا پسند کرتا ہے، یعنی حلم اور جلد بازی نہ کرنا، یعنی کوئی بات پیش آئے تو بے سوچے سمجھے غصہ میں کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا چاہیے۔

ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی التأنی والعجلۃ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہ درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے

Marfat.com

آپ نے ہر بار یہ جواب دیا کہ "غصہ نہ کرو" اگر غصہ آ بھی جائے تو اس کو ضبط کیا جائے یہی وجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "پہلوان وہ نہیں ہے جو لوگوں کو کشتی میں پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے"[1] ایک اور حدیث میں ہے کہ "جو شخص باوجود قدرت کے غصہ کو ضبط کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سب کے سامنے بلا کر انعام خاص کا مستحق ٹھہرائے گا"[2]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں اُن کے ساتھ ملتا ہوں[3] وہ کاٹتے ہیں میں بھلائی کرتا ہوں، وہ بدی کرتے ہیں، وہ میرے ساتھ جہالت کرتے ہیں میں تحمل کو راہ دیتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ "اگر یہ ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو تو تم اُن کے منہ میں گرم راکھ بھرتے ہو، اور جب تک اس حالت پر قائم رہو گے خدا کی طرف سے تمہاری امداد ہوتی رہے گی"[4]

---

[1] بخاری کتاب الادب باب الحذر من الغضب [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی کظم الغیظ [3] یعنی صلہ رحم کرتا ہوں [4] صحیح مسلم باب صلۃ الرحم و ادب المفرد امام بخاری باب فضل صلۃ الرحم

رفق و لطف

رفق و لطف کے معنی یہ ہیں کہ معاملات میں سختی اور سخت گیری کے بجائے نرمی اور سہولت اختیار کی جائے، جو بات کہی جائے [illegible] جائے [illegible] اور جو معاملہ کیا جائے وہ میٹھے طریقے سے کہ دلوں کو موہ لے، اور پتھر کو بھی موم کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے کئی آیتوں میں اپنے کو "لطیف" فرمایا ہے[1] اور حدیثوں میں اس کا نام

---

[1] راغب اصفہانی "لطیف" کے مختلف معنوں میں سے ایک معنی یہ بتاتے ہیں:

"وہ اپنے بندوں کی رہنمائی میں نرمی [illegible] فرماتا ہے" (لفظ لطف)

امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں نقل کرتے ہیں:

"خدا کا نام لطیف اس لئے ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی اور آسانی چاہتا ہے اور ان کے لئے صلاح اور نیکی کے اسباب کا فیضان کرتا ہے...... لطیف اس لئے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی فرماتا ہے [illegible] اس طرح ان کی مصلحتوں کا سامان فراہم کرتا ہے [illegible] بھی ان کو یقین ہوتا...... [illegible] کا قول ہے لطیف وہ ہے جو تمہاری ضرورت کو تم تک [illegible] (رزق) سے پہنچا دیتا ہے" [illegible]

امام غزالی کہتے ہیں:

"اس صفت کا مستحق وہی ہے جو [illegible] سے نہیں اس تک پہنچا [illegible] کے معنی پیدا ہوتے ہیں [illegible] (روح المعانی تفسیر سورۂ شوریٰ)

رفیق آیا ہے[1] جس کے معنی یہ ہین کہ وہ اپنے ہر قسم کے بندون کے ساتھ اُن کی خبر گیری اور
رزق کا سامان پہنچانے مین رفق و لطف فرماتا ہے، اور اپنے اس تلطف مین وہ اُن کی
اطاعت اور عدم اطاعت کی پروا نہین کرتا، اللہ تعالٰی نے حضرت یوسفؑ کو بے سان
گمان جس طرح امارت کے رتبہ تک پہنچایا، اور اُن کے خاندان کو جن غیر متوقع ذریعون سے
مصر لے آیا، اور دشمن بھائیون کو جس طرح اُن کے سامنے نادم و شرمندہ کرکے اُن کے
آگے سرنگون کردیا، اس کو یاد کرکے وہ فرماتے ہین،

اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ	بے شک میرا رب لطف کرنے والا
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ،	ہے جس بات کا چاہے، بیشک وہی
(یوسف-۱۱)	علم والا حکمت والا ہے،

حضرت یوسفؑ کو جو مشکلین پیش آئین اور پھر وہی مشکلیں جس طرح اُن کی کامیابی
کا ذریعہ بنین، اُن کی حکمت کو خدا ہی جانتا تھا، اور اسی کو اُن کی خبر تھی،
ایک دوسری آیت مین اللہ تعالٰی اپنے بندون کے ساتھ اپنے رفق و تلطف کو
اس طرح فرماتا ہے،

اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ	اللہ اپنے بندون پر لطف فرماتا ہے
مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ	جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور
(شوریٰ-۲)	وہی قوت والا غالب ہے،

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر و الصلہ باب فضل الرفق، ۱۲۰،

Marfat.com

اس آیت کے اوپر قیامت کے تعلق سے مومنون اور کافرون کا ذکر ہے، اور نیچے بھی ان دونون قسمون کا تذکرہ ہے، بیچ مین یہ آیت ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لطفِ الٰہی کا فرد مومن دونون کے ساتھ ہے کہ دونون کو یکسان روزی پہنچاتا ہے[1] اور اسی لئے قیامت کو راز رکھنا بھی اس کے الطاف بے کران کا ایک نتیجہ ہے،

ملتِ حنیف کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے کافر باپ کے حق مین جب دعائے مغفرت کے طالب ہوئے تو بارگاہِ الٰہی مین گو یہ دعا مستجاب نہ ہوئی، مگر ابراہیم خلیل کی نرم دلی اور دردمندی کی مدح فرمائی گئی، ارشاد ہوا،

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (توبہ) بیشک ابراہیم نرم دل بردبار تھے،

اسی طرح جب وہ لوط کی گنہگار قوم کی سفارش کے لئے کھڑے ہوئے تو یہ درخواست بھی گو قبول نہ ہوئی، مگر حضرت ابراہیم کی مدح و توصیف فرمائی گئی کہ

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ، (ھود - ۷) بیشک ابراہیم بردبار، نرم دل، حق کی طرف رجوع کرنے والے تھے،

اَوَّاهٌ کے معنی مین مفسرون کا اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے کہ جو بہت دعائین مانگتا ہو، دوسرا اس کے معنی نرم دل بتاتا ہے، اور تیسرا دردمند کہتا ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر یہ تینون باتین پوری اترتی ہون، وہ ہر شخص کی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتے تھے، وہ دردمند تھے، اور دردمندی کی راہ سے ایسا کرتے تھے، یا دل کے نرم تھے، اسلئے جلد پسیج

[1] تفسیر روح المعانی مین مقاتل کا یہی قول، صاحب روح المعانی اور امام فخر رازی کو عموم کا وضح جان پڑا ہے حضرت

جاتے تھے اور یہ اسلئے ایسا تھا کہ ملت حنیف کا داعی ہر ایک کو اپنے سے ملانا چاہتا تھا، چنانچہ اسی لئے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون جیسے سنگدل اور ظالم بادشاہ کے دربار میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب حق کی تبلیغ کو بھیجے جاتے ہیں تو ان کو تبلیغ کے آداب سکھائے جاتے ہیں،

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ	سو تم دونوں اس سے نرم بات کہنا
يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۝ (طٰہٰ - ۳)	شاید وہ نصیحت پاوے یا خدا سے ڈرے،

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نرمی اور نرم خوئی تبلیغ کی کامیابی کی پہلی شرط ہے، اور اسی لئے دین حنیف کے مبلغ اعظم اور توحید کے داعی اکبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت الٰہی نے خاص طور سے اس کا حصہ وافر عنایت فرمایا تھا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد ہوتا ہے،

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۚ	تو اللہ کی رحمت کے سبب سے تم ان کے
وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا	لئے نرم دل ہوئے، اور اگر تم مزاج کے
نفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ	اکھڑ اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ
(آل عمران - ۱۷)	تمہارے پاس سے تتر بتر ہوگئے ہوتے،

اس لئے ایک پیغمبر کے لئے یہ وصف نہایت اہم ہے تاکہ لوگوں کو اس کی تعلیم و دعوت کی طرف میلان ہو، اور وہ اس کے حلقہ اطاعت سے باہر نہ ہونے پائیں، اور اسی لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں یہ وصف سب سے نمایاں طور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱ ۵) ابراہیمؑ نے اپنے باپ کی حالت پر اطلاع پاکر اس کے بعد اس سے اپنی علٰحدگی ظاہر کردی،

پر وودیعت کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو خاص اپنی رحمت کا نتیجہ قرار دیا،

حقیقت یہ ہے کہ حلم و بردباری، عفو و درگذر، چشم پوشی، اور خوش خلقی، غرض اُن تمام اخلاق کے عطر کا نام جن میں شانِ جمالی پائی جاتی ہے، یہی رفق و تلطف اور نرم دلی و نرم خوئی ہے جس طرح حسنِ فطرت زینت و آرایش سے دوبالا ہو جاتا ہے اسی طرح رفق و نرمی کی خوبی سے انسان کا اخلاقی حُسن دوچند ہو جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کو یہ حقیقت ان لفظوں میں سمجھائی، فرمایا،

اِنَّ الرِّفْقَ لَا یَکُوْنُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَهُ وَلَا یُنْزَعُ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَهُ[1]،	نرمی جس چیز میں ہو اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے الگ کر لی جاتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے،

"جس چیز" کا لفظ کتنا عام ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز میں نرمی کام کو بناتی اور سختی بگاڑتی ہے، الا یہ کہ شریعت اور قانون یا جماعت کی مصلحت سختی کا تقاضا کرتی ہو،

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نرم خو (رفیق) ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے، اور نرم خوئی پر جو کچھ دیتا ہے وہ سختی پر اس کے علاوہ کسی اور چیز پر نہیں دیتا[2]۔ جریر بن عبداللہ صحابی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا[3]، اور فرمایا کہ تین خصلتیں جس شخص میں ہوں گی خدا اپنے سایہ کو اس پر پھیلائے گا، اور اس کو جنت میں داخل کرے گا،

---

[1] [2] [3] صحیح مسلم کتاب البر والصلہ باب فی فضل الرفق،

یعنی کمزور کے ساتھ نرمی کرنا، باپ ماں پر مہربانی کرنا اور غلام پر احسان کرنا[1]

اسی اخلاقی وصف کی تعلیم آپ نے دوسرے الفاظ میں یون دی،

الا اخبرکم بمن یحرم علی	کیا مین تم لوگون کو بتاؤن کہ کون
النار و بحرم علیہ النار	شخص آگ پر حرام ہے، اور کس پر آگ
علی کل قریب هین سهل[1]	حرام ہے، ہر اس شخص پر جو لوگون سے
	قریب ہو نرم ہو اور آسان ہو،

ایک بار یہودیون کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئی اور کہا کہ "السام علیکم" یعنی تم کو موت آئے، حضرت عائشہ رض سمجھ گئین، اور انھون نے جواب مین کہا "وعلیکم السام واللعنة" یعنی تم کو موت آئے، اور تم پر لعنت ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ "عائشہ ٹھہر جاؤ، خدا تمام کامون مین نرمی کو پسند کرتا ہے" بولین یا رسول اللہ! انھون نے جو کچھ کہا کیا آپ نے نہین سنا، فرمایا مین نے بھی تو کہہ دیا کہ علیکم یعنی تم پر،[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب مین یہ خوبی ہے کہ بات وہی ہوئی، مگر اس مین سختی کا نشان نہین، اور پھر اس طرح سے ہو کہ مخاطب ذرا سوچے، تو خود بخود اس کا دل شرمندہ ہو،

شریعت کا قانون اور جماعت کی مصلحت جب سختی کا مطالبہ کرتی ہے، اس کا موقع وہ ہے جب کوئی شخص حدود الٰہی میں سے کسی حد کو توڑ ڈالے، اور جماعت کو نقصان

---

[1] ترمذی ابواب الزہد[2] بخاری کتاب الادب باب الرفق فی الامر کلہ

Marfat.com

پہنچانے کے درپے ہو، چنانچہ کفار اور منافقین جب سمجھانے سے نہ سمجھیں، اور اپنی ضد پر اڑے رہیں، بلکہ مسلمانوں کو آزار پہنچانے کے درپے ہوں، تو اُن کے شر کو روکنے اور اُن کی شورشوں کے قلع و قمع کرنے کے لئے اُن پر پوری سختی کی جا سکتی ہے، فرمایا،

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ	اے پیغمبر! کافروں اور دغابازوں سے
الْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (تحریم-۲)	جہاد کرو، اور اُن پر سختی رکھو،

دوسری جگہ فرمایا،

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ	اے مسلمانو! اپنے نزدیک کے کافروں
یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا	سے لڑتے جاؤ اور چاہئے کہ وہ تم میں
فِیْكُمْ غِلْظَةً، (توبہ-۱۶)	کڑا پن پائیں،

اسی طرح شریعت کے گنہگاروں کو جب سزا دی جائے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اُسکے اجرا میں نرمی نہ برتیں، مسلمان بدکار مردوں اور بدکار عورتوں کی سزا کے متعلق فرمایا،

وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ	اور اللہ کے حکم چلانے میں تم کو ان دونوں
فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ	پر ترس نہ آئے، اگر تم اللہ اور پچھلے دن
بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (نور-۱)	پر یقین رکھتے ہو،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کا جو بیان حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اس میں بھی نرمی اور سختی کے مواقع میں یہی امتیاز کی حد قائم کی گئی ہے، ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا، البتہ جب احکام الٰہی

Marfat.com

کی خلاف ورزی کی جاتی تو آپ اس کو سزا دیتے تھے[۵۱] امام بخاری نے ایک خاص باب میں اس قسم کی متعدد حدیثیں نقل کی ہیں جن میں آپ نے مسلمانوں بلکہ ازواج مطہرات تک پر کسی کسی بات میں سختی برتی ہے[۵۲] حافظ ابن حجر اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں :-

"گویا امام بخاری اس باب میں یہ اشارہ کرتے ہیں کہ جس حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیفوں پر صبر کرتے تھے، وہ آپ کے ذاتی حق سے متعلق ہے، لیکن خدا کے حق میں آپ اس سختی سے کام لیتے تھے جس کا خدا نے حکم دیا تھا"

(فتح الباری جلد ۱۰ ص ۴۲۹ مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ "آسانی کرو، سختی نہ کرو"[۵۳] شارحین حدیث نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نوافل و مباحات میں سختی نہ برتی جائے، اور شریعت نے جس حد تک گنجایش اور وسعت رکھی ہو اس میں تنگی نہ کی جائے۔ ایک صحابی سے ایک دفعہ روزہ میں ایک شرعی غلطی ہو گئی، انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو، ان سب نے معاملہ کی اہمیت کے ڈر سے ساتھ چلنے سے انکار کیا، تو انھوں نے اکیلے ہی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر حقیقتِ حال عرض کی، ارشاد ہوا "ایک غلام کی گردن آزاد کرو" وہ اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر بولے کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گردن کے سوا میری کوئی ملکیت نہیں" فرمایا "لگاتار دو مہینے روزے رکھو"

---

۵۱ بخاری کتاب الادب باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا ۵۲ باب یجوز من الغضب والشدۃ لامر اللہ تعالیٰ ۵۳ صحیح بخاری کتاب الادب باب یسروا ولا تعسروا

Marfat.com

گذارش کی کہ یا رسول اللہ! روزہ ہی میں تو یہ حرکت ہوئی پھر روزہ رکھوں، فرمایا "ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ!" عرض پرداز ہوئے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے کہ ہم نے بھوک میں رات گذاری ہے" فرمایا کہ صدقہ کے فلاں محصل کے پاس جاؤ اور اس سے اتنے چھوہارے لے لو، اس سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا کر جو بچ رہے وہ خود کھاؤ" وہ صحابی ہنسی خوشی اپنی قوم میں آئے اور اپنی روداد بیان کرکے بولے کہ "میں نے تمہارے پاس تنگی اور بری رائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کشادگی اور اچھی رائے پائی"[1]

[1] سنن ابی داؤد باب فی الظہار،

تواضع وخاکساری

کبریائی اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے جس مین کوئی اس کا شریک نہین،

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (جاثیہ-۴)

اور اسی کو بڑائی ہے، آسمانون مین اور زمین مین اور وہی زبردست ہے حکمت والا،

اس لئے بندون کی شان نہین کہ وہ کبریائی کرین، اُن کی بندگی کی شان اس مین ہے کہ وہ تواضع وخاکساری اختیار کرین، اور عاجزی وفروتنی برتین،

تواضع وخاکساری کے بہت سے مظہر ہین، قرآن مجید نے اُن مین سے نمایان مظاہر کو لے کر بعض موقعون پر اُن کا حکم دیا ہے، اور دوسرے موقعون پر اُن کو اپنے خاص بندون کا وصف بتایا ہے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے کفار سے درگذر کا، پھر مومنون کے ساتھ بہ محبت تواضع کا حکم دیا ہے،

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (حجر-۶)

اور اپنا بازو مومنون کے لیے جھکا دے،

Marfat.com

دوسری جگہ فرمایا،

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ — اور اپنا بازو جھکا رکھ اُن کے واسطے جو

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، (شعراء-۱۱) — تیرے ساتھ ہوئے ہیں ایمان والے،

اولاد کو ماں باپ کے سامنے اسی پر محبت عاجزی اور فروتنی کے ساتھ پیش آنا چاہیے،

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ — اور ماں باپ کے لئے عاجزی کا بازو

مِنَ الرَّحْمَةِ (بنی اسرائیل ۳) — ہمدردی محبت سے جھکا دے،

"خفضِ جناح یعنی بازو جھکا دینا، تواضع وخاکساری سے استعارہ ہے، جناح پرندہ کے بازو کو کہتے ہیں، پرندہ جب زمین پر اترنے لگتا ہے یا تھک کر بیٹھنا چاہتا ہے تو اپنے بازوؤں کو جھکا دیتا ہے، اس سے یہ استعارہ کیا گیا کہ انسان بھی خاکساری اور فروتنی سے اپنے بازوؤں کو نیچے کر لیتا ہے، اور تکبر اور ترفع کی بلندی کے بجائے تواضع کی پستی کی طرف اترتا ہے،

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کا یہ وصف بتایا ہے،

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ — اور رحمت والے (خدا کے خاص)

عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ — بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی

الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا، — کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل اُن

(الفرقان-۶) — سے (جہالت کی) باتیں کرنے لگیں تو [illegible]

---

۱۵ المثل السائر باب نوع التشبیہ وتفسیر کبیر رازی تفسیر آیت جناح الذل ج ۵ ص ۴۳ دار الطباعۃ العامرہ،

Marfat.com

قرآن کی بلاغت یہ ہے کہ بندوں کو خاکساری کی تعلیم دینی تھی تو اُن کو رحمت والے خدا کے بندے کہہ کر نصیحت فرمائی گئی کہ خدا جب رحمت اور عفو و کرم والا ہے، تو اُس کے بندوں میں خلقِ خدا کے ساتھ تواضع اور ملنساری ظاہر ہو،

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو یہ اخلاقی نصیحت کی،

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ	اور لوگوں سے بے رخی نہ کر، اور زمین
وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا،	پر اترا کر نہ چل (کیونکہ) اللہ کسی اترانے
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ	والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا، اور
فَخُورٍ، وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ	اپنی رفتار میں میانہ روی (اختیار) کر
وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ	اور (کسی سے بات کرے) تو ہولے سے
أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۔	بول (کیونکہ) بری سے بری آواز گدھوں
(لقمان ۲۰)	کی آواز ہے،

اس آیت میں خاکساری اور تواضع کے مختلف مظاہر بتائے ہیں، بات کرنے میں لوگوں سے بے رخی نہ کی جائے، زمین پر اکڑ کر نہ چلا جائے، چال ڈھال میں غرور کا شائبہ نہ ہو، اور نہ آواز میں غرور کے مارے سختی اور کرختگی ہو،

لیکن یہ خیال میں رہے کہ تواضع و خاکساری اور ذنائت و پستی میں بڑا فرق ہے، تواضع و خاکساری کا منشا یہ ہے کہ انسان میں کبر و غرور پیدا نہ ہو اور ہر شخص دوسرے کی عزت کرے اور ذنائت و پستی کا مطلب یہ ہے کہ بعض ذلیل اغراض کے لئے انسان اپنی خودداری کو کھو دے چنانچہ اسے

موقع پر جہاں خاکسارانہ روش سے انسان کا ضعف ظاہر ہو، وہاں اسلام نے عارضی اور نمایشی طور پر غرور وارانہ کبر و غرور کا حکم دیا ہے، صحابہ جب عمرہ کے لئے آئے، تو چونکہ مدینہ کے وبائی بخار نے اُن کو کمزور کر رکھا تھا اس لئے کفار نے طنز کیا کہ مسلمان کمزور ہیں اور اُن کے اصحاب ضعف کی وجہ سے خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے، اس پر آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ طواف کا تین چکر اکڑ کر کریں تاکہ مشرکین پر اُن کی طاقت کا اظہار ہو۔[1]

قوت کے اظہار کا اصلی موقع جہاد میں پیش آتا ہے، اور اس موقع پر اسلام نے خاکساری کے بجائے کبر و غرور کو پسند کیا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ بعض غرور کو خدا ناپسند اور بعض کو پسند کرتا ہے، جنگ و صدقہ کے موقع پر اترانا خدا کو پسند ہے، اور ظلم و فخر پر اترانا ناپسند۔[2]

بہرحال اسلام میں خاکساری ایک شریفانہ خلق ہے، اور ضعف، ذلت، بیچارگی اور بے سر و سامانی سے مختلف ہے، ضعف و ذلت سے انسان پست ہو جاتا ہے لیکن خاکساری اس کو بلند مرتبہ بنا دیتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو شخص خدا کے لئے خاکساری کرتا ہے، خدا اس کو بلند کر دیتا ہے۔[3] ایک اور حدیث میں فرمایا کہ جو شخص عمدہ کپڑے پہننے کی استطاعت رکھتا ہے لیکن وہ خاکساری سے اس کو نہیں پہنتا تو خدا اس کو قیامت کے دن سب کے سامنے بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا

[1] مسلم کتاب الحج باب استحباب الرمل فی الطواف، صحیح بخاری عمرۃ القضاء صلی اللہ علیہ وسلم [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الخیلاء فی الحرب [3] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی التواضع۔

Marfat.com

کہ ایمان کا جو حلّہ پسند کرے، اُس کو پہن لے۔"[1]

غرض یہ ہے کہ تواضع کا حکم صرف اس لئے ہے کہ کوئی شخص اپنی قوت اور دولت کا بے جا استعمال نہ کرنے پائے جس سے غریبوں اور کم استطاعت لوگوں کا دل دکھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی بھیجی ہے کہ خاکساری اختیار کرو تاکہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، اور کوئی کسی کے مقابل میں فخر نہ کرے"[2] اس سے معلوم ہوا کہ تواضع کا مقصد معاشرتی زندگی میں خوشگوار لطافت پیدا کرنا ہے، اور یہی لطافت ہے جو ایک خاکسار شخص کی چال ڈھال اور بات چیت تک سے ظاہر ہونی چاہئے،

---

[1] ترمذی ابواب الزہد [2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی المواخاۃ،

خوش کلامی

خوش کلامی سے مقصد یہ ہے کہ باہم ایک انسان دوسرے انسان سے باتیں کرنے میں ایک دوسرے کے ادب و احترام اور لطف و محبت کا پہلو ملحوظ رکھے تاکہ آپس میں خوشگوار تعلقات پیدا ہوں، اور باہم مروّت اور محبت بڑھے، سلام کرنا، شکریہ ادا کرنا، حال پوچھنا، ایک دوسرے کو نیک دعائیں دینا، اچھی باتیں کرنا، اچھی باتیں سمجھانا، اسی ایک صفت کے مختلف جزئیات ہیں، خدائے تعالیٰ نے توریت میں بنی اسرائیل کو لوگوں کے ساتھ خوش کلامی کا جو حکم دیا تھا اس کو قرآن پاک میں بھی دہرا دیا ہے،

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (بقرہ-۱۰)

اور کہو لوگوں سے اچھی بات،

اس اچھی بات کہنے میں لوگوں کے فائدہ اور کام کی باتوں کا کہنا، نصیحت کرنا، اچھی باتوں کی تعلیم و تلقین کرنا بھی داخل ہے، ایک اور آیت میں یہی حکم دوسرے لفظوں میں اس طرح دیا گیا ہو کہ یہ وصف اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی پہچان بن جاتا ہے ارشاد ہے،

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ

اور (اے پیغمبر!) میرے بندوں سے

Marfat.com

هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ — کہ دے کہ وہ بات کہیں جو سب
بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ — اچھی ہو، بیشک شیطان جھگڑا ہوا تا ہے
لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ — آپس میں، بیشک شیطان انسان کا
(بنی اسرائیل-۶) — کھلا دشمن ہے،

آیت کے پچھلے حصہ مین دعویٰ کی دلیل بھی دے دی گئی ہے کہ خوش گوئی اور خوش کلامی آپس مین میل ملاپ پیدا کرتی ہے، اور بدگوئی و بد کلامی پھوٹ پیدا کرتی ہے جو شیطان کا کام ہے، وہ اس کے ذریعہ سے لوگون مین غصہ، نفرت، حسد اور نفاق کے بیج بوتا ہے، اس لئے اللہ کے بندون کو چاہئے کہ نیک بات بولین، نیک بات کہین اچھے لہجہ مین کہین، اور نرمی سے کہین کہ آپس مین میل ملاپ اور مہر و محبت پیدا ہو، اسی لئے تنابز بالالقاب یعنی ایک دوسرے کو برے لفظون اور نفرت اور تحقیر کے خطابون سے پکارنے کی ممانعت آئی ہے، کسی کو یا کافر، یا منافق اور تحقیر و کراہت کے دوسرے القاب سے مخاطب کرنا گویا اس مین اس اچھی بات کے خلاف جو آپ اس کو سمجھانا چاہتے ہین پہلے ہی اسے نفرت اور ضد کا جذبہ پیدا کر دینا ہے، فرمایا،

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا — اور نہ تم آپس مین ایک دوسرے کو طعن دو،
بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ — اور نہ چڑاھ کا نام لیکر پکارو، ایمان لانے کے بعد
بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ (حجرات-۲) — گنہگاری برا نام ہے،

اسی لئے برائیون کے تذکرون، اور بدگوئیون کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے ارشاد ہے،

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَہْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۔ (نساء - ۲۱)

اللہ کو بری بات کا پکارنا خوش نہیں آتا، مگر جس پر ظلم ہوا ہو، (اس کو حق ہے کہ ظالم کے ظلموں کو بیان کرے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان نہ طعنہ دیتا ہے، نہ لعنت بھیجتا ہے، نہ بدزبانی اور فحش کلامی کرتا ہے۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی شان اس قسم کی غیر مہذبانہ باتوں سے بہت اونچی ہونی چاہئے، اس کی زبان سے حق و صداقت، ہمدردی و خیر خواہی، اور نیکی اور بھلائی کے سوا کوئی اور بات نہ نکلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ اور روز جزا پر یقین رکھتا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ اچھی بات بولے، ورنہ چپ رہے۔[2] اس حدیث پاک میں ادھر اشارہ ہے کہ اللہ اور روز جزا پر یقین رکھنے کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ کلمہ خیر کے سوا کچھ اور زبان سے نہ نکلے، کیونکہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنا یہ بتاتا ہے کہ جو کرے گا، وہ بھرے گا اگر تمہیں بھی کوئی برا کہے تو ہو سکے تو چپ رہو کہ اس کی جزا آج نہیں تو کل اس کو مل رہے گی، ایک دفعہ آپ نے بار بار دوزخ کا ذکر فرمایا، اور روئے انور پر اس کی تکلیفوں کے تصور سے اثر ظاہر ہوا، پھر ارشاد فرمایا "دوزخ سے بچو اگرچہ چھوہارے کے ایک ٹکڑے کی خیرات سے ہو، اگر یہ بھی نہ ہو سکے، تو کوئی اچھی بات سے۔"[3]

ایک دفعہ آپ نے جنت کا ذکر فرمایا، اور اس کی خوبی اور وسعت کو بیان کیا، ایک بدوی صحابی مجلس میں حاضر تھے، بے تابانہ بولے کہ یا رسول اللہ یہ جنت کس کو ملے گی؟ فرمایا

[1] صحیح بخاری باب طیب الکلام [2] صحیح مسلم کتاب الایمان [3] ترمذی کتاب البر والصلہ باب ماجاء فی اللعنۃ۔

جس نے خوش کلامی کی، بھوکوں کو کھلایا، اکثر روزے رکھے، اور اس وقت نماز پڑھے جب دنیا سوتی ہو۔[51]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا "اچھی بات صدقہ ہے"[52] یعنی جس طرح صدقہ دے کر کسی غریب کی حاجت روائی اور دلجوئی کی جاتی ہے، اسی طرح زبان کی مٹھاس سے اس کے زخموں پر پھاہا رکھا جا سکتا ہے، اور سچی سعی و سفارش سے اس کو مدد پہنچائی جا سکتی ہے۔

ایک صحابی نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ نجات کیونکر ملے؟" فرمایا "اپنی زبان پر قابو رکھو اور تمہارے گھر میں تمہاری گنجائش ہو، اور اپنے گناہوں پر رویا کرو"۔[53] ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مجھ پر سب سے زیادہ کس چیز کا ڈر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا "اس کا ڈر ہے"۔[54]

---

[51] ترمذی ما جاء فی قول المعروف [52] صحیح بخاری کتاب الصلح [53] ترمذی باب حفظ اللسان [54] ترمذی ایضاً

ایثار

یہ درحقیقت فیاضی کا سب سے بڑا اور سب سے آخری درجہ ہے، اس لئے معنی یہ ہیں کہ دوسرون کی ضرورتون کو اپنی ذاتی ضرورت پر مقدم رکھا جائے، خود بھوکا رہے اور دوسرون کو کھلائے، خود تکلیف اٹھائے اور دوسرون کو آرام پہنچائے،

صحابۂ کرام مین انصار کا سب سے بڑا اخلاقی وصف یہی تھا کہ مکہ کے مہاجر جب بے خانمان ہو کر اور اپنا سب کچھ مکہ مین چھوڑ کر مدینہ آئے تو انصار نے اُن کو ہاتھون ہاتھ لیا، اُن کو اپنے گھر دیئے، باغ دیئے، کھیت دیئے، اپنی محنتون مین اُن کو شریک کیا[1]، اور خود ہر طرح کی تکلیفیں اٹھا کر اُن کو آرام پہنچایا، پھر جب بنی نضیر کی زمین مسلمانون کے ہاتھ آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انصاریون کے سوا باقی ساری زمین مہاجرون کو دے دی تو انصار نے ہنسی خوشی اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا، اللہ تعالی کو اُن کی یہ ادا بہت پسند آئی، اور ان کی مدح و ستائش کی[2]،

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ — اور اُن کے واسطے جنھون نے ان

---

[1] صحیح بخاری اول مناقب انصار، [2] تفسیر آیت ذیل ابن جریر طبری،

مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ	(مہاجروں کی آمد) سے پہلے اس مقام
اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ	(مدینہ) میں اور ایمان میں جگہ کرلی ہے وہ
صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا	محبت رکھتے ہیں اس سے جو اپنا گھر چھوڑ
اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	کر اُن کے پاس چلا آیا، اور ان (مہاجرین)
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ	کو دیئے جانے سے دل میں کوئی مطلب
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ	نہیں رکھتے، اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ،	نہ ہو، (ان مہاجر بھائیوں کو) اپنے سے
	مقدم رکھتے ہیں، اور جو شخص اپنی طبیعت
(حشر - ۱)	کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے
	ہی لوگ فلاح پائیں گے،

بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کو انصار کی جاگیروں میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں، ان ایثار کے پیکروں نے عرض کی جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ ملے ہم کو یہ منظور نہیں، فرمایا اگر یہ منظور نہیں تو صبر کرو، میرے بعد تم کو یہ تکلیف پہنچے گی کہ لوگ لے لیں گے اور تم کو نہیں پوچھیں گے[۱]،

ایک دفعہ ایک مسلمان خاتون نے اپنے ہاتھ سے ایک چادر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی، آپ نے ضرورت مند ہو کر اس کے اس تحفہ کو قبول

---

[۱] صحیح بخاری اول باب مناقب الانصار

کرلیا، اسی وقت ایک غریب مسلمان نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ مجھے عنایت ہو۔ آپ نے اُسی وقت اُتار کر اُن کے حوالہ کردی۔ صحابہؓ نے اُن کو ملامت کی کہ تم جانتے تھے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی حاجت تھی، اور آپ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے تم نے کیوں مانگ لی۔ بولے ہاں میں نے تو برکت کے لئے لی ہے کہ یہی چادر میرا کفن بنے[1]،

ایک دفعہ ایک بھوکا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، کاشانۂ نبوی میں اس وقت پانی کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے آپ نے فرمایا جو شخص آج کی رات اس کو اپنا مہمان بنائے گا، خدائے تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا، یہ سعادت ایک انصاری کو حاصل ہوئی، اور وہ اس کو اپنے گھر لے گئے، اور بیوی سے پوچھا کہ گھر میں کچھ ہے؟ بولیں صرف بچوں کا کھانا، بولے بچوں کو سلادو، اور چراغ کو بجھا دو، ہم دونوں رات بھر بھوکے رہیں گے، البتہ مہمان پر ظاہر کریں گے کہ کھا رہے ہیں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے فرمایا، خدا تعالے تمھارے اس حسنِ سلوک سے بہت خوش ہوا[2]

بعض روایتوں میں ہے کہ اوپر کی آیت میں انصار کے جس ایثار کی تعریف کی گئی ہے اس کا اشارہ اسی واقعہ کی طرف[3] ہے لیکن قرآنِ پاک کا سیاق وسباق عموم کو چاہتا ہے جس میں یہ واقعہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعے بھی شامل ہوں گے،

---

[1] صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخاء وباب من استعد الکفن [2] صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب اکرام الضیف و فضل الایثار [3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ حشر [4] ایضاً،

Marfat.com

اعتدال اور میانہ روی

یہ اسلامی اخلاق کا وہ باب ہے جس میں وہ منفرد ہے، اسلام کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس کا راستہ اکثر مسئلوں میں افراط و تفریط کے بیچ سے نکلا ہے، قرآن پاک میں مسلمانوں کو اُمَّۃً وَّسَطًا (بیچ کی امت) کا خطاب جن وجوہ سے دیا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ان کا مذہب افراط و تفریط کے درمیان ہے[1]، اس لئے اُس نے اکثر معاملوں میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے، انتہا یہ ہے کہ عبادات میں بھی اس اصول کو وہ نہیں بھولا ہے، دعا یا نماز میں ہماری آواز کتنی ہو ارشاد ہے،

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا	اور تو نہ پکار اپنی دعا یا نماز میں اور نہ
تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ	چپکے پڑھ اور ڈھونڈھ لے، اس کے
سَبِيلًا (بنی اسرائیل-۱۲)	بیچ میں راہ،

یعنی نہ چلا کر دعا کیجائے یا نماز پڑھی جائے کہ نمایش ہو جائے یا مخالف اس کو سُن کر بُرا بھلا کہے

[1] تفسیر کبیر فخر رازی تفسیر آیہ مذکور (بقرہ)

Marfat.com

اور نہ بالکل چپکے چپکے کہ ساتھ والے بھی نہ سُن سکین، بلکہ دونون کے بیچ کی راہ اختیار کی جائے

ہماری چال ڈھال کیسی ہو اس کی نسبت حضرت لقمانؑ کے نصائح مین ہے،

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ (لقمان-۱) — اور چل بیچ کی چال،

یعنی اتنی تیز نہ ہو کہ چال مین متانت اور وقار نہ باقی رہے اور نہ اتنی دھیرے ہو کہ ریاکار زاہدون کی نمایشی چال بن جائے[1]،

سخاوت اور فیاضی سے بہتر کوئی چیز نہین، سارے مذہبون نے اس کی تاکید پر تاکید کی ہے، اور جو جس قدر زیادہ لٹا سکے، اسی قدر وہ تعریف کے قابل سمجھا گیا ہے، لیکن اسلام نے اس راہ مین بھی بے اعتدالی سے پرہیز کیا ہے، اور اس کو اچھا نہین سمجھا ہے کہ دوسرون کو دے کر تم خود اتنے محتاج بن جاؤ کہ بھیک مانگنے کی نوبت آجائے اور محتاجون میں ایک نئے محتاج کا اور اضافہ ہو جائے، فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل-۳) — اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن مین باندھ لے، اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو بیٹھ جائے، ملامت کا نشانہ بن کر تھکا ہارا،

مسلمانون کی اخلاقی خصوصیتون کے سلسلہ مین کہا

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا — اور جو خرچ کرین تو فضول خرچی نہ کرین

---

[1] دیکھو ابن جریر طبری، روح المعانی

Marfat.com

وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ، (فرقان-۶)

اور نہ بہت تنگی کریں، اور ہو اس کے درمیان اعتدال سے،

یعنی نہ اسراف ہو نہ بخل ہو، درمیان کی چال ہو،

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اُکْلُفُوا من الاعمال ما تطیقون

اتنا ہی عمل کا التزام کرو جتنا تم کر سکو،

عمل کا لفظ گو یہاں عام ہے مگر شارحین کے نزدیک اس سے مراد نماز روزہ وغیرہ عبادتیں ہیں[1]، مقصود یہ ہے کہ فرائض کے بعد نوافل کا اتنا ہی بوجھ اٹھاؤ جس کو تم آسانی سے اٹھا سکو، اور آخر دم تک نباہ سکو، دوسری اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبہ تک وسیع ہے، مسند بزاز میں حضرت حذیفہ صحابیؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2]

ما احسن القصد فی الغنی ما احسن القصد فی الفقر ما احسن القصد فی العبادۃ،

دولت مندی میں درمیانگی کتنی اچھی ہے، محتاجی میں درمیانگی کتنی اچھی ہے، عبادت میں درمیانگی کتنی

غرض یہ ہو کہ نہ اتنا دولتمند ہو کہ انسان قارون وقت بن کر حق سے غافل ہو جائے، نہ اتنا محتاج ہو کہ پریشان خاطر ہو کر حق سے محروم رہ جائے، لوگ دولتمند ہو کر اس قدر شان و شکوہ، عز و جاہ اور عیش و تنعم کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں کہ اعتدال سے خارج ہو جاتے ہیں

---

[1] فتح الباری جلد ۱ ص ۹۰۔ [2] بروایت کنز العمال جلد ثانی ۔ حیدرآباد دکن،

اور بعض لوگ محتاج ہو کر اس قدر دنی اور مبتذل ہو جاتے ہین کہ صبر اور خودداری اور تمام شریفانہ اوصاف کھو دیتے ہین، اور یہ بھی بے اعتدالی ہے، ان دونون حالتون مین اسلام کی معتدل تعلیم یہ ہے کہ دولتمندی کی حالت مین نہ حد سے زیادہ بلند ہونا چاہیے، نہ محتاجی کی حالت مین اپنی حیثیت سے گرجانا چاہیے،

عبادت سے بڑھکر اسلام مین کوئی نیکی کا کام نہین، اسلام نے اس مین بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے، نہ اتنی زیادہ ہو کہ آدمی اور دوسرے ضرورون کے لائق نہ رہے اور نہ اتنی کم ہو کہ حق سے غفلت ہو جائے، حضرت عثمان بن مظعونؓ کا واقعہ سیرت مین کئی دفعہ گذر چکا ہے کہ انھون نے جب راتین نمازون اور دن روزون مین بسر کرنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کیا اور اعتدال کی تاکید کی، اور فرمایا کہ تمھارے ذمہ اور بھی حق ہین،

خودداری

یا

عزتِ نفس

یہ وہ اخلاقی وصف ہے جس سے انسان اپنی عزت، اپنی شان، اپنے مرتبہ اور اپنی حیثیت کی حفاظت کرتا ہے، زندگی میں اس کے موقعے کثرت سے پیش آتے ہیں اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے، ملنے جلنے، کھانے پینے، اوڑھنے پہننے غرض معاشرتی زندگی کے تمام حالات میں انسان کو اپنی حیثیت اور عزت کے محفوظ رکھنے کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے جس میں یہ وصف نہ ہوگا، اس میں نہ نظر کی بلندی ہوگی، نہ خیال کی رفعت، نہ اخلاق کی اونچائی، نہ لوگوں کی نگاہوں میں اس کی عزت ہوگی، نہ اس کی باتوں کا لحاظ کیا جائے گا اور نہ اس کی طرف لوگ متوجہ ہوں گے، اور نہ اس کو کسی مجلس میں وقار حاصل ہوگا،

یہ عزت و وقار سب سے پہلے اُس بلند و برتر ذاتِ الٰہی میں ہے جو ساری عزتوں کا مرکز ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ۹۲ موقعوں پر اللہ تعالیٰ کا نام "عزیز" لیا گیا ہے، عزیز کے معنی

Marfat.com

ہیں، عزت[1] والا اور غالب کہیں کہیں عزیز کے ساتھ قوی (قوت والا) یا مقتدر (اقتدار والا) بھی کہا گیا ہے،

اس لئے اصلی عزت اسی کی ہے اور وہی سچی عزت ہے، جو اس کے وسیلہ سے حاصل ہو، اسلام جب کمزور تھا تو منافق لوگ ادھر مسلمانوں کی دوستی کا دم بھرتے تھے، اور اُدھر کافروں کی ظاہری شان وشوکت اور جاہ وعزت کے سبب سے ان کی دوستی کے بھی طلب گار تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے خیال کے دھوکے کو اس حقیقت کی روشنی میں کھول دیا،

اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَ ھُمُ الۡعِزَّۃَ	کیا یہ اُن کے پاس عزت چاہتے ہیں
فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ہ	تو قطعی بات تو یہ ہے کہ عزت ساری
(نساء - ۲۰)	خدا کے واسطے ہی،

فرمایا اگر عزت کی تلاش ہے تو وہ خدا کے پاس ہے،

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ	جو عزت چاہے تو عزت تو ساری
الۡعِزَّۃُ جَمِیۡعًا (فاطر - ۲)	اللہ کی ہے،
تُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ	(اے خدا) تو جس کو چاہے عزت دے،

---

[1] عزۃ کا لفظ قرآن میں شدت، غلبہ، عزو شرف اور نخوت، (حمیت) کے معنوں میں آیا ہے، اس لئے ہر جگہ اس کے وہ معنی لئے جائیں گے جو سیاق وسباق کے مناسب ہو، اس کا اصل مفہوم جو اس کے سب معنوں میں مشترک ہے، یہ ہے: کسی کا ایسی حالت ومنزلت میں ہونا کہ اس کو کوئی دبا نہ سکے (دیکھو لسان العرب، ومفردات راغب اصفہانی، وابن جریر طبری آیات عزۃ وسورۂ بقرہ ونساء وص ومنافقون)

Marfat.com

تَشَاءُ ۵ (آل عمران - ۳) اور جس کو چاہے ذلت دے،

ایک دفعہ ایک غزوہ میں منافقون کے سردار نے یہ کہا کہ مدینہ لوٹ کر مدینہ کے معززان ذلیل لوگون یعنی مسلمانون کو یا (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال دین گے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب مین فرمایا

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ — اور عزت تو اللہ کے لئے ہے اور اس

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ — کے رسول کے لئے اور ایمان والون

لَا يَعْلَمُوْنَ ۵ (منافقون - ۱) — کے لئے لیکن منافق نہین جانتے،

اس آیت پاک نے مسلمانون کو ایمان کی وہ عزت بخشی ہے جو کبھی چھینی نہ جائے گی اس لئے ہر مسلمان کا سر ہر باطل کے سامنے اونچا رہنا چاہئے، اور اس کو اپنی دینی خودداری کو ہر وقت محسوس کرنا چاہئے، اور اسی لئے اس کو بہترین اخلاق کا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آنا چاہئے تعلیم محمدی کے اثر سے صحابہ کے دل اس صحیح خودداری کے احساس سے ہمیشہ معمور رہتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے جو کفار کے ساتھ صلح کے شرائط پر جن کو آنحضرت صلعم نے منظور فرمالیا تھا، اعتراض کرنے کی جرأت کی تو یہی جذبہ اُن کے اندر کام کر رہا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم حق پر اور کافر باطل پر نہین ہین ارشاد ہوا بیشک ایسا ہی ہے، عرض کی تو پھر ہم یہ مذہبی ذلت کیون برداشت کرین؟ ارشاد ہوا مین خدا کا رسول ہون اور اس حکم کے خلاف کچھ نہین کر سکتا، حضرت عمرؓ کی محدود

لہ صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد،

نظر جہان تک کام کر رہی تھی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس کے بہت آگے تھی، اور واقعہ نے فیصلہ کیا کہ خدا کا حکم بڑی مصلحت پر مبنی تھا،

غزوۂ خندق مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے سر سے جنگ کو ٹالنے کیلئے قبیلۂ غطفان کو اس شرط پر واپس کرنا چاہا کہ ان کو مدینہ کی پیداوار (کھجور) کا تہائی حصہ ہر سال دیا جایا کرے گا، لیکن جب انصار کے سردارون کو بلا کر آپ نے مشورہ کیا تو انھون نے عرض کی،

"یا رسول اللہ جب ہم بتون کی پوجا کرتے تھے، اور خدا سے بے خبر تھے، تب تو اُن کو ہم سے لینے کی ہمت نہین ہوئی، اور اب جب کہ خدا نے ہم کو اسلام کی عزت بخشی ہے، اور اس کے اور حضور کے بدولت ہم عزت پا چکے ہین، ہم ان کو یون اپنا مال دینا منظور کرین گے؟ خدا کی قسم ہمین اس معاہدہ کی ضرورت نہین"[1]

صحابۂ کرام جب خلافت کے زمانہ مین قیصر وکسریٰ کے مقابلہ مین صف آرا تھے، اُن کی اسلامی خودداری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی مسلمان قیصر وکسریٰ کے دربارون مین بے دھڑک چلا جاتا تھا، اور دلیری وآزادی سے سوال وجواب کرتا تھا مسلمان جب تک مسلمان رہے، یہی خیال اُن کی ہر قسم کی حوصلہ مندیون اور اولوالعزمیون کا باعث تھا، اور ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد آج بھی ہر مسلمان بحیثیت مسلمان کے اپنی مذہبی عزت

---

[1] سیرت ابن ہشام وتاریخ طبری ذکر واقعۂ احزاب، بسند،

Marfat.com

اور خود داری کا احساس رکھتا ہے، اور یقین رکھتا ہے کہ بحیثیت مسلمان کے اس کا پایہ بہت بلند ہے، اور ہر وقت اس کے کان مین یہ آواز آتی رہتی ہے،

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران - ۱۲) — تم بہترین امت ہو جو لوگون (کی سربراہی) کے لئے ظہور مین لائی گئی،

ایک شخص نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے عرض کی کہ لوگ کہتے ہین کہ آپ مین غرور ہے، فرمایا غرور نہین خودداری (عزت) ہے، یہ (اسلام) وہ عزت ہے جس کے ساتھ ذلت نہین، اور وہ دولت ہے جس کے ساتھ مفلسی نہین، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (منافقون - ۱) ایک مسلمان صالحہ بی بی کے کپڑے پرانے تھے، تو بولین کیا مین مسلمان نہین، یہ وہ عزت ہے جس کے ہوتے ذلت نہین، اور وہ دولت ہے جس کے ساتھ افلاس نہین،

شیخ ابو حفص سہروردی کہتے ہیں کہ خودداری (عزت) غرور سے الگ چیز ہے، کیونکہ خودداری اپنی ذات کی حیثیت کو جاننے اور اس کی عزت کرنے کا نام ہے کہ وہ فانی باتون کی پستی مین نہ پڑ جائے، اور غرور اپنی ذات کی اصلی حیثیت کو فراموش کر جانے اور اس کو اسکی جگہ سے اوپر لیجانے کو کہتے ہین[1]،

یہ خودداری عین شرافت ہے جس مین یہ خودداری نہین، لوگون کی آنکھون مین اس کا وقار نہین، اس وقار اور خودداری کے لئے اگر ہاتھ میں قدرت نہ ہو یا مصلحت نہ ہو تو

[1] یہ اقوال امام رازی اور صاحب روح المعانی نے سورۂ منافقون کی آیت وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ کی تفسیر مین لکھے ہین،

Marfat.com

بہت سی باتوں سے اعراض اور درگذر کرنا پڑتا ہے، قرآن مین سچے مسلمانون کے وصف کے سلسلہ مین ہے،

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (فرقان - ۶) — اور جب وہ ہونگی مین بیہودہ باتون کی طرف سے تو گذر جائین شریفانہ

یعنی اس شریفانہ انداز رکھ رکھاؤ اور خودداری کی شان سے گذر جائین کہ نہ وہ آپ ادھر متوجہ ہون اور نہ ان شریرون کو انھین اپنی طرف متوجہ کرنے کی ہمت پڑے،

اس اخلاقی خودداری اور شریفانہ رکھ رکھاؤ کی حفاظت کی خاطر قدم قدم پر اپنی ایک ایک بات پر نظر رکھنی پڑتی ہے، چال ڈھال، بول چال، لباس ہر چیز سے شرافت کا اظہار ہو، لیکن اس احتیاط کے ساتھ ہو کہ اوچھاپن یا تنگ ظرفی یا غرور و نمایش کی بو تک نہ آئے، یعنی اس مین اپنی بڑائی اور دوسرون کی تحقیر کا جذبہ شامل نہ ہو، یہی چیز ہے جس سے خودداری، غرور اور نمایش مین فرق و امتیاز کیا جا سکتا ہے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے دل مین ذرہ بھر بھی غرور ہوگا وہ جنت مین داخل نہ ہوگا، اس پر ایک شخص نے کہا کہ مجھے اچھا کپڑا اور اچھا جوتا پہننا پسند ہے، مطلب یہ کہ یہ تو غرور مین داخل نہین، ارشاد ہوا کہ خدا تو خود ہی جمال کو پسند کرتا ہے، غرور یہ ہے کہ حق کا انکار کیا جائے اور لوگون کی تحقیر کی جائے[1]

اسلام مین صاف ستھرے رہنے کا جو حکم ہے وہ طہارت اور پاکیزگی کے علاوہ اس کا

---

[1] ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی الکبر،

Marfat.com

ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمان دوسروں کی نظر سے گرنے نہ پائے کیونکہ گندہ آدمی سے ہر ایک کو نفرت ہوتی ہے، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال الجھے ہوئے تھے، تو فرمایا کیا اس کے پاس بال کے ہموار کرنے کا سامان نہ تھا؟ ایک شخص کے کپڑے میلے دیکھے تو فرمایا کیا کپڑے دھونے کے لئے اس کو پانی میسر نہ تھا؟ ایک شخص آپ کی خدمت میں نہایت کم حیثیت کپڑے پہن کر آیا، فرمایا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ اس نے کہا، اونٹ، بکری، گھوڑے، غلام سب کچھ ہیں، ارشاد ہوا کہ جب خدا نے تم کو مال دیا ہے تو خدا کے فضل و احسان کا اثر تمہارے جسم سے بھی ظاہر ہونا چاہئے۔[1]

خودداری کا سب سے بڑا مظہر وقار یعنی سنجیدگی اور متانت ہے، اسی لئے اسلام نے ہر حالت میں وقار کے قائم رکھنے کی ہدایت کی ہے، نماز سے زیادہ اور کونسی عبادت مقدس ہو سکتی ہے، اس کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

اِذَا سَمِعْتُمُ الْاِقَامَةَ فَامْشُوا	جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے
اِلَی الصَّلٰوةِ وَعَلَیْکُمْ بِالسَّکِیْنَةِ	سکون اور وقار کے ساتھ چلو جلدی
وَالْوَقَارِ وَلَا تُسْرِعُوْا[2]	نہ کرو۔

لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب تکبیر سنتے یا رکوع میں جاتے ہوئے امام کو دیکھتے ہیں تو بے تحاشا بھاگتے ہیں کہ رکعت نہ چلی جائے مگر یہ چیز متانت کے خلاف ہے، اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، آہستہ چلنا، نگاہ کا جھکائے رکھنا، آواز

---

[1] ابو داؤد کتاب اللباس باب فی غسل الثوب فی الخلقان [2] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المشی الی الصلوٰۃ ولیاتہا بالسکینۃ والوقار۔

Marfat.com

کا پست کرنا، اور ادھر ادھر نہ دیکھنا اس وقار میں داخل ہے،

وقار ایک نہایت جامع لفظ ہے، اور اس میں بہت سی چیزیں شامل ہیں، ابوداؤد نے کتاب الادب باب الوقار میں یہ حدیث نقل کی ہے،

الھدی الصالح والسمت	نیک طور طریق، نیک انداز، اور
الصالح والاقتصاد جزء من	میانہ روی نبوت کے پچیس اجزا
خمسة وعشرين جزءا من النبوة	میں سے ایک جزو ہے،

کیونکہ انہی اخلاقی خوبیوں کے ذریعہ سے کسی شخص کو وقار حاصل ہوتا ہے اور وہ خود بھی ان خوبیوں کے بدولت اپنے اندر اخلاقی احساس کو بیدار کرکے خوددار رہتا ہے،

صحیح بخاری میں ایک اور لفظ دَلّ کا ہے، اور ان تمام الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ انسان رفتار گفتار شکل وصورت وضع ولباس اور اپنی عام روش میں باوقار رہے، اور نیک مسلمانوں کا طور وطریقہ اختیار کرے، اسلام نے خصائل فطرت یعنی ناخن اور مونچھ کے ترشوانے اور ختنہ کرانے کا جو حکم دیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس سے انسان باوقار شکل میں نظر آتا ہے، سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ روش اختیار کی تو خدا سے پوچھا کہ یہ کیا ہے ارشاد ہوا وقار، بولے، خداوندا میرے وقار کو اور بڑھا،[۱]

فقروفاقہ کی حالت یا حرص وطمع کے موقع پر انسان سے جو خودداری ظاہر ہوتی ہے، اس کا نام شریعت کی اصطلاح میں تعفف اور استغنا ہے، اور شریعت میں وہ ایک

---

[۱] ادب مفرد باب الختان الکبیر

قابلِ ستائش اخلاقی وصف ہے اور اسی وصف کے ساتھ متصف ہونے کی بنا پر خداوند تعالیٰ نے اصحابِ صفہ کی خاص طور پر تعریف کی ہے،

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۔ (بقرہ۔ ۳۷)	(خیرات) تو ان حاجت مندوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے بیٹھے ہیں، ملک میں کسی طرف کو جا نہیں سکتے، بے خبر ان کی خودداری کی وجہ) سے اُن کو غنی سمجھتا ہے، تو ان کو دیکھے تو ان کی صورت سے ان کو صاف پہچان جائے کہ محتاج ہیں، وہ لپٹ کر لوگوں سے نہیں مانگتے،

اس آیت میں فقر و فاقہ کی حالت میں خودداری کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا گیا ہے، اس کا اندازہ اس آیت کے بعض فقروں کی تفسیر سے ہو سکتا ہے، صاحب کشاف نے لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ سوال تو کرتے ہیں لیکن بہ الحاح و اصرار کے ساتھ نہیں کرتے، بلکہ نرمی کے ساتھ کرتے ہیں لیکن امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ جب خدا نے خود ہی بیان کر دیا ہے، ان کی خودداری کی وجہ سے جو لوگ اُن کے حال سے ناواقف ہیں، اُن کو دولت مند سمجھتے ہیں تو پھر سوال کرنے کے

کیا معنی ؟ اصحابِ صفہ صاحبِ احتیاج ہونے کے باوجود اس لئے سوال نہین کرتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو سخت تکلیفون مین مبتلا کرکے سوال سے باز رہنے کی طاقت رکھتے تھے، جو شخص زبان سے خاموش رہتا ہے لیکن اپنی حاجت سے فقر و فاقہ کا اظہار کرتا ہے، تو اس کی یہی خاموشی لجاجت و اصرار کا سوال ہے، کیونکہ حاجت کی علامتون کا ظہور حاجت پر دلالت کرتا ہے، اور خاموشی اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس کے پاس حاجت کے پورا کرنے کا کوئی ذریعہ نہین، اس لئے جب انسان کسی کی یہ حالت دیکھتا ہے، تو اس کے دل مین رحم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور وہ اس کو کچھ دینے پر مجبور ہوجاتا ہے، اس لئے یہ حالت خود لجاجت و اصرار کا سوال ہے پس جب خدا یہ کہتا ہے کہ اصحابِ صفہ لوگون سے لجاجت و اصرار کے ساتھ سوال نہین کرتے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ زبان سے تو سوال ہی نہین کرتے لیکن اس کے ساتھ اپنے پھٹے حال کا بھی اظہار نہین ہونے دیتے، جو لجاجت کے ساتھ سوال کرنے کا قائم مقام ہے بلکہ لوگون کے سامنے نہایت اچھی حالت مین نمایان ہوتے ہین، اور اپنے فقر و فاقہ سے خدا کے سوا کسی کو واقف نہین ہونے دیتے،[1]

سوال کی سب سے مبتذل صورت گداگری ہے، اور اسلام نے گداگری کی نہایت شدت سے ممانعت کی ہے، ایک حدیث مین ہے کہ جو شخص ہمیشہ بھیک مانگتا رہتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال مین آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا، یہ اس کی اس حالت کی تمثیل ہوگی کہ دنیا مین اس نے اپنی خودداری کو قائم نہین رکھا، اور اپنی عزت و آبرو

---

[1] تفسیر کبیر جلد ثانی ص ۵۲۶، ۵۲۷

Marfat.com

گنوادی تھی، چند انصار نے جو بہت ہی غریب تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا آپ نے دیدیا، پھر سوال کیا، اور آپ نے پھر دیا، لیکن جب سب مال ختم ہو چکا تو فرمایا کہ میرے پاس جو کچھ ہوگا مین تم سے بچا کر اس کو جمع نہ کرون گا، جو شخص خدا سے خودداری کی خواہش کرتا ہے، خدا اس کو خوددار بناتا ہے، اور جو شخص خدا سے بے نیازی کی آرزو کرتا ہے، خدا اس کو بے نیاز کرتا ہے، اور جو شخص صبر کرنا چاہتا ہے خدا اس کو صبر دیتا ہے، خدا نے صبر سے بڑا عطیہ کسی کو نہین دیا،

فقر و فاقہ کی حالت مین عام آدمیون سے اعانت کی درخواست کرتے پھرنا بھی خودداری کے منافی ہے، اسلام نے اس کی بھی ممانعت کی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص محتاج ہو کر اپنی احتیاج کو انسانون کے سامنے پیش کرتا ہے، اس کی احتیاج دور نہین ہوتی، لیکن جو شخص اُس کو خدا کے سامنے پیش کرتا ہے ممکن ہے کہ خدا اس کو بے نیاز کر دے، خواہ مرگِ ناگہانی کے ذریعہ سے، خواہ فوری مال کے ذریعہ سے۔

روزمرہ کے معمولی کامون مین لوگ ایک دوسرے سے اعانت کی درخواست کرنا بُرا نہین جانتے، لیکن کمالِ خودداری یہ ہے کہ اس قسم کی باتون مین بھی احتیاط قائم رہے، مثلاً اگر ایک شخص کسی سے کہے کہ ٹوپی اٹھا دو، میز پر کتاب رکھ دو تو گو بظاہر یہ سوال خودداری کے منافی نہین معلوم ہوتا، لیکن اگر وہ ناگواری یا سختی سے اس کا انکار کر دے تو یقیناً اُس شخص کی خودداری کو صدمہ پہنچے گا، اسی لئے کمال خود

یہ ہے کہ اس قسم کی درخواستوں سے بھی احتراز کیا جائے، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں سے چند باتوں پر بیعت لی جن میں ایک بات یہ تھی،

لَا تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا، تم کسی سے کوئی چیز نہ مانگنا،

ان میں سے بعض صحابہؓ نے اس شدت سے اس کی پابندی کی کہ زمین پر اُن کا کوڑا اگر جاتا تھا تو بھی کسی سے اس کے اٹھانے کی درخواست نہیں کرتے تھے،

ایک دفعہ ایک محتاج آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی اجازت طلب کی، آپ نے پہلے تو اس کی اجازت ہی نہیں دی، پھر فرمایا کہ "اگر تم کو سوال ہی کرنا ہے تو صالحین سے سوال کرو"[1] صالحین کی تخصیص غالباً اسی لئے کی گئی ہو کہ یہ لوگ باعزت طریقہ پر سوال پورا کریں گے، ورنہ رفق و ملاطفت کے ساتھ اس کو رد کر دیں گے،

ان تمام تصریحات سے واضح ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اسلام اور ایمان کی نعمت وہ عزت اور وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں ساری نعمتیں اور دولتیں ہیچ ہیں، جو مسلمان ہے وہ خدا کے سوا کسی کی پروا نہیں کرتا، وہ کسی کے سامنے نہیں جھکتا، وہ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا، اور بحیثیت مسلمان کے وہ اپنا پایہ ساری دنیا سے بلند سمجھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ عزت صرف خدا کے لئے ہی اور اس کی عطا سے رسول کے لئے ہے، اور اس کے واسطے سے مسلمانوں کے لئے ہے، اس خودداری کو قائم رکھنا اسلام کی عزت کو قائم رکھنا ہے، اور اسی فیض تعلیم کا یہ اثر ہے کہ آج بھی ہماری زبان پر یہ فقرہ

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کراہیۃ المسئلۃ و باب فی الاستعفاف میں یہ کل حدیثیں ہیں،

Marfat.com

چڑھا ہے کہ جب ہم کسی مسلمان کو عار دلانا چاہتے ہین، تو یہ کہہ کر کہ اس کی اسلامی خودداری کو بیدار کرتے ہین کہ مسلمان ہو کر ایسا کرتے ہو؟ گویا مسلمان ہونا ایک ایسی عزت ہے جس کے برقرار رکھنے کے لیے اس کو ہر قسم کی بُرائی سے پاک اور ہر دنائت اور پستی کے کام سے بلند ہونا چاہیے،

اس باب کا خاتمہ ہم ایک خاص واقعہ پر کرنا چاہتے ہین جس سے اسلامی خودداری کی حقیقت ظاہر ہوگی کہ وہ تزک و احتشام تکلف و تصنع اور جاہ و حشم کی نمایش کا نام نہین، بلکہ یہ ہے کہ نفس کے تواضع اور دل کی خاکساری کے ساتھ اسلام کی عزت اور حق کا فخر اس کو اتنا اونچا کر دے کہ اگر وہ غریب و مفلس اور کمزور بھی ہو، تو وہ ہر ظاہری قوت کے سامنے بے نیاز اور باطل طاقت کے مقابلہ مین سربلند رہے، اور اگر وہ صاحب امارت و حکومت ہو تو اپنے رعب و دبدبہ کے لئے ظاہری نمایشی چیزون کے بجائے حق کی طاقت کو کافی سمجھے، بیت المقدس کی فتح کے موقع پر حضرت عمرؓ رومیون سے بیت المقدس کی کنجی لینے کو شام جا رہے تھے، جب شہر کے قریب پہنچے تو سپہ سالار اسلام حضرت ابوعبیدہؓ کچھ مسلمانون کو لے کر استقبال کو نکلے، جب یہ جلوس ایک ایسے مقام پر پہنچا جہان کچھ پانی تھا، تو حضرت عمرؓ ناقہ سے اُتر آئے، پاؤن سے چرمی موزے نکال کر اپنے کندھے پر ڈال لئے، اور ناقہ کی مہار پکڑ کر پانی مین گھسے، اور اسی شان سے اسلام کا فرمانروا اور مسیح کے مقدس شہر مین داخل ہونے کے لئے بڑھا، حضرت ابوعبیدہؓ نے عرض کی یا امیرالمومنین آپ یہ کیا کر رہے ہین کہ موزے اتار کر اپنے کاندھے پر ڈال لئے ہین، اونٹنی کی نکیل آپ

Marfat.com

کے ہاتھ مین ہے، اورآپ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اُس کو پانی مین لے چل رہے ہین، یہ وہ موقع ہے کہ سارا شہر آپکے دیکھنے کو اُمنڈ آیا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا اے ابوعبیدہؓ! اگر تمھارے سوا کوئی اور یہ بات کہتا تو مین اس کو سزا دے کر اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عبرت بناتا! ہم سب سے ذلیل قوم تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسلام سے ہماری عزت بڑھائی، تو جو عزت خدا نے ہم کو دی ہے، اُس کو چھوڑ کر کسی اور چیز کے ذریعہ سے ہم عزت چاہین گے تو خدا ہمین ذلیل کرے گا،[1]

---

[1] مستدرک حاکم جلد اوّل ص ۶۲ کتاب الایمان علیٰ شرط الصحیحین،

Marfat.com

شجاعت اور بہادری

قَدِیْر (قدرت والا) قَادِر، مُقْتَدِر، قَوِی، جَبَّار (جس کو کوئی پچھاڑ نہ سکے) قَاہِر (جو ہر کوئی کو دبا دے) غالب اور عزیز اللہ تعالیٰ کے کمالی اوصاف ہیں، جب کسی بندے میں ان اوصاف کا کچھ پرتو پڑتا ہے تو اس میں اخلاقی وجسمانی شجاعت پیدا ہوجاتی ہے؛

تمام مذاہب میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے اپنے پیروؤں میں شجاعت وبہادری کے جوہر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اسلام سے پہلے دنیا کی عام حالت پر نظر کرکے لوگوں میں یہ خیال پیدا تھا کہ چونکہ ہر قسم کا ظلم وستم اور خون ریزی اسی قوت کا نتیجہ ہے، اس لئے یہ مٹانے کے قابل ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم نے یہ نکتہ سوجھایا کہ قوت بذاتہٖ کوئی بری چیز نہیں، بلکہ اس کے استعمال کا موقع برا ہوتا ہے، اس لئے تعلیم محمدی نے بہادری وشجاعت کو سراہا، اور اس کے موقعوں کی تعیین کی کہ اس کو حق کی مدد اور باطل کو مٹانے کے لئے کام میں لانا چاہئے، کیونکہ اگر نیکوں میں یہ قوت نہ ہو تو وہ ظلم وستم کی روک تھام اور باطل قوتوں کا بہادرانہ مقابلہ نہ کرسکیں، اور نہ اسلام کا مقدس فریضہ جہاد

کامیاب ہوسکے،

اُن مسلمانون کی جو سختیون اور مصیبتون کا بہادرانہ مقابلہ کرین، اور لڑائیون مین داد مردانگی دین، اللہ تعالیٰ تعریف فرماتا ہی

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ	اور جو سختی اور تکلیف اور لڑائی
الضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ	کے وقت ثابت قدم رہین، وہی لوگ
الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ	ہین جو سچے ہوئے، اور وہی متقی
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ ۲۲)	ہین،

اس سے معلوم ہوا کہ جنگ آپڑے تو اُس مین ثابت قدمی اور بہادری وہ صفت ہی جو اپنے موصوف کو راست باز اور متقی بننے مین مدد دیتی ہے، کیونکہ ہر وہ شخص جو کسی جماعت اور ملت کا فرد ہو، وہ زبان سے کہے یا نہ کہے اس کا یہ فرض سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت مین اپنی جان تک کی بازی لگا دے، اور جب وہ ایسا کر گذرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور ملت کی نظر مین راست باز اور سچا ٹھہرتا ہے، اور جو جذبہ اس کو اس فرض پر آمادہ کرتا ہے وہی اتقا کا منشا ہے، ایک اور موقع پر مسلمانون کو اس بہادری کی کھلی تعلیم ملتی ہے،

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ	اے ایمان والو جب تم کافرون سے
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ	میدان جنگ مین مقابل ہو تو اُن
الْاَدْبَارَ ۝ (انفال - ۱)	کو پیٹھ مت دو،

یعنی جب غنیم سے مقابلہ آن پڑے، تو ایمان والون کا فرض ہے کہ وہ اس مقابلہ مین پیٹھ پھیر کر

Marfat.com

بزدلی نہ دکھائین. بلکہ شجاعت اور بہادری کے ساتھ میدان مین قدم جمائے ڈٹے رہین، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو "ایمان والے" کہکر خطاب کیا ہے اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہی "ایمان" مسلمانون کی شجاعت اور بہادری کی روح ہے، کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ جو مسلمان نامرد اس دن بزدلی سے دشمن کو پیٹھ دکھائے گا وہ خدائے تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہوگا،

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ	اور جو ان کو اُس دن پیٹھ دے گا، مگر
اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا	یہ کہ لڑائی کا کوئی پیچ کرتا ہو، یا کسی
اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ	(مسلمان) دستہ سے جا ملتا ہو تو وہ
مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ	اللہ کا غضب لے پھرا، اور اس کا ٹھکانا
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (انفال-۲)	دوزخ ہی، اور وہ کتنا برا ٹھکانا ہی،

یہ تو سلبی تعلیم تھی یعنی یہ کہ کسی مسلمان کو میدان جنگ مین پیٹھ نہیں دکھانی چاہئے، اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ ان کو اس کے لئے ایجابی حکم دیتا ہی،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ	اے ایمان والو! جب تم کسی دستہ سے
فِئَةً فَاثْبُتُوْا، (انفال-۶)	مقابل ہو تو ثابت قدم رہو،

یعنی اپنی جگہ پر جم کر مقابلہ کرو، کوئی تم مین سے سوائے اس کے کہ لڑائی کی مصلحت ہو اپنی جگہ سے نہ ہٹے،

مسلمانون کی تعریف مین فرمایا کہ وہ کافرون کی قوت کو کبھی خاطر مین نہین لاتے،

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (فتح-۴)	وہ کافرون پر زور آور ہین،

اَشِدَّآءُ کا ترجمہ اس آیت مین زورآور، زورمند اور قوی دست کیا جا سکتا ہی، اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کو حق کے اور خصوصًا اپنے دین کے مخالفون کے مقابلہ مین طاقتور اور قوی دست ہونا ضروری ہے، ایک اور آیت مین ارشاد ہے،

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ	اور اُن کے لئے تم سے جو ہو سکے، یعنی
مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ	زور و قوت اور گھوڑے باندھنا تیار
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ	رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنون اور
عَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ	اپنے دشمنون کو اور دوسرون کو جنھین
لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ	تم نہین جانتے، اللہ جانتا ہے، مرعوب
(انفال - ۸)	کرو،

اس "قوت" کے لفظ کی تفسیر اس زمانہ کے سامان جنگ و قتال سے کی گئی ہے مثلًا قلعون کی تعمیر اور تیراندازی، مگر یہ تخصیص صرف زمانہ کے اعتبار سے ہے ورنہ معنی مفسرین نے اس کو عام رکھا ہی، اور ہر قسم کے اسلحہ اور سامان کو اس میں داخل کیا ہی[۱] غرض اس آیت مین اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو سپاہیانہ جوہر پیدا کرنے اور جنگی سامان و اسلحہ تیار رکھنے، اور اُن کے استعمال کے طریقون کو جاننے کی ہدایت فرمائی ہے تاکہ حق کے دشمن اُن کی تیاری سے مرعوب اور خوف زدہ ہین، اور اُن سے معاہدہ کرکے توڑنے کی ہمت نہ کر سکین،

برخلاف اس کے بزدلی اور کمزوری کی بُرائی کی گئی ہے، بدر کے موقع پر کچھ مسلمان جنگ

[۱] تفسیر طبری آیت مذکور،

Marfat.com

کے نام سے جو اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی دفعہ کی جا رہی تھی، متوحش ہو رہے تھے، اس پر وحیِ الٰہی نے ان کا ذکر مذمت کے ساتھ کیا،

كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ	گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے
وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ (انفال-۱)	ہیں، اور وہ دیکھ رہے ہیں،

سورۂ احزاب میں منافقوں کی دلی کمزوری کا یہ نقشہ کھینچا ہے،

فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ	جب ڈر کا وقت آئے تو اُن کو تو
يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ	دیکھے کہ تیری طرف ٹکر ٹکر دیکھتے ہیں
اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ	اُن کی آنکھیں گردش کھاتی ہیں جیسے
مِنَ الْمَوْتِ، (احزاب-۲)	کسی پر موت کی غشی آجائے،

سورۂ محمد میں اُن کے دل کمزوری کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے،

فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ	جب اُتری کوئی ثابت سورت اور
وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَاَيْتَ	مذکور ہو، اس میں لڑائی تو تو اُن کو
الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ	جن کے دلوں میں روگ ہے، دیکھے گا
يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ	کہ تکتے ہیں تیری طرف جیسے ٹک ٹکی
عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ	لگائے، وہ جس پر موت کی بیہوشی ہے،
(محمد-۳)	سو خرابی ہو اُن کی،

ایک اور آیت میں یہ نقشہ اس طرح کھینچا گیا:

Marfat.com

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ	اور جب تو انھیں دیکھے، تو اُن کے
وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ	بدن اچھے معلوم ہوں اور اگر بولیں تو
كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ	اُن کی بات تو سنے، جیسے ٹیک سے کھڑی
یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ ؕ	لکڑی کی ہوئی لکڑیاں ہیں، جو کوئی
(منافقون - ۱)	چیخے سمجھیں ہم ہی پر کوئی آفت آئی،

اس آیت نے یہ بتایا کہ بہادری اور شجاعت بدن کی فربہی اور موٹاپے سے نہیں بلکہ دل کی طاقت سے ہے، جس سے منافق محروم ہیں، دیکھنے میں تو اُن کے بدن بڑے سجیلے اور گٹھے ہوئے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں، مگر دل کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر ذرہ کوئی چیخ دے تو گھبرا اٹھیں، ان کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی لٹھوں کو ٹیک لگا کر کھڑا کر دے، دیکھنے میں تو یہ بڑے لمبے تڑنگے اور موٹے تازے ہیں، مگر چونکہ اُن کی جڑیں مضبوط نہیں، اسلئے ذرہ ٹھیلنے سے دھڑ سے زمین پر آرہتے ہیں،

اسلام اپنے پیرووں میں شجاعت و بہادری کا جوہر پیدا کرنا چاہتا ہے، گو اس میں مادی و جسمانی شجاعت سے یکسر اعراض و تغافل نہیں ہے لیکن اُس نے اپنی شجاعت و بہادری کی بنیاد اس پر کھڑی نہیں کی ہے، اسی لئے اوپر کی آیت میں دیکھئے کہ منافقین کے جسمانی طول وعرض اور موٹاپے کا مضحکہ اُڑایا ہے، کہ چونکہ ان کا یہ دکھاوے کا قالب ایمان و یقین کی روح سے خالی ہے، اس لئے اُن میں شجاعت اور بہادری نہیں، اسی بنا پر وہ اپنے پیرووں میں شجاعت اور بہادری کا جوہر پیدا کرنا چاہتا ہے، اس کی بنیاد چند مضبوط عقائد پر

رکھی ہو جو صحیح ایمان اور غیر متزلزل یقین کے لازمی نتیجے ہین،

۱- جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کے حکم سے ہوتا ہے، اُس کے حکم کے بغیر کچھ نہین ہوسکتا، اس لئے تعداد کی قلت وکثرت کوئی چیز نہین، صرف فضلِ الٰہی اور نصرت خداوندی چاہئے،

۲- ہر آدمی کی موت کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے، جب وہ آجائے تو وہ کسی کے ٹالے نہین سکتی، اور جب تک وہ آئے اس کو کوئی مار نہین سکتا،

۳- خدا کی راہ مین مارا جانا، زندگی کا بہترین مصرف ہے، اس خون کے پانی سے گناہ کا سارا دفتر دھل جاتا ہے، اور جو اس غزا مین مارا نہین گیا، وہ بھی بڑے بڑے ثوابون کا مستحق ہے،

تعداد کی قلت کثرت

تعداد کی قلت و کثرت پر جدّوجہد کی کامیابی و ناکامی کا انحصار سراسر فریب ہے، کامیابی و ناکامی تعداد کی کمیت پر نہین، بلکہ جدّوجہد کرنے والون کی ایمانی و اخلاقی کیفیت پر منحصر ہے، تعداد گو کتنی ہی چھوٹی ہو اگر اس مین ایمان و یقین کی قوت موجود ہے تو بفضلِ خدا وہ بڑی سے بڑی تعداد پر غلبہ پا سکتی ہے، اس فلسفہ کو حضرت طالوت کے چھوٹے سے لشکر کے سلسلہ مین قرآن نے ان مختصر لفظون مین سمجھا دیا ہی،

کَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيرَةًۢ بِإِذۡنِ اللّٰهِ (بقرہ - ۳۳)	کتنی بار چھوٹا دستہ خدا کے حکم سے بڑی فوج پر غالب آگیا ہے،

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو آمادہ جہاد کرتے ہین تو دل کے کمزور کہتے ہین کہ ہم تو اُن سے نہین لڑین گے، اِنَّ فِيهَا قَوۡمًا جَبَّارِينَ ۝ (مائدہ - ۴) اس مین تو

Marfat.com

ایک زبردست قوم بستی ہے"، اس وقت اُن کی اُمّت کے دو مسلمان اُن کو سمجھاتے ہیں،

فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (مائدہ ۔۴)

تو جب تم شہر کے پھاٹک میں گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو، اور اللہ پر بھروسہ کرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو،

بدر اور اُحد کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کے اس راز کو بار بار ظاہر فرمایا ہے، ارشاد ہوا،

وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال ۔۲)

اور تم کو تمہارا جتھا کچھ کام نہ آئے گا، اگرچہ تعداد میں بہت ہو، اور اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے،

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (اٰل عمران ۔۱۷)

تو جب ارادہ پکا ہو چکا تو اللہ پر بھروسہ کر، بیشک اللہ توکل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے، اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہوگا، اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے گا، تو اس کے بعد کون تمہاری مدد کرے گا، اور مومنوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسا کریں،

فتح و شکست حکمِ الٰہی پر موقوف ہے اور مدد اسی طرف سے آتی ہے،

Marfat.com

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اور مدد نہین ہے مگر اللہ ہی کی طرف
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (انفال ۱۰)	سے ، بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے

تعداد کی قلت کی تلافی ایمان کی قوت سے ہوتی ہے، یہ راز اللہ تعالی نے مسلمانون کو صرف ایک نظریہ کی حیثیت سے نہین بتایا، بلکہ اُس کو قاعدہ بنا کر ہمیشہ کے لئے خوشخبری سنا دی، فرمایا کہ ایک پکا مسلمان اپنے دس گنے کے مقابل ہے ثابت قدم دس مسلمان سو پر اور بیس ایسے مسلمان دو سو کی فوج پر بھاری ہون گے ،

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ	اے پیغمبر! مومنون کو لڑائی کا شوق
عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ	دلا ، اگر تم مسلمانون مین سے بیس مرد
عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا	(ثابت قدم) ہون تو وہ دو سو پر
مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ	غالب ہون ، اور اگر تم مین سے سو
يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ہون تو ہزار کافرون پر غالب ہون
بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (انفال ۹)	کیونکہ وہ سمجھ نہین رکھتے ،

ثابت قدم مسلمانون کے غالب آنے اور کافرون کے شکست کھا جانے کی وجہ بھی بتا دی کہ مسلمانون کے دل مین خدا پر صبر و توکل کی قوت ہے ، اور کافرون کے دل ایمان کے اس فہم و بصیرت سے محروم ہین ،

اس کے بعد اس آزمائش کی سختی مین تھوڑی سی نرمی کر دی گئی ، پھر بھی یہ نرمی وہ ہوئی جو آج بھی مردانگی و بہادری کی کسوٹی ہے ، یعنی یہ کہ ایک مسلمان اپنے سے دو چند کا مقابلہ

کرے، اور اُس کے قدم نہ ڈگمگائیں،

فَإِنْ يَكُنْ مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ	تو اگر تم سے سو صابر (ثابت) رہیں
يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ	تو دو سو پر غالب ہوں، اور اگر تم
أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ	سے ہزار ہوں تو دو ہزار پر بحکم خدا
وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○	غالب ہوں، اور اللہ صابروں کے
(انفال - ۹)	ساتھ ہے،

اس تعلیم کے نشہ کی تیزی اور تندی دیکھو کہ آج بھی یہ یقین بحمداللہ مسلمانوں میں پیدا ہے کہ ایک مسلمان لڑائی میں دو کافروں پر بھاری ہے، اور وہ اپنے اس یقین و ایمان کی بدولت اپنے سے دونی تعداد کی پروا نہیں کرتا، اور خدا کی مدد پر ہمیشہ بھروسا رکھتا ہے، اس کا اثر یہ ہے کہ کافروں کے دلوں میں اُن کا وہ رعب بیٹھا ہے جس کا وعدہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے سے ہے کہ

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا	ہم کافروں کے دلوں میں (تمھارا)
الرُّعْبَ ○ (آلِ عمران - ۱۶)	رعب ڈال دیں گے،
سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا	میں کافروں کے دلوں میں (تمھارا)
الرُّعْبَ، (انفال - ۲)	رعب ڈال دوں گا،

خدا نے یہ وعدہ پورا بھی کیا، چنانچہ یہود جن کو اپنے قلعوں اور لڑائی کے سامانوں پر بڑا گھمنڈ تھا مسلمانوں سے ایسے مرعوب ہوئے کہ بے لڑے بھڑے ہتھیار ڈال دیے

پر مجبور ہوئے،

وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ	اور اُن کے دلون مین اللہ نے رعب
(احزاب ۔۳)	ڈال دیا،
وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ	اور اُن کے دلون مین اللہ نے رعب
(حشر ۔ ۱)	ڈال دیا،

اور جب تک مسلمانون مین ایمان کی یہ قوت باقی ہے خدا کا وعدہ پورا ہوتا رہیگا،

موت کا وقت مقرر ہے

انسان کی کمزوری کی اصلی وجہ موت کا ڈر ہے، اس زہر کا تریاق اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر آدمی کی موت کا ایک وقت مقرر ہے، جو نہ ٹالے ٹل سکتا ہے، نہ بلائے آسکتا ہے، اس لئے کسی خطرہ کے مقام سے بھاگنے کی کوئی وجہ نہین ہے، وحیِ محمدی نے مسلمانون کو اس عقیدہ کی بار بار تلقین کی ہے، یہانتک کہ یہ چیز مسلمانون کی رگ رگ مین سرایت کر گئی ہے، غزوۂ اُحد مین مسلمانون کے پاؤن اکھڑ گئے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی، اور اس عقیدہ کو یاد دلایا،

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ	اور کسی جان کے بس مین نہین کہ اللہ
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا	کے حکم کے سوا وہ مرسکے، لکھا ہوا وقت
(آلِ عمران ۔ ۱۵)	مقرر ہے،

جب اللہ کا حکم ہوگا تب ہی کوئی مرسکتا ہے، پھر موت سے خوف کیون ہو، اس سے بزدلی کیون چھائے، جنگِ احزاب مین جب منافقون کو گھبراہٹ ہوئی

Marfat.com

خدا نے فرمایا،

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ (احزاب-۲)

(اے پیغمبران سے) کہہ کہ اگر تم موت سے یا مارے جانے سے بھاگے بھی تو یہ بھاگنا تم کو کام نہ آئے گا،

یہ خیال کرنا کہ اگر ہم اس لڑائی میں شریک نہ ہوتے تو مارے نہ جاتے سراپا غلط ہے، جن کی قسمت میں یہاں موت لکھی تھی، وہ خود آکر اپنے اپنے مقام پر مارے جاتے فرمایا

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ (آلِ عمران-۱۶)

(اے پیغمبران سے) کہہ دے کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا، وہ آپ نکل کے اپنے پڑاؤ پر آجاتے،

یہ سمجھنا کہ چونکہ لڑائی میں شریک ہوئے اس لئے مارے گئے، یوں بھی غلط ہے کہ مارنا اور جلانا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہے موت دے اور جس کو چاہے جیتا رکھے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم کافروں جیسا عقیدہ نہ رکھو جو یہ کہتے ہیں

لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ط

اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے، اور یہ خیال اس لئے ان کے دل میں آتا ہے تاکہ اللہ ان کے اس

(آل عمران - ۱۷) خیال کو اُن کی دلی حسرت بنائے،

(اور (واقعہ تو یہ ہے کہ) اللہ جلاتا اور

کچھ کمزور لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ مقتول لڑائی میں نہ جاتا تو مارا نہ جاتا، اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ اگر اُن کی یہ بات سچ ہے تو وہ اپنی موت ٹال سکتے ہوں، تو ٹال لیں،

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ — اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ه (آل عمران ۱۷) — ہٹا تو لو،

جو مسلمان ذرا دل کے کمزور تھے اُن کے خطرہ کا ذکر کر کے اُن کی تشفی کی گئی،

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ — پھر جب اُن کو لڑائی کا حکم ہوا تو

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ — ناگہاں اُن میں سے ایک گروہ لوگوں

النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ — سے ایسے ڈرنے لگے، جیسے خدا سے ڈر

خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ — ہوا یا اس سے بھی بڑھ کر، اور کہنے لگے

عَلَيْنَا الْقِتَالَ ج لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ — کہ اے ہمارے پروردگار تو نے کیوں

اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ — فرض کی ہم پر لڑائی، کیوں نہ ہم کو

الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ — تھوڑے دن اور مہلت دی (اے

لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ — پیغمبر) جواب دے کہ دنیا کا فائدہ

فَتِيْلًا ه اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا — تھوڑا ہے، اور آخرت پرہیزگار

يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ — کے لئے بہتر ہے، اور تمہارا حق ذرا بھی

Marfat.com

فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ (نساء - ۱۱) | دبایا نہ جائے گا، جہان تم ہوگے، موت تم کو پالے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعون مین ہو۔

غرض کہین بھی تم جا کر رہو، موت سے چھٹکارا نہین، پھر میدانِ جنگ سے تم کیون گھبراؤ، بلکہ اُن مجاہدون کی طرح بنو جن کا ایمان جہاد کا نام سُن کر اور تازہ ہو جاتا ہے،

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ، (اٰل عمران - ۱۸) | وہ جن سے لوگون نے کہا کہ تم سے لڑنے کے لئے لوگون نے بڑا سامان کیا ہے، سو تم اُن سے خوف کرو، تو اس نے اُن کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور بول اُٹھے کہ ہم کو خدا کافی ہے، اور وہ کیسا اچھا کارساز ہے،

شہادت اور غزا کا رتبہ | میدانِ جہاد مین شرکت سے جو دوسری چیز باز رکھ سکتی تھی وہ دنیا کے عیش و آرام کا خیال ہے، اسلام کی تعلیم نے اس خیال کا بھی قلع وقمع کر دیا ہے اس کی تعلیم ہے کہ مجاہدون کی جان و مال اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اس کی خوشی و رضا اور جنت کے بدلہ مین بکا ہوا ہے، اور وہان انکے لئے وہ کچھ مہیا ہے جس کے سامنے یہان کا بڑا سے بڑا عیش وآرام بھی ہیچ ہے،

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ | اللہ نے مسلمانون سے اُن کی جانون کو اور مالون کو اس قیمت پر خرید لیا ہے

Marfat.com

الجنۃ ط یقاتلون فی سبیل	کہ اُن کے لئے جنت ہے، اللہ کی راہ
اللہ فیقتلون ویقتلون ،	میں لڑتے ہیں، پھر مارتے ہیں اور
(توبہ - ۱۱۱)	مارے جاتے ہیں،

اس سے پہلے سورۂ نساء میں اہلِ ایمان کو جو آخرت کے لئے دنیا کا سودا کر چکے ہیں، اعلان ہے،

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین	تو جو دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے بیچتے
یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ	ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑیں، اور
ومن یقاتل فی سبیل اللہ	جو اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے
فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ	یا وہ غالب ہو، تو ہم اس کو بڑی مزدوری
اجرا عظیما ۵ (نساء - ۱۰۰)	دیں گے،

اُن کے گناہ کے سارے دفتر دُھل جائیں گے،

فالذین ھاجروا واخرجوا	تو جو لوگ اپنے وطن سے چھوٹے اور
من دیارھم واوذوا فی	اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور میری
سبیلی وقتلوا وقتلوا	راہ میں ستائے گئے، اور لڑے اور مارے
لاکفرن عنھم سیاتھم	گئے، اُتاروں گا اُن سے اُن کی بُرائیاں
ولادخلنھم جنت (آل عمران - ۲۰)	اور داخل کروں گا اُن کو جنت میں

شہیدوں نے اس راہ میں اپنی جو سب سے بڑی دولت نثار کی وہ اُن کی زندگی تھی،

Marfat.com

وہ اُن کو از سرِ نو اسی وقت دے دی جائے گی، اس عقیدہ کی تعلیم نے اس خیالِ باطل کا کہ شہید مر جاتے ہین ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا، اور کہہ دیا گیا کہ اُن کو مردہ نہ خیال کرو، وہ خدا کے پاس زندہ ہین،

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا	اور جو خدا کی راہ مین مارے گئے اُن کو
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ	مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہین اپنے
اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ	رب پاس روزی پاتے ہین، اللہ نے
فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ	اُن کو اپنی مہربانی سے جو دیا اُس سے
فَضْلِهٖ (آل عمران - ١٧)	خوش ہین،

اُن کی اس زندگی کو گو اس دنیا کے لوگ جان نہین سکتے پھر بھی اُن کو زبان سے بھی مردہ نہین کہنا چاہئے،

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ	اور جو خدا کی راہ مین مارے جائین
سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ	اُن کو مردہ نہ کہو، بلکہ زندہ ہین لیکن
وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بقرہ - ١٩)	تم کو اس کی خبر نہین،

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

لیکن جہاد کے یہ اوصاف اور انعامات اُن ہی کے لئے ہین جو فی سبیل اللہ خدا کی راہ مین صرف خدا کی خوشنودی کے لئے لڑتے ہون، اس تعلیم نے مجاہدین کی غرض و غایت کو اتنا اونچا کر دیا ہے کہ وہ ذاتی خود غرضیون اور نفسیاتی غیظ و غضب اور بہادری کی نیک

Marfat.com

نامی وغیرہ کے پست جذبات سے بالکل پاک کردی گئی ہے، اگر کوئی مال کے لئے کسی کو قتل کرے تو یہ کافروں کی سی جاہلانہ بات ہوگی، فرمایا،

تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۔ (نساء - ۱۳)	چاہتے ہو دنیا کی زندگی کا مال سو اللہ کے پاس بڑا مال غنیمت ہے، تم (اسلام سے) پہلے ایسے ہی تھے، تو خدا نے تم پر فضل کیا، (یعنی اسلام بخشا) تو اب تحقیق کرو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص مال غنیمت کے لئے لڑتا ہے، ایک شخص شہرت کے لئے لڑتا ہے، ایک شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کی راہ میں اس کی پامردی کی نمائش ہو، ایک شخص بہادری دکھانے کے لئے لڑتا ہے، ایک شخص حمیت سے لڑتا ہے، ایک شخص نمائش کے لئے لڑتا ہے، ایک شخص غصہ و انتقام کے لئے لڑتا ہے، تو آپ نے ان سب کا مشترک جواب دیا،

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ اَعْلٰى فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[1]	جو شخص اللہ کی بات سب سے بالا کرنے کیلئے لڑے اسی کا جہاد خدا کی راہ میں ہے

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص سے قیامت کے دن اس کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا، تو وہ کہے گا کہ اے خدا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہوا، خدا کہے گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، تم اس لئے لڑے کہ بہادر کہے جاؤ[2] سو تم اپنا اجر پاچکے، اور دنیا میں تم کو بہادر

[1] صحیح مسلم و صحیح بخاری کتاب الجہاد باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا فہو فی سبیل اللہ،

[2] صحیح مسلم کتاب الجہاد باب من قاتل للریاء والسمعۃ استحق النار، وجامع ترمذی،

Marfat.com

کہا جا چکا" غرض جس شجاعت کا مقصود اصلی ریا و نمایش ہو اس کو اسلام نے مذموم قرار دیا ہے لیکن اگر جہاد میں اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ ضمناً فخر کا بھی اظہار ہو جائے تو اسلام نے اس کو برا نہیں کہا ہے[۵۱] کیونکہ اس فخر کا منشا بھی کلمۂ حق کی بلندی کا اظہار ہے،

یہی وجہ ہو کہ اسلام نے جہاد کے میدان میں کبر و تبختر کے شجاعانہ پہلوؤں کو پسند کیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ "بعض ناز و تبختر کو خدا ناپسند اور بعض کو پسند کرتا ہے، خدا جس ناز و تبختر کو پسند کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص لڑائی کے وقت اترائے[۵۲]" کیونکہ اس سے دشمنوں پر رعب و داب قائم ہوتا ہے، اور دوستوں میں مستعدی و سرگرمی پیدا ہوتی ہے، ایک صحابی نے ایک کافر پر حملہ کیا، اور شجاعانہ فخر و غرور کے لہجہ میں کہا لو میں ابن اکوع ہوں" حافظ ابن حجر اس فقرہ کی شرح میں لکھتے ہیں،

"یہ فقرہ اس فخر سے الگ ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ سا ئت کا اقتضا یہی تھا، اور وہ اس ناز و تبختر سے قریب ہے، جو لڑائی میں جائز ہے، اور دوسرے موقعوں پر جائز نہیں[۵۳]"

غزوۂ حنین میں جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا، تو آپ نے خود عزم و ثبات کے عربی لہجہ میں فرمایا،

انا النبی لا کذب انا ابن ... میں پیغمبر ہوں جھوٹا نہیں، میں ...

---

۵۱ فتح الباری جلد ۶ ص ۲۲، شرح حدیث مذکور ۵۲ ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الخیلاء فی الحرب
۵۳ فتح الباری جلد ۶ ص ۱۱۲

Marfat.com

عبد المطلب،　　　　عبدالمطلب کا بیٹا ہون،

یعنی مین سچا پیغمبر ہون، اس لئے میدان سے نہ بھاگون گا، نہ ہٹون گا، چنانچہ اس وقت غنیم کے تیرون کی بارش سے گو اور لوگ ہٹ گئے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ سے جنبش نہین فرمائی،[1]

صحابہ کہتے ہین کہ ہم مین سب سے بہادر وہ سمجھا جاتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہوتا تھا،[2] وہ یہ بھی کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت بہادر تھے، ایک بار اہل مدینہ کے دلون مین کسی طرف سے حملہ کا خوف پیدا ہوا تو سب سے پہلے جو اُدھر بڑھا وہ خود سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ تھے، آپ تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگا آئے، اور واپس آکر فرمایا کہ خوف کی کوئی بات نہین[3]، ایک موقع پر جب بدوؤن نے آپ کو عطیہ کے لئے گھیر لیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ کو بخیل، جھوٹا، اور بزدل نہ پاؤگے[4]، بزدلی اسلام مین ایسا سخت اخلاقی عیب ہے جس سے پناہ مانگنی چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاؤن مین جن چیزون سے پناہ مانگی ہے اُن مین بزدلی بھی ہے، چنانچہ روایت مین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیچارگی (عجز) کاہلی (کسل) بزدلی اور بڑھاپے سے کہ یہ بھی بیچارگی کی ایک قسم ہے پناہ مانگتے تھے، دوسری روایت مین ہے کہ آپ ہر نماز کے بعد ان چیزون سے پناہ مانگتے تھے[5]، ایک روایت

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین و کتاب الجہاد باب بغلۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] صحیح مسلم باب غزوۂ حنین [3] صحیح بخاری کتاب الجہاد و کتاب حمائل و تعلیق السیف بالعنق [4] بخاری کتاب الجہاد باب الشجاعۃ فی الحرب والجبن [5] بخاری کتاب الجہاد باب ما یتعوذ من الجبن،

Marfat.com

میں ہو کہ انسان میں سب سے بڑی بداخلاقی گھبرا دینے والا بخل اور دل ہلا دینے والی بزدلی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی صحابی نے ایک خط لکھ کر بھیجا تھا، اس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب دشمن سے مقابلہ آ پڑے تو ثابت قدم رہو۔" اسی خط میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بلیغ فقرہ بھی ہے، جو ساڑھے تیرہ سو برس سے مسلمانوں کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ،	یقین کرو کہ بہشت تلواروں کی چھاؤں میں ہے۔

سلہ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الجرأۃ والجبن۔ سلہ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الصبر عند القتال۔ سلہ ایضاً باب الجنۃ تحت بارقۃ السیوف و باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا لم یقاتل اول النہار اخر القتال۔

استقامت

استقامت کے لغطی معنی "سیدھا رہنے یا سیدھا چلے چلنے" کے ہیں، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جس بات کو حق سمجھا جائے اس پر قائم رہا جائے، مشکلیں پیش آئیں، مخالفین ہوں تیار جائے، ہر خطرہ کو برداشت کیا جائے، مگر حق سے منہ نہ پھیرا جائے، اور اس راستہ پر ثابت قدمی کے ساتھ چلا چلا جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کا حکم ہوتا ہے کہ

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	تمہارا معبود ایک ہی ہے، سو اس
فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ	کی طرف سیدھے رہو، اور اس سے
(حمٓ السجدۃ۔ ۱)	گناہ بخشواؤ،

یعنی ہماری عبادتیں اسی ایک کے لئے ہوں، اور ہماری توجہات کا وہی ایک مرکز ہو، اس سے کسی حال میں ادھر ادھر نہ مڑا جائے، سیدھے اسی کی طرف چلے چلنا ہے، اور آیت میں بارگاہ الٰہی سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو

Marfat.com

حکم ہوتا ہے کہ اسی راہ پر سیدھے چلے چلو، نہ راہ سے بہکو، نہ حکم ماننے سے سرکشی ہو،

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ — تو (اے پیغمبر!) تو سیدھا چلا چل جیسا

مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا — تجھ کو حکم ہوا، اور جس نے توبہ کی تیرے

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ — ساتھ، اور حد سے نہ بڑھو کہ وہ (اللہ)

(ھُود - ۱۰) — تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے،

عرب کا گرم ریگستان دینِ حق کی مخالفت میں غیظ و غضب کا بھڑکتا ہوا تنور بن گیا ہے، ذرہ ذرہ کی زبان سے رسولِ حق علیہ السلام کی دشمنی کی آواز نکل رہی ہے، اور عرب کی وسیع سرزمین مسلمانوں پر دم بدم تنگ ہوتی جاتی ہے، اس موقع پر رسولِ اسلام علیہ السلام اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کو اعلانِ حق، اور حق پر استقامت کی تاکید پر تاکید ہورہی ہے، ارشاد ہوتا ہے، اسی دینِ حق کی طرف سب کو بلاتے رہو، اور ثابت قدمی دکھاؤ، اور مخالفوں کی کسی خواہش کی پیروی نہ کرو،

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ — پس اسی کی طرف بلا، اور قائم رہ جیسا

كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ — تجھے فرمادیا، اور اُن کی خواہشوں کے

أَهْوَاءَهُمْ (شوریٰ - ۲) — پیچھے نہ چل،

ایسے ثابت قدموں کو جنہوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان کر ہر خوف و خطر کو اپنے دل سے نکال دیا ہے، یہ خوشخبری سنائی جارہی ہے کہ کامیابی تمہارے ہی لئے ہے، وہ دن آئے گا جب نہ تمہیں کسی کا ڈر ہوگا، اور نہ کسی چیز کا غم ہوگا،

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (احقاف-۲)	بے شک جنھوں نے کہا، ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر اچھے رہے، تو نہ ڈر ہے اُن کو اور نہ وہ غم کھائیں گے،

اُس دن جس دن ہیبت سے سب کے دل لرزتے ہوں گے، اُن کو جن کو استقامت اور ثابت قدمی کا اطمینان یہاں حاصل تھا، وہاں تسکین و تسلی کا اطمینان بھی حاصل ہوگا، ایسے ثابت قدموں کے کانوں میں اُن کی استقامت کی مزدوری میں فرشتوں کی بشارت سنائی دے گی،

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ (حم السجدہ-۴)	بے شک جنھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر جمے رہے، اُن پر فرشتے اترتے ہیں کہ خوف نہ کرو، غم نہ کھاؤ، اور اس بہشت کی خوشی سنو، جس کا تم سے وعدہ تھا،

ان ہی آیتوں کی شرح میں اس حدیث کو سمجھئے کہ ایک صحابی دریافت کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی بات بتائیے کہ میں اس سے چمٹ جاؤں، ارشاد ہوا کہو کہ میرا پروردگار اللہ ہے، پھر اس پر جم جاؤ، صحابہؓ نے ان لفظوں پر جس استقامت کے ساتھ عمل کیا، اور اپنی ایمانی اور اخلاقی بہادری کے جو کارنامے پیش کئے، ساڑھے تیرہ سو برس گذر

Marfat.com

گئے، مگر اُن پر تاریخ کی زبان سے برابر احسنت اور آفرین کی صدائیں بلند ہورہی ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احزاب کے سلسلہ میں ان کی استقامت کا ایک نقشہ کھینچا ہے، فرمایا:

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ
أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ
الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ
الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا
هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَ
زُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا،
(احزاب-۲)

جب کفار کی متحدہ فوجیں تمہارے
اوپر سے اور تمہارے نیچے سے آئیں
اور جب ڈگنے لگیں آنکھیں اور دل
گلے کو آنے لگے، اور تم اللہ سے طرح
طرح کے گمان کرتے تھے، وہاں ایمان
والے جانچے گئے، اور خوب جھڑجھڑائے
گئے،

اس کے بعد اس موقع پر منافقوں نے جو کمزوری دکھائی اس کی تفصیل ہے، اس کے بعد ہے:-

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ
قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَ
رَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَ
رَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا
إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا،
(احزاب-۳)

اور جب ایمان والوں نے کفار کی ان
متحدہ فوجوں کو دیکھا، تو بولے کہ یہ
وہی ہے جس کا وعدہ ہم کو دیا تھا
اللہ اور اس کے رسول نے، اور اللہ
اور اس کے رسول نے سچ کہا، اور اس نے
اُن کو یقین اور اطاعت میں اور بڑھا دیا۔

Marfat.com

اس کے بعد جن مسلمانون نے اس قسم کے خطرون مین اپنی کامل استقامت اور ثبات کا وعدہ کیا تھا، اور اس کو پورا کر دکھایا، اُن کی تعریف فرمائی جاتی ہے،

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا	ایمان والون مین بعض وہ مرد ہین،
مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ	جنھون نے خدا سے جس چیز کا عہد کیا
مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ	اس کو سچ کر دکھایا، تو اُن مین کوئی
يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا	تو اپنا کام پورا کر چکا، اور کوئی ان مین
	وقت کی راہ دیکھ رہا ہے، اور انھون نے
(احزاب - ۳)	ذرا بھی نہین بدلا،

یعنی بعض تو خدا کی راہ مین جان دے کر اپنا فرض انجام دے چکے، اور بعض ابھی زندہ ہین اور اس دن کی راہ تک رہے ہین جب وہ اپنی استقامت کا امتحان دین گے، اور ان تمام خطرون کے باوجود نہ تو منافقون کی طرح انھون نے اپنے دین و ایمان کو بدلا، اور نہ خدا سے جو عہد کر چکے تھے اس کو توڑا،

حق کی راہ مین مشکلات کا پیش آنا، اور اس مین مردان خدا کی استقامت کی آزمایش اللہ تعالیٰ کا وہ اصول ہو جو ہمیشہ سے قائم ہے، اور قائم رہے گا، اور جب تک اس مین کوئی شخص یا کوئی قوم پوری نہین اُترتی کامیابی کا منہ نہین دیکھتی، فرمایا،

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا	کیا تم کو خیال ہے کہ جنت مین چلے جاؤ گے
الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ	اور ابھی تم پر تم سے پہلون کے احوال

Marfat.com

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط مَسَّتْهُمُ	نہین آئے، اُن کو سختی اور تکلیف
الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا	پہنچتی رہی، اور جھڑجھڑائے گئے،
حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ	یہان تک کہ رسول اور جو اس کے
اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ط	ساتھ ایمان لائے کہنے لگے کہ اللہ
اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۰	کی مدد کب آئے گی، سُن رکھو اللہ
(بقرہ-۲۶)	کی مدد نزدیک ہے۔

پہلوں کی استقامت کا جو امتحان لیا گیا، اس کے دو واقعے قرآن نے بیان کئے ہیں، ایک تو طالوت کے مختصر سے لشکر کا ہے، کہ اس نے تعداد کی کمی اور پیاس کے باوجود غنیم کے بہت بڑے لشکر کا مقابلہ کیا، اور آخر کامیاب ہوا، اور اس عالم مین اس کی زبان پر یہ دعا جاری تھی،

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ	اے ہمارے پروردگار ہم مین ڈال دے
ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا	پوری مضبوطی اور جما ہمارے پاؤن
عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۰	اور اس کافر قوم کے مقابلہ مین ہماری
(بقرہ-۳۳)	مدد کر،

اور دوسرا واقعہ اصحاب الاُخدود کا ہے۔ احادیث[1] و سیر مین ہے کہ یمن مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے کچھ مخلص اور پکے مسلمان تھے، یہودیون نے اُن کو طرح طرح کی تکلیفین

[1] صحیح مسلم و سیرت ابن ہشام قصہ اصحاب الاخدود،

دین، اور آخر اُن کو گدڑھا کھود کر آگ مین جھونک دیا، مگر وہ دین حق سے برگشتہ نہ ہوئے،

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ	مارے جا یو کھائیان کھودنے والے
النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ اِذۡ هُمۡ	آگ بھری ایندھن سے، جب وہ
عَلَیۡهَا قُعُوۡدٌ ۙ وَّ هُمۡ عَلٰی مَا	اس (گدڑھے کے منھ) پر بیٹھے تھے اور
یَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ شُهُوۡدٌ ؕ	جو کچھ وہ ایمان والون کے ساتھ کر رہے
وَ مَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ	تھے، دیکھ رہے تھے، اور وہ ان سے
یُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ	بدلا نہین لیتے تھے، مگر اسی کا کہ یہ زبردست
(بروج ۔ ۱)	خوبیون والے خدا پر ایمان لے آئے تھے،

اگلون کی استقامت کے اُن احوال مین سے جن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے سامنے نمونہ کے طور پر پیش کیا، وہ واقعہ ہے کہ جس کو امام بخاری نے صحیح مین نقل کیا ہے، خباب بن ارت صحابی کہتے ہین کہ ایک دفعہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مصیبتون کا حال عرض کیا، اور درخواست کی کہ ہمارے لئے دعا کیجئے، چونکہ یہ بھی ایک قسم کی بے تابی کا اظہار تھا، اس لئے آپ نے فرمایا کہ "تم سے پہلے لوگون مین ایسا مرد بھی ہوا ہے جس کو زمین مین گاڑ دیا جاتا تھا، اور آرہ سے اُس کو چیر کر دو کر دیا جاتا تھا، مگر یہ اس کو دین حق سے روگردان نہین کرتا تھا، اور لوہے کی کنگھیون سے اس کا گوشت ہڈی سے نوچ کر تار تار کر دیا جاتا تھا، مگر یہ بھی اس کو اس کے دین سے ہٹا تا نہ تھا" [۱]

---

[۱] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام،

رسولِ اسلام علیہ السلام کی ان تعلیمات اور تلقینات کا جو اثر آپ کے ساتھیوں پر ہوا وہ اہلِ تاریخ سے چھپا نہیں، ان ہی خباب بن ارتؓ کا جو اس روایت کے راوی ہیں، یہ واقعہ ہے کہ اسلام کے جرم میں اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں، آخر ایک دن زمین پر کوئلے جلا کر اس پر اُن کو چت لٹا دیا گیا، اور ایک شخص اُن کی چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہوگئے،[1] حضرت خبابؓ نے مدتوں کے بعد حضرت عمرؓ کو اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی تو تانبے جیسے سونے کی طرح سنگدل قریش کے ظلم وستم کا یہ سکہ اُن کی پیٹھ پر چمک رہا تھا،

حضرت بلالؓ گرم جلتی بالو پر لٹائے جاتے، پتھر کی بھاری چٹان اُن کے سینہ پر رکھی جاتی گلے میں رسی باندھ کر زمین پر گھسیٹے جاتے اور کہا جاتا کہ اسلام سے باز آؤ اُس وقت بھی اُن کی زبان سے احد احد (ایک خدا ایک خدا) ہی نکلتا تھا حضرت خبیبؓ سولی پر لٹکائے جاتے ہیں، مگر خدا کی راہ میں جان کی یہ قربانی اُن کو اتنی پسند آتی ہے، کہ دوگانۂ شکر ادا کرتے ہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فقرہ جس کو آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے جواب میں کہا تھا، اس کی تاثیر اس وقت تک کم نہ ہوگی جب تک آسمان میں سورج اور چاند کی روشنی قائم ہے، فرمایا: چچا جان! اگر یہ کافر میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی دیدیں تب بھی میں اس دینِ حق سے باز نہ آؤں گا،

خود مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے کہ فرض کرو کہ اگر یہ رسول اس راہ میں

---

[1] ابن سعد جلد ۳ تذکرہ خبابؓ،

مرجائے، یا مارا جائے تو کیا تم اس راستہ سے جس پر تم چل رہے ہو الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ نہیں حق کسی کی موت وحیات سے وابستہ نہیں، اس کا ساتھ تم اس لئے دیتے ہو کہ وہ حق ہے،

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ	اور محمد تو ایک رسول ہے، اس سے
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ	پہلے بہت سے رسول ہو چکے، پھر کیا
اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ	اگر وہ مرگیا، یا مارا گیا، تو تم الٹے
عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ	پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو الٹے
عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ	پاؤں پھرے گا، وہ اللہ کا کچھ
شَيْــــًٔـا ۭ (آل عمران - ۱۵)	نہیں بگاڑے گا،

پھر اگلی امتوں کا حال سنا کر تسلی دی جاتی، اور صبر و ثبات اور استقامت کی تعلیم دی جاتی ہے،

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ	اور کتنے پیغمبر ہیں کہ ان کے ساتھ
رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا	ہو کر بہت سے خدا والے لوگ
لِمَآ اَصَابَھُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	لڑے، تو پھر ان کو خدا کی راہ میں
وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ	کچھ دکھ پڑا تو ہمت نہیں ہارے
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا	اور نہ کمزور ہوئے، اور نہ دب گئے،
كَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا	اور اللہ ثابت رہنے والوں کو پیار

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ

(اٰل عمران - ۱۵)

کرتا ہے، اور نہ تھا ان کا کہنا مگر یہی کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ اور ہم سے اپنے کام میں جو زیادتی ہوئی، اس کو بخش دے، اور ہمارے قدم جمائے رکھ، اور ہم کو کافر قوم پر مدد دے،

سچے اور مخلص مسلمانوں کی استقامت اور ثباتِ قدم کی یہی کیفیت ہونی چاہیے، اس ایمانی استقامت ہی کے برابر ایک اور چیز استقامتِ عمل ہے جس کا نام مداومت ہے یعنی جس خوبی اور بھلائی کے کام کو اختیار کیا جائے اُس پر مرتے دم تک مداومت کی جائے اس کو ہمیشہ اور ہر حال میں کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ کبھی کیجئے اور کبھی نہ کیجئے کہ اس سے طبیعت کی کمزوری اور اُس کام سے دل کا بے لگاؤ ہونا ظاہر ہوتا ہے، نماز پڑھنا انسان کے سب اچھے کاموں میں سب سے اچھا کام ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے تعریف ان مسلمانوں کی کی ہے جو اس پر مداومت رکھتے ہیں، فرمایا :-

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ٥

(معارج - ۱)

لیکن وہ نمازی جو اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں، (یعنی ہمیشہ پڑھا کرتے ہیں)

اخلاق کی یکسانی اخلاق کا بڑا جوہر ہے، اور اس کی مشق مداومتِ عمل سے

Marfat.com

ہوتی ہے، اسی لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بار بار اُس کی تلقین فرمائی ہے، اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کون سا عمل نیک سب سے زیادہ محبوب تھا، فرمایا "وہ نیکی جس پر مداومت کی جائے" خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "خدا کے نزدیک سب سے بہتر عمل وہ ہے جس کو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہو"[۱]

[۱] ۵۲ صحیح بخاری باب القصد والمداومة العمل،

حق گوئی

یہ اخلاقی وصف بھی درحقیقت شجاعت ہی سے تعلق رکھتا ہے، جس طرح میدان جنگ میں دونوں طرف کی مسلح فوجیں ایک دوسرے کے مقابل میں ہاتھ پاؤں سے شجاعت اور پامردی کا اظہار کرتی ہیں، بعینہ اسی طرح جب حق و باطل کے درمیان باہم معرکہ آرائی ہوتی ہے، تو دل اور زبان کی مشترکہ قوت سے حق کی حمایت میں جو آواز بلند کی جاتی ہے، اُسی کا نام حق گوئی ہے،

حق گوئی کا اظہار اس وقت سب سے زیادہ قابلِ ستایش سمجھا جاتا ہے جب مادّی طاقت کے لحاظ سے حق کمزور اور باطل طاقتور ہو، اور اسلام نے اسی قابلِ ستایش حق گوئی کی تعلیم دی ہے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے،

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ	پس تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو کھول کر
عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ	سنا دو، اور مشرکین کی مطلق پروا نہ کرو
الْمُسْتَهْزِئِيْنَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ	ہم تم کو تمھاری ہنسی اُڑانے والوں

Marfat.com

مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ۔ | کے مقابلہ میں جو خدا کے ساتھ دوسرے
(الحجر۔۶) | دوسرے معبود قرار دیتے ہیں کافی ہیں۔

یعنی اب مخفی طور پر دعوتِ توحید کا زمانہ گذر گیا، اور علانیہ اس کی دعوت دینے کا وقت آگیا، اس لیے کھلم کھلا خدا کے اس حکم کو بیان کرو، اور مشرکین اس کی ہنسی اڑائیں تو ان کے تمسخر و استہزار کی مطلق پروانہ کرو، بلکہ اُن کی قوت و طاقت کی بھی پروانہ کرو سب کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ بس ہے،

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کو جو چیز حق گوئی سے باز رکھتی ہے، وہ خوف ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں، ایک خوف تو لعنت ملامت کا ہے جس کو اس آیت میں بے اثر کیا گیا، اور ایک دوسری آیت میں اس کو مسلمانوں کا ایک معیاری اخلاقی وصف قرار دیا گیا ہے

وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ۔ | اور یہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی
(مائدہ - ۸) | ملامت سے نہیں ڈریں گے،

یعنی اہلِ ایمان حق کے اظہار میں لوگوں کے لعن و طعن کی پروانہیں کرتے،

لعنت ملامت کے ساتھ جان و مال اور بہت سی دوسری چیزوں کا خوف بھی انسان کو حق گوئی سے باز رکھ سکتا ہے لیکن اسلام نے حق گوئی کے مقابل میں ہر قسم کے خوف کو بے اثر کر دیا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کسی کو جب کوئی حق بات معلوم ہو تو اس کے کہنے سے چاہئے کہ انسانوں کا خوف مانع نہ ہو۔ ایک بار آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھے، صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ ہم میں

Marfat.com

کوئی شخص اپنے آپ کو کیونکر حقیر سمجھ سکتا ہے؟ فرمایا اس طرح کہ اس کو خدا کے بارے مین ایک بات کے کہنے کی ضرورت ہو، اور وہ نہ کہے۔ ایسے شخص سے خدا قیامت کے دن کہے گا کہ تم کو میرے متعلق فلان فلان بات کہنے سے کس چیز نے روکا؟ وہ کہے گا کہ انسانون کا خوف، ارشاد ہوگا کہ تم کو سب سے زیادہ میرا خوف کرنا چاہیے تھا۔

انسانون کے مختلف گروہون مین سب سے زیادہ ہیبت ناک شخصیت ظلم پیشہ بادشاہون کی ہوتی ہے، اس لئے اُن کے سامنے حق گوئی کو آپ نے سب سے بڑا جہاد قرار دیا اور فرمایا،

افضل الجهاد كلمة عدل	بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے
عند سلطان جائر،	انصاف کی بات کا کہنا ہے،

دوسری روایت مین "کلمۂ حق" کا لفظ ہے،

اسلام مین امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جو مدارج قرار دیئے گئے ہین اُن مین دوسرا درجہ اسی حق گوئی کا ہے، چنانچہ ایک بار مروان نے عید کے دن منبر نکالا، اور نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا، اس پر ایک شخص نے کہا کہ مروان تم نے سُنّت کی مخالفت کی، آج تم نے منبر نکالا، حالانکہ آج منبر نہین نکالا جاتا تھا، نماز سے پہلے خطبہ دیا، حالانکہ نماز سے پہلے خطبہ نہین دیا جاتا تھا، اس پر حضرت ابوسعید خدری رضؓ نے فرمایا کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مین نے سُنا ہے کہ تم مین جو شخص بُرائی دیکھے اور اُس کو ہاتھ سے مٹانے کی طاقت رکھتا ہو تو ہاتھ سے مٹا دے ورنہ زبان سے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے، لیکن یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے[۱]"

[۱] سنن ابن ماجہ باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر مین یہ تمام حدیثین مذکور ہین، ۱۲

Marfat.com

صحابہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا مرتبہ حق گوئی میں بدرجۂ کمال تھا، یہ وہی تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد کفار قریش کے بھرے مجمع میں حرم میں جاکر توحید کا نعرہ بلند کیا، اور اس وقت تک خاموش نہ ہوئے جب تک مار کھاتے کھاتے بیدم نہ ہو گئے لیکن اس پر بھی ان کا نشہ نہیں اترا، اور دوسرے دن پھر جاکر اعلانِ حق کیا، اور وہی سزا پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مدح میں فرمایا کہ "آسمان کے نیچے، اور زمین کے اوپر ابوذرؓ سے زیادہ حق گو کوئی نہیں[1]"، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں وہ جب شام میں تھے، تو وہاں کے مسلمانوں میں سرمایہ داری کی جو غیر اسلامی شان پیدا ہو رہی تھی، اس پر انہوں نے بے محابا دارو گیر کی، اور اس میں امیر معاویہ کی پروا انھوں نے ذرہ بھی نہیں کی،

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک لمبا خطبہ دیا جس میں فرمایا، "ہشیار رہنا کسی کی ہیبت تم کو اس حق بات کے کہنے سے باز نہ رکھے جو تم کو معلوم ہو" یہ سن کر حضرت ابوسعیدؓ روئے اور فرمایا کہ افسوس ہم نے ایسی باتیں دیکھیں، اور ہیبت میں آگئے[2]،

---

[1] جامع ترمذی مناقب حضرت ابی ذرؓ [2] ترغیب ترہیب منذری ۲ باب الترہیب من الغضب بحوالہ ترمذی،

استغنا

استغنا کے معنی بے نیازی کے ہیں، اور ہر چیز سے بے نیازی ایک ایسا وصف ہے جو صرف خداوند تعالیٰ ہی کو حاصل ہے،

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ، (آلِ عمران - ۱۰)

اور جو (مقدور رکھتے ہوئے بھی نعمت کی) ناشکری کرے، (اور حج کو نہ جائے) تو اللہ دنیا جہان سے بے نیاز ہے،

اور اس بے نیازی میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے، وہی ایک بے نیاز ہے، اور ساری دنیا اُس کی محتاج ہے،

وَاللّٰهُ الْغَنِىُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ، (محمد - ۴) اور اللہ بے نیاز ہے اور تم ہی محتاج ہو،

انسان کی بے نیازی یہ ہے کہ اُس ذاتِ بے نیاز کے سوا دوسروں سے بے نیاز ہو، اور یہی چیز اسلامی بے نیازی کے سبق کو بے نیازی کے دوسرے اسباق سے ممتاز کرتی ہے، اسلام کے آئینِ اخلاق میں اس استغنا، اور بے نیازی کی تعلیم دو اصولوں پر قائم ہے،

Marfat.com

اوّل یہ کہ جو کچھ ملتا ہے، اُس کا دینے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے اس کے سوا کسی اور کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا جائے، قرآن مجید کی وہ سورت جس کو ہم ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت مین دہراتے ہین، اس کی ایک درمیانی آیت یہ ہے،

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، (فاتحہ)	(اے خدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہین، اور تجھی سے مدد مانگتے ہین،

خدا نے جابجا اپنے کو بندہ کا اصلی کارساز اور کار، فرما بتا کر اُن کے مضطرب دلون کو تسکین دی ہے، فرمایا،

وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ، (آل عمران ۱۸)	اور کیسا اچھا کارساز،
وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا (اسرائیل ۷)	اور تیرا رب کارساز بس ہے،
اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا، (اسرائیل)	میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ،
وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ہ (نساء-۱۱)	ور اللہ کارساز بس ہے،

ایک آیت مین اللہ تعالیٰ اپنے بندون سے پوچھتا ہے، اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (زمر) کیا اللہ اپنے بندہ کو بس نہیں، اس لئے کسی شاہ، امیر اور دولت مند کے دروازہ کو جھانکنے کی ضرورت نہین،

دوسرا اصول جس پر اسلامی استغنار کی بنیاد ہے، وہ قناعت ہے یعنی یہ کہ کم سے کم جو ملا ہے، اس پر طمانیت حاصل کی جائے اور زیادہ کی حرص اور لالچ نہ کیا جائے،

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ	اور جس چیز مین اللہ نے ایک کو دوسرے

بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (نساء-۵)	پر بڑائی دی، اس کی ہوس مت کرو،
وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا	اور اپنی آنکھیں نہ پسار اس کی طرف جو
مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ،	ہم نے اُن میں سے طرح طرح کے لوگوں
(طٰہٰ-۸)	کو سامان دیا ہے،

بعض لوگ باوجود دولت مند ہونے کے نہایت حریص ہوتے ہیں، مال و دولت سے اُن کی نیت نہیں بھرتی، اور اس کو ہر جائز و ناجائز طریقے سے حاصل کرتے ہیں، اس لئے وہ باوجود دولت مند ہونے کے محتاج ہوتے ہیں، لیکن ایک شخص بہت زیادہ دولتمند نہیں ہوتا، تاہم خدا نے جو کچھ اس کو دیا ہے، اس پر قانع رہتا ہے، اور اس سے زیادہ کی حرص نہیں کرتا، اس لئے وہ باوجود مال کی کمی کے مستغنی اور بے نیاز ہے، اس بنا پر استغناء و بے نیازی کا تعلق دولت کی کمی اور بیشی سے نہیں ہے، بلکہ روح اور قلب سے ہے، اور اسی نکتہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ	دولت مندی مال و اسباب کی کثرت
وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ،	کا نام نہیں ہے، بلکہ اصلی دولت مندی
(بخاری، رقاق، باب الغنی غنی النفس)	دل کی بے نیازی ہے،

اسی حدیث کا ترجمہ شیخ سعدی نے ان لفظوں میں ادا کیا ہے "تونگری بدل است نہ بمال" ایک اور حدیث میں اس نکتہ کو آپ نے اور بھی زیادہ واضح طور پر بیان فرمایا، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوذر! تمھارے خیال میں مال کی کثرت

Marfat.com

کا نام بے نیازی ہے؟ میں نے کہا "ہاں" فرمایا تو تمہارے خیال میں مال کی قلت کا نام محتاجی ہے؟ میں نے کہا "ہاں" فرمایا بے نیازی دل کی بے نیازی ہے، اور محتاجی دل کی محتاجی ہے[۱]
بنا پریں بے نیازی درحقیقت رضا وتسلیم سے پیدا ہوتی ہے، مال و دولت سے پیدا نہیں ہوتی، یعنی خدا انسان کو جو کچھ دے دے اگر وہ اس پر دل سے راضی ہو جائے تو اسی کا نام بے نیازی ہے، یا کم از کم اس سے بے نیازی کا جوہر نفس میں پیدا ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہی تعلیم دی، اور ان سے فرمایا کہ جو کچھ تمہاری قسمت میں ہے، اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ تو تم سب سے زیادہ بے نیاز ہو جاؤ گے[۲] ایک بار چند انصار نے آپ سے مال کا سوال کیا، اور آپ نے ان کا سوال پورا کیا، لیکن وہ اس پر راضی نہیں ہوئے، اور پھر سوال کیا اور آپ نے پھر ان کا سوال پورا کیا، جب دیتے دیتے تمام مال ختم ہو چکا تو فرمایا کہ میرے پاس جو کچھ مال ہوگا میں تم سے بچا کر جمع نہ کروں گا، جو شخص خودداری چاہتا ہے، خدا اس کو خوددار بناتا ہے، اور جو شخص بے نیازی حاصل کرنا چاہتا ہے، خدا اس کو بے نیاز کر دیتا ہے[۳] اسی طرح ایک بار حضرت حکیم بن حزامؓ نے آپ سے بار بار مال کا سوال کیا، اور آپ نے ہر بار ان کا سوال پورا کیا، لیکن اخیر میں فرمایا کہ اے حکیم یہ مال نہایت مرغوب چیز ہے، جو شخص اس کو کھلے دل سے لیتا ہے، خدا اس میں برکت دیتا ہے، اور جو شخص اس کو حرص کے ساتھ لیتا ہے، اس میں برکت نہیں ہوتی اور اس شخص کے مثل ہوتا ہے، جو کھاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا،[۴]

---

[۱] فتح الباری جلد ۱۱ ص ۲۳۲ بحوالہ صحیح ابن حبان و موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان للہیثمی قلمی نسخہ دار المصنفین باب غنی النفس [۲] فتح الباری جلد ۱۱ ص ۲۳۲ [۳] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الاستعفاف،

اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ انھون نے اس کے بعد کسی کا عطیہ نہین قبول کیا،[1]

فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوشخبری ہو اس کو جس کو اسلام کی ہدایت ملی، اور اس کی روزی ضرورت کے مطابق ہے، اور اللہ نے اس کو اس پر قانع بنا دیا ہے،[2] حضرت سہل بن سعد کہتے ہین کہ جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ مومن کا شرف رات کی نماز اور مومن کی عزت انسانون سے بے نیاز ہو جانا ہے،[3]

---

[1] ترمذی کتاب الزہد [2] زوائد صحیح ابن حبان قلمی نسخہ دار المصنفین باب فی القناعۃ [3] مستدرک حاکم ج ۴ صفحہ ۳۵۲ کتاب الرقاق،

Marfat.com

رذائل

رذائل کے معنی

رذائل یعنی بُری خصلتیں، وہ اخلاقِ ذمیمہ ہیں جن کو خدا تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے، جن سے بچنے کا حکم اس نے اپنے بندوں کو دیا ہے جن کے کرنے والے اُس کے حضور میں گنہگار ٹھہرتے ہیں جن کی بُرائی کو ہر عقلمند جانتا اور مانتا ہے، اور جن کے بدولت انسانی افراد و جماعتوں کو روحانی اور مادّی نقصانات پہنچتے ہیں، اور اُن کی معاشرت تباہ ہو جاتی ہے، بلکہ جب وہ کسی قوم میں عام ہو جاتے ہیں، تو پوری قوم کی تباہی و بربادی کا سبب بن جاتے ہیں یعنی اُس کی دینی و دنیاوی ترقیوں کی راہیں مسدود، اور سعادت و اقبال کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے،

رذائل کے قرآنی نام

اس قسم کے رذائل کے متعدد وصافی نام قرآنِ پاک میں آئے ہیں، مثلاً اکثر اُن کو مُنکَر (نا آشنا سا) اور فحشاء (بے حیائی) اور کبھی فاحشۃ (فحش) سَیِّئَۃٌ (برا) سُوْٓءَ (برائی) مَکْرُوْہ (ناپسندیدہ) خطاء (ناصواب یا بھول) اِثْمٌ (گناہ) عُدوان (زیادتی) وغیرہ کہا گیا ہے، ان ہی لفظوں سے اندازہ ہوگا کہ رذائل سے

Marfat.com

متصف ہونا کتنا گھنونا اور نفرت کے قابل ہے، اور یہ کہ وہ ایسے کام ہیں جو عقل اور شرع دونوں کی نگاہوں میں بدنما ہیں، فرمایا،

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ	اور اپنے بچوں کو مفلسی کے ڈر سے مت ما
اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ	ڈالو، ہم ہیں اُن کو اور تم کو روزی پہنچا
اِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ	بے شبہ ان کا مار ڈالنا بڑی چوک ہے
خِطْاً كَبِيْرًا ، وَلَا تَقْرَبُوا	اور زنا کے پاس مت جاؤ، بے شبہ بے
الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ	حیائی اور بری راہ ہے ، ....
سَبِيْلًا	....
وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا	اور زمین میں اترا کر نہ چل کہ تو زمین کو
اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ	پھاڑ ڈالے گا، اور نہ لمبائی میں پہاڑ
لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا كُلُّ	کو پہنچ جائے گا، ان میں سے جو بری
ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ	بات ہے، وہ تیرے پروردگار کے نزدیک
رَبِّكَ مَكْرُوْهًا (بنی اسرائیل -۴)	ناپسندیدہ ہے،

رذائل کے لئے قرآن پاک کا سب سے عام لفظ مُنکر ہے، چنانچہ سورہ مائدہ میں جن برائیوں کی روک ٹوک نہ کرنے پر بنی اسرائیل کو ملامت کی گئی ہے اُن کو ایک ہی لفظ مُنکر سے ادا کیا گیا ہے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ	وہ ایک دوسرے کو اس منکر سے

Marfat.com

فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ	جو کرتے تھے روکتے نہ تھے، کیا بُرا کام
(مائدہ - ۱۱)	ہے جو وہ کرتے تھے،

ایک بدکار قوم کی بُرائیاں گنائی جارہی ہیں، اس سلسلہ میں ہے،

وَتَاْتُوْنَ فِىْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ،	اور تم اپنی مجلس میں منکر کے مرتکب
(عنکبوت - ۳)	ہوتے ہو.

اچھے لوگوں کی صفت یہ ہے،

وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (توبہ ۱۴)	اور منکر سے منع کرنے والے،
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۱۲ و توبہ ۹)	اور منکر سے منع کرتے ہیں،

اور کہیں فَحْشَآءَ اور مُنکر کا لفظ ساتھ ساتھ آیا ہے،

فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ، (نور - ۳)	وہ فحشا اور منکر کرنے کو کہتا ہے،

نماز کی خوبی یہ ہے کہ

تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ، (عنکبوت ۵)	وہ فحشا اور منکر سے باز رکھتی ہے،

فحشا، منکر اور بغی | کہیں آیت میں تین لفظ جمع ہیں، فحشا، منکر اور بغی،

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ	(مسلمانو!) اللہ انصاف اور احسان
الْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى	کرنے کا اور قرابت والوں کو دینے کا
الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ	حکم دیتا ہے، اور فحشا، اور منکر اور بغی
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ	سے منع فرماتا ہے، تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہے

تَذَكَّرُوْنَ ۝ (نحل-۱۳)　　　　　　تاکہ تم خیال رکھو،

یہ آیت ہر قسم کے فضائل اور رذائل کو محیط ہے، حضرت عثمانؓ بن مظعون کا بیان ہے کہ میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم وحیا سے اسلام لایا تھا، اسلام نے میرے دل میں جگہ نہیں پکڑی تھی، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایمان نے میرے دل میں جگہ پکڑ لی[۱]،

حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں خیر وشر کی سب سے زیادہ جامع آیت یہی ہے[۲]

قتادہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جن اخلاق حسنہ پر عمل کیا جاتا تھا، اور وہ پسند کئے جاتے تھے، اُن میں کوئی خلق ایسا نہیں ہے، جس کا خدا نے اس آیت میں حکم نہ دیا ہو، اور کوئی بداخلاقی ایسی نہیں ہے، جس کی اس آیت میں ممانعت نہ کی ہو[۳]،

اس آیت میں منہیات کے سلسلہ میں تین لفظ آئے ہیں، فحشاء، اور منکر اور بغی، ان میں سے ہر لفظ کی تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے،

فحشاء کے معنی ان میں پہلا لفظ فحشاء ہے، جس کی دوسری صورت فاحشۃ کی ہے، یہ لفظ فحش سے نکلا ہے، جس کے اصلی معنی حد سے آگے بڑھ جانے کے ہیں[۴] اور اس کے دوسرے لازمی معنی قبح یعنی برائی کے ہیں، کیونکہ جس چیز کی جو حد خالق فطرت نے مقرر کردی ہے، اُس سے آگے بڑھنا قبح یعنی برائی ہے، یا یہ کہ جو برائی حد سے زیادہ ہو جائے، وہی فحشاء کہلاتی ہے، قرآن پاک نے گناہ کے معنی میں حدود الٰہی سے تعدی اور تجاوز

---

[۱] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباسؓ [۲] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۵۶ و ابن جریر طبری تفسیر آیت مذکورہ [۳] ابن جریر طبری تفسیر آیت مذکورہ [۴] الصحاح الجوہری لفظ فحش و لسان العرب لفظ فاحش زیر فحش

کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں مثال سے یون سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی قوتِ شہوانی کی تسکین کے لئے کچھ حدین مقرر فرما دین، اب جو ان حدون سے آگے بڑھتا ہے، وہ تعدّیِ حدود اور فحشا اور فاحشہ کا مرتکب ہوتا ہے، فرمایا،

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ	اور جو اپنی شرمگاہون کی نگہبانی
حٰفِظُوْنَ ہ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ	کرتے ہین، لیکن اپنی بیویون پر یا
اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ	اپنے ہاتھ کی مملوکہ پر تو انھین ملامت
غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ہ فَمَنِ ابْتَغٰی	نہین کی جائے گی، پھر جو کوئی اس کے
وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ	سوا کو ڈھونڈے تو وہی حد سے بڑھنے
الْعٰدُوْنَ ہ (مومنون-۱)	والے ہین،

اسی لئے زنا کا نام ہی فاحشہ رکھا گیا ہے، اور اس کے معنی ہی امرِ قبیح کے ہوگئے ہین قرآن نے کہا ہے،

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ کَانَ	اور زنا کے نزدیک نہ جاؤ کیونکہ یہ
فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِیْلًا،	فاحشہ "(یعنی قبیح بات) اور بری
(اسرائیل-۴)	راہ ہے،

اور وسعت کے ساتھ اس کا اطلاق ہر فحش گوئی اور فحش کاری پر ہوتا ہے جس کی ہر نوع سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو باز رہنے کی تاکید کی ہے،

منکر کے معنی | دوسرا لفظ مُنکَر ہے، اس کے لغوی معنی ناشناسا کے ہین مطلب یہ ہو کہ

جو کام لوگوں میں عام طور سے پسند کیا جاتا ہے، اور جس کا کرنے والا لوگوں میں ممدوح ہوتا ہے، وہ تو جانا پہچانا کام ہے، اسی لئے اس کو مَعْرُوْف (شناسا) کہتے ہیں، اور جو کام ہر طبقہ میں ناپسند کیا جاتا ہے، اور اس کا کرنے والا سب کی نگاہ سے گر جاتا ہے، وہ مُنْکَر (ناشناسا) ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے کچھ ناشناسا مہمان آجاتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں، قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ (حجر و ذاریات) یعنی لوگ اَن جانے اور اَن پہچانے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے جب اُن کے بھائی آئے تو انھوں نے تو پہچان لیا، مگر وہ لوگ اُن کو پہچان نہ سکے، اس موقع پر قرآن میں ہے، فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (یوسف -۷) یعنی یوسف نے تو اُن کو پہچان لیا، مگر وہ اُن کو پہچان نہ سکے؛

ناگواری کی حالت میں انسان کا چہرہ ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ وہ کس طرح بگڑ جاتا ہے اور اس کے طور و انداز سے بداہتہً ناگواری ظاہر ہونے لگتی ہے، یہ کیفیت بھی مُنْکَر ہے، فرمایا،

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا	اور جب ان (کافروں) کو ہماری کھلی
بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ	ہوئی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کافروں
الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ	کے چہروں میں تو مُنکر (بگڑی ہوئی
يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ	شکل) پہچانے گا، نزدیک ہوتے
يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا	ہیں کہ وہ اُن پر جو ہماری آیتیں
(حج - ۹)	سناتے ہیں، حملہ کر بیٹھیں،

اس آیت میں ناخوشگواری کے اثر سے چہرہ میں جو بدنمائی پیدا ہوتی ہے، اُس کو مُنکر

کہا گیا ہے، ان آیتون سے معلوم ہوا کہ منکر وہ کام ہین جن کو شریعت فطرۃً اور بداہتہً ناپسند کرتا ہے، اور اُن کی برائی ایسی کھلی ہوتی ہے کہ اُس پر کسی دلیل کی ضرورت نہین ہوتی، اور یہی سبب ہے کہ ہر مذہب وملت اور ہر اچھے تمدن وتہذیب مین وہ یکسان برے سمجھے جاتے ہین،

بغی کے معنی | تیسرا لفظ بغی ہے جس کے لفظی معنی کسی پر زیادتی یا دست درازی کرنا ہین،

خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ (ص - ۲)

ہم دو جھگڑنے والے ہین ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے،

خدا فرماتا ہے کہ اگر لوگون کو بے انتہا دولت دے دی جائے، تو وہ ایک دوسرے پر زیادتی کرنے لگین،

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ، (شوریٰ ۲)

اور اگر اللہ اپنے بندون کے لئے روزی پھیلا دیتے تو وہ زمین مین زیادتی کرتے،

اسی سورہ مین ہے :-

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (شوریٰ ۴)

راہ ان ہی پر ہے جو لوگون پر ظلم اور زمین مین زیادتی کرتے ہین،

ان آیتون سے معلوم ہوا کہ بغی کے معنی دوسرون پر زیادتی اور تعدی کے ہین،

اخلاق ذمیمہ برے کیون ہین | اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ قرآن پاک مین یعنی فحشاء، منکر اور بغی

Marfat.com

میں منحصر ہیں، صفاتِ ذمیمہ فحشاء یعنی حد درجہ قبیح اور بے حیائی کے کام ہیں، اور ایسی باتیں ہیں جن کو سارے انسان فطرۃً ناپسند کرتے ہیں، اور اُن کے جائز کر دینے سے دوسروں کے حقوق پر تعدّی لازم آتی ہے،

سورۂ اعراف کی ایک آیت ہے،

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ	اے پیغمبر! کہدے کہ میرے پروردگار
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَ	نے بُرائی کے سارے کاموں (فواحش)
الْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ	کو جو کھلے ہوں یا چھپے، اور گناہ کو اور
(اعراف - ۳)	ناحق زیادتی کو منع کیا ہے،

اس آیت میں بھی بُرائی کو تین لفظوں میں منحصر کیا ہے، ایک فواحش یعنی بُرائی اور بے حیائی کے سارے کام جو کھلے ہوں یا چھپے، دوسرے گناہ کے کام، اور تیسرے ناحق زیادتی اُن اخلاقِ ذمیمہ کی جن کو ہر مذہب اور ہر انسانی معاشرت نے یکساں بُرا کہا ہے، اگر تحلیل کیجائے، تو معلوم ہوگا کہ وہ درحقیقت بُرائی اور بے حیائی کے کام ہیں، اور دین و شرافت کی نگاہ میں گناہ اور ناپسندیدہ ہیں اور اگر اُن کو جائز ٹھہرایا جائے تو افراد کے باہمی حقوق سے امان اٹھ جائے، اور کسی کی جان و مال اور عزّت و آبرو سلامت نہ رہے[1]

[1] منطقی اصطلاح میں فحشاء، منکر اور بغی میں مانعۃ الخلو ہے، یعنی کسی بداخلاقی میں ان تینوں کا اجتماع تو ہو سکتا ہے، مگر کوئی بداخلاقی ان تینوں باتوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں رہ سکتی، یعنی ہر بداخلاقی میں ان تینوں کا یا تینوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔

رذائل کی ترتیب | ان رذائل کی ترتیب دو نظریون کے مطابق دی جاسکتی ہے، ایک یہ کہ کسی برائی کے اثر کا دائرہ کتنا وسیع ہے، اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی اور عدم رضا سے کس کو کتنا لگاؤ ہے، اوپر کی آیت مین ترتیب کے ساتھ رذائل کو تین بڑے عنوانون مین گویا تقسیم کر دیا گیا ہے، سب سے پہلے فحشاء پھر منکر، پھر بغی،

فَحْشَآءَ مین جس برائی کی طرف اشارہ ہے وہ اساسًا ایک فرد کی ذات تک محدود رہتی ہے، جیسے ننگے رہنا، بدکاری مین مبتلا ہونا وغیرہ، منکر سے پوری جماعت کی معاشرتی زندگی متاثر ہوتی ہے، جیسے شوہر کا ظلم، باپ کی سنگ دلی، اولاد کی نالائقی، اور بغی جماعت سے آگے بڑھ کر پورے ملک وملت کو چھا لیتی ہے، جیسے چوری، قتل، ڈاکہ وغیرہ،

یہ تو ایک نظریہ کے مطابق رذائل کی ترتیب ہوئی، دوسرے نظریہ کے رو سے پہلے صفات ذمیمہ ہین جن سے خدا کی رحمت چھن جاتی ہے، پھر وہ برائیان ہین جو خدا کی محبت سے محروم کر دیتی ہین، اور پھر وہ ہین جو رضائے الٰہی سے خالی ہین،

جھوٹ

انسان کے سارے اخلاقِ ذمیمہ مین سب سے زیادہ بری اور مذموم عادت جھوٹ کی ہے، یہ جھوٹ خواہ زبان سے بولا جائے، یا عمل سے ظاہر کیا جائے، کیونکہ ہمارے تمام اعمال کی بنیاد اس پر ہے، کہ وہ واقعہ کے مطابق ہون، اور جھوٹ ٹھیک اس کے ضد ہے، اس لئے یہ برائی ہر قسم کی قولی اور عملی برائیون کی جڑ ہے، انسان کے دل کے اندر کی بات سوا خدا کے کوئی دوسرا نہین جانتا، کوئی دوسرا کسی شخص کے متعلق اگر کچھ جان سکتا، یا باور کرسکتا ہے، تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص خود اپنی زبان یا عمل سے اس کو ظاہر کرے، اب اگر وہ اندرونی صحیح اور واقعہ کے مطابق بات جان بوجھ کر نہین ظاہر کرتا، بلکہ اس کے خلاف ظاہر کر رہا ہے، تو وہ ساری دنیا کو فریب دے رہا ہے، ایسے شخص مین دنیا کی جو برائیان بھی نہ ہون وہ کم ہے، کیونکہ اس نے تو اسی آئینہ کو توڑ ڈالا ہے جس مین حقیقت کا چہرہ نظر آتا ہے،

اسی لئے نبی کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ صادق ہو، چنانچہ بعض پیغمبرون کے لئے یہ صفت

Marfat.com

کے طور پر بولا گیا ہے، فرمایا،

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ	اور اس کتاب میں ادریس کا ذکر کر،
إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا (مریم ۴)	وہ بے شک بڑا سچا نبی تھا،

اسی لئے جو کاذب ہے وہ نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ پھر اسکے دعویٰ اور پیام پر کسی کو بھروسہ کیونکر ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی نبوت کا دعویٰ فرعون کے سامنے پیش کیا، اور اس نے اس کے ماننے سے انکار کیا، تو اس کے ایک درباری نے جو دل میں مسلمان تھا فرعونیوں کے سامنے حضرت موسیٰ کے صدق نبوت پر ان کی عام سچائی ہی سے دلیل پیش کی، اور کہا کہ جھوٹا خدا کا نبی نہیں ہو سکتا،

إِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ	اگر یہ جھوٹا ہوگا تو اس کا جھوٹ اسی
وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُمْ	پر پڑے گا، اور اگر سچا ہوگا تو تم پر
بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ	پڑے گا، کوئی وعدہ جو تم کو دیتا ہے
اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ	بے شک اللہ اس کو راہ نہیں دکھاتا
كَذَّابٌ، (مومن - ۴)	جو بے باک جھوٹا ہو،

اس میں یہ تلمیح بھی چھپی ہے کہ مدعیٔ نبوت کے برخلاف فرعون اپنے ہر کام گزرنے میں بے باک اور جھوٹا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹے انبیاء علیہم السلام کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں، اور کفار کے طور وطریق پر چلتے ہیں، روم کے قیصر نے بھی اپنے دربار میں ابوسفیان سے جو باتیں پوچھی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ کیا مدعی اپنے دعوائے نبوت سے پہلے

کیا جھوٹ بھی بولا کرتا تھا، ابوسفیان نے جواب دیا نہیں، قیصر نے کہا جو بندوں پر جھوٹ نہیں باندھتا وہ خدا پر جھوٹ باندھے گا؟ یہ نہیں ہو سکتا،[1]

قرآن پاک میں نبی کی صداقت کی دلیل میں ایک اور آیت ہے

تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ	شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار
يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ	پر، لا ڈالتے ہیں سُنی بات، اور بہت
كٰذِبُوْنَ، (شعراء-۱۱)	سے ان میں جھوٹے ہیں،

اس سے بھی معلوم ہوا کہ جھوٹ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت اور روش کے سراسر خلاف ہے، اسی لئے بولنے والا بے اس کے دل سے خدا کی روشنی (ہدایت) اٹھ جاتی ہے ارشاد ہے،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ	بے شک اللہ اس کو راہ نہیں دکھاتا
كٰذِبٌ كَفَّارٌ، (زمر-۱)	جو جھوٹا ہو احسان نہیں مانتا.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ گناہ (فجور) کی طرف لے جاتا ہے، اور گناہ دوزخ میں، اور جھوٹ بولتے بولتے آدمی خدا کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے[1] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں لیجانے والا کام کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا، جب بندہ سچ بولتا ہے، تو نیکی کا کام کرتا ہے اور جو

---

[1] صحیح بخاری جلد ثانی ص ۹۰۰ کتاب الادب باب قولہ تعالیٰ وکونوا مع الصادقین ہجامع

Marfat.com

نیکی کا کام کرتا ہے وہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے، اور جو ایمان سے بھرپور ہوا وہ جنت میں داخل ہوا، اُس نے پھر پوچھا کہ یا رسول اللہ دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے، فرمایا جھوٹ بولنا، جب بندہ جھوٹ بولے گا، تو گناہ کے کام کرے گا اور جب گناہ کے کام کریگا تو کفر کریگا اور جو کفر کریگا دوزخ میں جائے گا" (مسند احمد اول ص ۱۷۶ مصر)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹ کی بُرائی کی وسعت اتنی ہے کہ کفر بھی اس میں آجاتا ہے، جس سے زیادہ بُری چیز کوئی دوسری نہیں، اور جس کے لئے نجات کا ہر دروازہ بند ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دائرہ بہت وسیع ہے، دو دنیا کے ذرہ ذرہ کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی رحمت کی چھاؤں میں ساری کائنات آرام کر رہی ہے، مگر رحمتِ الٰہی کے اس گھنے سایہ سے وہ باہر ہے، جس کا منہ جھوٹ کی بادِ سموم سے جھلس رہا ہے،

اسلام کے لعنت کا سخت ترین لفظ "لعنت" ہے، لعنت کے معنی "اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی" کے ہیں، قرآن پاک میں اس کا مستحق شیطان بنایا گیا ہے، اور اس کے بعد یہودیوں کا فروں اور منافقوں کو اس کی وعید سنائی گئی ہے لیکن کسی مومن کو کذب کے سوا اس کے کسی فعل کی بنا پر لعنت سے یاد نہیں کیا گیا، جھوٹ بولنے، "جھوٹا الزام لگانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت کی جائے، مباہلہ کے موقع پر یہ فرمایا گیا کہ دونوں فریق خدائے تعالیٰ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹۹) ترمذی باب ما جاء فی الصدق والکذب وابوداؤد، کتاب الادب باب التشدید فی الکذب۔

گڑگڑا کر دعا مانگیں کہ جو ہم میں جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو،

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ (آل عمران-۶)

پھر دعا کریں، پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں،

میاں بیوی کے لعان کی صورت میں جب شوہر بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے اور شوہر کے پاس اس کا کوئی گواہ نہ ہو تو اس کو چار دفعہ اپنی سچائی کی قسم کھانے کے بعد پانچویں دفعہ یہ کہنا پڑے گا،

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (نور-۱)

اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو،

اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹ ایسی بڑی چیز ہے کہ جو اس کا مرتکب ہوتا ہے وہ کافروں اور منافقوں کی طرح کی بددعا کا مستحق ہوتا ہے،

جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ جان کر کوئی انجان بن جائے، حق کا علم رکھ کر بھی اس کے اظہار سے باز رہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے جھوٹوں پر بھی لعنت فرمائی ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ (بقرہ-۱۹)

بے شک جو چھپاتے ہیں جو اتارے ہم نے صاف حکم اور راہ کے نشان اس کے بعد کہ ہم نے کتاب میں ان کو لوگوں کے لئے کھول کر کہہ دیا، ان پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں

یہ جھوٹ کی سلبی صورت ہے کیونکہ اس خاموشی اور اخفا سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اس حق کو باور نہ کریں، اور اس کو جھوٹا سمجھیں، اس لئے وہ جھوٹ کے گو قولاً نہیں لیکن عملاً مرتکب ہوتے ہیں، اور نفاق کی پرورش کرتے ہیں،

نفاق اس کو کہتے ہیں کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ، اس لئے جو منافق ہوگا وہ جھوٹا بھی ضرور ہوگا، چنانچہ قرآن پاک نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، فرمایا،

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (منافقون-۱) — اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں،

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے، فرمایا کہ منافق کی پہچان تین ہیں، جب کہے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے پورا نہ کرے، اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے[1] لفظوں میں تو یہ باتیں تین ہیں لیکن حقیقت میں ایک ہی شخص کی تین مختلف تصویریں ہیں، جھوٹ باتیں کرنا، تو جھوٹ ہے ہی، اگر وعدہ کرکے پورا نہ کرنا بھی جھوٹ ہی ہے، اور اسی طرح امین بن کر خیانت کرنا بھی عملی جھوٹ ہے کیونکہ جو امین بنتا ہے، وہ معنًی اپنی نسبت یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ اس میں خیانت نہ کرے گا، اور جب اس نے اس کے خلاف کیا تو وہ عملاً جھوٹ بولا،

جھوٹ اکیلی برائی نہیں، بلکہ اس کی وجہ سے جھوٹے میں بیسیوں قسم کی دوسری برائیاں بھی لازمی طور سے پیدا ہو جاتی ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کاذب کے ساتھ ساتھ دوسری

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب، باب قولہ تعالیٰ وکونوا مع الصادقین وما ینہی عن الکذب،

Marfat.com

بری صفتیں بھی ظاہر کی ہیں، جیسے

اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (شعراء-۱۱) — جھوٹ بولنے والا گنہگار

كَاذِبٌ كَفَّارٌ (زمر-۱) — جھوٹ بولنے والا احسان کا حق نہ ماننے والا

مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (مومن-۴) — بے باک جھوٹا،

ان آیتوں نے بتایا کہ جھوٹا گناہوں میں لت پت ہوتا ہے، کیونکہ جھوٹ کی عادت کے سبب سے وہ کسی برائی کے کرنے سے جھجکتا نہیں، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ موقع پر جھوٹ بول کر میں اس کو چھپالوں گا، اس لئے وہ ہر برائی کے کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے، جو جھوٹا ہوگا وہ اپنے کسی محسن کا احسان بھی نہیں مانے گا، کیونکہ جو خود جھوٹا ہے، وہ دوسرے کو بھی اس کے عمل اور نیت میں جھوٹا ہی سمجھے گا، اور اگر وہ زبان سے کہے بھی کہ میں مانتا ہوں تو کسی کو اس کی بات پر یقین کاہے کو آنے لگا، اسی طرح جو جھوٹ بولتا ہے اس کو کسی برے سے برے کام کے کرنے میں باک نہیں ہوتا، وہ ہر گناہ پر دلیر اور حد سے بڑھ جاتا ہے،

جھوٹ کی عام قسم تو یہی ہے کہ زبان سے وہ کہا جائے جو دل میں نہیں، یا جو اس کے اندرونی علم و یقین کے خلاف ہو، لیکن یہ کذب قولی یعنی زبان کا جھوٹ ہی، کذب عملی یعنی عمل کا جھوٹ یہ ہے کہ جو کہا جائے وہ نہ کیا جائے،

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ — اس لئے کہ اللہ سے جو وعدہ کیا تھا

وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ، — اس کے خلاف کیا، اور اس لئے کہ

(توبہ-۱۰) — جھوٹ بولتے تھے،

Marfat.com

اس جھوٹ کے سبب سے ان کے دلون مین نفاق نے جگہ پکڑی، قسم کھاکر اور عہد کرکے کسی کام کو طاقت رکھکر پھر نہ کرنا، ایک قسم کا فریب تو ہے ہی، مگر جھوٹ بھی ہے، اور ایسا جھوٹ جو مہلک ہے،

وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِاسْتَطَعْنَا	اور وہ قسم کھائین گے کہ ہم کو مقدور
لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ	ہوتا تو ہم تمھارے ساتھ لڑائی مین
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ	چلتے، وہ اپنے آپ کو ہلاکت مین
	ڈالتے ہین، اور اللہ کو معلوم ہے کہ
(توبہ ۔۔۔)	وہ جھوٹے ہین،

سورۂ احزاب مین اللہ تعالی نے اُن صادقین کا ذکر فرمایا ہے جنھون نے اپنی سچائی کا عملاً ثبوت دیا، اور جو عملاً جھوٹے ٹھہرے اُن کو منافق کا خطاب دیا ہے، فرمایا،

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ	تاکہ اللہ سچون کو اُن کی سچائی کے
بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ	سبب سے اجر دے، اور منافقون کو
الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ	سزا دے، اگر چاہے یا اُن پر رجوع
يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ (احزاب ۳)	ہو، (یعنی مسلمان ہوجائین تو معاف ہوجائے)

انسان کی طرح اس کا عضو عضو بھی جھوٹ کا مرتکب ہوسکتا ہے، فرمایا،

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (علق)	جھوٹی خطا کار پیشانی،

ہر چند کہ اس کو استعارہ کہئے پھر بھی پیشانی کا جھوٹ کلنگ کا ٹیکا ہے، جو مسلمان

نہین سکتا،

اسی طرح ریاکاری کرنا اور جو نہین ہے اپنے کو وہ دکھانے کی کوشش کرنا بھی عملاً جھوٹ ہے،

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ	انھون نے کہا اگر ہم جانین کہ لڑائی
هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ	ہوگی، تو ہم بھی تمھارے ساتھ چلین
مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ	وہ اس وقت ایمان سے زیادہ
بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ	کفر سے قریب تھا، وہ منھ سے وہ
قُلُوْبِهِمْ (آل عمران - ۱۷)	کہتے ہین جو ان کے دل مین نہین،

دل کے اُن بیمارون کے متعلق جو مسلمانون اور یہودیون دونون کو خوش رکھنا چاہتے تھے، اور مسلمانون کو آکر اپنی صلح پسندی کا جھوٹا یقین دلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ	یہ وہ ہین جن کے دل کا حال اللہ
مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ، (نساء - ۹)	جانتا ہے،

ایسے ہی وہ شخص جو اپنے کو وہ دکھانا چاہے جو وہ نہین ہے، یا اپنے مین وہ باور کرانا چاہے جو اس مین نہین ہے جھوٹا ہے، ایک دفعہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! میری ایک پڑوسن (سوتن) ہے، کیا اگر مین یہ ظاہر کرون کہ مجھے شوہر نے یہ دیا یہ دیا (اور درحقیقت نہ دیا ہو) اور صرف اس کو جلانا مدنظر ہو تو کیا یہ بھی گناہ ہے، فرمایا "جو جتنا نہین دیا گیا اتنے کا دکھاوا

کرنے والا جھوٹ کے دو جامے پہننے والے کی طرح ہے[1] حدیث کے شارح کہتے ہیں کہ دو جامے یوں کہ جو اس کے پاس نہیں اُس کا ہونا اپنے پاس بتانا جھوٹ کا ایک جامہ ہوا، اور جس نے جو نہیں دیا، اس کا دینا بتانا اس پر جھوٹ باندھنا ہے، یہ جھوٹ کا دوسرا جامہ ہوا، اسی طرح جو عالم نہیں وہ اپنے کو عالم باور کرانے کی کوشش کرے، جو دولت مند نہیں وہ دولت مندی کا دکھاوا کرے، یعنی کسی کے پاس جو چیز نہیں، اس کو اپنے پاس دکھانے کی کوشش کرنا، درحقیقت دوسروں کو فریب دینے کی کوشش ہے، غالباً اسی لئے اس عورت کو جس کے سر کے بال چھوٹے ہوں اس کی ممانعت کی گئی ہے کہ وہ مصنوعی بال لگا کر اپنے بالوں کو لمبا بنائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی زور فرمایا ہے[2]،

جھوٹ کے بہت سے مرتبے ہیں، اچھے اچھے لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ بے ضرر جھوٹ کو برا نہیں جانتے، جیسے اکثر لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ بچوں کو بہلانے کے لئے اُن سے جھوٹے وعدے کر لیتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ وہ ان وعدوں کو تھوڑی دیر میں بھول جائیں گے، اور گو ہوتا بھی اکثر یہی ہے، مگر جھوٹ بہرحال جھوٹ ہے، اسلام نے اس جھوٹ کی بھی اجازت نہیں دی ہے، ایک کم سن صحابی عبد اللہ بن عامر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ماں نے مجھے بلایا، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے، تو ماں نے میرے بلانے کے لئے کہا کہ "یہاں آؤ تجھے کچھ دوں گی" حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابو داؤد کتاب الادب [2] صحیح بخاری باب الوصل فی الشعر

نے فرمایا تم کیا دیتیں؟ اگر تم اس کو کچھ دینا نہین چاہتی ہو، ماں نے کہا اس کو کھجور دے دون گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہان اگر تم اس کو اس وقت کچھ نہ دیتین تو یہ جھوٹ بھی تمہارا لکھا جاتا۔[1]

اس تعلیم کا منشا یہ تو ہے ہی کہ مسلمان کو کسی حال مین بھی اپنے لب کو جھوٹ سے آلودہ نہین کرنا چاہیے لیکن اس موقع پر سچ بولنے کی تاکید فرمانا اس لیے بھی ہے کہ ماں باپ کے غلط رویہ سے بچہ کی تعلیم و تربیت پر بُرا اثر پڑے گا، وہ بچپن مین جو کچھ دیکھے سنے گا اسی سانچے مین ڈھلے گا، اسی لیے لوگون کو چاہیے کہ بچون سے بھی جھوٹ نہ بولین۔

بعض لوگون کی عادت ہوتی ہے کہ جب اُن کو کھانے کے لیے یا کسی اور چیز کے لیے کہا جاتا ہے، تو وہ تکلفاً اور بناوٹ سے یہ کہہ دیتے ہین کہ مجھے خواہش نہیں، حالانکہ ان کے دل مین اس کی خواہش موجود ہوتی ہے، تو یہ بھی جھوٹ ہے، چنانچہ ایک دفعہ ایک صحابیہ خاتون حضرت اسماء بنت یزید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر ہم مین سے کوئی کسی چیز کی خواہش رکھے اور پھر کہہ دے کہ مجھے اس کی خواہش نہیں، تو کیا یہ بھی جھوٹ شمار ہوگا، ارشاد ہوا کہ ہر چھوٹے سے چھوٹا جھوٹ بھی جھوٹ لکھا جاتا ہے۔[2]

اسی طرح وہ جھوٹ ہے جو خوش گپی کے موقع پر محض لطف صحبت کے لیے بولا جاتا ہے، اس سے بھی اگرچہ کسی کو کوئی نقصان نہین پہنچتا، بلکہ بعض موقعوں پر ایک دلچسپی کی چیز بن جاتا ہے تاہم اسلام نے اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب التشدید فی الکذب [2] مسند احمد، طبرانی کبیر، مجمع الزوائد ہیثمی ص ۱۴۲ [illegible]

نے فرمایا ہے کہ جو شخص لوگوں کے ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے، اس پر افسوس، اس پہ افسوس ہے[1]" کیونکہ اس سے آدمی کا وزن ہلکا ہوتا ہے، اور اس کی بات بے اعتبار ہوتی ہے اور ہر شخص یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا سچ جھوٹ برابر ہے۔

اس صورت کے علاوہ جھوٹ کی جتنی خطرناک صورتیں ہیں، اُن کے خطرات کے لحاظ سے اسلام نے اُن کے مدارج مقرر کئے ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک شخص کو سچا اور قابلِ اعتبار سمجھتا ہے، اس لئے اس کی ہر بات کا یقین کر لیتا ہے لیکن وہ شخص اس کے علم و یقین سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے، اور جھوٹ بول کر اس کو سخت فریب و نقصان میں مبتلا کر دیتا ہے، اسلام نے اس کو سخت خیانت قرار دیا ہے، اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ایک بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایک جھوٹی بات کہو درانحالیکہ وہ تم کو سچا سمجھتا ہو[2]۔

اس میں بھی زیادہ خطرناک جھوٹ وہ ہے جس سے لوگوں کے حقوق اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچے، اور اس سے معاشرتی نظام میں خلل واقع ہو، یہ جھوٹ عام جھوٹ سے اس قدر مختلف ہے کہ اسلام نے اس کا نام تک بدل دیا ہے، اور اس کو زور اور افک وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی منحرف ہونے اور الٹ پلٹ دینے کے ہیں؛

جھوٹ کی یہ صورت اس قدر خطرناک ہے کہ خداوند تعالیٰ نے شرک کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر کیا ہے، اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے،

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب التشدید فی الکذب [2] ادب المفرد باب اذا کذب الرجل وہو لک مصدق،

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (حج ۴)

بتوں کی گندگی اور جھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو۔

زور اگرچہ ایک عام لفظ ہے جس میں کذب وبہتان وغیرہ سب شامل ہیں لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے خاص طور پر جھوٹی شہادت مراد ہے، جامع ترمذی میں ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ، فرمایا کہ "شرک اور ماں باپ کی نافرمانی" راوی کا بیان ہے کہ آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعۃً اٹھ بیٹھے اور کہا کہ جھوٹی شہادت یا جھوٹی بات، اور برابر یہی کہتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے۔

اس آیت پاک اور اس کی اس تشریحی حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے بعد ہی جو برائی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذکر کے قابل تھی، وہ یہی جھوٹ ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ اس کی گندگی کا کیا عالم ہوگا۔

اِفک اس سے بھی زیادہ سخت لفظ ہے، اس کے معنی ہیں کسی پر جھوٹ باندھنا، مشرک خدا پر جھوٹ باندھا کرتے تھے، ان کو قرآن نے افک کہا ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ اس کی سرحد کبھی کبھی شرک سے مل جاتی ہے، منافقین نے حضرت عائشہؓ پر جو اتہام لگایا تھا اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ "افک" سے تعبیر کیا ہے (سورۂ نور) [illegible] قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افک بڑے بدبخت لوگوں کا کام [illegible]

لے ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی عقوق الوالدین۔

تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ۔ (الشعراء ع-۱۱)

اور شیطان (تو) اترا کرتے ہیں ہر جھوٹ باندھنے والے بدکردار پر ،

جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ ایک انسان جھوٹ سچ جو کچھ سنے اس کو بلا تحقیق دوسرون سے کہتا پھرے ، ایسا شخص بے اعتبار سمجھا جاتا ہے ، اور سوسائٹی مین اس کی بات کی قدر نہین ہوتی ، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،

کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ ۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

آدمی کو یہ جھوٹ کافی ہے کہ جو سنے وہ کہتا پھرے ،

ایسے لوگون کو جو سنی سنائی بات پر یقین کر لیتے ہین ، اللہ تعالیٰ نے سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ (جھوٹ کے بڑے سننے والون) کا خطاب دیا ہے ، یہودیون کے ایک گروہ کی نسبت فرمایا :-

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ (مائدہ-۶)

جھوٹ کے بڑے سننے والے ہین ،

Marfat.com

جھوٹی قسمیں کھانا

قسم کھانا حقیقت مین شہادت یعنی گواہی ہے، جو شخص کسی بات کو خدا کی قسم کھاکر کہتا ہے وہ اصل مین اپنے بیان کی سچائی پر خدا کو گواہ بناتا ہے۔ ایسی حالت مین خیال کرنا چاہیئے کہ اس معاملہ کی اہمیت کتنی بڑی ہے، اور قسم کھانا کتنی غیر معمولی بات ہے لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ جھوٹ بولتے ہین اور سچائی سے دور ہین، وہ بات بات پر قسم کھاتے ہین، انھین معلوم ہے کہ لوگ اُن کے بیان کو سچا نہین سمجھتے، اس لئے وہ لوگون کو فریب دینے کے لئے جھوٹی قسمین کھاتے ہین،

اوّل تو بے ضرورت نفس قسم کھانا ہی برا ہے، پھر جھوٹی قسمین کھانا تو اور بھی بُرا ہے، اسی لئے قرآنِ پاک مین اس قسم کے قسم کھانے، اور قسم کھانے والون کی بہت بُرائی آئی ہے، یہ جھوٹ کی بدترین شکل ہے، جس مین جھوٹ بولنے والا اپنے ساتھ خدا کو بھی شریک کرتا ہے، اسی لئے کسی آیندہ کی بات پر اگر کوئی قسم کھالے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہوجاتا ہے، اور اگر کسی سبب سے پورا نہ کرسکے تو وہ گنہگار رہتا ہے اور اس پر کفارہ

لازم آتا ہے کفّارہ یہ ہے کہ وہ کوئی غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا کپڑے پہنائے، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو تین روزے رکھے، اور اس کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ کسی کو قسم کھانے کے بعد اگر دوسری شکل بہتر معلوم ہو تو وہ اپنی قسم توڑ کر کفّارہ ادا کر دے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ	اللہ تم کو تمھاری بے فائدہ قسموں پر نہیں
اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ	پکڑتا لیکن اس قسم پر پکڑتا ہے جس کو
بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗ	تم نے گرہ باندھا، تو اس قسم کے توڑنے
اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ	کا کفّارہ دس محتاجوں کو کھلانا بیچ
اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ	کا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو دیتے
اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ	ہو، یا اُن کو کپڑا دینا، یا ایک غلام
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ	آزاد کرنا، تو جس کو یہ پیدا نہ ہو تو تین
اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ	دنوں کا روزہ رکھنا ہے یہ تمھاری
اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ	قسموں کا اتار، جب تم قسم کھا بیٹھو،
(مائدہ ۱۲-۱۳)	اور اپنی قسموں کو نگاہ رکھو،

قسموں کا نگاہ رکھنا یہ ہے کہ جس بات پر نیت کر کے قسم کھائی جائے اگر وہ کوئی خلاف شرع یا غیر مناسب نہ ہو تو اس کی پوری ذمہ داری محسوس کی جائے اور اس کو حتی المقدور پورا کیا جائے، اور اگر پوری نہ کی جا سکے، تو اس کا کفّارہ ادا کیا جائے، یہ کفّارہ دراصل

لہ ابوداؤد کتاب الایمان والنذور

مقرر کیا گیا ہے تاکہ قسم کھا کر اس کے پورا کرنے کی ذمہ داری اور اہمیت کے خیال کو نقصان پہنچے کسی خلافِ شرع بات پر جو قسم کھائی جاتی ہے، یا وہ بات جس پر قسم کھائی گئی ہے، بعد کو غیر انسب معلوم ہو، تو اس قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کردینا درست ہے، خدا نے فرمایا۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ (تحریم-۱)	خدا نے تم کو اپنی قسموں کا کھول ڈالنا ٹھہرا دیا ہے،

اور احادیث میں اس کی جزئی تصریحات مذکور ہیں،

گذشتہ یا موجودہ واقعات پر قسم کھانا جیسا کہ کہا جا چکا حقیقت میں گواہی اور شہادت ہے، اور معلوم ہو چکا ہے کہ گواہی اور شہادت میں جھوٹ بولنا کتنا بڑا گناہ ہے، اسی لئے ایسا شخص جو بات بات پر قسمیں کھاتا رہتا ہے، حد درجہ بے اعتبار، اور نا قابلِ اعتماد سمجھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ایسے شخص پر اعتبار نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس کو انسان کا بڑا عیب بتایا ہے رسول کو حکم ہوتا ہے،

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ (قلم-۱)	اور بہت قسمیں کھانے والے ذلیل کا کہا نہ مان،

سمجھنے کی بات ہے کہ قسم کھانے کا مدعا یہ ہے کہ لوگ اس کا کہنا مانیں، اور اس کا اعتبار کریں، لیکن اللہ تعالیٰ سرے سے اس طرح کی قسمیں کھانے والے کی بات کے نہ ماننے کی ہدایت اور اس کی بے قدری اور بے اعتباری کا اعلان فرماتا ہے،

چونکہ اس طرح کی قسمیں کھانے والے جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں، اسی لئے یہ نفاق کی

Marfat.com

بڑی نشانی ہے، اور قرآن پاک مین اسی حیثیت سے اس کا ذکر بار بار آیا ہے، منافقون کے تذکرہ مین ہے کہ جب اُن پر کوئی افتاد پڑتی ہے، تو قسمین کھا کھا کر کہتے ہین کہ ہمارا یہ منشا نہ تھا، ہماری نیت نیک تھی، خدا فرماتا ہے کہ اللہ کو تمھارے دل کی بات خوب معلوم ہے،

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ	پھر کیسا جب اُن کو اپنے ہی کرتوت
بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ	سے کوئی تکلیف پہنچے، پھر تیرے پاس
يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا	اللہ کی قسمین کھاتے آئین کہ ہماری
إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۝ أُولَٰئِكَ	غرض بھلائی اور ملاپ کی تھی، یہ وہ
الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ	ہین، جن کے دلون کا حال اللہ کو
(نساء-۹)	معلوم ہے،

یعنی اللہ جانتا ہے کہ اُن کے دلون مین کچھ ہے، اور زبانون پر کچھ ہے، ایسے لوگ یہ چاہا کرتے ہین کہ قسمین کھا کر سچ کو جھوٹ، اور جھوٹ کو سچ بنا کر متعلق اشخاص کو خوش کردین، خدا فرماتا ہے کہ اگر ان کے ایمان ہو، تو اُن کو چاہئے کہ سچائی اختیار کرکے خدا اور رسول کو خوش کرین،

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ	تمھارے (مسلمانون کے) آگے خدا
وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ	کی قسمین کھاتے ہین، تاکہ وہ تم کو
إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝	راضی کرلین، اور اللہ اور رسول کو راضی
(توبہ-۸)	کرنا زیادہ ضروری ہے، اگر وہ ایماندار ہین

Marfat.com

ایسے منافقون کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب کوئی بری بات منہ سے نکالتے ہین، اور اس پر پوچھ گچھ ہونے لگتی ہے تو فوراً مکر جاتے ہین،

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ (توبہ-۱۰)

خدا کی (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہین کہ انھون نے نہین کہا، حالانکہ انھون نے بیشک کفر کی بات کہی،

ایک موقع پر منافقون نے نامعقول کام کیا، خدا نے فرمایا کہ جب تم جا کر اُن سے پوچھوگے تو وہ خدا کی قسم کھائین گے، سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ (توبہ-۱۲) چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ (توبہ-۱۲)

تمھارے آگے قسمین کھاتے ہین تاکہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ، تو اگر تم اُن سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ نافرمان لوگون سے راضی نہین،

اس لیے یہ لوگ اللہ کی بات دل سے مانتے نہین اور زبان سے قسمین کھا کر کہتے ہین کہ مانتے ہین، وہ منافق اور نافرمان ہین،

اسی موقع پر کچھ منافقون نے مسلمانون مین تفرقہ ڈالنے کی نیت سے ایک مسجد الگ کھڑی کر لی تھی، خدا نے فرمایا کہ اگر ان سے ان کی اس حرکت کا سبب پوچھوگے تو جھٹ قسم کھا بیٹھین گے کہ ہماری نیت اچھی تھی، فرمایا،

Marfat.com

وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى — اور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ — ہی چاہی تھی، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ

(توبہ ۔ ۱۳) — وہ جھوٹے ہیں،

اہل نفاق کی حالت قرآن نے یہ بتائی ہے،

وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ — اور وہ جان بوجھکر جھوٹی

يَعْلَمُوْنَ ۔ (مجادلہ ۔ ۳) — باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں،

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ، — انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا

(مجادلہ ۔ منافقون ۔ ۱) — ہے،

یعنی قسمیں کھا کر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ، اور اس کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال بنایا کرتے ہیں

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اپنے رسول کے ذریعہ اس گناہ سے بچنے کی تاکید فرمائی،

وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ — اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد توڑو مت

تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ — اور تم نے اپنے پر خدا کو ضامن بنایا

عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ — ہے، بے شک اللہ تمھارے کاموں کو

مَا تَفْعَلُوْنَ ، وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ — جانتا ہے، اور اس عورت کے جیسے

نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ — نہ ہو جو اپنے کاتے سوت کو محنت کے

اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ — پیچھے توڑ کر ٹکڑے کرتی، تم اپنی قسموں

دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ — کو آپس میں پیٹھنے کا بہانہ بناتے ہو کہ

Marfat.com

ھیَ اَرْبیٰ مِنْ اُمَّۃٍ ط — ایک فرقہ دوسرے فرقہ سے بڑھ

(نحل - ۱۳۰) — چڑھ کر ہو،

خدا کا نام لے کر کوئی معاہدہ کرنا، اور اس کو توڑ ڈالنا خدا کے مقدس نام کی تحقیر ہے، اسی لئے فرمایا کہ جس بات پر تم نے قسم کھائی اس پر اس نے گویا خدا کو ضامن ٹھہرایا، اس لئے قسم کھاکر توڑا نہ کرو، اور لوگوں کو دھوکا نہ دیا کرو، پھر ایسی قسم کو توڑ ڈالنا ایسا ہی حماقت کا کام ہے جیسا عرب کی ایک بے وقوف عورت کا تھا جو سوت کات کات کر کھول دیتی یا ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی،

جب ایک فرقہ دوسرے فرقہ سے خدا کا نام لے کر معاہدہ کرتا ہے تو گویا وہ خدا کی ضمانت پر دوسرے کو امن دیتا ہے، اب اگر وہ کوئی قوت پاکر بدعہدی کرتا ہے اور اس فرقہ سے ٹوٹ کر کسی دوسرے طاقتور سے ملنے کی کوشش کرتا ہے، تو بڑی اخلاقی کمزوری ظاہر کرتا ہے،

اسی طرح جھوٹی قسم کھا کر کسی دوسرے کے مال پر دعویٰ کرنا خدا کے نام پر جھوٹ بولنا ہے، اور یہ ایک ساتھ دو گناہوں کا مجموعہ ہے یعنی غصب اور جھوٹ، اور وہ بھی خدا کے پاک اور مقدس نام پر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَہْدِ اللّٰہِ — بے شک جو لوگ خدا کے قرار اور اپنی

وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ — قسموں پر (دنیا کا) تھوڑا سا مال خریدتے

لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ — ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ	نہ اللہ اُن سے بات کرے گا، اور نہ
اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ	اُن کی طرف دیکھے گا قیامت میں،اور
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ،	نہ اُن کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے
(آل عمران-۸)	دردناک عذاب ہے،

شانِ نزول اورآیت کے سیاق کے لحاظ سے یہودیوں کی بددیانتیوں کی تصویر ہے، مگرآیت اپنے حکم کے لحاظ سے بہرحال عام ہے، ایک دفعہ حضرت عبد اللہؓ صحابی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی جھوٹی قسم کھاکر کسی مسلمان کا مال لینا چاہے گا تو جب وہ خدا کے پاس جائے گا تو خدا اس پر غضب ناک ہوگا" اشعث بنؓ قیس صحابی نے کہا "خدا کی قسم یہ آیت میرے واقعہ میں اُتری ہے، میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک زمین تھی، اس نے میری ملکیت سے انکار کیا، میں نے یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت یا گواہ ہے؟ میں نے کہا نہیں، تو آپ نے اس یہودی سے فرمایا کہ تم قسم کھاؤ تو میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! وہ تو اب قسم کھا جائے گا، اور میری چیز لے لیگا، اس وقت یہ آیت اُتری[1]؛

ابن جریر کی بعض روایتوں میں ہے کہ یہ آیت اُن سوداگروں کی شان میں ہے جو جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنا سامان بیچتے ہیں، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ نے تین دفعہ فرمایا، "تین آدمی ہیں جن کی طرف خدا قیامت کے دن نہ دیکھے گا، نہ اُن کو پاک کریگا،

[1] ابوداؤد کتاب الایمان والنذر و ابن جریر،

Marfat.com

اور اُن کے لیئے دردناک عذاب ہے" صحابی کہتے ہیں میں نے کہا کہ یہ لوگ جو ناکام ہو اور ٹوٹے میں پڑے وہ کون ہیں، یا رسول اللہ! فرمایا جو اپنا لباس گھٹنوں کے نیچے تک لٹکاتا ہے، (کیونکہ یہ غرور کی علامت ہے،) اور جو احسان جتاتا ہے، اور جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال بیچتا ہے، (مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ) بہرحال جیسا کہ معلوم ہے کہ شانِ نزول سے مراد وہ واقعہ ہے جس پر کوئی آیت پوری طرح صادق آجائے، اس لیئے ان تمام واقعات پر آیت کا حکم یکساں جاری ہوگا،

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا" جو کسی مسلمان کے حق کو جھوٹی قسم کھا کر لینا چاہے گا تو خدا اُس پر دوزخ کی آگ کو واجب کرے گا" صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اگرچہ کوئی معمولی سی چیز ہو، فرمایا درخت (اراک) کی ڈالی ہی کیوں نہ ہو[1] حضرت انسؓ صحابی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بڑے بڑے گناہ یہ ہیں، خدا کا شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، کسی بے گناہ کی جان لینا، اور جھوٹی قسم کھانا[2]" ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا جس شخص سے قسم کھلوائی جائے اور وہ جھوٹ قسم کھا جائے، تو وہ اپنا چہرہ لیکر دوزخ میں ٹھکانا پائے گا[3]" چہرہ کی خصوصیت شاید اس لیئے ہے کہ اُس نے انسانی عزت و آبرو کے خلاف کام کیا، اور بڑی ڈھیٹھائی دکھائی، جس کا اثر چہرہ پر نمایاں ہوتا ہے،

عموماً تاجر اور سوداگر چیزوں کی قیمت اور مال کی اصل حقیقت بتانے میں جھوٹ کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین [2] سنن نسائی باب فی ذکر الکبائر [3] سنن ابی داؤد کتاب الایمان،

مرتکب ہوتے ہیں، اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، اس لئے خاص طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ "فرمایا جھوٹی قسم مال کبوا دیتی ہے لیکن نفع (کی برکت) کو گھٹا دیتی ہے"[1]۔ روحانی حیثیت سے جو برکت گھٹتی ہے، وہ تو ہے ہی لیکن ظاہری حیثیت سے بھی ایسے شخص کی تجارت کو آخر میں چل کر اس کی عام بے اعتباری کی وجہ سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ بھی ظاہر ہے، چنانچہ اس کی تشریح ایک دوسری روایت میں ہے حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجارت میں بہت قسمیں کھانے سے پرہیز کرو، کیونکہ اس طرح پہلے کامیابی ہوتی ہے، پھر بے برکتی ہو جاتی ہے، کیسے بلیغ فقرے ہیں، فانہ ینفق ثم یمحق (مسلم ونسائی و ابن ماجہ)

جھوٹی قسموں کے علاوہ عام طور سے بیباکی کے ساتھ قسمیں کھانا بھی اسلامی شرافت کے خلاف ہے، قرآن پاک کی آیت اوپر گذر چکی ہے کہ بے سبب قسمیں کھانا ذلت و خواری کا سبب ہے، وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ (قلم) حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قسمیں کھانا قسم پوری نہ کرنے کے گناہ کا سبب ہے یا ندامت اور شرمساری کا موجب ہے"[2]۔

---

[1] صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی، منذری باب ترغیب التجار فی الصدق [2] ابن ماجہ و صحیح ابن حبان منذری، باب ترغیب التجار فی الصدق،

وعدہ خلافی

وعدہ کرکے اس کے خلاف کرنا بہت بڑی برائی ہے، اور یہ بھی حقیقت میں جھوٹ کی ایک قسم ہے، کسی قوم اور اس کے افراد کی عزت کا مدار بہت کچھ اس پر ہے کہ وہ اپنے وعدوں کے کتنے سچے اور اپنی بات کے کیسے پکے ہیں، جب کوئی شخص کوئی وعدہ کرلیتا ہے تو اپنے اوپر ایک ذمہ داری اوڑھ لیتا ہے، فرمایا:-

اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل-۴) بیشک وعدہ کی بازپرس ہوگی،

اور جس کی بازپرس خدا فرمائے اس کی اہمیت کتنی بڑی ہوگی،

قرآن پاک میں منافقوں کے سلسلہ میں ہے کہ ان کی بدعہدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل میں نفاق پیدا ہوگیا، فرمایا،

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ	پس اس کا اثر ان کے دل میں ڈال دیا
اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا	نفاق رکھنا اس دن تک جب وہ
اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا	اس سے ملیں گے، اس لئے کہ انہوں نے

Marfat.com

يَكْذِبُوْنَ ، | خدا سے وعدہ کر کے خلاف کیا، اور اس لئے
(توبہ - ۱۰) | کہ وہ جھوٹ بولتے تھے،

صحیحین میں ہے کہ منافق کی نشانی تین ہیں، جب بولے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے خلاف کرے، جب امانت دار بنایا جائے تو خیانت کرے" (صحیح مسلم میں اس کے بعد ہے) اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو، اور سمجھتا ہو کہ وہ مسلمان ہے، صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ چار باتیں جس میں ہوں وہ پکا منافق ہے، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک ہو اس میں منافق کی ایک نشانی ہے، جب تک اس کو چھوڑ نہ دے، جب امانت دار بنایا جائے، خیانت کرے، جب بولے جھوٹ بولے، جب معاہدہ کرے، خلاف کرے، جب جھگڑے گالی بکے،[۱]

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے تین باتوں کا ذمہ لو تو میں تمہارے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں، جب بولو تو سچ بولو، اور جب وعدہ کرو تو پورا کرو، اور جب امین ہو تو خیانت نہ کرو،

[۱] ترغیب ترہیب منذری باب الترغیب فی الصدق[۲] احمد، حاکم، ابویعلی بیہقی منذری باب انجاز الوعد،

Marfat.com

خیانت اور بددیانتی

ایک کا جو حق دوسرے کے ذمّہ واجب ہو، اس کے ادا کرنے میں ایمانداری نہ برتنا خیانت اور بددیانتی ہے، اگر ایک کی چیز دوسرے کے ذمہ امانت ہو، اور وہ امین بیجا تصرف کرتا، یا مانگنے پر واپس نہ کرتا ہو، تو یہ کھلی ہوئی خیانت ہے، یا کسی کی کوئی چھپی ہوئی بات کسی دوسرے کو معلوم ہو، یا کسی نے دوسرے پر بھروسہ کرکے کوئی اپنا بھید اس کو بتا یا ہو تو اس کا کسی اور پر ظاہر کرنا بھی خیانت ہے، اسی طرح جو کام کسی کے سپرد ہو، اس کو وہ دیانت داری کے ساتھ انجام نہ دے تو یہ بھی خیانت ہی کہلائے گا، علیٰ ہذا عام مسلمانوں ائمۂ وقت، اور اپنے متفقہ قومی وملّی مصالح کے خلاف قدم اٹھانا بھی ملّت سے بددیانتی ہے، دوست ہوکر دوستی نہ نباہنا بھی خیانت ہے، بیوی میاں کی وفاداری نہ کرے، تو یہ بھی خیانت ہے، دل میں کچھ رکھنا اور زبان سے کچھ کہنا، اور عمل سے کچھ اور ثابت کرنا بھی خیانت ہے، اسلام کی اخلاقی شریعت میں ساری خیانتیں یکساں ممنوع ہیں فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا   اے ایمان والو! اللہ اور رسول

Marfat.com

اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (انفال ۳)

خیانت نہ کرو، اور نہ آپس کی امانتوں میں جان کر بددیانتی کرو،

اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت یہ ہے کہ اقرار کرکے پورا نہ کیا جائے، ایمانداری سے اُن کے حکموں کی تعمیل نہ کی جائے، دین و ملّت کے مصالح کے ساتھ غداری کی جائے اور اللہ و رسول اور مسلمانوں کے دشمنوں کو چھپے چوری امداد پہنچائی جائے، یا مسلمانوں کے چھپے راز اُن کو بتائے جائیں، اسی طرح آپس کی امانتوں میں خیانت یہ ہے کہ جو چیز جس کے پاس امانت ہو، اس میں وہ ناجائز تصرف کرے اور کسی کا جو راز کسی کو معلوم ہوا اس کو دوسروں پر ظاہر کردے۔

یہ حدیث کئی دفعہ اوپر آچکی ہے کہ منافق کی تین علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ اُس میں خیانت کرے[1]۔ ابن مسعودؓ سے موقوفاً روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ خدا کی راہ میں مارا جانا ہر گناہ کا کفارہ ہے لیکن امانت کا قیامت کے دن بندہ کو لایا جائے گا، اگرچہ وہ خدا کی راہ میں شہید ہی ہوا ہو، اور کہا جائے گا کہ تم امانت لاؤ اور ادا کرو، وہ کہے گا، خداوندا! اب کیسے لاؤں دنیا تو ختم ہوچکی، کہا جائے گا کہ اس کو دوزخ کے طبقۂ ہاویہ میں لے جاؤ، وہاں امانت کی چیز تمثال بن کر اصل صورت میں سامنے آئے گی، تو وہ اُس کو دیکھ کر پہچان لے گا اور اس کے پیچھے گرے گا یہاں تک کہ اس کو پکڑ لے گا اور اس کو اپنے کندھوں پر لاد کر لے چلے گا، جب دوزخ سے نکلنا چاہیگا تو وہ بوجھ اُس کے کندھے سے گر پڑے گا، اور وہ پھر اس کے پیچھے ہمیشہ ہمیشہ گرتا چلا جائیگا،

---

[1] صحیحین وغیرہ ۱۲

انھون نے فرمایا نماز امانت ہے، وضو امانت ہے، تول بھی امانت ہے، ناپ بھی امانت ہے، اور بہت سی چیزین گنا کر فرمایا، اور ان سب سے زیادہ سخت معاملہ امانت کی چیزون کا ہے، راوی کہتا ہے کہ مین نے یہ حدیث حضرت براء بن عازب صحابی کو سنائی انھون نے تصدیق کی، اور فرمایا کیا تم نے قرآن کی آیت نہین سنی اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا. (نساء - ۸) یعنی "بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتین امانت والون کو ادا کردیا کرو"[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر جو اس کے بعد آئیگا پھر جو اس کے بعد آئےگا پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ بن بلائے گواہی دین گے خیانت کرین گے، امانت داری نہین کرین گے، اور نذر مانین گے، تو پوری نہ کرین گے"[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن بری باتون سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے اُن مین سے ایک خیانت بھی ہے، فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی! مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت بُرا اندرونی ساتھی ہے،[۳]

خیانت کے ایک معنی یہ ہین کہ کسی جماعت مین شامل ہو کر خود اسی جماعت کو جڑ سے اکھاڑنے کی فکر مین لگے رہنا، چنانچہ منافقین جو دل مین کچھ رکھتے تھے، اور زبان سے کچھ کہتے تھے، وہ ہمیشہ اسلام کے خلاف چھپی سازشون مین لگے رہتے تھے، مگر ان کی چال کارگر نہین ہوتی تھی، اور ہمیشہ اُن کا بھید کھل جاتا تھا، فرمایا،

---

[۱] مسند احمد بیہقی، منذری باب الترغیب فی انجاز الوعد [۲] صحیح بخاری و مسلم منذری باب مذکور [۳] ابوداؤد ونسائی، ابن ماجہ منذری باب مذکور،

Marfat.com

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ	اور ہمیشہ تو خبر پاتا رہتا ہے اُن کی
مِّنْهُمْ (مائدہ -۳)	ایک خیانت کی ،

یعنی اُن کی کسی نہ کسی خیانت کی خبر رسول کو ملتی ہی رہتی تھی ،

جس پر کسی امر مین بھروسہ کیا جائے اس کا اس بھروسہ کو پورا نہ کرنا بھی خیانت ہے حضرت یوسفؑ نے اپنے اوپر الزام کی پوری چھان بین عزیز سے کرائی ، اس کے بعد وہ کہتے ہین کہ مین نے یہ سب اس لئے کیا ،

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ	تاکہ عزیز کو یہ معلوم ہو جائے کہ مین نے
بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ	چوری چھپے اس سے خیانت نہین کی
كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ،	اور بے شک اللہ خیانت کرنے والون
(یوسف - ۷)	کے فریب کو نہین چلاتا ،

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویون نے اپنے مقدس شوہرون سے بیوفائی کی ان کی بے وفائی یہ تھی کہ وہ توقع کے خلاف اپنے شوہرون پر ایمان نہین لائین ، اور کافرون کا ساتھ دیتی رہین ، خدا نے فرمایا ،

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ	خدا نے کافرون کے لئے نوحؑ کی
كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ	بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان
لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ	کی ، یہ دونون عورتین ہمارے دو
مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَا	نیک بندون کے گھر مین تھین ، تو

هُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، (تحریم - ۲)	ان دونوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تو یہ دونوں (پیغمبر ہو کر بھی) اپنی بیویوں کو خدا سے نہ بچا سکے،

یہ دل کی خیانت تھی،

مگر خیانت صرف دل ہی سے نہیں ہوتی ہے، بلکہ ایک ایک عضو سے ہو سکتی ہے یہاں تک کہ چشم و ابرو کے اشاروں سے ہو سکتی ہے، لیکن اگر یہ یقین ہو کہ ایک ذات ہر چھوٹی بڑی چھپی کی ہر حرکت سے ہر وقت باخبر رہتی ہے، تو پھر انسان کو کسی قسم کی خیانت کاری کی جرأت نہ ہو، اسلام اسی یقین کو پیدا کر کے خیانتوں کا خاتمہ کرتا ہے، فرمایا:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (مومن ۲)	اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کاری کو اور جو چھپا ہے سینوں میں،

پھر اس سے چھپ کر کیوں کر کوئی کام کر سکتا ہے،

Marfat.com

غدّاری اور دغابازی

غداری اور دغابازی کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو زبان دے کر اطمینان دلایا جائے، اور پھر موقع پا کر اس کے خلاف کیا جائے قرآن پاک نے اس کو بھی خیانت کہا ہے، عربی میں اس کو عام طور سے غدر بھی کہتے ہیں، اسلام نے اس کی شدید بُرائی کی ہے کفار میں سے جو بار بار امن اور صلح کے وعدے کرکے بدل جاتے تھے، اور بار بار بدعہدی کرتے تھے اُن کے ذکر میں خدا فرماتا ہے،

اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ	جن سے تو نے معاہدہ کیا، پھر وہ اپنا
ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ	عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں، اور وہ تقوی
كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ	(خدا کا لحاظ) نہیں رکھتے، سو اگر
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ	اُن کو تو کبھی لڑائی میں پا دے تو
بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ	اُن کو ایسی سزا دے کہ اُن کے پیچھے
يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَاِمَّا تَخَافَنَّ	دیکھ کر بھاگیں، شاید وہ عبرت پکڑیں"

مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝ (انفال - ۷)

اگر تجھ کو کسی قوم کی دغا کا ڈر ہو تو ان کو تو برابر کا جواب دے، اللہ کو دغاباز خوش نہیں آتے،

اس آیت میں گو اُن کا ذکر ہے، جو ہر دفعہ عہد کرکے بدعہدی اور دغابازی کرتے تھے، مگر دو باتیں اس میں عمومیت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، ایک یہ کہ بدعہدی سراسر تقویٰ کے خلاف ہے، دوسری یہ کہ یہ غدّاری، دغابازی اور بدعہدی اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کردیتی ہے، اور اس کی ناخوشی کی موجب ہے، بدر کے قیدیوں کو فدیہ اور وعدہ لیکر چھوڑ دینے کی اجازت جہاں دی گئی ہے، وہیں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ اگر یہ خیانت اور دغا کریں تو اللہ اُن سے سمجھ لے گا، پھر اُن کو دوبارہ تمہارے قابو میں لے آئے گا، فرمایا،

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (انفال - ۱۰)

اور اگر وہ تیرے ساتھ خیانت (دغا) کرنا چاہتے ہیں، تو وہ اس سے پہلے خدا سے بھی خیانت (دغا) کرچکے ہیں، تو خدا نے اُن پر قابو دے دیا اور اللہ

خدا سے دغا کرنے کی صورت یہی ہے کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے، تو خدا تو سب کا حال جانتا ہے، اور ہر مصلحت اس کو معلوم ہے، اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے، اس نے اُن کے چھوڑنے کی اجازت دی تو وہ بھی علم اور مصلحت سے دی تھی،

حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا، قیامت کے دن ہر غدار کا ایک جھنڈا ہوگا، یعنی

اس سے اس کی بدعہدی اور غداری کی تشہیر ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فوج کے افسرون کو جو نصیحتین فرماتے تھے، اُن مین سے ایک یہ بھی ہوتی تھی کہ "بدعہدی نہ کرنا"[1] یعنی دشمنون سے معاہدہ کرکے پھر غداری نہ کی جائے، ظالم بادشاہون، حاکمون، افسرون، سپہ سالارون کا ایک چلتا ہوا حیلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ امن وامان کا وعدہ کرکے کسی کو اپنے پاس بلاتے ہین اور جب وہ اُن کے قابو مین آجاتا ہے، تو اُس کو سزا دیتے یا مروا دیتے ہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو (جان) کا امن دیا، اور پھر مروا ڈالا تو مین اُس سے الگ ہون اگرچہ مقتول کافر ہی کیون نہ ہو"[2]

خدا فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ، (مائدہ - ۱) ‏ اے ایمان والو! اپنی گرہون (قول وقرار) کو پورا کرو،

عقود کی تعمیم مین وہ تمام شرطین، وعدے اور معاہدے داخل ہین، جو کوئی اپنے خدا سے یا بندہ سے یا کوئی جماعت کسی دوسری جماعت سے کرے، یہان تک کہ مسلمان اپنے دشمنون سے بھی جو معاہدہ کرین، اس کا حرف بحرف پورا کرنا ضروری ہے، ایک دفعہ امیر معاویہ نے رومیون سے مدت متعینہ کے لئے کوئی معاہدہ کیا، اس کے ختم ہونے کا زمانہ قریب آیا تو امیر موصوف اپنی فوجین لے کر اُن کی سرحد کے پاس پہنچ گئے کہ ادھر مدت ختم ہو اور ادھر وہ حملہ کردین، یہ دیکھ کر عمرو بن عنبسہ نامی ایک صحابی سوار ہوکر نکلے، اور چلاتے

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر [2] سنن ابن ماجہ وصحیح ابن حبان منذری باب الترغیب فی انجاز الوعد۔

Marfat.com

اللہ اکبر! اللہ اکبر! بدعہدی نہیں، امیر معاویہ نے بلوا کر پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ کیا جائے تو اسکی کوئی گرہ نہ باندھی جائے نہ کھولی جائے، (یعنی نہ اس میں سے کچھ کم کیا جائے نہ زیادہ کیا جائے) اور یا اس کے پہلے سے خبر کر دے کہ معاہدہ کو یک قلم رد کر دیا جائے" یہ سن کر امیر معاویہ واپس چلے آئے[1] غور کی بات یہ ہے کہ امیر معاویہ نے معاہدہ کے لفظوں کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہی تھی، لیکن اُن کا یہ فعل معاہدہ کی روح اور معنی کے خلاف تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتوں نے اس کو بھی بدعہدی سمجھا، اور امیر لشکر کو اس سے بھی روک دیا،

[1] سنن ابی داؤد باب الوفاء بالعہد،

بُہتان

بُہتان یہ ہے کہ جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو مجرم ٹھرایا جائے، یا اُس کی طرف کوئی ناکردہ گناہ یا بُرائی منسوب کی جائے، یہ بھی ایک طرح کا جھوٹ ہے، بلکہ قرآن نے اس کو بھی خیانت کہا ہے،

بعض بہتان ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا لیکن شرارت کی راہ سے کسی بے گناہ کے سر اس لئے تھوپا جاتا ہے کہ اُس کی بدنامی ہو، قرآن نے اس کا نام افک رکھا ہے، یہ دونوں باتیں جھوٹ ہونے کے علاوہ حد درجہ شرافت کے خلاف ہیں، اور اسی لئے جو لوگ جان بوجھ کر یا بے جانے بوجھے اس بہتان باندھنے میں شریک ہو جاتے ہیں وہ بھی گنہگار اور خیانت کار ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں طعمہ نام مدینہ کے ایک منافق نے ایک صحابی کے گھر میں چوری کی، مسلمانوں کو اس پر شبہہ ہوا، تو اُس نے ایک مسلمان کا نام لے دیا، وہ تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا، یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اس منافق کے گھر والوں نے

Marfat.com

اس کا ساتھ دیا، اور اس کو بری ٹھہرایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے موافق فیصلہ کرنا چاہا تو وحیِ الٰہی نے دفعۃً حقیقت کا پردہ چاک کر دیا،[1] دوسری روایت یہ کی جاتی ہے کہ طعمہ کو ایک یہودی نے اپنی زرہ امانت رکھنے کو دی، اُس نے خیانت کی، اور واقعہ سے انکار کر دیا، اور زرہ دوسرے کے گھر میں پھینک دی، لوگوں نے اس کو پکڑا، آخر معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، آپ نے ظاہر حال پر فیصلہ کرنا چاہا، اس وقت یہ وحی آئی،[2] بہر حال واقعہ جو کچھ ہو، امر مشترک یہ ہے کہ گنہگار کو بے گناہ اور بے گناہ کو گنہگار ٹھہرانے کے متعلق یہ آیتیں ہیں،

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ	ہم نے تیری طرف (اے پیغمبر!)
بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ	یہ سچی کتاب اتاری ہے کہ تو لوگوں
بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ	کے درمیان اس کے ذریعہ جو خدا
لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ	نے تجھ کو سوجھایا انصاف کرا اور
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝	خیانت کاروں کی طرف سے نہ جھگڑا
وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ	اور اللہ سے قصور معاف کرا، بیشک
يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ	اللہ بخشنے والا رحم والا ہے، اور ان کی
لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝	طرف سے نہ جھگڑا، جو اپنے جی میں دغا
يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ	رکھتے ہیں، بیشک اللہ خیانت کار

[1] جامع ترمذی تفسیر سورۂ نساء [2] تفسیر طبری سورۂ نساء آیت اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ

Marfat.com

مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ	گنہگار کو دوست نہین رکھتا، وہ لوگون
مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَکَانَ	سے چھپنا چاہتے ہین، اور خدا سے نہین
اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ۝	چھپنا چاہتے، اور وہ اُن کے ساتھ ہی ہے
(نسآء ۔ ۱۶)	جب رات کو وہ سازش کرتے ہین جو خدا
	کو پسند نہین، اور اللہ اُن کے کامون ہ

آگے چل کر ہے،

وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْٓئَۃً اَوْ اِثْمًا	اور جو کوئی خطا یا گناہ کرے، پھر وہ اسکی
ثُمَّ یَرْمِ بِہٖ بَرِیْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ	تہمت کسی بے گناہ پر دھرے اس نے
بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا (نساء ۱۶)	طوفان اور کھلا گناہ (اپنے سر) لادا،

ان آیتون مین خیانت کارانہ تہمت تراشی کی برائی کس خوبی سے ظاہر کی گئی ہے سب سے پہلے تو رسول کو انصاف کی تاکید ہے، پھر یہ حکم ہے کہ خیانت کارون کی حمایت اور اُن کی طرف سے کوئی وکالت نہ کرے، پھر فرمایا، جو ایسے خائن ہین، وہ بڑے گنہگار ہین، اور خدا کی محبت سے محروم ہین، یہ لوگ دنیا کی شرم کے مارے انسانون سے چھپنے کے لئے اپنا گناہ دوسرے کے سر ڈالتے ہین، اور خدا سے نہین شرماتے جو ہر جگہ اُن کے ساتھ ہے اور اُن کے ہر کام کو دیکھ رہا ہے، اس سے کوئی حقیقت چھپائے کیسے چھپ سکتی ہے، اگر یہی یقین کسی کو ہو جائے تو وہ کسی پر تہمت اور بہتان باندھنے کی جرأت نہین کرسکتا، اس کے بعد یہ سرزنش اُس کو سنائی گئی کہ جس نے جرم خود کرکے اپنا جرم دوسرے کے سر تھوپا اُس نے بہتان باندھا اور

گناہ کا بوجھ اپنے سر پر لادا،

پہلے عرب مین دستور تھا کہ جو عورت کئی کئی مردون سے ملتی تھی، وہ اُن مین سے کسی ایک کی طرف بچہ کو منسوب کر دیتی تھی یا مجہول بچہ کو اپنا کہکر شوہر کی طرف نسبت دیتی تھی خدا نے اس کو بہتان کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ جو عورت مسلمان ہونے آئے اُس سے یہ بیعت لی جائے کہ وہ آیندہ اس جرم سے باز رہے گی،

وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ	اور یہ کہ وہ بہتان نہ باندھین گی اپنے
بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ ۝ (ممتحنہ-۲)	ہاتھوں اور پاؤں کے بیچ میں،

کسی مسلمان کو معمولی تکلیف پہنچانا بھی بُری بات ہے، پھر بن کئے اس پر جھوٹا الزام رکھکر اس کو دلی تکلیف پہنچانا کتنی بُری بات ہے، خدا نے فرمایا،

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ	اور جو مسلمان مردون اور مسلمان عورتون
وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا	کو بن کئے (تہمت لگاکر) تکلیف پہنچاتے
فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا	ہین، انھون نے بہتان اور کھلا گناہ
مُّبِينًا ۝ (احزاب-۷)	(اپنے سر) لادا،

شریف بیویون پر بہتان باندھنا چونکہ اُن کی عزت پر حرف رکھنا ہے، اس لئے دنیا ہی مین اس کی سزا یہ مقرر کی گئی کہ جو اس بہتان کا مرتکب ہو اور شرعی گواہی پیش نہ کر سکے اسکو کوڑے مارے جائین،

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ	اور جو لوگ شریف بی بیون کو عیب

Marfat.com

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (نور-۱)

لگاتے ہین، پھر نہ لائے چار گواہ، تو اُن کو اسی کوڑے مارو، اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو، اور وہ فاسق ہین، مگر جنھون نے توبہ کی،

اس بہتان کی برائی کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ بہتان باندھنے والا خدا تعالیٰ کے حضور مین فاسق ٹھہرایا گیا، اور اس کی گواہی ہمیشہ کے لئے بے اعتبار ہوگئی،

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اپنے غلام پر تہمت لگائے گا، حالانکہ وہ بے گناہ ہو، یعنی اُس نے وہ جرم نہین کیا تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس مالک کی پیٹھ پر کوڑے مارے گا[1]، یہ گویا قذف یعنی تہمت بیجا کی مثالی سزا ہوگی، ایک اور حدیث مین آپ نے فرمایا کہ جس مین جو برائی نہین، اس کی نسبت اس کی طرف کرنا بہتان ہے[2] یعنی اُس سے بچنا چاہئے،

---

[1] و [2] سنن ابی داؤد کتاب الادب،

چغلخوری

چغل خور کا کام یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان جھوٹی سچی باتیں بیان کر کے ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکائے، اور اپنا رسوخ جتائے، اور چونکہ ایسے لوگ چغل بھر کر ایک کی ایسی بات دوسرے کو پہنچاتے ہیں جس سے دوسرے کو پہلے پر غصہ آئے، اور ان کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہو، اسی لئے قرآن نے ان لوگوں کے اوصاف میں جنکی بات نہیں ماننی چاہئے یہ الفاظ کہے ہیں،

مَشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ (قلم-۱)

جو چغلی لگاتا پھرتا ہے،

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اصول مقرر فرما دیا کہ جب کوئی شخص کوئی خبر لے کر آئے تو پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اس خبر کا لانے والا کیسا ہے؟ اگر وہ سچا مومن نہیں تو اس کی بات ہی نہ مانی جائے، ایسا نہ ہو کہ اس کی بات مان کر جلدی میں کوئی ایسی حرکت کر بیٹھی جائے جس پر پیچھے افسوس ہو، فرمایا،

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ	اے ایمان والو! اگر کوئی گنہگار تمہارے
فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا	پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو تحقیق کر لو

قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا | کہیں کسی قوم پر نادانی سے جا نہ پڑو،
فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ، (حجرات-۱) | پھر اپنے کئے پر پچھتانے لگو

اس آیت مین غور کے قابل خاص نکتہ یہ ہے کہ جھوٹی خبرین پھیلانے والے کو خدا نے فاسق کا خطاب دیا ہے، اور چونکہ اس بداخلاقی کا مقصد زیادہ تر دو شخصون بالخصوص عزیز واقارب اور دوست واحباب مین نااتفاقی پیدا کرانا ہوتا ہے، اسی بناپر حدیث مین آیا ہو کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مین تمھیں بتاؤن کہ سب سے برے لوگ کون ہین پھر خود ہی فرمایا،

المشاؤن بالنمیمۃ المفسدون | جو چغلیان کھاتے پھرتے ہین، اور
بین الاحبۃ (مسند احمد جلد ۶ | دوستون کے آپس کے تعلقات خراب
ص ۴۵۹ عن اسماء بنت یزید) | کرتے ہین،

صحیحین مین ہو کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان کے پاس سے گذرے، تو فرمایا کہ ان مین سے ایک پر اس لئے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کھاتا پھرتا تھا[۱]، صحیح مسلم مین ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الا انبئکم ما العضۃ ھی | کیا مین تم کو بتاؤن کہ عضہ کیا ہو، وہ
النمیمۃ القالۃ بین الناس[۲] | چغلخوری ہو جو لوگون کے درمیان بیان

۱؎ صحیح بخاری کتاب الطہارۃ باب من الکبائر ان لا یستتر عن بولہ وصحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب الدلیل علی نجاسۃ البول ۲؎ مسلم کتاب البر والصلہ باب تحریم النمیمۃ،

لغت میں عضہ کے معنی تفریق اور سحر کے ہیں، اس لیے اگر اس حدیث میں تفریق کے معنی لئے جائیں، تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں علیحدگی کرنا چغلخوری کی حقیقت میں داخل ہے، لیکن اگر سحر کے معنی لئے جائیں تو اس صورت میں بھی سحر اور چغلخوری میں مشابہت ومناسبت ہے، کیونکہ سحر سے بھی دو شخصوں بالخصوص میاں بی بی میں علیحدگی کرائی جاتی ہے، چنانچہ خود قرآن مجید میں ہے،

فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ	اس پر بھی ان (ہاروت وماروت) سے
بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ	ایسی باتیں سیکھتے ہیں، جن کی وجہ سے میاں
(بقرہ - ۱۲)	بیوی میں جدائی ڈال دیں،

عام طور پر مفسرین اس تفریق کا ذریعہ اس سحر کو قرار دیتے ہیں جو لوگ ہاروت ماروت سے سیکھتے تھے، لیکن بعض علماء کے نزدیک یہ مقصد چغلخوری سے حاصل کیا جاتا تھا،

عام طور پر یہ مقصد اس طرح حاصل کیا جاتا ہے، کہ ایک کی بات دوسرے تک پہنچائی جاتی ہے، مثلاً یہ کہ فلاں شخص تمہاری نسبت یہ کہتا تھا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ ہدایت کی تھی،

لَا یُبَلِّغُنِیْ احد من اصحابی	میرے اصحاب میں سے کوئی مجھ تک کسی کی
عن احد شیئًا فانی احب ان	بات نہ پہنچائے کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں
اخرج الیکم وانا سلیم الصدر[۱]	کہ تمہارے پاس آؤں تو میرا دل صاف ہو

[۱] ابوداؤد کتاب الادب باب فی رفع الحدیث،

Marfat.com

لیکن اس قسم کی باتین عام طور پر وہ ہوتی ہین جو معیوب اور ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہین بعض اوقات تو خود وہ شخص اس کو معیوب سمجھتا ہی جو دوسرے تک اس کو پہنچاتا ہے، بعض حالتون مین جس شخص تک وہ بات پہنچائی گئی ہے اس کو ناگوار گذرتی ہے، بعض موقعون پر دوسرے لوگ اس کو برا سمجھتے ہین، غرض کسی نہ کسی طرح یہ بات ناپسندیدہ خیال کی جاتی ہے، اور جو لوگ اس بداخلاقی مین مبتلا ہوتے ہین، وہ اس قسم کی ناپسندیدہ باتون کی ٹوہ مین لگے رہتے ہین، تاکہ اُن کو پھیلا کر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائین، اسی بنا پر اہل عرب چغلخورون کو ہیزم بردار کہتے ہین یعنی جس طرح لکڑیان بیچنے والے لکڑیان چن چن کر لاتے ہین، اور ایندھن کے لئے گھوم گھوم کر بازارون مین فروخت کرتے ہین، اسی طرح یہ لوگ اس قسم کی باتون کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پھیلاتے ہین، اور آتش فتنہ و فساد کے لئے ایندھن بہم پہنچاتے ہین،

قرآن مجید مین ابولہب کی بی بی کو بعض مفسرین کی راے کے مطابق حَمَّالَةَ الْحَطَب یعنی ہیزم بردار کا خطاب اسی لئے دیا گیا ہے کہ وہ لوگون کی چغلیان کھاتی پھرتی تھی،

ان مین بعض لوگ استراق سمع کرتے ہین یعنی چھپ چھپ کر لوگون کی باتین سنتے ہین اور پھر اُن کو دوسرون تک پہنچاتے ہین، اس قسم کے لوگون کو لغت مین قتات کہتے ہین اور اُن کی نسبت رسول اللہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے،

لا یدخل الجنۃ قتات[۱] — جنت مین چغلخور داخل نہ ہوگا،

اس قسم کی باتین خوب نمک مرچ لگا کر نہایت چرب زبانی کے ساتھ بیان کی جاتی

---

[۱] ابوداؤد کتاب الادب باب فی القتات،

Marfat.com

ہین تاکہ اُن کا اثر بڑھ جائے اسی لئے عربی زبان مین چغلخوری کو "وشایہ" کہتے ہین جس کے معنی نقش و نگار کے ہین، اور ادھر کی اودھر لگانے کے لئے چغلخورون کو دوڑ دھوپ بھی کرنی پڑتی ہے اسی مناسبت سے چغلخوری کو "سعایہ" بھی کہتے ہین جس کے معنی دوڑ دھوپ کرنے کے ہین یہ کام اگرچہ زیادہ تر زبان سے لیا جاتا ہے، لیکن وہ صرف زبان ہی تک محدود نہین ہے بلکہ تحریر و کتابت اور رمز و اشارت سے بھی چغلخوری کی جاسکتی ہے اور وہ صرف اقوال ہی تک محدود نہین بلکہ اعمال بھی اس مین داخل ہین یعنی دوسرے شخص سے صرف یہی نہین کہا جاسکتا کہ فلان شخص یہ کہتا تھا، بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ "فلان شخص یہ کام کرتا تھا"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ محض زبان سے ایک کی بات دوسرے تک پہنچانا چغلی کی مکمل تعریف نہین ہے بلکہ اس کی جامع تعریف یہ ہے کہ ایک شخص کی ایسی بات یا کام کو دوسرے تک پہنچانا جس سے دوسرا پہلے سے بدگمان ہوجائے،

اس بنا پر چغلخوری سے محفوظ رہنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ایک شخص لوگون کے جو حالات دیکھے یا سُنے اُن کو بغیر جائز ضرورت کے ظاہر نہ کرے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک "مالایعنی" کی جو ہدایت مسلمانون کو کی ہے، اس پر عمل کرنے سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے،

چغلخوری ایک فتنہ پردازی ہے جس کے نتائج بعض حالتون مین نہایت خطرناک صورت مین ظاہر ہوتے ہین، اور قتل و خونریزی تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے، اس کے سوا وہ متعدد گناہون کا مجموعہ ہے، اور اس مین غیبت، بہتان، تجسس، کذب، فریب، نفاق غرض مختلف بداخلاقیون کے عناصر شامل ہوتے ہین، اس لئے وہ ان نتائج اور ان عناصر

Marfat.com

کے لحاظ سے گناہ کبیرہ ہے لیکن اسی کے ساتھ وہ تمدن و معاشرت کا ایک جزو ہو گئی ہے، اگر امراء کے درباروں میں تملق و خوشامد کے لئے چغلخوری کی جاتی ہے تو عام صحبتوں میں اس سے تفریح خاطر اور لطف صحبت کا کام لیا جاتا ہے، اس لئے یہ اخلاقی مرض اس کثرت سے پھیل گیا ہے کہ وہ ایک معمولی چیز بن گیا ہے، اور اس کو لوگ گناہ کبیرہ نہیں سمجھتے، اسی نکتہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے کسی باغ سے نکلے تو دو مردوں کی آواز سنی جن پر اُن کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا، فرمایا اُن پر عذاب ہو رہا ہے لیکن یہ عذاب کسی بڑے گناہ پر نہیں ہوتا، حالانکہ وہ بڑے گناہ کے کام ہیں، اُن میں ایک تو پیشاب آڑ میں نہیں کرتا تھا، اور دوسرا لوگوں کی چغلیاں کھاتا پھرتا تھا۔[1]

اس حدیث شریف کی شرح میں محدثین نے بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں، یہاں تک کہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ پہلے تو آپ نے یہ فرمایا کہ یہ کوئی بڑا گناہ نہیں، پھر جب وحی کے ذریعہ سے آپ کو معلوم ہوا کہ یہ گناہ کبیرہ ہے تو اُس کو منسوخ کر دیا، اور فرمایا کہ وہ بڑے گناہ کا کام ہے، محدثین نے اس قسم کی اور بھی بہت سی نکتہ آفرینیاں کی ہیں حالانکہ حدیث کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ یہ دونوں بداخلاقیاں اس قدر عام ہو گئی ہیں کہ ان کو لوگ معمولی چیز سمجھنے لگے ہیں، حالانکہ وہ معمولی چیز نہیں بلکہ کبائر روز بقات

---

[1] بخاری کتاب الادب باب النمیمۃ من الکبائر،

مین داخل ہین،

قرآن مجید مین بھی اس کی نظیر موجود ہے، چنانچہ افک عائشہؓ کے عام چرچے کے متعلق ارشاد الٰہی ہے،

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ	جب تم لگے اپنی زبانون سے اس کی
تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ	نقل درنقل کرنے، اور اپنے منہ سے
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ	ایسی باتین کہنے جس کی تم کو مطلق
هَيِّنًا وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ	خبر نہین اور تم نے اس کو ایسی ہلکی
	(سی) بات سمجھا حالانکہ وہ اللہ کے
(نور - ۲)	نزدیک بڑی (سخت بات) ہے،

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو باتین کسی کی تشہیر و تفضیح سے تعلق رکھتی ہین، عام دلچسپی کی وجہ سے وہ معمولی خیال کی جاتی ہین، حالانکہ وہ معمولی نہین ہوتین،

کشفِ عورت اور کشفِ عیوب مین جو مناسبت ہے، وہ بھی اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے، یہ بد اخلاقی زیادہ تر نہایت دنی الطبع، پست حوصلہ، مبتذل، اور ناقابل اعتنا اشخاص مین پائی جاتی ہے، بغض و انتقام لینے یا کسی ذی وجاہت شخص کے یہان رسوخ حاصل کرنے یا سوسائٹی مین شریک ہونے کے لئے اور کوئی ذریعہ نہین پاتے، تو چغلخوری سے کام لیتے ہین، اس لئے اُن کے شر و فساد سے بچنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اُن کی بات ناقابلِ اعتبار قرار دی جائے، اور اُن کا کہنا نہ مانا جائے، اور قرآن مجید نے رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طریقہ کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے،

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ
هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ
لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ

(قلم-۱)

اور تو ایسے کا کہا نہ مان جو بہت قسمیں
کھاتا ہے، آبرو باختہ ہے (لوگون
پر) آوازے کسا کرتا ہے چغلیان
لگاتا پھرتا ہے اچھے کامون سے
(لوگون کو) روکتا رہتا ہے، حد سے
آگے بڑھ گیا ہے، بدکار ہے،

Marfat.com

غیبت اور بدگوئی

شریعت کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی عزت و آبرو محفوظ رہے، اور ان کے باہمی تعلقات خوشگوار رہیں، اس بنا پر جن بداخلاقیوں سے مسلمانوں کی عزت و آبرو کو صدمہ پہنچتا ہے، اور ان کے تعلقات میں ناگواری پیدا ہوتی ہے، شریعت نے ان کی ممانعت کی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مجموعی طور پر ان کو ایک جگہ بیان کر دیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ	مسلمانو! مرد مردوں پر نہ ہنسیں عجب
قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا	نہیں کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ (خدا کے
خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن	نزدیک) ان سے بہتر ہوں، اور
نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ	نہ عورتیں عورتوں پر ہنسیں عجب نہیں
وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا	کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ اُن سے بہتر
بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ	ہوں، آپس میں ایک دوسرے کو
بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ	طعنے نہ دو، اور نہ ایک دوسرے کو

فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝

(حجرات - ۲)

نام دھرو، ایمان لائے پیچھے بدتہذیبی کا نام ہی برا ہے، اور جو (ان حرکات سے) باز نہ آئیں تو وہی (خدا کے نزدیک) ظالم ہیں، مسلمانو! (لوگوں کی نسبت) بہت شک کرنے سے بچتے رہو، کیونکہ بعض شک داخل گناہ ہیں، اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں نہ رہا کرو، اور تم میں سے ایک کو ایک پیٹھ پیچھے برا نہ کہے، بھلا تم میں سے کوئی (اس بات کو) گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم کو گھن آئے

(اور اللہ سے تقوی کرو، بیشک اللہ رجوع ہونے والا اور رحم کرنے والا ہے)

ان تمام اخلاقی احکام سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے قول و عمل سے مسلمانوں کے عیوب کی پردہ دری نہیں کرنی چاہئے لیکن ان طریقوں میں سب سے زیادہ جس طریقہ سے مسلمانوں کے عیوب کی پردہ دری ہوتی ہے، وہ غیبت ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تعریض، تصریح، رمز و اشارت، تحریر و کتابت اور محاکات و نقالی ہر طریقہ سے دوسروں کے عیوب بیان کئے جا سکتے ہیں، اور ایک شخص کے نسب، اخلاق، دین و دنیا، جسم، کپڑے لتے، غرض ہر چیز میں عیب نکالا جا سکتا ہے، اس لئے اللہ تعالی نے نہایت

پرزور طریقہ سے اس کی ممانعت کی ہے، اور اس کو خود اپنے بھائی کے مردار گوشت سے تشبیہ دی ہے (جس میں بلاغت کے بہت سے نکتے ہیں)

۱۔ انسان کا گوشت محض اس کی عزت و حرمت کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے جو چیز اس کی عزت و حرمت کو نقصان پہنچاتی ہے، وہ بھی اس کے گوشت کی طرح حرام ہو،

۲۔ لڑائی جھگڑے میں جب باہم مقابلہ ہوتا ہے تو بعض لوگ شدتِ غضب میں اپنے حریف کا گوشت نوچ لیتے ہیں، اگرچہ یہ بھی ایک برا فعل ہے، تاہم اس میں ایک قسم کی شجاعت پائی جاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص حریف کے مرجانے کے بعد اس کا گوشت نوچ لے تو مکروہ ہونے کے ساتھ یہ ایک بزدلانہ فعل بھی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص رُو در رُو کسی کو برا کہے تو گو یہ ایک ناپسندیدہ چیز ہے تاہم اس میں بزدلی نہیں پائی جاتی لیکن ایک شخص کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا نہایت بزدلانہ کام ہے، اور بعینہٖ ایسا ہی جیسے کوئی اپنے حریف کے مقتول ہونے کے بعد اس کا گوشت نوچ کھائے،

۳۔ لوگ شدتِ محبت سے بھائی کی مردہ لاش کا دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے، اس لئے جو شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت نوچ کھاتا ہے، اس سے اس کی سخت قساوت و سنگدلی اور بغض و عداوت کا اظہار ہوتا ہے، اور یہ اُس لطف و محبت کے منافی ہے جس کو اسلام مسلمانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے،

۴۔ مردار گوشت کا کھانا سخت اضطرار کی حالت میں جائز ہے، اور اس وقت بھی اگر کسی انسان کے بجائے بکری کا مردار گوشت مل جائے، تو وہ انسان کا گوشت کھانا پسند

Marfat.com

نہ کریگا، اس لیے غیبت اُس وقت تک جائز نہیں ہوسکتی، جب تک کوئی شرعی، معاشرتی، اخلاقی یا سیاسی ضرورت انسان کو مجبور نہ کرے، اور اس حالت میں بھی جہاں تک ممکن ہو علانیہ غیبت سے احتراز کرنا چاہیے اور صرف رمز و اشارہ سے کام لینا چاہیے، اسی قرآنی تنبیہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں نہایت بلیغ طریقہ پر غیبت کی برائی بیان کی ہے،

ایک حدیث میں ہے کہ شب معراج میں میرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے، اور وہ اُن سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ بولے یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے، اُن کی عزت و آبرو لیتے تھے[1]

اعمال اور اعمال کی جزاء و سزا میں مناسبت ہوتی ہے، یہ لوگ چونکہ لوگوں کا گوشت نوچ کھاتے تھے یعنی اُن کی غیبت کرتے تھے، اس لئے عالم برزخ میں اُن کی سزا یہ مقرر کی گئی کہ خود اپنا گوشت نوچتے رہیں،

ایک بار سخت بدبو پھیلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ اُن لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں،[2]

اس حدیث میں بھی اعمال اور جزاء و سزا کی مناسبت ظاہر ہے، مردار گوشت اکثر بدبودار ہوتا ہے اور یہ لوگ بھی گوشت کھاتے تھے، اس لئے یہ بدبو اسی مردار خواری کا نتیجہ تھی،

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ [2] ادب المفرد باب الغیبۃ،

اس حدیث میں ایک نکتہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ غیبت کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے عیوب کی تشہیر و تفضیح کی جائے، اس لئے جس طرح غیبت کرنے والے لوگوں کے عیوب کو عام طور پر پھیلاتے ہیں، اسی طرح اُن کے اس عمل کی نجاست و گندگی کی بو بھی دنیا میں پھیل کر لوگوں کو اُن سے متنفر کرتی ہے، اسی نکتہ کو آپ نے دوسری حدیث میں بلا تشبیہ و تمثیل کے نہایت واضح طور پر بیان کیا، اور فرمایا "اے وہ لوگو! جو زبان سے تو ایمان لائے ہو لیکن ایمان تمہارے دلوں کے اندر جاگزین نہیں ہوا ہے، نہ مسلمانوں کی غیبت کرو، نہ ان کے عیوب کی تلاش میں رہو، کیونکہ جو شخص اُن کے عیبوں کی تلاش میں رہے گا، خداوند تعالیٰ بھی اس کے عیب کی تلاش کرے گا، اور خدا جس کے عیب کی تلاش کرے گا خود اس کے گھر ہی کے اندر اسکو رسوا کر دے گا،[۵]

لغت کے رو سے غیبت کسی شخص کی غیر موجودگی میں اُس کی بُرائی کے بیان کو کہتے ہیں، مگر مذہبی تعلیم میں شخص کی غیر موجودگی غیبت کے لئے کوئی ضروری قید نہیں، اسی طرح یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کی واقعی بُرائیاں ظاہر کی جائیں تو یہ غیبت نہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے ان دونوں باتوں کی تردید ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ غیبت کس کو کہتے ہیں، آپ نے فرمایا "تمہارا اپنے بھائی کی اس چیز کا ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرے" کہا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں تو فرمایا اگر وہ عیب اس میں موجود ہے

---

[۵] ابو داؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ،

Marfat.com

توتم نے اس کی غیبت کی، اور اگر نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان لگایا[1]

اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی برائی بیان کرنا غیبت کی تعریف کا کوئی ضروری جز نہیں، بلکہ اگر کسی شخص کے سامنے اُس کی بُرائی بیان کی جائے تو یہ بھی غیبت ہوگی لیکن اس لفظ کے اشتقاق کی مناسبت سے اہل لغت کے نزدیک غیبت صرف اس بدگوئی کا نام ہے جو کسی کے پیٹھ پیچھے یعنی اس کی عدم موجودگی میں کیجائے، باقی کسی کے سامنے اس کے عیوب کا بیان کرنا تو یہ غیبت نہیں ہے بلکہ سب وشتم میں داخل ہے،

اسی طرح غیبت صرف زبان تک محدود نہیں ہے، بلکہ ہاتھ پاؤں، اور آنکھ کے ذریعہ سے بھی غیبت کی جاسکتی ہے، کسی شخص کی نقل کرنا، مثلاً ایک شخص لنگڑا ہے، تو اُس کے اس عیب کے نمایاں کرنے کے لئے لنگڑا کر چلنا بھی غیبت ہے، ایک بار حضرت عائشہؓ نے ایک شخص کی نقل کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنی سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا،[2]

اسی طرح چشم و ابرو کے اشارے سے کسی کے عیب کی پردہ دری کرنا بھی غیبت ہے، اور قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں غیبت کے ان ہی مختلف طریقوں کی بُرائی بیان کی ہے،

هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ (قلم - ۱)	(لوگوں پر) آوازے کسا کرتا ہو، اُدھر کی اِدھر، اِدھر کی اُدھر) چغلیاں لگاتا پھرتا ہے،

---

[1] و [2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ،

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (همزہ) — ہر شخص جو (لوگوں کی) عیب چینی کرتا (اور ان پر) آوازے کستا ہو اس کی (بھی بڑی) تباہی ہے،

ان آیتوں میں غیبت کے جن مخفی اور دلخراش طریقوں کی مذمت کی گئی ہے، اُن کی توضیح ترجمہ سے نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لئے اہل لغت کی تصریحات پیش نظر رکھنی چاہئیں جو حسب ذیل ہیں،

(۱) همز سامنے اور لمز پیٹھ پیچھے برائی کرنا،

(۲) همز خاص طور پر لوگوں کے نسب کی برائی بیان کرنا،

(۳) همز ہاتھ کے اشارے سے اور لمز زبان سے غیبت کرنا،

(۴) همز زبان سے اور لمز آنکھ کے اشارے سے غیبت کرنا،

(۵) همز بُرے الفاظ سے ہم نشینوں کی دل آزاری کرنا،

(۶) لمز آنکھ، ہاتھ، سر اور ابرو کے اشارے سے ہم نشینوں کی برائی بیان کرنا،

اس تشریح سے معلوم ہوگا کہ غیبت کا دائرہ کہاں تک وسیع ہے،

کسی کی برائی بیان نہ کرنا اخلاق کی بڑی اچھی چیز ہے لیکن خود اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کی واقعی برائی بیان کی جائے تاکہ اُن کو تنبیہ اور ندامت و شرمندگی ہو اگر بروں کی بُرائی بیان کرنے کو یک قلم بند کر دیا جائے تو ان کی بُرائی کی روک تھام کی کوئی صورت نہ ہو سکے گی، اسلام کی نگاہ سے یہ نکتہ چھپا نہیں رہ سکتا تھا، قرآن پاک میں

Marfat.com

کافرون، مشرکون اور منافقون کی علانیہ بُرائیان کی گئی ہین، مگر کہین کسی کا نام نہین لیا گیا ہی، بلکہ ہمیشہ عموم کے ساتھ پردہ مین یا صیغۂ مجہول کے ساتھ یا وصف کے ساتھ یون کہا گیا ہے کہ جو جھوٹ بولتے ہین، یا کفر کرتے ہین، اُن کا حال یہ ہے اس طریقۂ تعبیر مین یہ فائدہ ہے کہ برون کی برائی کا اظہار بھی ہوتا ہے، اور کسی خاص شخص کو ناگواری کا حق بھی نہین پہنچتا، اور جن بڑے بڑے کفار کے نام لیے گئے ہین، وہ اس لیے کہ اُن کی یہ برائیان عالم آشکارا تھین،

لیکن معاملات مین ایسے موقع بھی آتے ہین، جہان تخصیص کی ضرورت پیش آتی ہے، قرآن پاک کی آیتون اور حدیثون سے ان موقعون کی تعیین بھی معلوم ہوتی ہے قرآن پاک کا چھٹا پارہ اس آیت سے شروع ہوتا ہے،

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ	اللہ کو بدگوئی پسند نہین آتی لیکن
مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ	جس پر ظلم ہوا ہو، اور اللہ سنتا، اور
كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا (نساء-۲۱)	جانتا ہے،

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہین کہ کوئی کسی کی بُرائی کو پکار کر کہتا پھرے، لیکن مظلوم کو حق ہے کہ وہ اپنے ظلم کی داستان کو لوگون سے بیان کرے، اور ظالم کے ظالمانہ کامون کو آشکارا کرے، اللہ تعالیٰ سنتا اور جانتا ہے، ظالم کو اس کے بُرے اعمال کی سزا دے گا،

حدیث مین ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین باریابی

Marfat.com

کی اجازت طلب کی، آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ اپنے خاندان میں کس قدر برا شخص ہے، لیکن جب وہ پاس آیا تو اس سے نہایت لطف و کرم کے ساتھ گفتگو کی،[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کے شر و فساد سے لوگوں کو آگاہ کرنے اور بچانے کے لئے اس کے احوالِ واقعی کا اظہار جائز ہے، غرض جس اظہار میں دوسروں کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ شامل ہو یا اس کے بغیر کوئی شرعی یا اخلاقی یا تمدنی مقصد حاصل نہ ہو سکتا ہو، اس کو باتو غیبت ہی نہیں کہہ سکتے یا کہہ سکتے ہیں تو شریعت اس کو جائز رکھتی ہے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں ان مقاصد کو چھ صورتوں میں محدود کر دیا ہے،

(۱) حاکم کے مظالم کی بارگاہِ سلطانی میں فریاد کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، الصاحب الحق مقالہ

(۲) مذہبی اور اخلاقی برائیوں کا انسداد کرنا یعنی بغرضِ احتساب، (چنانچہ اسی بنا پر کفار اور منافقوں کی برائیاں قرآن نے علانیہ ظاہر کی ہیں)

(۳) فتوی طلب کرنا، اسی بنا پر حضرت ہند بنت عتبہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت ابو سفیانؓ کے بخل کی شکایت کی، (اور آپ نے سن کر اس کا مناسب جواب دیا)

(۴) ایک شخص کے شر و فساد سے لوگوں کا بچانا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غرض سے ایک شخص کو "بئس ابن العشیرۃ" قبیلہ کا برا آدمی کہا تھا،

---

[1] بخاری کتاب الادب باب ما یجوز من اغتیاب اہل الفساد والریب،

(۵) ایک شخص کا کسی ایسے لقب سے مشہور ہو جانا جس سے گو اُس کا عیب ظاہر ہو، مگر غایتِ شہرت کی وجہ سے خود اس شخص کو بھی اس سے چڑھ نہ ہو، مثلاً اعمش یا اعرج، کیونکہ اس کی ایک امتیازی علامت قرار پا گیا ہو، اور یہ اس کو ناگوار بھی نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک صحابی کو ذوالیدین (دو ہاتھوں والے) کے لقب سے پکارا تھا،

(۶) علانیہ فسق و فجور کرنے والے کی برائیاں کرنا تاکہ اس کو تنبہ اور دوسروں کو عبرت ہو) مثلاً مخنث کو مخنث کہنا،

Marfat.com

دو رُخا پن

اگر دو شخصوں میں اختلاف ہو تو ایک شخص خلوص و صداقت کے ساتھ دونوں سے تعلقات رکھ سکتا ہے لیکن اس قسم کے تعلقات میں دو رخا پن نہیں پایا جانا چاہیے، یعنی دونوں کا دوست بن کر ایک کی بات دوسرے تک پہنچا کر دونوں کے تعلقات کو اور زیادہ خراب کرنا نہیں چاہیے، بلکہ یہ بداخلاقی چغلخوری سے بھی زیادہ سخت ہے، کیونکہ چغلخور صرف ایک کی بات دوسرے تک پہنچاتا ہے اور دو رخا آدمی دونوں کی بات ایک دوسرے تک پہنچاتا ہے۔

دو رُخے پن کے لئے صرف ایک کی بات دوسرے تک پہنچانا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ایک شخص سامنے ایک کی تعریف کرے، اور اس کے پاس سے نکلے تو اس کی ہجو کرنے لگے تو بھی وہ دو رُخا کہلائے گا، نفاق میں جو خصوصیات پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے، اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو بھی نفاق سمجھتے تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا گیا کہ "ہم لوگ امرا اور حکام کے پاس جاتے ہیں، تو کچھ کہتے

Marfat.com

ہین، اور جب اُن کے یہان سے نکلتے ہین تو کچھ کہتے ہین" بولتے ہم لوگ عہدِ رسالت مین اس کا شمار نفاق مین کرتے تھے[۵۱] اور قرآن مجید مین بھی نفاق کی یہ خاص علامت بیان کی گئی ہے،

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا	اور جب اُن لوگون سے ملتے ہین جو ایمان
اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ	لاچکے تو کہتے ہین ہم (بھی) تو ایمان لاچکے
قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ	ہین، اور جب تنہائی مین اپنے شیطانون
(بقرہ ۔ ۲)	سے ملتے ہین تو کہتے ہین ہم تمھارے ساتھ
	ہین ہم تو صرف مسلمانون کو بناتے ہین،

معاشرتی اور دنیوی حیثیت سے اس قسم کے اخلاقی منافقون کو اردو مین دوڑخا اور عربی مین ذوالوجہین کہتے ہین، اور احادیث مین اس قسم کے لوگون کے لئے وعید شدید آئی ہے مثلاً فرمایا، قیامت کے دن خدا کے نزدیک تم سب سے بُرا دورُخے کو پاؤگے، جو کچھ لوگون کے پاس جاتا ہے، تو اُس کا رخ اور ہوتا ہے، اور دوسرون کے پاس جاتا ہے تو اور[۵۲]

ایک اور حدیث مین فرمایا،:-

" دنیا مین جس کے دو رخ ہون گے قیامت کے دن اُس کے منہ مین آگ کی دو زبانین ہون گی[۵۳]" یہ گویا اس کی اس عادتِ ذمیمہ کی تمثیل ہوگی کہ وہ لوگون سے دورنگی باتین کیا کرتا تھا،

---

[۵۱] صحیح بخاری باب ما قیل فی ذی الوجہین [۵۲] بخاری کتاب الادب باب ماقیل فی ذی الوجہین وصحیح مسلم ومالک [۵۳] ابوداؤد کتاب الادب باب فی ذی الوجہین،

Marfat.com

بدگمانی

بدگمانی ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو ہر ایک کے کام میں بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے، اور کسی کے کام میں اس کو حسن نیت نظر نہیں آتا دوسرے کی طرف ان ہونی بات منسوب کرنے لگتا ہے، دوسرے کو بھی اس کا خیال ہوتا ہے اور وہ بھی اس سے کترانے لگتا ہے، اس سے آپس میں نفرت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سے باز رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا	اے ایمان والو! بہت بدگمانی
کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ	بچا کرو، بے شک بعض بدگمانی
اِثْمٌ، (حجرات: ۲)	گناہ ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدگمانی سے بچنے کی تاکید کی تو اس کے ساتھ ہی ساتھ بغض وحسد اور دوسرے کے معاملات کے تجسس و تلاش کی بھی ممانعت فرمائی، کیونکہ وہ بدگمانی کے اسباب یا لازمی نتیجے ہیں، فرمایا،

Marfat.com

"تم بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم دوسروں کے ٹوہ میں نہ رہا کرو، اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بیجا ہوس کرو، اور نہ آپس میں حسد رکھو، اور نہ بغض رکھو، اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو، اور اے اللہ کے بندو! جیسا اللہ نے فرمایا ہے آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ"[1]

یہ بھی مناسب ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی ایسا کام کر رہا ہو، یا کسی ایسی حالت میں ہو، جس سے دوسرے کو بدگمانی کا موقع ہو تو وہ اس بدگمانی کو دور کردے تاکہ دوسرا فتنہ میں نہ پڑ جائے۔ اس کی مثال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی ہے، ایک دفعہ آپ اعتکاف میں بیٹھے تھے، رات کو ازواج مطہرات میں سے کوئی آپ سے ملنے آئیں، آپ ان کو واپس پہنچانے چلے کہ اتفاقاً راستہ میں دو انصاری آپڑے، وہ آپ کو کسی عورت کے ساتھ دیکھ کر اپنے آنے کو بے موقع سمجھے اور واپس پھرنے لگے، آپ نے فوراً آواز دی اور فرمایا یہ میری بیوی فلاں ہیں، انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر مجھے کسی کے ساتھ بدگمانی بھی کرنی ہوتی تو آپ کے ساتھ کرتا ؟ ارشاد ہوا شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑ جاتا ہے،[2]

---

[1] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و مالک باب تحریم الظن [2] صحیح مسلم باب انہ یستحب لمن روی خالیاً بامراءۃ یقول ھذہ فلانۃ،

مدّاحی اور خوشامد

مدّاحی اور خوشامد اخلاق کی پستی، دنارت اور ذلّت کی علامت ہے، اور ساتھ ہی جھوٹ کی بھی ایک صورت ہے، اور یہ اُس کے لئے بھی تباہی کا سامان ہے جس کی مدّاحی اور خوشامد کی جاتی ہے۔ خوشامد اور مدّاحی کرنے والا تین گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ وہ ایسی تعریفیں کرتا ہے جو واقع کے مطابق نہیں ہوتیں، یہ جھوٹ ہے، دوسرا یہ کہ وہ منھ سے جو تعریفیں کرتا ہے، اس کو اپنے دل میں خود درست نہیں سمجھتا، یہ نفاق ہے، تیسرا یہ کہ دنیاوی فائدوں کے لئے ارباب قدر وجاہ کی خوشامدانہ تعریف کرکے اُن کی اور لوگوں کی نظروں میں اپنے کو ذلیل ورسوا کرتا ہے جس سے اس کی دنارت اور ذلّت ظاہر ہوتی ہے،

بیجا تعریفوں سے ممدوح میں بھی دو بُرائیاں پیدا ہوجاتی ہیں، ایک غرور اور دوسری اپنی نسبت غلط فہمی تعریفیں سُن کر وہ خوش ہوتا ہے، اور پھر اپنے اس مفروضہ کمال یا مبالغہ آمیز بیان پر مغرور ہوکر دوسرے کو آنکھ نہیں لگاتا ہے، اور پے درپے تعریفیں سُن کر اس کو یقین آجاتا ہے کہ وہ واقعی ایسا ہی ہے، اور توقع رکھتا ہے کہ ہر شخص اس کو ایسا ہی سمجھے، بادشاہوں

Marfat.com

امیرون، دولتمندون اور بڑے لوگون مین اس کے بدولت جو مضحکہ انگیز برائیان پیدا ہوجاتی ہین، اور جس طرح وہ بہ خود غلط ہو جاتے ہین، اس کی نظیر تاریخ کے ہر دور مین مل سکتی ہے،

قرآن پاک مین یہودیون اور منافقون کے ایک گروہ کا یہ نقشہ کھینچا ہے[1] اور اُن کے انجام کی یہ خبر ان کو دی ہے،

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ	جو اپنے کارنامہ پر اتراتے ہین، اور
بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا	جو انھون نے نہین کیا، اس پر تعریف
بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ	کئے جانے کو پسند کرتے ہین تو ان کو
بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ	نہ سمجھنا پھر نہ سمجھنا کہ وہ سزا سے بچ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○	جائین گے، اور ان کے لئے دردناک
(آلِ عمران-۹)	سزا ہے،

ان آیتون کا شانِ نزول گو خاص ہے، مگر اپنے اثر کے لحاظ سے عام ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے کئے ہوئے کامون پر اترانا اور بن کئے کامون پر اپنی تعریف چاہنا اتنی بری بات ہے کہ بن توبہ اس کی سزا سے بچنا مشکل ہے، مگر یہ کہ مغفرتِ الٰہی دستگیری فرمائے، اور قرآنِ پاک کے اس اصول کے مطابق کہ جو کام گناہ ہین، اُن کے کرنے پر اعانت اور تعاون کرنے والے بھی گنہگار ہوتے ہین، وہ لوگ بھی جو ایسی مداحی اور خوشامد کا ننگ گوارا کرتے ہین، اس گناہ مین کسی نہ کسی درجہ مین شریک ہین، جس کی تفصیل بہت سی حدیثون سے معلوم

---

[1] صحیح بخاری تفسیر آل عمران [2] فتح القدیر شوکانی،

Marfat.com

ہوتی ہے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دوسرے کی مبالغہ آمیز تعریف کرتے ہوئے سُنا تو فرمایا تم نے اُس کو برباد کر دیا[1] ایک اور موقع پر ایک صاحب نے کسی کی حد سے زیادہ تعریف کی، تو فرمایا تم نے اپنے ساتھی کی گردن مار دی، اگر تم کو کسی کی تعریف ہی کرنی ہو، تو یون کہو کہ مین گمان کرتا ہون بشرطیکہ اس کے علم مین وہ واقعی ایسا ہو، اور قطعیت کے ساتھ غیب پر حکم نہ لگایا جائے[2]"

مقصود یہ ہے کہ اگر کسی کی حد سے زیادہ تعریف کی جائے گی، تو وہ اس کو سُن کر مغرور ہو جائے گا اس کے بعد اس کا سارا کیا دھرا برباد ہو جائے گا۔ اسی طرح کسی کی نسبت قطعیت کے ساتھ اس لئے بھی حکم نہین لگانا چاہئے کہ کسی کو دوسرے کا اندرونی حال اور غیب کی خبر نہین معلوم،

ایک اور بات یہ ہے کہ ایسی تعریفین جو لوگون کے منہ پر کی جاتی ہین، اُن کو سُن کر اُن کے نفس موٹے ہو جاتے ہین اور اُن کی اپنے عیب و ہنر پر نظر ڈالنے والی آنکھون کی روشنی زائل ہو جاتی ہے،

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عثمانؓ کے منہ پر اُن کی تعریفین کین تو حضرت مقدادؓ صحابی نے اس کے منہ مین خاک جھونک دی، اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مدّاحی کرنے والون سے ملو تو اُن کے منہ مین خاک جھونک دو[3]"

---

[1] صحیح بخاری باب کراہیۃ التمادح [2] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد باب مذکور،
[3] صحیح مسلم و ابوداؤد باب کراہیۃ التمادح،

Marfat.com

ادب المفرد میں ہے کہ ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، آپ نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو اُس نے اُس کی بڑی تعریفیں شروع کیں، آپ نے فرمایا:-

"اُس کو سُنا کر مت کہو کہ اس کو برباد ہی کردو"[1]

[1] باب یحثی فی وجوہ المداحین،

Marfat.com

بخل

بخل بھی اسی بداخلاقیون مین سے ہے، یعنی ایسی بداخلاقی جو بہت سی بداخلاقیون کی جڑ ہے، خیانت، بددیانتی، بے مروتی، بعض دفعہ بے رحمی، بدسلوکی، اور دناءت بھی اسی سے پیدا ہوتی ہے، حرص، طمع، لالچ، تنگ نظری، کم ہمتی، پست طبعی اور بہت سی برائیان اسی ایک جڑ کی مختلف شاخین ہین، اسلام آیا تو توحید کے بعد سب سے پہلے اسی جڑ پر اس نے کلہاڑی ماری، اور بھوکون کو کھلانا، ننگون کو پہنانا، محتاجون کو دینا، یتیمون کی خبرگیری اور مقروضون کی امداد مسلمانون کا ضروری فرض قرار دیا، ان ہی فرائض کے مجموعہ کا نام زکوٰۃ اور اس کے مصارف ہین، جو نماز کے بعد اسلام کا دوسرا فرض ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہؓ کے سامنے جبریل کی آمد کا حال سنایا، تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کو آپ کی نبوت کا یقین جن دلیلون کی بنا پر دلایا وہ یہ ہین :-

"یارسول اللہ! آپ قرابت والون کا حق اور مقروضون کا قرض ادا کرتے ہین، غریبون کو سرمایہ دیتے ہین، مہمانون کو کھلاتے ہین، اور حق کے مصیبت زدون کی مدد کرتے ہین" صحیح

Marfat.com

بخاری، باب بدء الوحی)

غور کیجیے کہ نبوت کی ان تمام ابتدائی صفتوں کے اندر جو چیز خاص اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی "بخیل" نہیں ہوتا۔ ورنہ فیاضی کے یہ اوصاف نبوت کے خصوصیات قرار نہ پاتے، بخالت اُن بیماریوں میں سے ہے جو درحقیقت اعمال کی جزا و سزا پر دلی اعتقاد نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں، کیونکہ جو اعمال کی پاداش کا یقین نہیں رکھتا، وہ اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت دوسرے کے حوالہ کرنے پر آسانی سے تیار نہیں ہو سکتا، سورۂ مدثر آغاز نبوت کی سورتوں میں ہے، اس میں دوزخیوں کے سوال و جواب کا ایک مکالمہ ہے، اُن سے جب پوچھا جائے گا کہ تم دوزخ میں کیوں ڈالے گئے، تو کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، مخالفوں کے ساتھ مل کر ہم دین حق پر اعتراض کیا کرتے تھے، اور یہ سب اس لئے تھا کہ ہم نے عمل کی جزا و سزا کے دن پر یقین نہیں رکھتے تھے،

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا	تم کو دوزخ میں کیا چیز لے گئی کہیں گے
لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَ	ہم نمازیوں میں سے نہ تھے، اور مسکین کو
لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝	کھلاتے نہ تھے، اور بحث کرنے والوں
وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝	کے ساتھ ہو کر ہم بھی بحث کیا کرتے تھے'

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ (مدثر-۲) اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے"

اس سے ظاہر ہوگا کہ بخل کی برائی دوزخ تک پہنچا کر رہتی ہے، اور وہ عمل کی جزا و سزا پر یقین نہ رکھنے کا لازمی نتیجہ ہے، کیونکہ جیسا کہ کہا گیا، جو مذہبی جزا و سزا کا قائل نہیں، وہ اخلاص

Marfat.com

سے دوسروں کے ساتھ فیاضی بھی نہیں کرسکتا یہی نکتہ سورۂ ماعون میں جو مکہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے دہرایا گیا ہے، فرمایا:

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ	کیا تونے اس شخص کو دیکھا جو جزا کے
فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ	دن کو جھٹلاتا ہے، پس یہی وہ ہے جو
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ	بن باپ کے بچہ کو دھکا دیتا ہے، اور
(ماعون)	فقیر کے کھانے پر آمادہ نہیں کرتا ہے؛

یہی سبب ہے کہ اعمال کی جزا کا یقین کئے بغیر اگر کوئی فیاضی کرے بھی تو وہ قبول نہیں، کیونکہ یہ فیاضی اس اخلاص اور نیک نیتی کی بنا پر نہیں ہوسکتی جو مقبولیت کی سب سے پہلی شرط ہے، بخیل آدمی اگر کسی کو کچھ دیتا بھی ہے تو وہ اس کا معاوضہ اسی دنیا میں پانے کا متوقع رہتا ہے اور جہاں کہیں اس کو اپنی یہ توقع پوری ہوتی معلوم نہیں ہوتی، وہ ایک دھیلا بھی خرچ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس کے دل میں یہ یقین نہیں کہ ہمارے ہر نیک عمل کی جزا خدا کے پاس ہے، اور وہ کبھی ضائع نہیں جاسکتی؛

ایک اور مکی سورہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا ہے جس کی روزی زیادہ نہیں، اور اس لئے اس کو اپنے خدا سے گلہ رہتا ہے کہ اس نے مجھے ذلیل کیا ہے؛ خدا فرماتا ہے،

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ	یہ خیال صحیح نہیں، بلکہ بات یہ ہے

وَلَا تَحٰضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ	کہ تم بن باپ کے بچہ کی توقیر نہین کرتے،
الْمِسْكِيْنِ ٥ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ	اور فقیر کے کھانے پر ایک دوسرے
اَكْلًا لَّمًّا ٥ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ	کو رغبت نہین دلاتے، اور مردہ کے
حُبًّا جَمًّا ٥	متروکہ مال کو کھا جاتے ہو، اور مال
(الفجر)	و دولت سے بڑی محبت رکھتے ہو،

ان آیتون مین باتین کئی بیان کی گئی ہین مگر یہ سب بخل کی مختلف صورتون کی تشریح ہین، سورۂ ہمزہ مین اس بخیل کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جو دولت کی تھیلیون کو گویا اپنی حیاتِ جاوید کی اکسیر جانتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ اُن کے بدولت وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا، اور یہ چیز اُس سے کبھی علٰحدہ نہ ہوگی، حالانکہ یہ کتنا خیالِ خام ہے، فرمایا،

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ	جس نے اکٹھا کیا مال کو اور گن گیا اسکو
يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ٥	سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ	زندہ رکھے گا، ہرگز یون نہین، وہ
(ھمزہ)	بالضرور دوزخ مین ڈالا جائے گا،

اسی طرح مال و دولت کو سینت سینت کر رکھنے اور را و رکارِ خیر مین خرچ نہ کرنیوالے کو اُس دوزخ کی دھمکی دی گئی ہے، جو کھال تک کھینچ لے،

كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى	ہرگز نہین وہ تپتی آگ ہے کھینچ لینے
تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ	والی کھال، پکارے گی، اُس کو

Marfat.com

وَجَمَعَ فَاَوْعٰی ہ | جس نے جمع کی دولت، اور بند کر رکھا۔ (معارج - ۱)

جس نے حق سے پیٹھ دی، اور پھر گیا، اور اکٹھا کیا، اور سینتا،

بخیل اس نکتہ کو بھول جاتا ہے کہ مال و دولت مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ وہ صرف چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہے، سونے چاندی کی اینٹیں خود بخود روٹی کپڑا، اور مکان کی چار دیواری نہیں بن سکتیں، اس لئے اُن کو سمیٹ کر رکھنے سے کچھ حاصل نہیں، اُن کو ضروری اور اعلیٰ مقصودوں کے حصول میں خرچ کرنا ہی ان کا صحیح مصرف ہے، اور یہی اعلیٰ مقصود ہیں جن کو خدا نے اپنی راہ کہا ہے، جو اس راہ میں خرچ نہیں کرتا، وہ اپنے لئے درہم و دینار نہیں جمع کرتا، اپنے سینہ اور پیشانی کے داغ کا سامان اکٹھا کرتا ہے، فرمایا،

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	اور جو لوگ سونے اور چاندی کو گاڑ
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ	کر رکھتے ہیں، اور خدا کی راہ میں خرچ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ	نہیں کرتے، تو اُن کو دردناک سزا
اَلِيْمٍ ہ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ	کی خوشخبری سُنادے، جس دن اس
جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ	کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائیگا،
وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ	پھر اس سے اُن کی پیشانیاں کروٹیں
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ	اور پیٹھیں داغی جائیں گی، اور کہا
فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ہ	جائیگا کہ (یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے
(توبہ - ۵)	لئے گاڑ کر رکھا تھا تو جس کو گاڑ کر

Marfat.com

یہ بخیل کی اس حقیقت سے بھی ناآشنا ہیں کہ یہ سونا چاندی فرد کی نہیں جماعت کی دولت ہے جو اس کے جسم پر پھرتا رہنا چاہئے، اس کو ایک جگہ روک کر رکھنا اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے خلاف اور اس جماعت کے لئے مضر ہے جس کے رکن وہ خود ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ	اور جو لوگ اس مال کو جو خدا نے اپنی
بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ	مہربانی سے ان کو دیا ہے، روکے
هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ	رکھتے ہیں وہ اس کو اپنے حق میں
سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا	بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے حق میں
بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	بدتر ہے جس مال کا وہ بخل کرتے
	ہیں، اس کا طوق بنا کر ان کے گلے
(آل عمران-۱۸۰)	میں قیامت کے دن پہنایا جائے گا۔

یعنی جس دولت کو انھوں نے بخالت کے مارے دنیا میں اپنے گلے کا ہار بنا کر رکھا تھا، وہ قیامت کے عالم مثال میں واقعی ان کے گلے کا ہار بن کر نظر آئے گا، حدیث میں ہے کہ یہ مال زہریلے سانپ کی صورت میں گلے میں پڑا ہوا نظر آئے گا۔[۱]

جو بخیل ہوتا ہے اس کو خلقِ خدا اور خدا کے کاموں سے قطعاً محبت نہیں ہوتی، اس کی محبت کا مرکز صرف دولت ہوتی ہے، اور اسی کو زندگی کا مقصود جانتا ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ میری محبت کی دولت سے محروم رہیں گے،

---

۱ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ،

Marfat.com

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۝ (حدید - ۳)

اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز سے محبت نہیں کرتا، جو آپ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں،

اور جس سے خدا محبت نہ کرے اس سے کون محبت کر سکتا ہے، اسی لئے ایسے شخص سے [illegible] اور خود اس کے بال بچے اور عزیز و اقربا بھی محبت نہیں کرتے، اور ایسے لوگوں کو جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے، اکثر دیکھا بھی گیا ہے کہ ان کو اپنے مال و دولت پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے اور اپنے سوا دوسروں کو ذلیل سمجھتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا اور اس کے بندوں کی نگاہ میں بھی ذلیل و خوار ہوتے ہیں،

قرآن پاک میں بخل کی سب سے بڑی تمثال کا نام قارون بتایا گیا ہے جس کا قصہ سورۂ قصص میں ہے، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان ہی کی قوم کا ایک آدمی تھا، اتنا مالدار تھا کہ (قرآن) میں ہے اس ابتدائی دور میں جب ایک تالے کی ایک ہی کنجی ہوتی تھی، اور وہ بھی خدا جانے کتنی بھاری اور بھدی ہوتی ہوگی، خزانے تو الگ رہے خزانوں کی کنجیوں کے گچھوں کو کئی آدمی مل کر بھی مشکل سے اٹھا سکتے تھے، تو بجائے اس کے کہ وہ اللہ کا شکر گذار ہوتا کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے اس کو اتنا مالدار بنایا، کہتا کہ یہ مال و دولت تو میری محنت اور میرے ہنر کا نتیجہ ہے، اس کو یہ خبر نہ تھی کہ دنیا میں اس سے پہلے اس سے بھی بڑے بڑے دولت مند گذر چکے ہیں جن کا انجام بڑا دردناک ہوا ہے، چنانچہ اس قارون کا اور دیگر

دولت کا بھی انجام یہ ہوا کہ وہ زمین مین دھنس کر رہ گئی، خدا نے فرمایا،

اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ	کیا وہ نہ جانا کہ اللہ اس سے پہلے
اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ	قومون مین سے اس سے زیادہ طاقتور
مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ	اور اس سے زیادہ دولت مندکو
اَكْثَرُ جَمْعًا ۚ (قصص-۸)	تباہ کر چکا ہے،

زمانۂ محمدیؐ کے قارون ابولہب کو بھی یہی بشارت سنائی گئی اور صاف کہدیا گیا،

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ	ابولہب کو اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے
(ابی لهب)	کمایا، کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا،

نفس کشی شخص یا کسی قوم کے چند افراد کے پاس دولت کا ہونا اُس شخص یا قوم کی بھلائی کا سبب نہین ہوسکتا، جب تک وہ دولت جماعت یا جماعت کے افراد کی ضرورتون مین خرچ نہ کیجائے، بخیل آدمی چاہتا ہے کہ یہ کل کی کل تنہا اسی کی ضرورت مین کام آئے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت کا اتنا حصہ بیکار ہوجاتا ہے، اور اس کا ضرر پوری جماعت کو پہنچتا ہے، جس کا وہ بھی ایک فرد ہے،

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ	ہان! تم کو اللہ کی راہ مین خرچ کرنے
لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ	کو بلایا جارہا ہے، تو تم مین کوئی بخل
مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا	کرتا ہے، اور جو کوئی بخل کرتا ہے سو
يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ	اپنے ہی سے بخل کرتا ہے، اور اللہ

Marfat.com

وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ٥ — بے نیاز ہے، اور تم ہی محتاج ہو،

یعنی اُس کے بخل کے بُرے نتیجے اسی کو بھگتنے پڑیں گے،

بخیل آدمی دنیا میں بھی طرح طرح کی مصیبتوں اور مشکلوں میں گرفتار رہتا ہو کہ سب کچھ پاس ہونے کے باوجود بھی اُس کو نہ اچھا کھانا میسّر آتا ہے، نہ اچھا پہننا، نہ قرینہ کا گھر، نہ عزت نہ آبرو، ہر شخص اس کو ذلیل وخوار جانتا ہے، ہر ایک اس کے نام سے نفرت کرتا ہے، فقراء اُس کے لئے بددعا کرتے ہیں، یہاں تک کہ بیوی بچے جن کے لئے وہ سب کچھ کرتا ہے، وہ بھی اس سے خوش نہیں رہتے، ہر ایک اس کی دولت کا خواہاں رہتا ہے، اور چاہتا ہے کہ کسی طرح اس خزانہ کا یہ سانپ راستہ سے ہٹ جائے تو اُس پر قبضہ کرے، چور اُس کے درپے، ڈاکو اس کے لاگو، زہرہ پاتا ہے، حملے اس پر ہوتے ہیں، مگر ان تمام مصیبتوں کو وہ سہتا ہے، اور اپنی زندگی بھر اس میں سے کچھ خرچ نہیں ہونے دیتا، لیکن ادھر اس کی آنکھ بند ہوئی اور اُدھر اس کے وارثوں نے اللّے تللّے اس کو اڑا دیا، بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جس اولاد کے لئے وہ خود ساری عمر تکلیف اٹھا کر دولت جمع کرتا ہے، وہ اس مالِ مفت کو دم کی دم میں اڑا دیتی ہے، اور ہزاروں بری عادتوں میں مبتلا اور آخر میں مفلس وقلاش ہو جاتی ہے،

خدا اپنے رسولؐ کی زبانی فرماتا ہے،

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ٥ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ٥ فَسَنُيَسِّرُهٗ

اور لیکن جس نے دینے سے بخل کیا اور (خدا کی یا نیکی کی باتوں کی) پروا

لِلْعُسْرٰی ہ وَمَا یُغْنِیْ عَنْہُ — نہ کی اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم
مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ہ — اس کو سخت کام کے لئے آسان بنا دیں گے
اور جب وہ گرے گا تو اس کا مال
(لیل) — کام نہ آئے گا۔

وہ سخت کام جس کو خدا اس کے لئے بطور سزا کے آسان کر دیتا ہے، وہ بُری عادت وخصلت اور بُرے کردار ہیں جن میں وہ ہمیشہ مبتلا رہتا ہے، اور اُن کو صرف اس لئے کہ کسی طرح اس کا مال خرچ نہ ہونے پائے، بڑی آسانی سے کر گذرتا ہے، بھوکا وہ رہتا ہے، ننگا وہ رہتا ہے، میلا وہ رہتا ہے، مصیبتیں وہ جھیلتا ہے، راتوں کو آرام سے سو نہیں سکتا، دنیا کی کسی چیز سے دل بھر کر لطف نہیں اٹھا سکتا، عزیز و اقارب، دوست و احباب سے اس کو مسرت نہیں ہوتی، وہ سب سے نالاں اور اُس سے سب نالاں رہتے ہیں، پھر جب وہ کسی افتاد یا موت یا دوزخ کے گڈھے میں گرتا ہے یا گرے گا تو اس کی یہ عزیز اور محبوب دولت اس کے کچھ کام نہ آتی ہے نہ آئے گی، اس وقت افسوس آئے گا تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی ہشیار کر دیتا ہے،

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰکُمْ — اور ہم نے تم کو جو روزی دی ہے،
مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ — اس میں سے اس سے پہلے کہ تم میں سے
الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ — کسی کو موت آئے، (خدا کی راہ میں)
اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ — خرچ کرو، (ایسا نہ ہو کہ موت آنے لگے)

Marfat.com

وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝	تو کہے کہ میرے پروردگار تونے مجھے تھوڑی دیر اور کیون مہلت نہ دی کہ کہ مین خیر خیرات کرتا، اور نیکو کارون مین سے ہو جاتا،
(منافقون - ۲)	

اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ ایسا نہین ہو سکتا، یہ وقت ٹالے ٹل نہین سکتا، اس کیلئے سامان پہلے سے چاہئے تھا،

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہین کہ جب وہ غریب ہوتے ہین تو بڑی بڑی دعائین کرتے ہین، خوب خوب وعدہ کرتے ہین کہ اگر خدا نے ہمین اپنے فضل وکرم سے دولت دی تو ہم یہ کرین گے، وہ کرین گے، مگر جب اللہ تعالیٰ اُن کو دولت دے دیتا ہے تو وہ اپنے سارے وعدے بھول جاتے ہین، اور نیکی کے ہر راستہ سے منہ موڑ لیتے ہین، ایسے ہی لوگون کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے ان لفظون مین کھینچا ہے،

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (توبہ - ۱۰)	اور اُن مین کوئی ایسا ہے جس نے خدا سے عہد کیا کہ اگر خدا نے ہم کو اپنے فضل سے دیا تو ہم ضرور خیرات کرین گے، اور نیکو کارون مین سے ہون گے پھر جب خدا نے اُن کو اپنے فضل سے دیا تو اس مین بخالت کرنے

خدا فرماتا ہے کہ اس بخل کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کے دل مین نفاق نے گھر کرلیا،

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ — تو اللہ نے اُن کے دلون مین اس کا نتیجہ نفاق رکھا، (توبہ ۔ ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ بخل کی شدت ایمان کو بھی برباد کردیتی ہے، شاید اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو خصلتین سچے مومنون مین جمع نہین ہوتین، بخل اور بدخلقی[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن برائیون سے بچنے کی خدا سے دعائین مانگا کرتے تھے، ان مین سے ایک بخل بھی ہے فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا مین بخل، کسلمندی، کبرسنی، قبر کے عذاب اور زندگی اور موت کی آزمائش سے تیری پناہ مانگتا ہون[2]،

اسلام مین زکوٰۃ کی جو اہمیت ہے وہ ظاہر ہے، یہ زکوٰۃ کی فرضیت اور صدقات و مبرات کی ترغیبات شریعتِ محمدیؐ مین اسی لئے ہین کہ انسانون کے دل اس بری خصلت کے میل سے ہمیشہ پاک و صاف رہین،

یہ بھی پیش نظر رہے کہ بخل صرف ظاہری مال و دولت ہی کے حق نہ ادا کرنے کا نام نہین ہے، بلکہ خدا نے اپنے فضل سے جس کو جو کچھ دیا ہے مثلاً کسی کو علم دیا ہے کسی کو عقل دی ہے کسی کو جسمانی قوت دی ہے، تو جو لوگ خدا کی ان بخششون کا حق ادا نہین کرتے وہ بھی ایک قسم کے بخیل ہین، اور وہ بھی اپنے درجہ کی سزاؤن کے مستحق ہین، جس کو علم ملا ہے اُس کو چاہئے کہ اپنے علم کو پھیلائے، اور دوسرون کو بتائے، جو ایسا نہین کرتا وہ علم کا بخیل

[1] جامع ترمذی [2] صحیح مسلم،

Marfat.com

اسی لئے علم کا چھپانا اور جان کر نہ بتانا گناہ ہے،

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً — اور کون اُس شخص سے زیادہ ظالم ہوگا

عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ — جو خدا کی شہادت کو جو اس کے پاس ہے

(بقرہ - ١٧) — چھپائے،

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ اور رسول کے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہے جس نے علم کو سیکھا، اور اس کو پھیلایا"[1] اس لئے لامحالہ جس نے علم رکھ کر علم کے فرض کو انجام دیا، اس کا شمار بخیلوں میں ہوگا،

یہ کئی دفعہ کہا گیا ہے کہ ایمان کے بعد اسلام نے اعمال کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے، اللہ کے حق اور بندے کے حق، اللہ کے حقوق کا اجمالی مجموعہ نماز اور بندوں کے حقوق کا مجمل مجموعہ زکوٰۃ یعنی مستحق لوگوں کے ساتھ بخشش ہے، دیکھئے کہ ذیل کی آیتوں میں ان ہی دونوں کی عدم بجاآوری کو دوزخ میں جانے کا سبب قرار دیا گیا ہے،

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ، قَالُوا — کیا چیز تم کو دوزخ میں لے گئی کہیں گے

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَ — کہ ہم نمازیوں میں سے نہ تھے، اور نہ

لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ (مدثر ٢) — محتاجوں کو کھلاتے تھے،

پہلا گناہ حقوق الٰہی کی بجاآوری سے انحراف اور دوسرا بندوں کے حقوق سے تغافل ہے یہی بات سورۂ ماعون کے آخر میں ہے،

---

[1] مشکوٰۃ کتاب العلم

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ	پھر خرابی ہے اُن نمازیوں کی جواپنی
عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ	نماز سے بے پروا رہتے ہیں، وہ جو دکھاوا
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ وَيَمْنَعُوْنَ	کرتے ہیں، اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کو
الْمَاعُوْنَ، (ماعون-۱)	مانگے نہیں دیتے،

پہلی بات تو نماز سے غفلت ہے کہ وقت پر نہیں ادا کرتے ہیں، اور صرف دکھاوے کے لئے پڑھتے ہیں، یہ حقوقِ الٰہی سے تغافل ہے، اور دوسری آپس میں مانگے کی معمولی معمولی چیزوں میں جیسے نمک، آگ، پانی، اور ایسی ہی دوسری بے حقیقت چیزوں میں بخل سے کام لینا ہے، یہ بندوں کے حقوق سے غفلت ہے، اس تشریح سے معلوم ہوا ہوگا کہ بخل شریعت کے بہت بڑے حصہ کے عدمِ تعمیل کا سبب بنتا ہے، اور اس لئے اس کی برائی جتنی بھی کی جائے کم ہے،

Marfat.com

حرص و طمع

حرص وطمع یالالچ وہ بُرائی ہے جس مین نفس کی دناءت پوری طرح ظاہر ہوتی ہے، خصوصًا وہ حرص وطمع جس مین بخالت کی بھی آمیزش ہو، عربی مین اس کو شُحّ کہتے ہین جس کی بُرائی قرآن مین کئی موقعون پر آئی ہے، خانگی زندگی کی ناگواری زیادہ تر اسی کا نتیجہ ہوتی ہے، گھر کا مالک زیادہ دینا نہین چاہتا، اور گھر کے لوگ زیادہ مانگتے ہین، شوہرون کو اپنے مال سے محبت ہوتی ہے، اس لئے وہ زیادہ خرچ نہین دیتے، اور بیویان لالچ سے زیادہ کا مطالبہ کرتی ہین، یا ایک شخص کے کئی بیویان ہون تو ہر بیوی کو حرص ہوتی ہے کہ شوہر پر میرا حق زیادہ رہے، اور شوہر کو اس بیوی کی حرص ہوتی ہے جس کو وہ چاہتا ہے، اس سے خانگی معاملون مین کشمکش پیدا ہوتی ہے، اور سارا گھر روحانی تکلیف مین رہتا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ باہم احسان وایثار کا سلوک ہو، اور ہر ایک دوسرے کے آرام کو اپنا آرام اور اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے تو پھر وہی گھر جو پہلے غمکدہ تھا، عشرتکدہ بنجائے گا، میان بیوی کے ان ہی خانگی اختلافات کے سلسلہ مین قرآن کی تعلیم ہے،

وَ اُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۝ (نساء - ۱۹)

اور طبیعتوں (نفوس) میں حرص دھری ہے، اور اگر تم احسان کرو، اور تقویٰ اختیار کرو، تو اللہ کو تمہارے کاموں کی ساری خبر ہے،

یعنی میاں بیوی دونوں حرص اور لالچ چھوڑ دیں، اور احسان اور تقویٰ کی راہ اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ جو ہر ایک کے کاموں سے واقف ہے سب کو اُن کے کاموں کے مطابق جزا دے گا، اس کاروباری دنیا میں ہر چیز کا ایک اقتصادی پہلو بھی ہوتا ہے، جب تک انسان اپنی حرص و طمع کو روک کر اچھے کاموں میں روپیہ خرچ نہیں کرے گا، وہ کامیابی حاصل نہیں کرسکتا، خواہ یہ کامیابی دین کی ہو یا دنیا کی، فرمایا،

وَ اَنۡفِقُوۡا خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ ؕ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ (تغابن ۲۰)

اور خرچ کرو، اپنے لئے بھلائی کرو، اور جو اپنے جی کی حرص سے بچایا گیا وہی کامیاب ہیں،

ایک اور موقع پر ہے کہ ان مسلمانوں کا وصف یہ ہے کہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھتے ہیں،

وَ یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ وَ لَوۡ کَانَ بِہِمۡ خَصَاصَۃٌ ؕ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (حشر - ۱)

اور اپنے اوپر (اوروں کو) مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود اُن کو ضرورت ہو، اور جو اپنے جی کی لالچ سے بچایا گیا وہی کامیاب ہیں

Marfat.com

اسی کا نام ایثار ہے، یہ ہر قوم کی دینی و دنیاوی کامیابی کا زینہ ہے، اور یہ زینہ اس وقت تک کسی کو مل نہیں سکتا، جب تک حرص و طمع کا خاتمہ نہ ہو، اسی لئے خدا نے فرمایا جو حرص و آز سے پاک ہوں گے، وہی کامیاب ہوں گے،

لالچی یہی نہیں کہ اپنے مال کو خرچ نہیں کرتا، بلکہ دوسرے کے مال پر بھی نگاہ رکھتا ہے، اور چاہتا ہے کہ وہ سب کا سب اسی کو مل جائے، اسلام نے ایسی آرزو کی ممانعت کی ہے کیونکہ اس میں دو اور بد اخلاقیاں شامل ہیں، ایک بخل اور دوسری حسد، فرمایا،

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ	اور اس کی ہوس نہ کرو جس میں اللہ نے
بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ	ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے
نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ	مردوں کے لئے اُن کی کمائی ہے، اور
نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا	عورتوں کے لئے اُن کی، اور اللہ
اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ	سے مانگو، اس کے فضل میں سے حصہ،
شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝ (النساء - ۵)	بے شک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے،

مطلب یہ ہے کہ خدا نے کسی چیز میں کسی کو بڑائی بخشی ہے تو کوئی دوسرا اس کی ہوس اس خیال سے نہ کرے کہ اس کو یہ کیسے اور کیوں مل گئی، کاش خود اُسے ملتی، بلکہ اُس کو اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے اس کے مطلق فیض و کرم میں سے اپنا حصہ طلب کرنے کے لئے ہاتھ پھیلانا چاہئے اگر اس کی مصلحت کا اقتضا ہوگا تو وہ عنایت کرے گا، اس تعلیم پر عمل کرنے سے طبیعت میں قناعت پیدا ہوگی، ساتھ ہی دوسرے پر حسد کرنے کا جذبہ جاتا رہے گا، اسی لئے فرمایا،

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (حجر - ۶)

اور بے شک ہم نے تجھ کو دین سات آیتیں، اور قرآن جس کا درجہ بڑا ہے، تو اپنی آنکھیں ان چیزون پر مت پسار جو ہم نے ان مین سے مختلف لوگون کو فائدہ اٹھانے کو دی ہین،

یعنی جس کو قرآن جیسی دولت ملی، اس کی نظر مین دنیا کی دولت کیا چیز ہے؟

یہی حرص وطمع کا جذبہ ہے جو ایک کو دوسری کی جان لے لینے اور مال چھین لینے پر ابھارتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ "حرص وطمع سے بچو کہ اسی نے تم سے پہلون کو برباد کیا، اسی نے ان کو آمادہ کیا کہ انھون نے خون بہایا، اور حرام کو حلال سمجھا"۔[۱] صحیح مسلم کی روایت ہے، صحیح ابن حبان اور حاکم مین اس سے زیادہ مفصل ہے، فرمایا "حرص سے بچو، کیونکہ اسی نے اگلون کو اس کی دعوت دی کہ انھون نے (بے گناہون کا) خون بہایا، اسی نے اگلون کو دعوت دی کہ انھون نے رشتہ کے حق کو کاٹا، اور اسی نے اگلون کو دعوت دی کہ حرام کو حلال سمجھا"۔[۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک تقریر مین فرمایا "حرص سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومین اسی حرص سے تباہ ہوئین، اسی نے انکو کہا تو انھون نے رشتہ کے حق کو کاٹا، اسی نے کہا تو انھون نے بخل کیا، اُسی نے اُن کو فسق وفجور کے لئے کہا تو انھون نے فسق وفجور کیا"۔[۳] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انسان مین سب سے بُری بات کڑھانے والی حرص اور گھبرا دینے والی نامردی ہے"۔[۴]

---

[۱] صحیح مسلم باب تحریم الظلم [۲] صحیح ابن حبان ومستدرک حاکم [۳] ابوداؤد وحاکم [۴] صحیح ابن حبان و ابوداؤد

Marfat.com

حریص آدمی اس لئے غم مین کڑھتا رہتا ہے کہ یہ نہین ملا، وہ نہین ملا، فلان کے پاس یہ ہے میرے پاس نہین، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرص کو ہمیشہ غم اور کڑھن مین رکھنے والی فرمایا، نسائی مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ایمان اور حرص ایک دل مین جمع نہیں ہو سکتے[1]" سبب ظاہر ہے کہ ایمان کامل کا نتیجہ صبر، توکل اور قناعت ہے، اور حرص کا نتیجہ بے اطمینانی، بے صبری اور ہوس ہے، ایک دفعہ برائی کے لہجہ مین فرمایا کہ انسان بوڑھا ہوتا ہے، مگر اس کی دو چیزین جوان رہتی ہین جینے کی خواہش اور مال کی حرص[2]، کئی صحابیون کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھیڑیے جو بکریون کے جھنڈ مین چھوڑ دیے جائین، وہ اُن کو اتنا برباد نہین کرتے جتنی مال اور جاہ کی حرص انسان کے دین و ایمان کو برباد کر دیتی ہے[3]،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸۰) کتاب الجہاد باب الجراۃ والجبن [1] نسائی [2] ترمذی [3] ترمذی وصحیح ابن حبان (طبرانی و ابویعلی ترغیب منذری ج ۲ ص ۲۳۰)

بے ایمانی

دنیا کی ہر شریعت اور قانون کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ہر شخص کی چیز اسی کی ملکیت ہے، اور وہی اس میں تصرف کا حق رکھتا ہے کسی دوسرے کو حق نہیں کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی ملکیت سے فائدہ اٹھائے، اسی اصول کی بنا پر ہر شخص کی ملکیتیں محفوظ اور مامون ہیں، اور دنیا کے امن کا نظام قائم ہے، اب جو کوئی حق کے بغیر چوری سے یا دھوکے سے یا زبردستی سے کسی کی ملکیت پر قبضہ جمانا چاہتا ہے، وہ فطرت کے نظامِ عدل کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے، اسلام نے اس نظامِ عدل کو اصول کی حیثیت سے ایک ہی مختصر سی آیت میں بیان کر دیا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا	اے ایمان والو! آپس میں ایک
أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ	دوسرے کے مال کو ناحق طریقہ سے
(نساء - ۵)	مت کھاؤ،

اس آیت نے ان تمام طریقوں کا جو ایمانداری کے خلاف ہیں، اور جن کی جزئیات

Marfat.com

کی کوئی حد نہین ہے، چار لفظون مین خاتمہ کر دیا ہے یعنی خواہ کسی کی چیز کوئی دھوکا اور فریب سے لے، یا زور و ظلم سے لے، یا غصب کرے، یا چوری کرے، یا اس مین خیانت کرے، رشوت لے، سود کھائے، غرض جس ناجائز طریق سے بھی کوئی دوسرے کا مال لے، اس آیت کے عموم اور اطلاق کے اندر وہ داخل ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے ہم (مسلمانون) پر ہتھیار اٹھایا، اور جس نے ہم (مسلمانون) کو دھوکا دیا، وہ ہم (مسلمانون) سے نہین"[۱] جان اور مال معاملات مین دو اہم چیزین ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر سے فقرہ نے دونون کی حفاظت کی اہمیت بتا دی،

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک جگہ غلہ کا ڈھیر پڑا دیکھا، آپ نے اُس مین ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ اندر بھیگا اور باہر سوکھا ہے، آپنے غلہ والے سے پوچھا کہ کیا ہے، عرض کی کہ بارش سے بھیگ گیا ہے، فرمایا تو پھر اس کو اوپر کیون نہین رکھا کہ لوگ دیکھ لین، جو دھوکا دے وہ مجھ سے نہین"[۲] یعنی رسول سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے،

ارشاد ہوا "جو بے وجہ کسی مسلمان کا مال لینے کے لئے جھوٹی قسم کھائے گا، وہ خدا سے ملیگا تو خدا اس پر غضبناک ہوگا"[۳] ایک دفعہ ایک معاملہ مین ایک شخص نے اسی طرح کی قسم کھانا چاہی، تو آپنے فرمایا "اگر اُس نے قسم کھالی تاکہ وہ ظلم سے مال لے لے تو خدا سے جب وہ ملیگا تو خدا اس سے منہ پھیرے گا"[۴]

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الایمان باب من حمل علینا السلاح فلیس منا [۲] صحیح مسلم کتاب الایمان باب من غشنا فلیس منا
[۳] و [۴] صحیح مسلم کتاب الایمان باب من اقتطع حق مسلم،

Marfat.com

کسی کے مال و جائداد پر زبردستی قبضہ کر لینے کو غصب کہتے ہیں غصب کر لینا ظالمانہ فعل ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں ایک بادشاہ کا ذکر ہے، جو غریب مچھوؤں کی کشتیاں زبردستی چھین لیتا تھا، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا،

اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ	وہ جو کشتی تھی سو کچھ غریبوں کی تھی
یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ	جو دریا میں محنت کرتے تھے، تو میں
اَعِیْبَهَا وَکَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ	نے چاہا کہ اس میں کچھ عیب کردوں
یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا ۝	اور ان کے پرے ایک بادشاہ تھا، جو
(کہف ـ ۱۰)	ہر کشتی کو چھین کر لیتا تھا،

یہ ایک ایسی کھلی ہوئی برائی تھی کہ اس کا بیان کر دینا ہی کافی تھا، اس برائی کو برائی کہنے کی بھی ضرورت نہ تھی،

حضرت سعید بن زید صحابی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی کسی کی ایک بالشت بھر زمین بھی دبائے گا طوقہ فی سبع ارضین، [1] تو اس کو زمین کے ساتوں طبقوں میں سے ہر ایک سے اتنے حصہ کے اٹھانے کو کہا جائے گا، یا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ اس کے گلے میں زمین کے یہ ساتوں طبق ہار کی طرح ڈالے جائیں گے، [2]

بے ایمانی کی سب سے عام قسم وہ ہے، جو مقدمہ بازی سے تعلق ہے، کتنے لوگ ہیں

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم الظلم وغصب الارض، یہ عبارت کئی طرح سے ہے، فی سبع ارضین، من سبع ارضین، الی سبع ارضین، [2] شرح نووی برحاشیۂ مسلم حدیث مذکور،

جو وکیلوں کی قوتِ بیان اور حکام کے ناجائز فیصلوں کے زور سے غیروں کی ملکیت پر زبردستی قبضہ کر لیتے ہیں، حالانکہ انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ ان کی چیز نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فریقین میں سے کوئی ایک زیادہ زبان آور ہوتا ہے اور وہ اپنے دعویٰ کو خوبی سے بیان کرتا ہے، اور میں اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہوں، اگر میں نے اس کو کوئی ایسی چیز دلادی جو اس کی نہیں تو وہ خود نہ لے کیونکہ میں نے اس کو آگ کا ٹکڑا دیا ہوگا[1]

بعض ایسے بے ایمان ہوتے ہیں جو یہ دیکھ کر کہ دوسرا فریق گو حق پر ہے مگر اس کے پاس ثبوت کی شہادت یا کوئی تحریری دستاویز نہیں، اپنا مقدمہ حاکم کے پاس لے جاکر فریق کے دعوے کو بے ثبوت ٹھہراتے اور اپنے ذمہ سے اس کے واجبی مطالبہ کو ساقط کرادیتے ہیں،

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ	اور آپس میں ایک دوسرے کا مال
بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى	ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ اور نہ
الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ	پہنچاؤ حاکموں تک ان کا مقدمہ تاکہ
اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ	کھا جاؤ لوگوں کا کچھ مال گناہ سے اور
اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ ع-۲۳)	تم جان رہے ہو

یعنی تم کو معلوم ہے کہ تمہارا دعویٰ اور تمہارے مطابق حاکم کا فیصلہ غلط ہے، اور حق طرفِ کمزور

[1] ابوداؤد کتاب الاقضیہ،

کو بے بس سمجھ کر یا اپنے بس مین پا کر ان کا مال خلاف انصاف نہین کھانا چاہیے جو ایسا کرتا ہے وہ اپنے پیٹ مین انگارے بھرتا ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ	بے شک جو یتیمون کا مال ظلم سے کھا
الْیَتَامٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ	جاتے ہین، وہ اپنے پیٹ مین آگ کھاتے
فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۖ وَسَیَصْلَوْنَ	ہین اور اب وہ دہکتی آگ مین
سَعِیْرًا ۝ (نساء-۱)	بیٹھین گے،

Marfat.com

چوری

کسی کی رکھی ہوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر چھپا کر لے لینے کی سب سے کمینہ حرکت کا نام چوری ہے، اسی لئے اس کی سزا بھی بڑی رکھی گئی ہے یعنی ہاتھ کاٹ ڈالنا،

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا	اور جو کوئی چور ہو، مرد ہو یا عورت
اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا	اُن کے ہاتھ کاٹ ڈالو، سزا اُن
مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝	کی کمائی کی تنبیہ اللہ کی طرف سے اور
(مائدہ ۵ - ۶)	اللہ ہے زور آور حکمت والا،

چوری کی برائی کی وجہ یہی نہیں ہو کہ چور دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر چپکے سے اپنے تصرف میں لے آتا ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ ایک شخص اپنی جائز محنت سے کما کر جو حاصل کرتا ہے، دوسرا بغیر کسی جائز محنت کے بے وجہ اس پر قبضہ کرکے اس کی محنت کو اکارت کر دیتا ہے، اور اگر اس کی روک تھام نہ کی جائے، تو کسی کو اپنی محنت کا پھل نہ ملے، اس کے علاوہ اس ایک برائی میں کتنی برائیاں شامل ہیں،

Marfat.com

لیے ذریعہ دوسرے کے گھر مین داخل ہونا اور اس کی ملکیت کا جائزہ لینا مرتکب فعل کے خبث باطن کو ظاہر کرتا ہے، پھر اس کے بدولت ناحق خون بھی بہتا ہے، اور بے گناہ جانین بھی ضائع جاتی ہین، اور چونکہ چور بڑے بڑے سرمایہ پر کسی جائز محنت کے بغیر قبضہ پالیتا ہی اس لیے وہ اس کو بڑی بے دردی سے ضائع کر دیتا ہے، اور خود بھی اُس سے بہت کم فائدہ اٹھاتا ہو، بلکہ اس دولت کا بڑا حصہ اخفاے جرم کی خاطر برباد کر ڈالتا ہے،

اہل عرب مین شاید عام افلاس کے سبب سے یہ بیماری اتنی پھیلی تھی کہ اسلام نے اس کے انسداد کے لیے مسلمان ہونے والون سے اس کی بیعت لینی بھی ضروری سمجھی، سورہ ممتحنہ مین ان چند باتون کا ذکر ہی جن کا عہد مسلمان ہونے والی بی بیون سے لیا جاتا تھا ان مین سے ایک یہ بھی ہو کہ وہ چوری نہ کرین گی، فتح مکہ کے دن جب مکہ کی خاتونین اسلام قبول کرنے آئین تو آپ نے اُن سے بھی اس کا عہد لیا، اس موقع پر ابوسفیان کی بی بی ہند نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل آدمی ہین، وہ میرے اور میرے بچون کے لیے پورا خرچ نہین دیتے مگر یہ کہ مین اُن کے مال سے کچھ چھپا کر لے لون، فرمایا "تم اُن کے مال سے اتنا لے لیا کرو، جو انصاف اور دستور کے مطابق تمھارے اور تمھارے بچون کے لیے کافی ہو"[1] اس روایت سے دو باتین معلوم ہوئین ایک یہ کہ اسلام کا جوش مسلمانون مین ایک خلاقی انقلاب پیدا کر دیتا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہند کو اتنی صفائی کے ساتھ اپنے گھر کا بھید کھولنے کی حاجت نہ تھی، دوسری یہ کہ جس کا نفقہ ہمارے ذمہ ہے، اگر ہم اس کو ادا نہ کرین، اور وہ حسب ضرورت ہم سے

---

[1] صحیح بخاری کتاب النفقات،

پوچھے بغیر ہمارے حساب سے کچھ لے لے، تو یہ چوری نہین،

یہ عہد صرف عورتون ہی سے نہین بلکہ مسلمان مردون سے بھی آپنے لیا ہی؛ حضرت عبادہ بن صامت؄ صحابی کہتے ہین کہ ایک دفعہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، آپنے فرمایا "ہم سے عہد کرو کہ تم شرک، چوری اور بدکاری نہ کروگے، پھر آیت پڑھی، جو کوئی یہ عہد پورا کرے گا تو اس کی مزدوری خدا کے ذمہ ہے، اور جو ان مین سے کسی ایک کا مرتکب ہوا، اور اس کی سزا اس کو دیدے گئی، تو اس کے اس گناہ کا کفارہ ہوگیا، اور اگر کسی نے ان مین سے کسی ایک کا ارتکاب کیا، اور خدا نے اس کو چھپا دیا تو اس کی بخشش خدا کے ہاتھ مین ہے، چاہے معاف کرے چاہے سزا دے[۱]"

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چور پر لعنت بھیجی، فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ ایک معمولی خود یا رسّی چراتا ہے، پھر اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے،

چوری کا گناہ بھی بندہ اسی لئے کرتا ہے کہ وہ خدا کے حاضر و ناظر ہونے پر یقین نہین رکھتا، یا کم از کم فعل کے ارتکاب کے وقت اس کا یقین ماند پڑجاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ جب بندے نہین دیکھتے، تو خدا بھی ہم کو نہین دیکھتا، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب چور چوری کرتا ہے تو اس مین ایمان نہین رہتا[۲]"

حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ مین فرمایا کہ "تم مین سے ہر ایک کا مال دوسرے پر حرام ہے مگر حق کے ساتھ[۳]" یعنی جس کا مال ہو اس کی خوشی اور اجازت سے لو، یا اس کا کوئی کام

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الحدود [۲] ایضاً [۳] ایضاً

کرکے معاوضہ میں حاصل کرو یہی بات قرآن پاک کی اس آیت میں فرمائی گئی،

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا	اے ایمان والو! تم آپس میں ایک
أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا	دوسرے کا مال ناجائز طریق سے
أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ	کھاؤ، لیکن یہ کہ لین دین ہو آپس
مِنْكُمْ (نساء - ۵)	کی خوشی سے،

یہ آیت ایک اصولی حیثیت رکھتی ہے، جس میں ہر اُس مال کو حرام بتایا گیا ہے جو کسی سے جائز طریق سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔

عرب میں قبیلہ مخزوم کی ایک عورت تھی جو لوگوں سے چیزیں عاریت لے کر مکر جاتی تھی، یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، یہ بڑے گھرانے کی عورت تھی، اچھے اچھے لوگوں نے اس کی سفارش کی تو آپ نے فرمایا تم سے پہلے قومیں اس لیے برباد ہوئیں کہ جب معمولی لوگ قصور کرتے تو اُن کو سزا دیتیں، اور جب کوئی معزز آدمی وہی کام کرتا تو اس کو چھوڑ دیتیں، خدا کی قسم اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی یہ کام کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹتا۔[1]

ایک صحابی ایک چادر سرہانے رکھ کر سو رہے تھے، ایک چور آیا اور اس نے چپکے سے اُن کے سرہانے سے اس کو کھینچ لیا، وہ پکڑا گیا تو صحابی مذکور نے خود اس کی سفارش کی کہ یا رسول اللہ! یہ چادر میں نے [illegible] کو دے دی [illegible] اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا!

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود

میں نے یہ چادر اس کے ہاتھ بیچ دی، اور قیمت اس کے ذمہ رہی، آپ نے فرمایا مجھ تک معاملہ آنے سے پہلے تم نے یہ کیوں نہیں کر لیا۔[1]

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف تھے کہ عین نماز کی حالت میں آپ کو جنت اور دوزخ کا نقشہ دکھایا گیا، نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں اس کو بھی دیکھا جو اپنی لکڑی سے حاجیوں کا سامان چرا لیتا تھا، اور اگر مالک ہشیار ہو جاتا تو کہہ دیتا تھا کہ اتفاق سے اس میں پھنس کر چلا آیا، اور اگر وہ بے خبر رہتا تو لے جاتا تھا، آپ نے فرمایا میں نے اس کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹتا پھرتا تھا۔

[1] ابوداؤد کتاب الحدود۔ [2] صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف۔

ناپ تول مین کمی بیشی

چوری کی عام قسم تو وہی ہی جس کو سرقہ کہتے ہین، اور جس کی پاداش مین چور کے ہاتھ کا
کا حکم شریعت نے دیا ہے، اور جس کی بُرائی ہر مذہب اور اخلاقی مسلک نے یکسان کی ہی لیکن
اسلام کی تکمیلی تعلیم یہ ہی کہ اُس نے اُن نازک سے نازک ناجائز معاملون کی بھی جن کو عام طور سے
چوری نہین سمجھا جاتا تشریح کی اور ان کی برائیون کی تشہیر کی ہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی عملی تعلیمون سے اُن کی اہمیت کو ظاہر فرمایا، اور ان سے بچنے کی تاکید کی ہی،

اس سلسلہ مین سب سے اہم چیز ناپ تول کی کمی بیشی ہے جس سے ہر شخص کو ہر وقت
پڑتا ہے، اور جس مین خاص طور سے تاجر اور بیوپاری مبتلا رہتے ہین، اور جس سے سب سے
غریبون کو نقصان پہنچتا ہے، اللہ تعالی کے فطری قوانین مین سے ایک بڑا قانون عدل
جس کا منشا یہ ہے کہ جس کی جو چیز ہو، وہ اس کو دے دی جائے، یہی وہ میزان یعنی تراز
جسے خدا نے دنیا مین قائم کیا ہے، اور جس سے تول تول کر ہر شخص کو اس کا حق دینا چا
جو شخص دوسرے کا جو حق ہے، اس کو نہین دیتا یا دینے مین کمی کرتا ہے، وہ اس تراز

Marfat.com

کام نہین لیتا ہے، فرمایا،

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ	اور آسمان کو اونچا کیا، اور ترازو
اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ٥ وَاَقِيمُوا	رکھی کہ مت زیادتی کرو ترازو مین
الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا	اور انصاف کے ساتھ سیدھی ترازو
الْمِيزَانَ ٥ (رحمان-۱)	تولو، اور مت گھٹاؤ تول،

اس ترازو سے انسان کا ہر قول وفعل تلتا ہے، اور اسی کی برابری سے عالم کا نظام قائم رہتا ہے،

ناپ تول مین کمی بیشی کرنا حقیقت مین دوسرے کے حق پر ہاتھ ڈالنا ہے جو کوئی لینے مین تول کو بڑھاتا اور دینے مین گھٹاتا ہے، وہ دوسرے کی چیز پر بے ایمانی سے قبضہ کرتا ہے، اور یہ بھی چوری ہی ہے، اسی لئے قرآن پاک مین اس سے بچنے کی خاص طور پر تاکید ین آئی ہین حضرت شعیبؑ کی قوم سوداگری کرتی تھی، اسی لئے ان کی دعوت مین ناپ تول مین ایمانداری کی تاکید بار بار کی گئی ہے حضرت شعیبؑ سمجھاتے ہین،

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا	اور پورا بھر دو ناپ اور نہ ہو نقصان
مِنَ الْمُخْسِرِينَ، وَزِنُوا	دینے والے اور تولو سیدھی ترازو سے
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ	اور مت گھٹا کر دو لوگون کو اُن کی
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ	چیزین، اور مت پھرو ملک مین فساد
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِينَ (شعراء-۱۰)	پھیلاتے،

Marfat.com

یہی حضرت شعیبؑ مدین والوں کو سمجھا کر کہتے ہیں، جو مشرق و مغرب کے تجارتی قافلوں کے گذر میں آباد تھے،

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ	اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو، میں
إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ	تم کو آسودگی میں دیکھتا ہوں، اور
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ ○	ایک گھیر لینے والے دن کی آفت کو
وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ	تم پر ڈرتا ہوں، اور اے میرے لوگو!
بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ	ناپ اور تول کو انصاف سے پورا
أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي	کرو، اور لوگوں کی چیزیں ان کو
الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ○	گھٹا کر مت دو، اور ملک میں فساد
(ھود - ۸)	پھیلاتے مت پھرو،

یہ آیت بتاتی ہے کہ ناپ اور تول کی بے ایمانی سے خیر و برکت جاتی رہتی ہے، یا ظاہری نظر سے دیکھئے تو یوں کہئے کہ بازار میں ایسے لوگوں کی جو ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں ساکھ جاتی رہتی ہے اور یہ بالآخر ان کے بیوپار کی تباہی کا باعث بنتا ہے، یہ چاہتے تو یہ ہیں کہ اس بے ایمانی سے کچھ اپنا سرمایہ اور نفع بڑھالیں گے، مگر ہوتا یہ ہے کہ ان کی یہ اخلاقی برائی ان کی اقتصادی اور معاشی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے،

حضرت شعیب علیہ السلام کی یہی نصیحت پھر سورۂ اعراف میں دہرائی گئی ہے۔

فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا	تو ناپ اور تول پوری کرو، اور مت

Marfat.com

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ — گھٹا دو، لوگوں کو اُن کی چیزیں اور

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ — زمین میں اس کی اصلاح کے بعد

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ — خرابی مت ڈالو، یہ تمہارے لئے

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اعراف-۱۱) بھلا ہے اگر تم کو یقین ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حضرت شعیبؑ کی یہ پرانی تعلیم پھر زندہ ہوئی، اسلام میں ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا گیا ہے اس کے بعد ہے،

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ (انعام-۱۹) اور ناپ اور تول کو پورا کرو،

سورۂ بنی اسرائیل میں جو خدائی تعلیمیں فرمائی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے،

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ — اور جب تم ناپو تو ناپ پورا بھر دو،

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ — سیدھی ترازو سے تولو، یہ بہتر ہے اور

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (اسرائیل-۴) کا انجام اچھا ہے،

آیت کا آخری ٹکڑا بتاتا ہے کہ بے ایمانی کا ناپ تول گو شروع میں کتنا ہی فائدہ پہنچائے مگر آخر کار وہ بیوپار کی تباہی کا باعث ہو کر رہتی ہے،

خوب غور کرکے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اس بد اخلاقی کے پیدا ہونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں سے یہ یقین گم ہو جاتا ہے کہ ان کے اس چھپے جرم کو بھی دیکھنے والی آنکھیں ہر وقت کھلی ہیں، اور ایک دن آئے گا جب ان کو خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے ہر کام کا حساب دینا ہوگا، سورۂ مطففین میں جہاں اس بد اخلاقی کی ممانعت کی گئی ہے

اس بیماری کا یہ علاج بھی بتایا گیا ہے فرمایا،

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ٥ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

(مطففین-۱)

خرابی ہے اُن گھٹا کر دینے والوں کی جو اوروں سے جب ناپ کر لیں تو پورا لیں، اور جب اُن کو ناپ یا تول کر دیں تو گھٹا دیں، کیا ان کو یہ خیال نہیں کہ ایک بڑے بھاری دن کے لئے ان کو اٹھایا جائے گا جس دن سب لوگ دنیا کے مالک کے لئے کھڑے ہوں گے،

Marfat.com

چھپا کر لینا

جو سامان و اسباب کئی آدمیوں میں ابھی تک مشترک ہو اور وہ بانٹ کر علحدہ علحدہ نہ کیا گیا ہو، اس میں سے کوئی چیز دوسرے ساجھیوں سے چھپا کرلے لینا غلول کہلاتا ہے، مگر زیادہ تر مالِ غنیمت میں جو بددیانتی اور چوری کی جائے اُس کو کہتے ہیں غنیمت کا مال کوئی بھی لوٹے مگر وہ سارے سپاہیوں کا حصّہ ہے جب تک امیر باقاعدہ بانٹ کر ہر ایک کا حصّہ الگ الگ نہ کر دے، یا کسی کو خاص طور سے لے لینے کی اجازت نہ دے دے اس میں سے کچھ چھپا کرلے لینا غلول ہے، اور یہ ایسی برائی ہے جس میں بددیانتی اور چوری دونوں ملی ہوئی ہیں،

اس فعل کے مرتکب کو خیال یہ ہوتا ہے کہ جب اس مشترک چیز میں ہر ایک کا حصّہ ہے، تو اس میں سے کسی کا کچھ لے لینا جائز ہونا چاہیئے لیکن یہ نکتہ نگاہ سے اوجھل ہو جاتا ہے کہ جب تک وہ تقسیم نہیں ہوا ہے اس میں ہر ایک کا برابر برابر حصّہ ہے، اور ان سب کی اجازت کے بغیر وہ کسی کے لئے حلال نہیں ہو سکتا، دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی

اس میں سے کوئی چیز چھپا کر لیتا ہے تو گویا اس کا ضمیر اس کو بتاتا ہے کہ یہ اس کی تنہا ملکیت نہیں، اسی لئے وہ دوسروں سے چھپا کر چوری کا ارتکاب کرتا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ کسی چیز کو چھپا کر لے لینے سے اس کا یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ وہ دوسرا حصہ پائے کہ ایک تو بے قاعدہ چھپا کر چوری سے لے اور دوسرا باقاعدہ بانٹ سے پائے، اور یہ صریح بے ایمانی ہے،

قرآن پاک نے تصریح کی ہے کہ سپاہی تو سپاہی امیر عسکر بھی یہ حرکت کرے تو وہ بھی گنہگار ٹھہرے گا، اور چونکہ انبیاء علیہم السلام بھی امیر ہوتے ہیں، اور وہ گناہوں سے مبرا ہوتے ہیں، اس لئے اُن کی نسبت تو کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اس کا ارتکاب کریں گے، فرمایا،

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ	اور کسی نبی کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ
(آل عمران - ١٧)	غنیمت میں سے چھپا کر لے لے،

پھر فرمایا

وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ	اور جو کوئی غنیمت کا مال چھپا کر لے گا
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ	تو قیامت کے دن اپنا چھپایا مال لیکر
نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا	آئے گا، پھر ہر کوئی اپنا کیا پورا پورا پائیگا،
يُظْلَمُونَ ۝ (آل عمران - ١٧)	اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا،

غزوۂ خیبر کے مال غنیمت میں سے مدعم نام ایک غلام نے ایک شملہ چرایا تھا خیبر سے چل کر جب لوگ وادی القریٰ پہنچے تو ایک ناگہانی تیر اس غلام کو آکر ایسا لگا کہ اس کا کام

Marfat.com

ہی تمام ہوگیا، مسلمانوں نے کہا کہ اس کو جنت مبارک ہو، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو کمبل اس نے خیبر میں تقسیم سے پہلے لے لیا تھا، وہ اُس پر آگ کا شعلہ ہو رہا ہے، لوگوں نے یہ سنا تو ڈر گئے، ایک شخص نے جوتے کا تسمہ لیا تھا اس کو بھی لاکر سامنے ڈال دیا، یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آگ کا تسمہ ہے آگ کا،[1]

خیبر میں ایک اور واقعہ یہ گذرا کہ ایک مسلمان نے وفات پائی، جب اس کا جنازہ تیار ہوا تو آپ سے عرض کیا گیا، آپ نے فرمایا تم لوگ اپنے بھائی کے جنازہ کی نماز پڑھ لو، یہ سن کر لوگوں کے چہروں کا رنگ بدل گیا، اور سمجھے کہ کوئی بات ہے، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا تمہارے بھائی نے مال غنیمت کی ایک چیز چھپا کر لی ہے، صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کے اسباب کی تلاشی لی تو چھوٹے موتیوں کا ایک ہار نکلا جو چند آنوں سے زیادہ کا نہ تھا،[2]

قاعدہ یہ تھا کہ جب لڑائی ختم ہو چکتی تو حضرت بلال منادی کرتے، اس پر سب لوگ اپنا اپنا مال غنیمت لے کر آتے، پھر اس میں سے پانچواں حصہ نکالا جاتا اور اس کے بعد بانٹ دیا جاتا، اس کے بعد جو لے کر آتا، وہ قبول نہ ہوتا اور وہ مجرم قرار پاتا، بلکہ کبھی سزا کے طور پر اس کا سارا سامان جلا دیا جاتا، ایک دفعہ اسی طرح تقسیم و غیرہ کے بعد ایک شخص بالوں کی ایک لگام لے کر آیا، اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہم نے پایا تھا، فرمایا کیا تم نے بلال رضی اللہ عنہ کی تین دفعہ منادی نہیں سنی تھی؟ اس نے کہا سنی تھی، پوچھا پھر اس

---

[1] و [2] ابوداؤد کتاب الجہاد، فی تعظیم الغلول،

Marfat.com

وقت کیون لے کر نہین آئے، اس نے معذرت کی، فرمایا تم اس کو قیامت مین لے کر آنا مین نہین قبول کرتا[1]"

عمّال کو ہدایت کی گئی کہ اُن کو جو ملے اس کو مسلمانون کے بیت المال مین لاکر پیش کرین، فرمایا "اے لوگو! جو ہمارے کسی کام پر متقرر ہو، وہ ایک سوئی بھی چھپا کرے گا، تو وہ "غلول" ہے، وہ اُس کو قیامت کے دن لے کر آئے گا[2]"

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی تعظیم الغلول [2] سنن ابی داؤد کتاب الاقضیہ،

Marfat.com

رشوت

کسی کے مال سے ناجائز طریقہ سے فائدہ اٹھانے کی ایک عام صورت رشوت ہے،
رشوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اپنی باطل غرض اور ناحق مطالبہ کے پورا کرنے کے لئے کسی
ذی اختیار یا کارپرداز شخص کو کچھ دے کر اپنے موافق کرلے،

پہلے عرب کے کاہن اپنی مفروضہ غیبی طاقت کی بنا پر بعض مقدموں کے فیصلے کرتے
تھے، اہل غرض ان کو اس کے لئے نذرانہ کے طور پر کچھ نذرانہ دیتے تھے، اس
کو حلوان (مٹھائی) کہتے تھے، اسلام آیا تو اوہام کا یہ دفتر ہی اڑ گیا، اس پر بھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہن کے حلوان کی خاص طور سے ممانعت فرمائی،

عرب میں یہودیوں کے مقدمے اُن کے احبار اور رئیس فیصل کرتے تھے، اور چونکہ
دولت اور تمول نے اُن میں اونچے نیچے طبقے قائم کر دیئے تھے، اس لئے وہ قانون کی
ناہمواری کے دل سے خواہشمند رہتے تھے، قانون کی زد سے بچنے کے لئے علانیہ رشوت
دیتے تھے، اور اُن کے کاہن اور قاضی علانیہ لیتے تھے، اور ایک کا حق دوسرے کو دلا دیتے

Marfat.com

تھے اور اس ذریعہ سے توراۃ کے احکام پر مصالح و ضرورت کے اقتضا سے پردہ ڈال دیتے تھے، چنانچہ توراۃ کے قوانین میں تحریف کا ایک بڑا سبب یہی رشوت خواری تھی، قرآن مجید کی اس آیت میں ان کے اسی گناہ کی پردہ دری کی گئی ہے،

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ	خدا نے کتاب سے جو اتارا اس کو جو
اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ	چھپاتے ہیں، اور اس کے ذریعہ معمولی
بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰئِكَ مَا	معاوضہ حاصل کرتے ہیں، وہ اپنے
يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا	پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، خدا
النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ	ان سے قیامت کے دن بات نہ کریگا
الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ	نہ ان کو پاک صاف کریگا، اور ان
عَذَابٌ أَلِيمٌ (بقرہ ـ ۲۱)	کے لئے دردناک عذاب ہے،

"پیٹ میں آگ بھرنا" اس لئے فرمایا کہ یہود دنیا کی اس معمولی دولت کے لالچ میں آکر خدا کے احکام میں رد و بدل اور منشاے الٰہی میں تحریف پیٹ ہی کی خاطر کرتے تھے، [illegible] ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہودی ہیں اپنے [illegible] تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف توراۃ میں آئے ہوئے [illegible] قرآن پاک کے نظم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ [illegible] تھے، اور اس کے ذریعہ سے دنیا کی دولت کماتے

[illegible]

تھے، چنانچہ سورۂ مائدہ میں اُن کی اس حرام خوری کا ذکر دو دفعہ ہی فرمایا،

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ	اور تو اُن میں سے بہتوں کو دیکھے
فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ	گا کہ وہ گناہ اور زیادتی اور حرام
السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	کھانے پر دوڑتے ہیں، کیا بُرے کام
لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ	ہیں جو وہ کرتے تھے، اُن کے درویش
الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ	اور عالم اُن کو گناہ کی بات کہنے اور
وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا	حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے،
كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝	کیا بُرے کام ہیں جو وہ کرتے
(مائدہ ع ۹)	ہیں،
سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ	جھوٹ کے لیے سننے والے اور
(مائدہ ع ۶)	حرام کھانے والے،

قرآن پاک کی ایک آیت جیسے گزر چکی ہے، رشوت لینے اور دینے والوں کے متعلق ہے،

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ	اور نہ کھاؤ آپس میں ایک دوسرے کا مال
بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى	ناجائز طریقے سے اور نہ لے جاؤ
الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ	اس کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ
اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ	کچھ لوگوں کے مال میں سے ظلم سے
اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۲۳)	اور تم جانتے ہو،

یہ آیت اپنے اس ترجمہ کے لحاظ سے جس کو بعض مفسرون نے اختیار کیا ہے ،رشوت کی ممانعت مین صاف و صریح ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونون پر لعنت فرمائی ہے[1] ،رشوت دینے والے پر یون کہ وہ جرم کی اعانت کرتا ہے ، اور جرم کی اعانت قانوناً و اخلاق دونون مین منع ہے "

خیبر کے یہودیون سے زمین کی آدھے آدھ پیداوار پر مصالحت ہوئی تھی ،جب پیداوار کی تقسیم کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ صحابی کو بھیجتے وہ ایمانداری سے پیداوار کے دو حصے کر دیتے تھے ، اور کہہ دیتے تھے کہ ان دو مین سے جو چاہو لے لو ، یہودیون نے اپنے دستور کے مطابق اُن کو بھی رشوت دینی چاہی آپس مین چندہ کر کے اپنی عورتون کے کچھ زیور اکٹھے کئے ، اور کہا کہ یہ قبول کرو ، اور اس کے بدلہ تقسیم مین ہمارا حصہ بڑھا دو ، یہ سُن کر حضرت ابن رواحہ نے فرمایا "اے یہودیو! خدا کی قسم تم خدا کی ساری مخلوق مین مجھے مبغوض ہو لیکن یہ مجھے تم پر ظلم کرنے پر آمادہ نہین کر سکتا ، اور جو تم نے رشوت پیش کی ہے ، وہ حرام ہے ، ہم (مسلمان) اس کو نہین کھاتے " یہودیون نے اُن کی یہ تقریر سُن کر کہا کہ "یہی وہ (انصاف) ہے جس سے آسمان و زمین قائم ہین[2] "

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمال کو رعایا سے ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے کی ممانعت فرمائی[3] ، ایک دفعہ ایک عامل نے آکر کہا کہ یہ صدقہ کا مال ہے ، اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے "

---

[1] ابو داؤد کتاب الاقضیہ [2] موطا امام مالک کتاب المساقات [3] ابو داؤد کتاب الاقضیہ و کتاب الجہاد ؛

Marfat.com

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی، حمد و ثنا کے بعد فرمایا،

"عامل کا کیا حال ہے کہ ہم اس کو بھیجتے ہیں تو آکر کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے، اور یہ میرا ہے، تو اپنے باپ یا ماں کے گھر میں بیٹھ کر نہیں دیکھتا کہ اس کو تحفے ملتے ہیں یا نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ اس میں سے جو لیجائے گا وہ قیامت میں اپنی گردن پہ لاد کر لائے گا، اونٹ، گائے، بکری جو ہو، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر تین بار فرمایا، خداوندا میں نے پہنچا دیا۔"[1]

اس تقریر میں آپ نے جو کچھ فرمایا وہ غلول والی آیت کی تفسیر ہے،

[1] صحیح بخاری باب ہدایا العمال،

سُودخواری

سودخواری حرص وطمع بخل اور ظلم کا مجموعہ ہی حرص وطمع تو یون کہ سودخوار اس سود کے ذریعہ چاہتا ہے کہ ساری دولت سمٹ کر اُس کے پاس آجائے، بخل یون کہ وہ کسی غریب مقروض کے ساتھ کوئی رعایت کرنا نہین چاہتا، اور نہ کسی کار خیر مین دے کر اپنے سرمایہ مین کچھ کمی پسند کرتا ہے، یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سودخواری کا ذکر زکواۃ اور خیرات کے مقابلہ مین کیا ہے، اور ظلم یون کہ وہ سود اور سود در سود کے ذریعہ لوگون کو اُن کی محنتون کے پھل سے محروم کر دیتا ہے، اور رحم نہین کرتا، اسی لئے سود کی ممانعت کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے فرمایا،

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝	نہ تم کسی پر ظلم کرو، اور نہ تم پر ظلم
(بقرہ - ۳۸)	کیا جائے،

یعنی تم نے جتنا دیا ہے اس سے زیادہ لو، تو یہ تمہارا ظلم ہے، اور جتنا تم نے دیا ہے اتنا تم کو نہ ملے، تو یہ تم پر ظلم ہے، اس حرام خواری کی عادت بھی عرب مین یہودیون کی بدولت

پھیلی تھی، وہی سرمایہ کے مالک تھے، اور غریب عرب کسان اور مزدور اکثر ان ہی سے سودی قرض لیتے تھے، یہودیوں پر نعمتوں کا دروازہ جو بند کیا گیا، اس کے اسباب کے بیان کے سلسلہ میں ہے،

وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا	اور ان کے سود لینے کے سبب سے حالانکہ
عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ	وہ اس سے روکے گئے تھے، اور لوگوں
بِالْبَاطِلِ ؕ	کے مال کو ناروا طریق سے کھانے کے
(نساء ۔ ۲۲)	سبب سے،

اسلام آیا تو اس نے سرمایہ داری کی اس لعنت کو جس سے دنیا دبی جا رہی تھی ہمیشہ کیلئے دور کر دیا،

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا	جو سود کھاتے ہیں وہ ایسے اٹھیں گے
يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ	جیسے وہ اٹھتا ہے جس کے شیطان نے
يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ	لپٹ کر حواس کھو دیئے ہوں، یہ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ	اس لئے کہ انھوں نے کہا کہ خرید و
مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ	فروخت کا معاملہ سود ہی کی طرح
وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ	ہے، اور اللہ نے خرید و فروخت کے
مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ	معاملہ کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے
وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ	تو جس کے پاس اس کے پروردگار
فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا	کی نصیحت پہنچی اور وہ باز رہا، تو

Marfat.com

خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ	اس کا ہے جو پہلے دیا گیا، اور اُس کا معاملہ
يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۝ وَاللّٰهُ لَا	خدا کے سپرد ہے، اور جو پھر ایسا کرے تو
يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝	وہ دوزخی ہین، وہ دوزخ مین رہین گے
(بقرہ - ۳۸)	خدا سود کو مٹاتا اور صدقہ وخیرات کو
	بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار

قیامت مین سود خوار کا بدحواس ہو کر اٹھنا اُس کی دنیاوی بدحواسی کی پوری تمثیل ہوگی، دنیا مین سود خوارون کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ دن رات دوسرون کے مال و دولت کے چھیننے اور اپنی دولت کو ناجائز طریقون سے بڑھانے مین ایسے مشغول رہتے ہین کہ انھین کسی کار خیر کا خیال نہین آتا، تو قیامت مین بھی وہ ایسے ہی اپنے حواس کھوئے ہوئے اٹھین گے، آیت کے اخیر مین اللہ تعالیٰ نے سود خوارون کو "ناشکر گنہگار" ٹھرایا ہے، کیونکہ خدا نے جو دولت اُن کو دی تھی، اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس سے وہ کار خیر کرتے، غریبون کو دیتے، مستحقون کو بانٹتے، مگر انھون نے اس کے بجائے غریبون کو اور لوٹا، اور ظلم سے اُن کی تھوڑی بہت پونجی کو بھی چھین لیا، اور یہ نعمت کی ناشکری تھی،

یہودیون کی دیکھا دیکھی عربون مین بھی کچھ ایسے سرمایہ دار پیدا ہو گئے تھے، جو سودی کاروبار کرنے لگے تھے، جیسے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور بنو عمرو بن عمیر وغیرہ، اب وہ اور اُن کے مقروض جب مسلمان ہوئے، اور ان مین سے قرضدارون نے مقروضون سے پہلے کا سود مانگا تو اس پر یہ آیتین اُترین، جو پچھلی ہی آیتون کے سلسلہ مین ہین،

Marfat.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا
فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ
لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ
وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ
إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۝ وَأَنْ تَصَدَّقُوا
خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ
إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ
نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

(بقرہ - ۳۸)

اے ایمان لانے والو! خدا کا خیال
کرو، اور سود جو رہ گیا ہو، اس کو چھوڑ دو
اگر تم واقعی مومن ہو، تو اگر تم ایسا نہ کرو
تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی
کے لیے ہشیار ہو جاؤ، اور اگر تم باز آ گئے تو تمہارے
لیے تمہارا اصل سرمایہ ہے، نہ تم کسی پر
ظلم کرو، اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے، اور
اگر وہ مقروض تنگدست ہو تو اس کو
کشادگی تک مہلت دو، اور معاف کر دینا
تمہارے لیے سب سے اچھا ہے، اگر تم کو سمجھ
ہو، اور اس دن سے ڈرو جس میں تم خدا
کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر کسی کو
وہ پورا پورا دیا جائے گا جو اس نے کیا
اور ان کا کچھ دبایا نہ جائے گا۔

ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک دن آئے گا، جب سب خدا کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، اور جس نے کسی کا مال ناحق کھایا ہوگا، اس کا حساب ہوگا تو اگر تم نے نیکی کی ہوگی، اور مقروضوں کو معاف کیا ہوگا تو خدا کے یہاں پورا پورا مل جائے گا۔

Marfat.com

جاہلیت میں ربا کی یہ صورت تھی کہ غریب کسان اگلی پیداوار کے موقع پر ادا کردینے کے وعدے پر مہاجنوں سے قرض لیتے تھے، جب فصل کا وقت آتا اور کسان ادا نہ کرسکتے تو مہاجن کہتے کہ ہم مدت بڑھا دیتے ہیں، تم جنس کی مقدار بڑھا دو، مثلاً ایک روپیہ میں دس سیر کا وعدہ ہوتا تو ایک سال کی اور مہلت بڑھا کر بیس کر دیتے، اور اسی طرح جب تک وہ قرض نہ ادا کردیتے، یہ مدت بڑھاتے جاتے اور جنس کی مقدار بڑھتی چلی جاتی، یہاں تک کہ اصل سے کئی گنا سود ہوجاتا، خدا نے فرمایا،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا	اے ایمان والو! (اصل سے) دوگنا
الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً	چوگنا سود مت کھاؤ، اور خدا سے
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	تقویٰ کرو، شاید کہ تم فلاح پاؤ،
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ	اس آگ سے بچو، جو منکروں کے لئے
لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ (آل عمران ۔۱۴)	تیار کی گئی ہے،

اس آیت میں تصریح ہے کہ سودخواری کی سزا جہنم ہے، وہ جہنم جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک رویائے صادقہ میں سودخواروں کو جس حال میں دیکھا اس کی تصویر یہ ہے، فرمایا میں نے دیکھا کہ خون کی ایک نہر ہے، اس میں ایک آدمی تیر رہا ہے، اور ایک دوسرا آدمی ہاتھ میں پتھر لئے کنارہ کھڑا ہے، پہلا آدمی تھک کر جب کنارہ آنا چاہتا ہے، تو دوسرا آدمی ایسا تاک کر پتھر مارتا ہے کہ اس کا منھ کھل جاتا ہے، اور وہ پتھر لقمہ بن کر اس کے

ﻟﻪ صحیح بخاری کتاب الجنائز، باب اولاد المشرکین وکتاب التعبیر باب تعبیر الرویا بعد صلاۃ الصبح،

پیٹ میں چلا جاتا ہے ، وہ پتھر کھا کر پھر پیچھے لوٹ جاتا ہے، جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ جو خون کی نہر میں تیر رہا ہے، سود خوار ہے[۱]؎

سزا کی مماثلت ظاہر ہے ، لوگ اپنا خون پسینہ ایک کر کے محنت سے جو روزی پیدا کرتے ہیں ، سود خوار آسانی سے اس پر قبضہ کر لیتا ہے تو وہ انسان کے خون میں تیرتا ہوا اور جو پتھر لقمۂ تر بن کر اس کے منہ میں چلا جاتا ہے تو وہ وہ دولت ہے جس کو وہ سود سے جمع کرتا ہے ، گناہ کے شریک وہ بھی ہیں جو کسی گناہ کی اعانت میں شریک ہوں ، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے ، سود کھلانے والے (یعنی دینے والے) سود پر گواہ ہونے والے اور سود کی دستاویز لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی[۲]؎

---

[۱] صحیح بخاری کتاب بجائز باب اولاد المشرکین وکتاب التعبیر باب تعبیر الرویا بعد صلاۃ الصبح

[۲] ابوداؤد کتاب البیوع ،

Marfat.com

شراب خواری

شراب خواری اُن عادات ذمیمہ مین سے ہے جن کی بُرائی کھلی ہوئی ہے، پھر بھی یہ کیتنی عجیب بات ہو کہ دنیا کی اکثر قومین اس مین مبتلا نظر آتی ہین، اسلام سے پہلے جو مذہب تھے اُن مین بھی اس کی برائی کچھ نہ کچھ بیان کی گئی ہے، اور اس کا پینا اچھا نہین سمجھا گیا ہے[1] لیکن اُس کو حرام قطعی ٹھہرانے کی عزت صرف اسلام کو حاصل ہے، شراب عرب کی گھٹی مین پڑی تھی، شراب پینا پلانا، اچھے اچھے گھرانون مین لطف اور تفریح کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، بیبیان شوہرون کو اور چھوٹے اپنے بزرگون کو اپنے ہاتھون سے پلاتے تھے[2]،

اسلام سے پہلے اگرچہ بعض نیک بخت لوگون نے شراب چھوڑ دی تھی، مگر سارا ملک اسی مصیبت مین گرفتار تھا، لوگ شراب پیتے اور متوالے ہوکر آپس مین لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کا سر پھوڑتے جس سے دلون مین آپس کی دشمنی بیٹھ جاتی، کبھی ترنگ مین آتے، تو جو اونٹ ملتا

---

[1] لوقا ا۔ ۱۵۔ [2] سبعہ معلقہ مین قصیدہ الاعشیٰ بعضک

[3] صحیح بخاری کتاب الاشربہ

اس کو بھاڑ ڈالتے، اور یہ نہین دیکھتے کہ یہ کس کا ہے[1] اور ساتھیون کو اس کے کباب لگا کر کھلا دیتے ساتھ ہی ساتھ جوا ہوتا، اور اس مین مویشیون کی بازی لگاتے، اُن کو ذبح کرکے اُن کے گوشت کے حصے کیے جاتے، ان کو سب مل کر آپ کھاتے، اور بچ رہتا تو غریبون کو بھی کھلاتے،

اسلام آیا تو اُس نے رفتہ رفتہ شراب کی چاٹ گھٹانی شروع کی، پہلے تو یہ کہا کہ نشہ کوئی اچھی چیز نہین، خدا نے تم کو کھجور اور انگور دیئے جو بہت بڑی نعمت ہین لیکن تم اُن سے نشہ تیار کرتے ہو، اور کھانے پینے کے کام مین بھی لاتے ہو، فرمایا،

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ	اور کھجور اور انگور کے میوے دیئے تم
تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا	اُن سے نشہ بناتے ہو، اور اچھی روزی
حَسَنًا، إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً	اس مین ان لوگون کے لئے خدا کی
لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ، (نحل - ۹)	نشانی ہے جو سمجھتے ہین،

اس آیت مین نشہ کو "رزقِ حسن" کے مقابلہ مین رکھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نشہ "رزقِ حسن"[2] نہین، ان آیتون مین میرے نزدیک درحقیقت خیر و باطل کے التباس کی تشبیہین ہین[3] اوپر دودھ اور گوبر اور خون اور نیچے شہد کا ذکر ہے کہ یہ بھی دودھ کی طرح آلائشون کے اندر سے کیسا پاک صاف نکلتا ہے، یہی حال کھجور اور انگور کا ہے کہ ان سے نشہ جیسی ناپاک اور غذا جیسی پاک چیز دونون پیدا ہوتی ہین

---

[1] سبعہ معلقہ مین طرفہ کا قصیدہ اور صحیح بخاری مین حضرت حمزہؓ کا قصہ [2] تفسیر کبیر امام رازی [3] مفسرین کی مختلف رائین ہین،

مدینہ میں آکر شراب کی حرمت کے مسئلہ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا، حکم ہوا،

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (نساء)

تم جب نشہ میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ یہان تک کہ تم جانو کہ تم کیا کہتے ہو

اس آیت نے ہشیارون کو چونکا دیا، کچھ لوگون نے بالکل چھوڑ دی، اور دوسرون نے اپنے پینے کا وقت نماز کے اوقات کے علاوہ مقرر کیا، اب اتنی جانچ ہو چکی تو وقت آیا کہ کُلّی تصریح کی صورت اختیار کرے، لوگون کے دلون میں آپ سے آپ سوال پیدا ہو رہا تھا کہ شراب اور جوئے کے بارہ میں اسلام کا آخری فیصلہ کیا ہوگا،

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (بقرہ - ۲۷)

(اے پیغمبر!) تجھ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دے کہ ان دونون میں بڑا گناہ ہے، اور لوگون کے لئے کچھ فائدہ کی چیزیں بھی ہیں، اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بڑا ہے

فائدہ یہ ہے کہ لوگون کا کچھ غم غلط ہوتا ہے، صحبت اور تفریح طبع کا لطف آتا ہے، لوگ کھاتے پیتے ہیں، دوسرون کو بھی ان کے بدولت کچھ کھانے پینے کو مل جاتا ہے، لیکن اس کی خرابیان اس تھوڑے سے فائدہ سے بہت زیادہ ہیں، اس آیت نے بہت سے لوگون کو ہشیار کر دیا، اور وہ شراب سے تائب ہو گئے، لیکن چونکہ ابھی قطعی فیصلہ کا وقت نہین آیا تھا، اس لئے اس کے فائدہ کے پہلو کو رخصت سمجھ کر کچھ لوگ پیتے بھی تھے، آخر یہ آیت اتری،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ	اے ایمان والو! شراب اور جوا، اور
الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ	چڑھاوے کے بت اور پانسے گندے
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ	کام ہیں شیطان کے، سو ان سے بچتے
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ	رہو، شاید تمھارا بھلا ہو، شیطان تو یہی
اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ	چاہتا ہے کہ تمھارے آپس میں شراب اور
فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ	جوے سے دشمنی اور بیر ڈال دے، اور تم کو
ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ	اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو کیا
اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (مائدہ ۱۲-)	اب تم باز آتے ہو،

جب یہ حکم آیا تو بعض صحابہ نے چلا کر کہا، خداوندا! ہم باز آگئے،[۱] اس دن مدینہ کا یہ حال تھا کہ ہر طرف گلیوں میں خم اُلٹے جا رہے تھے، اور شراب زمین پر بہائی جا رہی تھی،[۲]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کے اسباب بھی بتا دیئے ہیں، اول یہ کہ یہ شیطان کا کام ہے، دوسرا یہ کہ اس کو پی کر شرابی آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں، اور تیسرا یہ کہ یہ انسان کو اُس کے بہت سے ضروری کاموں سے غافل کر دیتی ہے، ان تینوں اسباب کی سچائی روز روشن کی طرح آج بھی آشکارا ہے،

اوپر کی آیت میں شراب اور جوے کو شیطان کا کام بتایا گیا ہے، اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں، ایک چیز تو کھلی ہوئی ہے یعنی شراب اور جوے کو چڑھاوے کے بتوں اور بانٹ کے پانسوں

---

[۱] ابوداؤد، اشربہ [۲] صحیح بخاری کتاب الاشربہ،

Marfat.com

کے ساتھ ملا کر شیطان کے ناپاک اور بُرے کاموں میں سے شمار کیا ہے، اس لئے ان سب کی باطنی گندگی اور نجاست میں کوئی شک ہی نہیں، اس کے علاوہ کسی کام کے شیطان کی طرف نسبت کرنے سے مقصود حد درجہ کی بُرائی کا اظہار بھی ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ جب اُن کے گھونسہ سے اتفاقاً ایک قبطی مرگیا تو فرمایا هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (قصص -۲) "یہ ہوا شیطان کے کام سے" یعنی بہت ہی بُرا کام ہوا، اسی طرح اس آیت إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بنی اسرائیل ۳) "بے شبہہ فضول خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں" کی روشنی میں ادھر خیال جاتا ہے کہ شراب، جوے، بتوں کے چڑھاوے، اور جیتے ہوئے جانوروں کو بے کار ذبح کر کے پانسوں سے اُن کی بانٹ میں جن کو عرب جاہلیت میں فیاضی کا کام سمجھا جاتا تھا، مال و دولت کی بے فائدہ بربادی کی طرف بھی اشارہ نکل سکتا ہے، کون نہیں جانتا شراب خواری، قمار بازی اور دکھاوے کی جھوٹی فیاضیوں نے خاندان کے خاندان، اور قوم کی قوم کو تباہ کر دیا ہے جس کی مثالیں زمانہ کے صفحوں پر لکھی آج بھی ملتی ہیں،

اس کے بعد ان شیطانی کاموں کی دو برائیاں قرآن نے بتائی ہیں، ایک معاشرتی اور دوسری مذہبی، معاشرتی خرابی یہ کہ شراب سے بدمست ہو کر لوگ آپس میں لڑتے ہیں، اور وہ کام کر گذرتے ہیں جن کو وہ ہوش کی حالت میں کبھی نہ کرتے، کتنے قتل کتنی خودکشیاں اور کتنے سخت حادثے اس کے بدولت روزانہ پیش آتے ہیں، مذہبی برائی یہ ہے کہ انسان شراب پینے اور جوا کھیلنے میں ایسا محو ہو جاتا ہے کہ خدا کی یاد، اور نماز سے جو زندگی کا سب

بڑا فرض ہے غافل ہوجاتا ہے، بلکہ خود اپنے مفید دنیادی کاموں سے بھی ایسا کھویا جاتا ہے کہ وہ دین کیساتھ دنیا کے کام کا بھی نہیں رہ جاتا، اور اس کی ساری زندگی ناکام اور نامراد ہوجاتی ہے۔

شراب کے لفظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد کوئی خاص قسم کی شراب ہے، قرآن نے اس کے لئے خمر کا لفظ استعمال کیا ہے، خمر کہتے ہیں چھا جانے کو، اس لئے ہر وہ شے جس کا کھانا یا پینا عقل اور ہوش کو چھالے، وہ خمر میں داخل ہے۔ حضرت عمرؓ نے منبر نبویؐ پر کھڑے ہوکر فرمایا "شراب (خمر) وہ ہے جو عقل کو ڈھک لے"[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہر وہ شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے"[2] فرمایا جس نے دنیا میں شراب پی، اور اس سے توبہ نہ کی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا"[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے، تو آپ کے سامنے دست غیب نے دو پیالے رکھے، ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا ناموسِ وحی حضرت جبریلؑ نے کہا اس خدا کی حمد جس نے آپ کو فطرت کی راہ دکھائی، اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھا لیتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہوجاتی"[4] گویا شراب مثال کی دنیا میں گمراہی کی تصویر ہے۔

حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا "کوئی مومن شراب پینے لگتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان اس سے رخصت ہوجاتا ہے"[5] یہ بھی فرمایا کہ "قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ شراب کا پینا بڑھ جائے گا"[6]

اسلام نے جب شراب کو حرام کیا تو اس کے سارے لوازم و متعلقات بھی سدّ ذرائع

[1] صحیح بخاری کتاب الاشربہ [2] صحیحین کتاب الاشربہ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] صحیحین کتاب الاشربہ [6] ایضاً

کے طور پر حرام کئے یہان تک کہ شروع شروع مین ان برتنون کے استعمال کو بھی حرام کیا، جن مین شراب عموماً بنائی جاتی تھی، پھر جب لوگ شراب چھوڑنے کے عادی ہوگئے، تو اس سختی کو اٹھا دیا[۱]

اس اصول کا ذکر کئی دفعہ آچکا ہو کہ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ) "گناہ اور تعدی مین ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو" کے اصول کی بنا پر نہ صرف شراب پینا بلکہ اس کا پلانا، بنانا، بیچنا، خریدنا، لیجانا سب حرام ٹھہرا یا گیا، فرمایا "خدا نے شراب پر اُس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، دوسرون کے لئے نچوڑنے والے، اپنے لئے نچوڑنیوالے اس کے لیجانیوالے اور جسکے پاس لیجائی جائے سب پر لعنت فرمائی ہے[۲]" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "ہر نشہ کی چیز حرام ہے، اور جس کے زیادہ پینے سے نشہ ہو، اُس کا تھوڑا پینا بھی ویسا ہی حرام ہے[۳]"

---

[۱] صحیحین کتاب الاشربہ [۲] ابوداؤد کتاب الاشربہ [۳] صحیحین و ابوداؤد و ترمذی کتاب الاشربہ،

Marfat.com

غیظ و غضب

غیظ و غضب کی بے اعتدالی بھی بہت بڑی برائی ہے، بہت سے ظالمانہ اور بیہودہ کام انسان صرف غیظ و غضب اور غصہ میں کر بیٹھتا ہے، اور بعد کو اکثر نادم اور پشیمان ہوتا ہے، اس لئے ایک مسلمان کو چاہئے کہ اپنے غصہ پر قابو رکھے، اور بے سبب غیظ و غضب کا اظہار نہ کرے، اللہ تعالیٰ نے اچھے مسلمانوں کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ اپنے غصہ کو دبا لیتے ہیں وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ (آل عمران-۱۴) اور دوسری جگہ فرمایا، وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ (شوریٰ-۴) "اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں"، انسان کا حکم ان کی حالت میں معاف کر دینا آسان ہے لیکن غصہ کی حالت میں جب وہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے، معاف کرنا آسان نہیں ہے لیکن ایک مسلمان کی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ اس وقت بھی اپنے کو قابو میں رکھے، اور معاف کر دے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے، پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے کو قابو میں رکھے[1]

---

[1] صحیح مسلم باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب بخاری کتاب الادب باب الحذر من الغضب۔

حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جاریہ بنؓ قدامہ، حضرت ابودرداءؓ وغیرہ کئی صحابیوں سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے ارشاد ہوا کہ "غصہ نہ کیا کرو"[1] اُس کو یہ معمولی بات معلوم ہوئی، تو اُس نے دوبارہ سہ بارہ عرض کی آپنے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو[1] مسند احمد مین ہے کہ اُن صاحب کا بیان ہے کہ پھر مین نے دل مین غور کیا تو معلوم ہوا کہ غصہ حقیقت مین ساری برائیون کی جڑ ہے،

مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہین کہ ایک دفعہ آپنے عصر کی نماز کے بعد صحابہ کو کھڑے ہوکر نصیحتین فرمائین جن مین سے ایک یہ بھی، فرمایا "آدم کے بیٹے کئی طبقون مین پیدا کیے گئے ہین، ان مین کوئی ایسا ہے جس کو غصہ دیر مین آتا ہے اور سکون جلد ہوجاتا ہے، اور کسی کو غصہ بھی جلد آتا ہے، اور دور بھی جلد ہوجاتا ہے، تو ان دونون مین ایک بات کی دوسری بات سے اصلاح ہوجاتی ہے، اور کوئی ایسا ہے کہ اس کو غصہ جلد آتا ہے، اور دفع بہت دیر مین ہوتا ہے، تو ہان! ان مین سب سے اچھا وہ ہے جس کو غصہ دیر مین آئے، اور دور جلد ہوجائے، اور ان مین سب سے بُرا وہ ہے جس کو غصہ جلد آجاتا ہو، اور دور بہت دیر مین ہوتا ہو، ہان! غصہ ابن آدم کے دل کی ایک چنگاری ہے، دیکھتے نہین کہ اُس کی آنکھین لال اور اُس کی رگین پھول جاتی ہین، تو جس کو اپنے غصہ کا احساس ہو اس کو چاہئے کہ وہ زمین سے لگ جائے[2]"

---

[1] صحیح بخاری و مسند احمد و ابن حبان و طبرانی (منذری باب الترہیب من الغضب) [2] جامع ترمذی (منذری باب مذکور)

ابوداؤد میں ہے کہ آپ نے فرمایا غصہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ کو پانی ٹھنڈا کرتا ہے تو جس کو غصہ آئے اس کو چاہئے کہ وضو کرلے[1] حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو غصہ آئے وہ اگر کھڑا ہے تو چاہئے کہ بیٹھ جائے اگر اس سے بھی کم نہ ہو تو چاہئے کہ لیٹ جائے[2]

صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو صاحبوں میں کچھ باتیں ہوئیں ان میں سے ایک صاحب کو اتنا غصہ آیا کہ چہرہ غصہ سے لال ہوگیا اور رگیں پھول گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا، پھر فرمایا مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے کہ اگر وہ اس کو کہہ لے تو یہ غصہ جاتا رہے اور وہ یہ کہ وہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہے

اس اخیر حدیث کی تائید قرآن پاک کی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ	معاف کرنے کی عادت ڈال نیکی
وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ وَإِمَّا	کی بات کہہ اور نادانوں سے درگذر
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ	کر، اور اگر شیطان کی چھیڑ تجھ کو ابھارے
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ	تو اللہ کی پناہ پکڑ، بیشک وہ سننے
عَلِيْمٌ (اعراف ۲۴)	والا اور جاننے والا ہے،

اسی قسم کی آیت سورہ حم السجدہ (۵) میں بھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب من کظم غیظاً[2] ایضاً ‎‏[3] صحیح بخاری کتاب الادب باب الحذر من الغضب و مسلم باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب،

Marfat.com

"نیکی اور بدی برابر نہیں، برائی کا جواب نیکی سے دے، پھر جس کے اور تیرے درمیان دشمنی ہو گی، وہ ایسا ہو جائیگا جیسے دوست رشتہ والا، اور یہ بات ملتی ہے اس کو جو بڑی قسمت والا ہے، اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی کوئی چھیڑ تو اللہ کی پناہ پکڑ، بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے تین علاج بتائے ہیں، ایک روحانی اور دو ظاہری روحانی تو وہی ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے، یعنی یہ کہ چونکہ یہ غصہ شیطان کا کام ہے اس لئے جب غصہ آئے تو فوراً دعا کرنی چاہیئے کہ خداوندا میں شیطان سے بھاگ کر تیری پناہ چاہتا ہوں (اعوذ باللہ کا یہی مطلب ہے) خدا اس کی سنے گا، اور شیطان کی اس چھیڑ سے اس کو محفوظ کرلے گا، ظاہری طور سے بھی دیکھئے کہ جب کسی مسلمان کو دل سے یقین ہو گا کہ غصہ شیطانی حرکت ہے، تو خدا کا نام لینے کے ساتھ وہ اس سے دور ہو جائے گا،

دو ظاہری علاجوں میں سے ایک تو یہ ہے کہ انسان کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے، مقصود اس سے یہ ہے کہ تبدیل ہیئت سے طبیعت بٹ جائے گی، اور غصہ کم ہو جائے گا، دوسرا علاج یہ ہے کہ وضو کرلے، اس سے منشا یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں گرمی سے خون کا دوران بڑھ جاتا ہے، آنکھیں لال ہو جاتی ہیں، چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، تو پانی پڑنے سے مزاج میں ٹھنڈک آئے گی، اور غصہ کی گرمی دور ہو جائے گی،

Marfat.com

بغض و کینہ

دل میں کسی کی دشمنی اور عداوت کا دیرپا جذبہ رکھنا بغض اور کینہ کہلاتا ہے، یہ ایسی بری چیز ہے کہ جو اس سے پاک رہنے کی دعا مانگا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے،

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا	اے ہمارے پروردگار ہم کو اور ہمارے
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ	بھائیوں کو جو ہم سے آگے ایمان لائے
وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا	بخشیے، معاف کر اور ہمارے دلوں
لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ	میں ایمان والوں کا کینہ مت رکھ
رَءُوفٌ رَحِيمٌ ٥	اے ہمارے پروردگار تو نرمی والا
(حشر-۱)	(ترجمان حق)

جنت کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں جو لوگ ہوں گے آپس میں بھائی بھائی ہوں گے، وہاں بغض وکینہ کا گذر نہ ہوگا فرمایا،

Marfat.com

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ	اور ہم نے اُن کے سینون سے جو کینہ تھا
مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ	نکال لیا، بھائی بھائی ہو کر تختون پہ
مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ (حجر-۴)	آمنے سامنے بیٹھے،
وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ	اور ہم نے اُن کے سینون سے جو کینہ
مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ	تھا نکال لیا، نہرین اُن کے نیچے بہتی
الْاَنْهٰرُ ج (اعراف-۵)	ہون گی،

ان آیتون کے اشارہ سے معلوم ہوا کہ جب تک بھائیون مین کینہ رہے گا جنت کا تخت ہاتھ نہ آئے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جو تعلیم دی ہے اس کا یہ منشا ہے کہ ہم کو دنیا ہی مین جنت کی سی زندگی بسر کرنی چاہیے، فرمایا،

"اے لوگو! آپس مین ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، اور ایک اللہ کے بندے بن کر آپس مین بھائی بھائی بن جاؤ، کسی بھائی کے لئے حلال نہین کہ اپنے بھائی کو تین دنون سے زیادہ چھوڑ دے[1]"

مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی کسی سبب سے دو بھائیون مین کوئی ملال کی بات ہو جائے تو اس کو تین دنون سے زیادہ کوئی اپنے دل مین نہ رکھے، ابو ایوب صحابی کہتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہین کہ اپنے بھائی کو تین دنون سے زیادہ چھوڑ دے، دونون ملین تو ایک دوسرے سے منھ پھیرے، اور

---

[1] صحیح بخاری و مسلم و مالک، ابو داؤد، ترمذی نسائی،

ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ کسی مومن کو تین دن سے زیادہ چھوڑے تین دن جب ہو جائیں تو ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اگر ملے پھر سلام کرے تو اگر دوسرے نے جواب دیا، تو دونوں کو مزدوری ملی، اور اگر اس نے جواب نہیں دیا، تو وہ (جواب نہ دینے والا) گناہ لے کر لوٹا[2] کئی حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا "ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو انسان کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو جس نے خدا کے ساتھ شرک نہیں کیا خدا اس کو معاف فرماتا ہے لیکن جن دو آدمیوں میں آپس میں کینہ ہوتا ہے تو خدا فرماتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی رہنے دو میل کر لیں[3]

اس حدیث کی تشریح ایک روایت سے ہوتی ہے، فرمایا "دوشنبہ اور جمعرات کو اعمال پیش ہوتے ہیں تو جس نے مغفرت مانگی ہوگی، اس کو مغفرت دی جاتی ہے، اور جس نے توبہ کی ہوگی، اس کی توبہ قبول ہوتی ہے لیکن کینہ والوں کے اعمال اُن کے کینہ کے سبب سے لوٹا دیئے جاتے ہیں، جب تک وہ اس سے باز نہ آئیں[4] یہ بھی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا تین شخصوں کی بخشائش نہیں، ان میں سے ایک وہ جو اپنے سے کینہ رکھتا ہے[5]

ان حدیثوں پر غور کیجئے شرک اور کینہ دونوں کو ایک خاص پہلو سے برابر کا درجہ دیا گیا ہے،

---

[1] مالک، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد [2] سنن ابی داؤد [3] مالک و مسلم، ابو داؤد، ترمذی و ادب المفرد بخاری [4] طبرانی فی الاوسط (منذری ج ۲ ص ۲۹ مصر)

[5] ادب المفرد بخاری باب الشحناء،

دین دو چیزون سے عبارت ہے، اللہ کا حق اور بندون کا حق، جب تک شرک رہے گا، اللہ کا کوئی حق ادا نہین ہو سکتا، اسی طرح جن دو آدمیون مین کینہ رہے گا، اُن مین سے کوئی ایک دوسرے کا کوئی حق ادا نہ کر سکے گا، غرض جس طرح شرک، حق اللہ سے مانع ہے، بغض و کینہ حق العباد سے باز رکھتا ہے، اور ان ہی دونون حقوق سے عہدہ برآ ہونا جنت کی کنجی ہے،

ظلم

ظلم کا لفظ قرآن پاک میں کئی معنوں میں آیا ہے یہاں تک کہ کفر و شرک اور معاصی کے معنوں میں بھی کثرت سے آیا ہے لیکن یہاں مراد اس ظلم سے ہے جو بندے بندوں پر کریں قرآن میں اس کے لئے زیادہ تر لفظ بغی (سرکشی) اور عدوان (تعدی) آتے ہیں یہ ظلم اسلام کی شریعت میں حرام ہے،

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ
وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ
(اعراف ـ ۴)

کہہ دے کہ میرے رب نے بے حیائی کے کاموں کو خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے اور گناہ اور ناحق کی سرکشی کو حرام ٹھہرایا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا،

وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ
وَالْبَغْيِ ۚ (نحل ـ ۱۳)

اور خدا بے حیائی اور ناپسندیدہ کام اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔

Marfat.com

ان دونوں آیتوں میں سرکشی سے مراد حد سے آگے بڑھ کر دوسرے کے حقوق پر دست درازی اور ظلم ہے جس کی روک تھام اگر نہ کی جائے، تو وہ پوری قوم اور ملک کے امن وامان کو برباد کر ڈالے اُس کی روک تھام کا پہلا قدم یہ ہے کہ جس پر ظلم کیا جائے اس کا یہ حق مانا جائے کہ وہ ظالم سے اپنا بدلہ لے سکے تاکہ لوگ انجام کو سوچ کر ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے بچیں، گو کسی کو تکلیف پہنچانا اچھا نہیں، مگر ظالم کو اُس کے ظلم کے بقدر تکلیف پہنچانے کی اجازت اس لئے دی گئی تاکہ یہ برائی آگے نہ بڑھنے پائے، فرمایا،

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ	اور جن پر ظلم ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں،
هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ	اور برائی کے عوض اس طرح کی
سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (شوریٰ ۔۴)	برائی ہے،

یعنی جیسی برائی کوئی کرے ویسی ہی برائی اُس کے ساتھ کی جائے،

لیکن اگر کوئی مظلوم بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود ظالم کو معاف کر دے، تو مظلوم اپنا انصاف خدا کے ہاں پائے گا، اور ظالم خدا کی محبت سے محروم رہے گا،

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى	پھر جو کوئی معاف کردے اور سنوارے
اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ	تو اس کی مزدوری اللہ کے ذمہ ہے
(شوریٰ ۔۴)	بیشک اللہ ظالم لوگوں کو پیار نہیں کرتا

لیکن اگر کوئی معاف نہ کرے، اور بدلہ لے لے تو اس کو ملامت نہیں کی جا سکتی،

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ	اور جو کوئی اپنے ظلم کئے جانے کے

Marfat.com

فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ (شوریٰ-۴)

بعد بدلے تو اس پر کوئی ملامت کی راہ نہین،

ملامت اُس پر ہے جو لوگون پر ظلم کرنے مین پہل کرے، اور ملک مین ناحق فساد برپا کرے،

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (شوریٰ-۴)

راہ اُن پر ہے جو لوگون پر ظلم کرتے ہین اور زمین مین ناحق دھوم مچاتے ہین اُن کے لئے دکھ والی سزا ہے،

اگر کوئی کسی کو ظلم سے مار ڈالے تو اس کے ولی کو طلب قصاص کی منصفانہ اجازت دیگئی،

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (اسرائیل-۴)

اور جو ظلم سے مارا گیا تو اس کے وارث کو ہم نے زور دیا ہے، تو وہ خون کرنے مین زیادتی نہ کرے، بے شبہہ اس کو مدد دی جائے،

مقصود یہ ہے کہ ظالم قاتل کے خلاف مظلوم مقتول کی مدد کی جائے، تاکہ دنیا مین عدل قائم ہو، لیکن مقتول کے وارثون کو بھی چاہیئے کہ انتقام کے جوش مین حد سے آگے بڑھ کر قاتل کے ساتھ اس کے اور عزیزون اور دوستون کے خون سے اپنے ہاتھ نہ رنگین، ورنہ یہ سلسلہ جاہلیت کی طرح اسلام مین بھی کبھی ختم نہ ہوگا،

مظلوم کو اس کی بھی اجازت ملی ہے کہ وہ ظالم کی ظالمانہ کارروائیون کو علانیہ بیان کرے، اس کے دو فائدے ہین، ایک تو اس سے اپنی بدنامی کے ڈر سے ظلم کرنے مین کچھ

Marfat.com

بچ جائیں گے، دوسرا یہ کہ اس طرح لوگوں کو مظلوم کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوگی، فرمایا،

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ
مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ
كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ (نساء-۲۱)

اور اللہ کو بری بات کا پکارنا پسند
نہیں آتا، مگر جس پر ظلم ہوا ہو، اور
اللہ سنتا جانتا ہے،

اگر ظالم اپنی حرکت سے باز نہ آئے، تو مسلمانوں کو اجازت ملی ہے کہ سب مل کر اس سے لڑیں اور اس کو خدا کے قانون کے آگے سرنگوں کریں،

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى
الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ
حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ
(حجرات-۱)

تو اگر ان میں سے ایک دوسرے پر
چڑھ آوے تو سب لڑو اس چڑھائی
والے سے یہاں تک کہ وہ اللہ کے
حکم پر پھر آئے،

یہ تو مسلمانوں کے آپس کی بات تھی لیکن اگر فریق مخالف کافر ہو تو بھی اس پر زیادتی نہ کی جائے، اور اگر کوئی مسلمان اس حکم کے خلاف کرے، تو دوسرے مسلمانوں کو اس کا ساتھ نہیں دینا چاہئے، فرمایا،

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ
صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى
الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا

اور کسی قوم کی دشمنی اس لئے کہ وہ
تم کو مسجد حرام سے روکتی تھی، اس
جرم پر تم کو آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی
کرو، اور نیکی اور تقوی کے کاموں

عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

(مائدہ - ۱)

پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور تعدی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ بیشک وہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوگا کہ دنیا میں مظالم کے انسداد کا وہ سب سے بڑا موثر حربہ جس کا نام آج کل عدم تعاون اور نان کوآپریشن ہے، اسلام نے اس کو بہت پہلے پیش کیا ہے، اور صاف و صریح حکم دیا ہے کہ گناہ اور ظلم و تعدی کے کاموں میں ظالموں کا ساتھ نہ دیا جائے اور ان کے ظلم کے کاموں میں شریک نہ ہوا جائے، البتہ اس عدم شرکت کی صورتیں زمانہ کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں،

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے، مگر ظالم کی مدد کیونکر کی جائے، فرمایا اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے سلہ اس طریقۂ تعلیم کی جدت پر ایک نظر ڈالئے، ظالم کی مدد کی ترغیب دلا کر سننے والوں کے دلوں میں توجہ کی خلش پیدا کر دی، اور جب بظاہر اس عجیب تعلیم کی طرف وہ ہمہ تن متوجہ ہوگئے، تو اس کمال التفات سے فائدہ اٹھا کر آپ نے بتایا کہ ظالم کی مدد کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو ظلم کی برائی سے روکا جائے،

سلہ صحیح بخاری ابواب المظالم و صحیح مسلم باب نصر الاخ ظالماً او مظلوماً

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ یہ حدیث قدسی بڑے موثر انداز مین سنائی فرمایا، "اللہ تعالیٰ اپنے بندون سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! مین نے اپنے لئے، اور تمھارے لئے آپس مین ظلم کو حرام کیا ہی تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو"[1]

ایک اور روایت مین ہی کہ آپ نے فرمایا "ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات بنجائیگا"[2] ظلمات عربی مین اندھیرے کو کہتے ہین، ظلم اور ظلمات کا مادّہ عربی مین ایک ہی ہی، ہماری زبان مین اسی لفظی رعایت کے ساتھ اس کا ترجمہ یون ہوسکتا ہی کہ اندھیر نہ کیا کرو کہ قیامت کے دن یہ اندھیرا ہوجائے گا، یہ ایک طرح کی مثالی سزا ہوگی، انسان اپنی غرض یا غصہ سے اندھا ہوکر دوسرون پر ظلم کر بیٹھتا ہے، یہ اندھاپن قیامت کے دن ہولناک دن مین اندھیرا بن کر نمودار ہوگا؛

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مسلمان مسلمان کا بھائی ہی چاہئے کہ وہ اس پر ظلم نہ کرے، اور نہ اس کو بے مددگار چھوڑ دے"[3] براء بن عازبؓ کہتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات باتون کا حکم دیا، اور سات باتون سے روکا ہے، اُن مین ایک یہ ہی کہ مظلوم کی مدد کی جائے[4] حضرت معاذؓ کو امیر بنا کر جب آپ نے یمن بھیجا تو اُن کو نصیحت فرمائی کہ "مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا، کیونکہ اس کے اور خدا کے بیچ مین کوئی پردہ نہین"[5] حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کی آبرو

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم الظلم و ترمذی کتاب الزہد و مسند احمد جلد ۵ ص ۱۵۴ و ص ۱۶۰ و ص ۱۷۷ و ادب المفرد بخاری باب الظلم [2] صحیح مسلم باب تحریم الظلم و صحیح بخاری ابواب الظالم [3] صحیح بخاری ابواب المظالم [4] ایضاً [5] صحیح بخاری

کسی چیز پر ظلم کیا ہو، تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اس سے پاک ہو لے اس دن سے پہلے کہ اس کے پاس دینے کو نہ دینار ہوگا نہ درہم، ظلم کے بدلہ ظلم کے برابر مظلوم کو ظالم کی نیکیاں دلوائی جائیں گی، اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم پر لاد دی جائیں گی۔[1] فرمایا کہ اللہ ظالم کو مہلت دیتا ہے، پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔[2]

فرمایا اہل ایمان دوزخ سے پاک ہو چکیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل کے پاس روکے جائیں گے، وہاں دنیا میں ایک نے دوسرے پر جو ظلم کئے تھے ان کا بدلہ ایک دوسرے کو دلایا جائے گا، جب اس سے بھی پاک ہو جائیں گے، تب اُن کو بہشت میں جانے کی اجازت ملے گی۔[3]

---

[1] صحیح بخاری ابواب المظالم [2] صحیح مسلم باب تحریم الظلم [3] صحیح بخاری ابواب المظالم۔

فخر و غرور

انسان مین جب کوئی وصف یا کمال پایا جاتا ہے تو قدرتی طور پر اس کے دل مین اس کا خیال پیدا ہوتا ہے، اور یہ کوئی اخلاقی عیب نہین لیکن جب یہ خیال اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ وہ اور لوگون کو جن مین یہ وصف نہین پایا جاتا، یا کم پایا جاتا ہے، اپنے سے حقیر سمجھنے لگتا ہے تو اس کو کبر اور اس کے اظہار کو تکبر کہتے ہین، دنیا مین سب سے پہلے اس بداخلاقی کا ظہور شیطان سے ہوا اس نے آدم کے مقابلہ مین اپنے کو بالاتر سمجھا اور پکارا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (اعراف) مین اس سے بہتر ہون وہ مٹی سے بنا ہے اور مین آگ سے بنا ہون، خدا تعالی نے اس کی اس شیخی پر اس کو مردود قرار دیا اور فرمایا فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (اعراف ۲) یہان سے اتر جا، یہان تجھے غرور کرنا زیبا نہین، نکل جا تجھے بڑائی کے بدلے یہان ذلت کی چھوٹائی ملی،

کبر و غرور ایک ایسی انسانی اور نفسی چیز ہے جس کے لئے محض اپنی عظمت کا تخیل کافی نہین، بلکہ اس تخیل کے ساتھ دوسرے لوگون کی تحقیر بھی ضروری ہے، چنانچہ حدیث شریف مین ہے کہ

ایک خوش جمال شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں ایک حسین شخص ہوں اور حُسن مجھے نہایت محبوب ہے میں یہ نہیں پسند کرتا کہ کسی کو مجھ پر حُسن میں تفوق حاصل ہو تو کیا یہ تکبر ہے؟ فرمایا "نہیں تکبر یہ ہے کہ حق کو قبول نہ کیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے"[ل]

تکبر کی اسی اضافی حیثیت نے اس کو مذہبی، اخلاقی، معاشرتی بداخلاقیوں کا سرچشمہ بنا دیا۔ پیغمبروں کی مزاحمت صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو اور لوگوں سے بڑا سمجھتے ہیں اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو اور غریب اور عام لوگ پیغمبروں کی ہدایت کو قبول کر لیتے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰہِ جَمِیْعًا فَقَالَ	اور (قیامت کے دن) سب لوگ
الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا	خدا کے روبرو نکل کھڑے ہوں گے
اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَھَلْ اَنْتُمْ	تو (جو لوگ دنیا میں) کمزور تھے
مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ	اس وقت (ان لوگوں سے جو بڑا
اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ط	عزت رکھتے تھے کہیں گے کہ ہم تو
	تمہارے قدم بقدم چلنے والے تھے
	تو کیا (آج) تم عذابِ خدا میں سے
(ابراھیم۔۳)	کچھ (تھوڑا سا) ہم پر سے ہٹا سکتے ہو

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو جب فرعون کی طرف نشانیاں دے کر بھیجا اور اس کے اعیانِ دولت کے پاس [illegible] ہدایت قبول

ل۔ ابوداؤد کتاب اللباس باب ما جاء فی الکبر

کرنے سے اس لئے انکار کیا کہ وہ اپنے آپ کو سب سے بالاتر سمجھتے تھے،

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا	تو وہ سب شیخی میں آگئے، اور وہ تھے
عَالِيْنَ، (مومنون-۳)	(بھی) سرکش لوگ،

اسی تکبر کی بنا پر وہ اپنے ہی جیسے آدمی کی جو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا، اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہو اطاعت کرنا پسند نہیں کرتے تھے اُن کو اس سے ننگ و عار تھا کہ جس حلقے میں عام لوگ شامل ہوگئے ہیں، اس میں وہ بھی شامل ہو جائیں،

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اس پر اُن کی قوم کے سردار جو (ان
مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا	کو) نہیں مانتے تھے، لگے کہنے کہ ہم کو
بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ	تو تم ہمارے ہی جیسے بشر دکھائی دیتے
اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا	ہو، اور ہمارے نزدیک صرف
بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ	وہی لوگ تمہارے پیرو ہوگئے ہیں جو
عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ	ہم میں رذالے ہیں، (اور پیرو ہو
كٰذِبِيْنَ،	بھی گئے ہیں تو بے سوچے سمجھے) سرسری
	نظر سے اور ہم تو تم لوگوں میں اپنے
(هود-۳)	سے کوئی برتری نہیں پاتے، بلکہ ہم تم
	کو جھوٹا سمجھتے ہیں،

غرض پیغمبروں کی دعوت کے قبول کرنے سے صرف ان ہی لوگوں کو انکار تھا، جو اپنے

آپ کو مذہبی، قومی سیاسی یا اور کسی وجہ سے لوگوں سے یا خود پیغمبروں سے بڑا سمجھتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہایت شدت سے ان لوگوں کی برائی بیان کی ہے، اور مختلف الفاظ میں بیان کی ہے، تاکہ کبر و غرور کے تمام مدارج پیش نظر ہو جائیں، عام لفظ استکبار اور اس کے مشتقات ہیں، بعض جگہ ان کو عزت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے،

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ	لیکن جو لوگ منکر ہیں (ناحق کی)
وَّشِقَاقٍ (ص-۱)	ہیکڑی اور مخالفت میں (پڑے) ہیں

بعض جگہ اس سے بھی زیادہ قوی لفظ جبار اختیار کیا ہے،

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ	جتنے مغرور اور سرکش ہیں، اللہ ان کے
قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (مومن ۴)	دلوں پر اسی طرح مہر لگا دیتا ہے،

دو موقعوں پر اس کے لئے مختال کا لفظ آیا ہے، یہ اس شخص کو کہتے ہیں، جس کو گھمنڈ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے مغرور اور فخار میری محبت کی عزت سے محروم ہیں،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ	اللہ اس کو پیار نہیں کرتا جو مغرور
مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ (نساء-۶)	اور فخار ہو،
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (نحل ۳)	اللہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا،

ان کو جہنم کی خوشخبری بھی ہیں دے دی گئی ہے،

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى	کیا جہنم میں مغروروں کا ٹھکانا
لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ (زمر-۶)	نہیں،

Marfat.com

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ (زمر-۸) تو دوزخ مغروروں کا ٹھکانا ہے،

مغروروں کے ساتھ یہ سختی اسی لئے ہے کہ اُن کا یہ غرور ان کو حق کے قبول سے باز رکھتا ہے،

اخلاقی اور معاشرتی حیثیت سے کبر و غرور کے جو ثمرات ظاہر ہوتے ہیں، اُن کا کوئی شمار ہی نہیں کیا جا سکتا، مثلاً ایک متکبر شخص عام لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، بات چیت کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہیں، بلکہ بہت سے لوگوں کو اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ ان کو یہ شرف حاصل ہو، جب لوگوں سے ملتا ہے تو چاہتا ہے کہ لوگ اس کو پہلے سلام کریں، راستے میں لوگوں سے آگے چلنا چاہتا ہے، مجلسوں میں صدر بننے کی کوشش کرتا ہے، غرض اس کے ثمرات و نتائج ہزاروں صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں، اور اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا[1] اور امام غزالی نے اس حدیث کا یہ فلسفہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے جو مخصوص اخلاق ہیں، وہی جنت کا دروازہ ہیں، اور غرور ان تمام دروازوں کو بند کر دیتا ہے، اس لئے جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، یعنی دنیا کی طرح آخرت میں بھی مسلمانوں سے الگ تھلگ رہیگا،

بد اخلاقی چونکہ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں پائی جاتی ہے، اور اس کے نتائج

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی الکبر،

Marfat.com

گوناگوں صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے اُن سب کا استقصار تو مشکل تھا، البتہ شریعت نے اس کے بعض نتائج ظاہر کر دیئے ہیں، مثلاً کبر و غرور کے جو مظاہر امرا و سلاطین سے تعلق رکھتے ہیں، اُن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے سامنے لوگ کھڑے رہیں، اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہئے" ایک بار آپ خود عصا ٹیکے ہوئے نکلے، تو صحابہ کرام تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، فرمایا کہ عجمیوں کی طرح تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو۔[1]

بڑے آداب و القاب کا اپنے ناموں کے ساتھ اضافہ کرنا اگر وہ خلاف واقعہ ہوں تو جھوٹ ہے، اور اگر واقعہ کے مطابق ہوں تو فخر و غرور کا ذریعہ ہیں عجمی بادشاہ اپنے کو شاہ ملک الملوک اور شہنشاہ کہلاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے برا نام خدا کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی اپنے کو ملک الملوک اور شہنشاہ کہلائے"۔[2]

کبر و غرور کی چند عام اور بدنما صورتوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے مثلاً

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا	اور زمین میں اکڑ کر نہ چلا کر کیونکہ (اس
إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ	دھماکے کے ساتھ چلنے سے) تو زمین کو
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝	تو پھاڑ نہیں سکے گا، اور نہ (تن کر چلنے
(بنی اسرائیل - ۴)	سے) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکے گا
وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ	اور لوگوں سے بے رخی نہ کر اور زمین

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی قیام الرجل للرجل [2] صحیح بخاری،

Marfat.com

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا — ہیں اترا کر نہ چل، بیشک اللہ اس کو
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ — پیار نہیں کرتا، جس کو گھمنڈ ہو
فَخُوْرٍ (لقمان ۲) — فخار ہو،

گنہگار کی شان یہ بیان کی ہے،

ثَانِیَ عِطْفِہٖ، (حج ۱) — اینٹھتا ہوا،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے

مَنْ جَرَّ ثَوْبَہٗ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ — جو شخص غرور سے اپنے کپڑے گھسیٹے گا
اللّٰہُ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ[1]، — خدا اسکی طرف قیامت کے دن نہ دیکھیگا،

ایک حدیث میں ہے کہ گذشتہ لوگوں میں ایک شخص ایک جوڑا پہن کر اتراتا ہوا نکلا تو خدا نے زمین کو حکم دیا جس نے اس کو پکڑ لیا اور اب وہ قیامت تک اس میں دھنسا چلا جا رہا ہے[2] اس کے برعکس بہت سے افعال ہیں جو تواضع وخاکساری پر دلالت کرتے ہیں اور ان ہی کو خدا نے اپنی خاص عبودیت کی علامت قرار دیا ہے،

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ — اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے
یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا — تو وہ ہیں، جو زمین پر فروتنی کے ساتھ
وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ — چلیں، اور جب جاہل ان سے (جہالت
قَالُوْا سَلٰمًا، (فرقان ۶) — کی) باتیں کرنے لگیں تو (ان کو) سلام

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار [2] ترمذی ابواب الزہد،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو زانو بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے، ایک بدو بھی اس وقت موجود تھا، اس نے کہا بیٹھنے کا یہ کیا طریقہ ہے، فرمایا "خدا نے مجھ کو شریف بندہ بنایا ہے، متکبر و سرکش نہیں بنایا ہے"[1]

ایک صحابی نے جن کو لوگ مغرور و متکبر سمجھتے تھے، اسی قسم کے افعال سے اپنے کبر و غرور کی تردید کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ میں مغرور ہوں، حالانکہ میں گدھے پر سوار ہوتا ہوں، کمل اوڑھتا ہوں، اور بکری کا دودھ دوہتا ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ سب کام کرتا ہے اس میں غرور نہیں پایا جاتا"[2]

کبر و غرور کے اسباب بہت سے ہیں لیکن عام طور پر دنیا دار لوگ جن چیزوں پر غرور کرتے ہیں، وہ یہ ہیں حسب و نسب، حسن و جمال، مال و دولت، قوت اور اعوان و انصار کی کثرت، اسلام نے ان میں سے ہر ایک سبب کی نسبت اپنی قطعی رائے ظاہر کر دی ہے کہ ان میں سے کوئی چیز فخر و غرور کا ذریعہ نہیں،

عربوں کے فخر و غرور کا سب سے بڑا ذریعہ حسب نسب کی برتری کا خیال تھا، اس کو یہ کہہ کر مٹا دیا،

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، (حجرات-۲)	لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا، اور پھر تمھاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں

[1] ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الاکل متکئاً [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی الکبر،

اس کے بعد بتایا کہ شرافت و عظمت کی بنیاد نسب و حسب پر نہیں بلکہ روحانی فضائل پر ہے

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ — اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے

(حجرات-۲) — جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مزید تشریح کی، اور فرمایا کہ "خداوند تعالیٰ نے تمہاری جاہلیت کے غرور اور باپ دادا کے اوپر فخر کرنے کے طریقہ کو مٹا دیا، اب صرف دو قسم کے آدمی ہیں مومن پرہیزگار، اور بدکار بدبخت، تم لوگ آدمی کے بچے ہو، اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے لوگ ایسے لوگوں پر فخر کرنا چھوڑ دیں جو جہنم کا کوئلہ ہیں، یا خدا کے نزدیک اس گبریلے سے بھی زیادہ ذلیل ہیں، جو اپنے منھ سے نجاست کو گھسیٹتا چلتا ہے"[۱]

جہاں تک زیب و زینت اور جسم کی ظاہری آرایش اور پاکیزگی کا تعلق ہے حسن و جمال کو ایک قابل قدر چیز قرار دیا، چنانچہ ایک خوبرو شخص نے جب آپ سے دریافت کیا کہ مجھ کو یہ پسند ہے کہ میرا کپڑا اور جوتہ عمدہ ہو، تو فرمایا کہ "خدا حسن کو پسند کرتا ہے"[۲] یعنی اس کا نام غرور نہیں، البتہ جن صورتوں میں حسن و جمال، غرور و تکبر کے اظہار کا ذریعہ بن جاتا ہے شریعت نے ان کی ممانعت کی ہے، چنانچہ ایک صحابی کو آپ نے چند اخلاقی نصیحتیں کیں، جن میں ایک نصیحت یہ تھی کہ تہ بند کو بہت نیچے نہ لٹکاؤ کیونکہ یہ غرور کی ایک قسم ہے اور خدا غرور کو نہیں پسند کرتا[۳]،

تمدنی اور اجتماعی ضروریات کے لحاظ سے مال و دولت کی اہمیت کو قائم رکھا، اور

---

[۱] ابوداؤد کتاب الادب باب فی التفاخر بالاحساب [۲] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی الکبر [۳] ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار،

Marfat.com

اسی لحاظ سے اس کی تعبیر قیام اور خیر کے لفظ سے کی، مال و دولت کے ضائع کرنے کی ممانعت فرمائی، اور اس کے تحفظ کو اس قدر ضروری قرار دیا کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے اس کو شہید کا لقب عنایت کیا لیکن اسی کے ساتھ اگر اس کو فخر و غرور کا ذریعہ بنا لیا جائے تو اس کی حقیقت جلوۂ سراب سے زیادہ نہیں،

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا	(لوگو) جانے رہو کہ دنیا کی زندگی کھیل
لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ	اور تماشا اور ظاہری طمطراق، اور آپس
بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ	میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور ایک
وَالْاَوْلَادِ،	دوسرے سے بڑھ کر مال اور اولاد کا خواستگار
(حدید - ۳)	ہونا (بس یہی کچھ ہے)،

احادیث میں مال و دولت کی برائی جن اسباب کی بنا پر بیان کی گئی ہے ان میں ایک سبب یہ ہے کہ وہ فخر و غرور اور باہمی مسابقت کا ذریعہ بن جاتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ اس سے اپنی اور دوسروں کی ضروریات پوری کی جائیں، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو مال و دولت کی طلب میں باہمی مسابقت نے غافل کر دیا، آدم کا بچہ کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرا مال صرف وہی ہے جس کو تو نے صدقہ میں دے ڈالا، کھا پی ڈالا، اور پہن کر پھاڑ ڈالا۔[۱]

قوت ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعے سے ہر قسم کے تمدنی، ذاتی، اور سیاسی کام

---

[۱] ترمذی کتاب الزہد باب ما جاء فی الزہادۃ فی الدنیا،

Marfat.com

انجام دیئے جا سکتے ہیں، اس لئے اس قسم کے موقعوں پر وہ ایک قابلِ ستائش وصف ہی ہی وجہ ہی کہ خداوند تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوی امین کہا ہی، اور حضرت لوط علیہ السلام نے ایک موقع پر یہ حسرت ظاہر کی ہی،

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ، (ھود - ۷)	(لوط) بولے کہ ای کاش (آج) مجھ کو تمھارے مقابلہ کی طاقت ہوتی، یا میں کسی زبردست سہارے کا آسرا پکڑ پاتا،

اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں تمام بنی نوعِ انسان پر اپنا یہ احسان جتایا ہے،

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً، (روم - ۶)	اللہ ہی وہ (قادرِ مطلق) ہے جس نے تم لوگوں کو کمزور حالت سے (جو ان کے پیٹ میں ہوتی ہے) بنا کھڑا کیا پھر (طفلی کی) کمزوری کے بعد (جوانی کی) توانائی دی،

اور مسلمانوں کو طاقتور بننے اور سامانِ جنگ سے آراستہ رہنے کا حکم دیا ہے،

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ	اور (مسلمانو!) سپاہیانہ قوت سے اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے جہاں تک تم سے ہوسکے کافروں کے مقابلہ کے لئے ساز و سامان مہیا کئے رہو کہ ایسا کرنے

Marfat.com

لَاتَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (انفال - ۸)

سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھوگے اور نیز ان کے سوا دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے (اور) اللہ ان (کے حال) سے خوب واقف ہے

قرآن مجید کے ساتھ احادیث سے بھی قوت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ طاقتور مسلمان خدا کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے[1] اگرچہ متعدد حدیثوں میں ضعف کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے تاہم غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ ضعف کی فضیلت نہیں بلکہ تواضع وخاکساری کی فضیلت ہے، جو ایک قابل ستائش صفت ہے، اسی بنا پر بعض حدیثوں میں ضعف کا مقابلہ کبر وغرور کے ساتھ کیا گیا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اَلَا اخبرکُمْ باھلِ الجنّۃ	کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟
کُلّ ضَعِیف متضعف، اَلَا	ہر وہ شخص جو کمزور ہو اور لوگ اس کو
اَخْبِرُکُمْ باھْل النّار کلّ	کمزور سمجھیں، کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی
عتل جواظ مستکبر[2]	کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو اور مغرور شخص

دوسری حدیث میں ہے،

احتجت النار والجنّة فقالت	دوزخ اور جنت نے باہم مباحثہ کیا، دوزخ

[1] مسلم کتاب القدر باب فی الامر بالقوۃ وترک العجز [2] بخاری کتاب الادب باب الکبر

هذہ یدخلنی الجبارون المتکبرون وقالت هذہ یدخلنی الضعفاء والمساکین[1]

نے کہا مجھ مین جبار اور متکبر لوگ داخل ہونے، اور جنت نے کہا کہ مجھ مین کمزور اور مسکین لوگ،

ان حدیثون سے معلوم ہوتا ہی کہ اسلام مین ضعف بجائے خود قابل مدح وصف نہین ہی بلکہ اس کو صرف اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ وہ تواضع وخاکساری اور اس قسم کے دوسرے اوصاف کا مظہر ہے،

اعوان وانصار کی کثرت ہمیشہ سے انسان کے لئے ایک مابہ الامتیاز چیز رہی ہے' بالخصوص غیر متمدن قومین ہمیشہ کثرت مال اور کثرت اولاد پر فخر وغرور کرتی ہین اور اس فخر وغرور کے نشہ مین دوسرون کو حقیر سمجھتی ہین، بلکہ خدا کو بھی بھلا دیتی ہین، زمانہ سابق مین اسی قسم کا ایک شخص تھا جس کو اپنی دولت اور اعوان وانصار کی کثرت پر بڑا ناز تھا، اور اس کا خیال تھا کہ یہ تمام چیزین ہمیشہ قائم رہین گی، اور قیامت کبھی نہ آئے گی، اور اگر آئی بھی تو قیامت مین بھی اُس کی یہی شان قائم رہے گی، وہ اس حیثیت سے ایک دوسرے شخص کو حقیر سمجھ کر کہتا ہے،

انا اکثر منک مالا واعز نفرا (کہف - ۵)

مین تجھ سے زیادہ مالدار ہون اور میرا جتھا بھی بڑا زبردست (جتھا) ہی،

دوسرا شخص نصیحت آمیز الفاظ مین کہتا ہی کہ ایک حقیر انسان کیلئے اس قدر کبر وغرور جائز نہین

---

[1] مسلم کتاب صفات المنافقین واحکام باب النار یدخلها الجبارون،

أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا (کہف-۵)

کیا تو اس پروردگار کا منکر ہے جس نے تجھ کو پہلے مٹی سے پھر نطفے سے پیدا کیا، پھر تجھ کو پورا آدمی بنایا

نتیجہ یہ ہوا کہ عذابِ الٰہی نے اس کی دولت کو ملیا میٹ کر دیا، اور اس کا دل ٹوٹ گیا، اور اس کو معلوم ہو گیا کہ ایسی ناپائدار چیز فخر و غرور کے قابل نہیں۔ اہلِ عرب کو بھی اپنی قوت پر بڑا ناز تھا اور وہ قبیلہ کی کثرت پر ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے اور زندوں سے گذر کر مردوں کی ذات پر بھی فخر کرتے تھے، اس فخر و غرور میں باہم مقابلہ ہوتا تھا اور اس مقابلہ کے لئے ایک خاص لفظ تکاثر ایجاد ہو گیا تھا جس نے ان کو دین اور دنیا سے غافل و بے پروا کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایک خاص سورہ میں انسانوں کو خطاب کر کے اس پر سرزنش کی۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (تکاثر-۱)

تم لوگوں کو مال اور اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے پر بڑھ جانے کی کوشش نے غافل بنا دیا ہے، یہاں تک کہ تم قبروں سے جا ملتے ہو۔

لیکن اسی کے ساتھ اسلام میں یہ چیز بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں، کیونکہ اجتماعی حیثیت سے نسلی ترقی ایک قابلِ فخر چیز ہے بشرطیکہ فخر و غرور کے بجائے اس سے اسلام کا کام لیا جائے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي

محبت کرنے والی اور بچہ جننے والی عورت سے

مکاثر بکم الامم[1]

سے نکاح کرو، کیونکہ کثرت تعداد مین
مین تم پر دوسری قومون کے مقابل مین
فخر کرونگا،

آج تعداد کی اسی اقلیت و اکثریت کے مسئلہ نے قومون اور ملکون کی سیاست کا رُخ بدل دیا ہے، اور اسلام کی نگاہ سے یہ نکتہ چھپا نہ تھا،

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی تزویج الابکار،

ریا

ریا کے لغوی معنی دکھاوا اور نمائش کے ہیں۔ انسانی اعمال کی اصل حقیقت ان کی نیت اور غرض پر مبنی ہے، اس لیے اعمال کی راستی و ناراستی اور اچھائی و برائی کا بہت کچھ دار و مدار غرض و نیت پر ہے، صحیح حدیثوں میں ہے کہ انما الاعمال بالنیات عمل نیت سے ہے، اور ریا اسی نیت یعنی اعمال کی غرض و غایت ہی کی بنیاد کو کھوکھلی کر دیتی ہے جس سے ساری عمارت ہی بودی اور کمزور ہو جاتی ہے، نمائش کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی اچھائی اور بڑائی کا اظہار کرکے لوگوں میں اپنی نسبت حسن ظن پیدا کرے، اور اپنے کو بڑا کرکے دکھائے، غرور بھی اسی شوق کا نتیجہ ہے، کیونکہ اس کا منشا بھی اپنے نفس کی بڑائی اور دکھاوے کے سوا کچھ اور نہیں، اسی لیے قرآن نے ان دونوں کو ایک ساتھ جگہ دی ہے، اور ان کی برائی ظاہر کی ہے، جہاد میں مسلمانوں کو حکم ہوا کہ محض اپنی طاقت کا غرور اور اپنی قوت کی نمائش لڑائی کا مقصد نہ ہو، بلکہ حق کی حمایت اور اللہ کی بات کو اونچا کرنا تنہا مقصد ہو، فرمایا،

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا ۔۔۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو

مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ (انفال-۶) | شیخی کے اور لوگون کے دکھانے کے لئے اپنے گھرون سے نکل کھڑے ہوئے،

یہ ریا اور نمایش انسان کے ہر اُس عمل مین ظاہر ہوتی ہے جو خالصۃً لوجہ اللہ نہ کیا جائے بلکہ اس سے کوئی اور دنیوی غرض مطلوب ہو، اسی بنا پر اسلام نے ریا کا نام شرکِ خفی اور شرکِ اصغر رکھا ہے، کیونکہ دنیوی غرض کی آمیزش سے ان اعمال مین خدا کے ساتھ ایک اور چیز کو شریک کر لیا جاتا ہے، اسی لئے خدا فرماتا ہے،

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ (فرقان-۴) | کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے،

ایک حدیث مین ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مین شرک سے بے نیاز ہون تو جو شخص میرے لئے کوئی ایسا عمل کرے جس مین کسی اور کو بھی شریک کرے تو مجھ کو اس سے کوئی تعلق نہین وہ اسی کے لئے ہے جس کو اس مین شریک کر لیا گیا ہے،

ایک صحابی روایت کرتے ہین کہ قیامت کے دن جب خدا اگلون اور پچھلون کو جمع کرے گا تو ایک منادی پکارے گا کہ جس شخص نے اپنے اس عمل مین جو خدا کے لئے کیا گیا ہو، کسی اور کو شریک کر لیا ہے، وہ اس کا ثواب اسی سے طلب کرے، کیونکہ اللہ شرک سے سب سے بے نیاز ہے،

ایک حدیث مین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھکو اپنی امت کی نسبت شرک کا سب سے زیادہ خوف ہے، لیکن مین نہین کہتا کہ وہ چاند، سورج اور بتون کی پرستش کرنے لگے گی

بلکہ خدا کے علاوہ اور لوگون کے لئے یا کسی مخفی خواہش سے عمل کرے گی[1]

اسلام کے لغت مین کفر کے بعد برائی مین نفاق کا درجہ ہے، نفاق کیا ہے؟ یہ کہ دل مین کچھ ہو، اور زبان سے کچھ کہا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نفاق والے کے ایمان اور عملِ خیر کی حقیقت ریا اور نمائش کے سوا کچھ نہین رہ جاتی، کیونکہ وہ دل سے تو منکر ہوتا ہے لیکن خوف وخطر یا دوسرے دنیوی فائدون کے لئے ظاہری طور پر مذہبی اعمال بجا لاتا ہے، اس لئے قدرتی طور پر ان اعمال مین ریاکاری پائی جاتی ہے، اسی بنا پر قرآن مجید مین جابجا اس حیثیت سے منافقین کی برائی بیان کی گئی ہے،

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا	مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر
صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ	اور (سائل کو) طعن دے کر اس شخص
كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ	کی طرح اکارت مت کرو جو اپنا
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ	مال لوگون کے دکھاوے کے لئے خرچ
الْيَوْمِ الْآخِرِ	کرتا ہے اور نہ خدا اور روز آخرت کا یقین
(بقرہ-۳۶)	نہین رکھتا،

منافقون کے ریاکارانہ اعمال کی مختلف صورتین ہوتی ہین، ایک تو یہ کہ ان کا مقصد ایک جماعت مین شامل رہنے کے سوا کچھ اور نہین ہوتا، دوسرے یہ کہ ان کے ذریعہ سے لوگون پر اثر ڈالنا، اور ان کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہوتا ہے، پہلا

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الریاء والسمعہ،

مقصد چونکہ اعمال کے سرسری طور پر ادا کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے وہ نہایت بے پروائی، غفلت اور کاہلی کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں، اس کے برعکس دوسرے مقصد کے حاصل کرنے کے لیے مصنوعی خشوع وخضوع للّٰہیت اور محویت واستغراق کا اظہار کرنا پڑتا ہے،

عہدِ رسالت میں منافقین کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ وہ ظاہری طور پر مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہیں، اس لئے وہ اسلام کی روزانہ عبادت یعنی نماز کو سرسری طور پر نہایت بے پروائی کے ساتھ ادا کرتے تھے، تاکہ لوگ اس ظاہری نماز سے اُن کو مسلمان سمجھتے رہیں، اسی لئے ایسے شخص کے عمل میں للّٰہیت اور خلوص نہیں پیدا ہو سکتا،

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ
اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ وَ
اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ
قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ
النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ
اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا ہ

(نساء-۲۱)

منافق (مسلمانوں کو دھوکا دے کر گویا) خدا کو دھوکا دیتے ہیں، حالانکہ (حقیقت میں) خدا اُن ہی کو دھوکے میں رکھے ہے، اور یہ لوگ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو الکساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، (ظاہرداری کرکے) لوگوں کو دکھاتے ہیں، اور (دل سے) اللہ کو یاد نہیں

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ	تو ان (منافق) نمازیوں کی (بڑی)
عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝	تباہی ہے جو اپنی نماز کی طرف سے
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآؤُنَ ۝	غفلت کرتے ہیں، اور وہ جو (کوئی)
(ماعون)	نیک عمل کرتے بھی ہیں تو) ریاکرتے ہیں

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک بار صحابہؓ مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنکلے اور فرمایا کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟ صحابہؓ نے کہا "ہاں" فرمایا شرک خفی کہ آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو اور اس کو زیب وزینت کے ساتھ ادا کرے اس لئے کہ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ اس کو دوسرا شخص دیکھتا ہے۔[1]

چونکہ اور نمائش اعمال کی اصلی شکل وصورت ہی کو بگاڑ دینا چاہتی ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایک ایک ریشہ کی بیخ کنی ضروری تھی، اور اپنی امت کو اس کی ہر گھات سے آگاہ فرمایا چنانچہ انسان کی عام فطرت اور عرب کی مخصوص اخلاقی حالت کے لحاظ سے ریاکاری کی جو صورتیں پیدا ہو سکتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی ممانعت فرمائی، مثلاً ان میں پہلی چیز تو داد ودہش ہے، جو عام طور پر نیک نامی اور عزت کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے، بالخصوص عرب کے فضائل اخلاق میں نہایت نمایاں جگہ رکھتی تھی: اور لوگ محض نام ونمود کے لئے اپنا کل سرمایہ لٹا دیتے تھے، اسلام سے پہلے عرب میں بڑا

---

[1] ابن ماجہ باب الریاء والسمعہ۔

کا حکم دیا تو اس بداخلاقی کے ظاہر ہونے کا بھی خطرہ پیدا ہوا، اس لئے قرآن و حدیث مین باقاعدہ زکوٰۃ کو چھوڑ کر عام صدقہ وخیرات مخفی طور پہ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی، تاکہ اس مین ریاکاری کی آمیزش نہ ہونے پائے،

اِنْ تُبْدُوْا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ،	لوگو! اگر خیرات ظاہر مین دو تو وہ بھی اچھا (کہ اس سے خیرات کے علاوہ دوسرون کو بھی ترغیب ہوتی ہے) اور اگر اس کو چھپاؤ، اور حاجتمندون کو دو تو یہ تمھارے حق مین زیادہ بہتر ہے (کہ اس مین نام ونمود کا دخل نہین ہونے پاتا)
(بقرہ ۔ ۳۷)	

ایک حدیث مین ہے کہ قیامت کے دن جب کہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا، خدا سات آدمیون کو اپنے سایہ مین لے گا جن مین ایک شخص وہ ہوگا جس نے صدقہ اس طرح چھپا کر دیا کہ اس کے بائین ہاتھ کو یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اس نے داہنے ہاتھ سے کیا دیا[۱]

عرب کے محاسنِ اخلاق مین سب سے زیادہ نام ونمود کی جو چیز تھی، وہ شجاعت تھی، اور اسلام نے جہاد کو فرض کرکے مسلمانون کے لئے اظہارِ شجاعت کا بہترین موقع دیا تھا، اس کے علاوہ جہاد کے ذریعہ سے اور بھی بہت سے ذاتی اور دنیوی فوائد حاصل ہوسکتے تھے، اس لئے وہ ریاکاری کی نمایش گاہ بن سکتا تھا لیکن اسلام نے جہاد کو ان تمام اغراض سے پاک کرکے

---

[۱] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقہ بالیمین،

Marfat.com

مسلمانوں کو اس کی اصلی حقیقت بتائی، چنانچہ ایک بدو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص مالِ غنیمت کے لئے، ایک شخص شہرت کے لئے، اور ایک شخص اظہارِ شجاعت کے لئے لڑتا ہے تو ان میں کسی کا جہاد خدا کی راہ میں ہے، فرمایا اس شخص کا جو اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا کلمہ بلند ہو۔[1]

آپ سے سوال کیا جاتا ہے کہ ایک شخص اظہارِ شجاعت کے لئے لڑتا ہے، ایک شخص قومی حمیت سے اور ایک شخص ریا سے جہاد کرتا ہے، تو کس کا جہاد خدا کی راہ میں ہے؟ وہی پہلا جواب[1] ملا۔

ریاکاری کا ایک بڑا مظہر علمی فضیلت ہے، اور یہ فضیلت خاص طور پر اسلام نے پیدا کی تھی، اس میں ریاکاری کی جو آمیزش ہو سکتی تھی، اس کے نتائج بد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مؤثر طریقہ سے بتائے، ایک حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے قیامت کے دن اس شخص کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا جس نے شہادت حاصل کی، یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا، اور خدا اس پر اپنے احسانات جتا کر پوچھے گا کہ تم نے ان سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ میں تیری راہ میں لڑا، اور شہید ہوا، خدا کہے گا کہ جھوٹ کہتے ہو، تم صرف اسلئے لڑے کہ تم کو بہادر کہا جائے، اس کے بعد اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، پھر وہ شخص لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا، لوگوں کو علم سکھایا، اور قرآن پڑھا، اس سے بھی اسی طرح سوال کیا جائے گا، اور وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے علم سیکھا، علم سکھایا، اور تیرے لئے

---

[1] مسلم کتاب الامارۃ باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ۔

Marfat.com

قرآن پڑھا، ارشاد ہوگا کہ جھوٹ کہتے ہو، تم نے علم اس لئے حاصل کیا کہ عالم کہے جاؤ، قرآن اسلئے پڑھا کہ قاری کہے جاؤ، پھر اسی طرح گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اس کے بعد ایک دولت مند شخص لایا جائے گا اور اس سے بھی اسی طرح سوال کیا جائے گا، وہ کہیگا کہ مال خرچ کرنے کے جو طریقے تجھ کو پسند تھے میں نے سب میں اپنا مال صرف کیا، ارشاد ہوگا کہ جھوٹ بکتے ہو، تم نے یہ سب صرف اس لئے کیا کہ لوگ تم کو فیاض کہیں، پھر اسی طرح اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا،[1]

[1] مسلم کتاب الامارہ باب من قاتل للریا، والسمعۃ استحق بالنار،

خود بینی اور خود نمائی

خود بینی اور خود نمائی اور خود رائی اپنے نفس سے غیر معمولی محبت کا نتیجہ ہے، اس مین اور کبر مین یہ فرق ہے کہ کبر ایک اضافی چیز ہے، جس مین متکبر آدمی اپنے آپ کو دوسرون سے بڑا سمجھتا ہو، لیکن خود بینی کے لیے تنہا انسان کی ذات کافی ہے یہان تک کہ اگر ایک انسان تنہا پیدا ہو تب بھی وہ اپنے اوصاف و کمالات پر غلط ناز کر سکتا ہے،

اصل یہ ہے کہ انسان کو اپنے اندر جو کمالات اور خوبیان نظر آتی ہین، وہ ان پر کبھی ایسا فریفتہ ہو جاتا ہے کہ اپنے سوا ہر چیز اس کو پست اور حقیر معلوم ہوتی ہے، اور یہ تمام کمالات اور خوبیان اس کو ایسی معلوم ہوتی ہین، گویا وہ خود اس کی اختیاری ہین، اور اسی کی اپنی پیدا کی ہوئی ہین، اسی کا نام عجب اور خود بینی ہے، اسی سے نفس مین خود نمائی اور خود رائی پیدا ہوتی ہے، اور اکثر حالتون مین وہ کبر و غرور کا سبب بن جاتی ہے،

حنین کی لڑائی مین مسلمانون کی تعداد کافرون سے زیادہ تھی، یہ دیکھ کر مسلمانون مین عجب پیدا ہوا کہ اب کون ہمارا مقابلہ کر سکتا ہے خدا کو ان کی یہ شان پسند نہ آئی، فوراً شکست کا

Marfat.com

اثر دکھائی دینے لگا، اب مسلمانون کا یہ عجب دور ہوا، تب نصرتِ الٰہی نے اُن کے پاؤن تھام لئے، اور شکست فتح سے بدل گئی، خدا نے فرمایا،

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ	اور حنین کے دن جب تمھاری کثرتِ تعداد
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا،	نے تم مین خود بینی پیدا کر دی تو اس تعداد
(توبہ - ۴)	کی کثرت نے کچھ کام نہ دیا،

اسی لئے مسلمانون کو یہ تعلیم دی گئی کہ جب وہ جہاد کو نکلین تو اُن مین جھوٹا غرور اور خود بینی اور نمایش نہ پیدا ہو، بلکہ اُن مین سے ہر ایک اخلاص اور ایثار کا پیکر ہو،

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا	اور ان لوگون کی طرح نہ ہو جو اپنے
مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ	گھرون سے اتراتے اور لوگون کو دکھاتے
النَّاسِ، (انفال - ۶)	نکلے،

یہ قریش کا نقشہ ہی جو بدر کے موقع پر صرف اپنی طاقت کے اظہار اور قوت کی نمایش کو نکلے تھے،

جب کسی قوم مین تمدن کی وسعت، دولت کی بہتات اور خوشحالی عام ہوجاتی ہی تو افراد مین خود غرضی اور خود بینی کا مرض عام ہو جاتا ہے، نہ اللہ کا فرض یاد رہتا ہے، اور نہ بندون کا حق، ہر شخص اپنی ہی دولت کے گھمنڈ مین رہتا ہی، اور یہی اُن کی تباہی کا وقت ہوتا ہی، فرمایا،

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ	اور کتنی بستیان ہم نے برباد کرین جب
مَعِيشَتَهَا، (قصص - ۶)	وہ اپنے گذران مین اترا چلین،

یہ تو چند بستیون کی تباہی کا حال تھا، لیکن ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا ایک ساتھ

برباد ہو جائے گی یعنی قیامت آئے گی تو اس بربادی کے دن کی جو نشانیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہو کہ جب ہر شخص کو اپنی ہی رائے بھلی معلوم ہوگی، اور اسی پر ناز کریگا، اور اترائے گا، اور یہی وہ موقع ہے جس میں ہر شخص کو اپنی فکر کرنی چاہئیے[۱]،

مذہبی حیثیت سے جن لوگوں کی ظاہر حالت اچھی ہوتی ہو ان کو اسی عجب وخودبینی کی بنا پر اپنی پرہیزگاری کا بڑا دعویٰ ہوتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی تعلّی کی ممانعت فرمائی ہو،

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ	تو (بہت) اپنی پاکیزگی نہ (جتایا) کرو،
بِمَنِ اتَّقٰى، (نجم-۲)	پرہیزگاروں کو وہی خوب جانتا ہو،

قدیم مذہبی اور علمی شرف نے یہود ونصاریٰ میں عُجب وخودبینی کا اس قدر مادہ پیدا کردیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا محبوب اور فرزند سمجھنے لگے تھے،

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ	اور یہود ونصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ
اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ-۳)	ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں
قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ	(اے پیغمبر ان یہودیوں سے) کہو کہ اے
زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ	یہود اگر تم کو اس بات کا گھمنڈ ہو کہ اور
مِنْ دُوْنِ النَّاسِ، (جمعہ-۱)	تمام آدمیوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے چہیتے ہو

ان تمام آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عُجب وخودبینی ایک فریب کا نام ہے اور جب اس فریب کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت جلوۂ سراب ہے

---

[۱] ابوداؤد کتاب الملاحم،

ہو سکتی ہیں، لیکن معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے تو یہ پردہ دنیا ہی میں چاک ہو جاتا ہے، مگر اخلاقی حیثیت سے آخرت میں چاک ہوگا۔

اس عیب کا مادہ جن ذرائع سے پیدا ہوتا ہے، اسلام نے ان کا پورا انسداد کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص کسی کی مبالغہ آمیز طریقہ پر تعریف کر رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ تم نے اس کو ہلاک کر دیا۔[1] ایک بار آپ کے سامنے کسی کا ذکر آیا تو ایک شخص نے اس کی تعریف کی، آپ نے فرمایا کہ "تم نے اس کی گردن کاٹ لی۔ اگر کسی کی تعریف ہی کرنا ہے تو یوں کہو کہ میں اس کو ایسا سمجھتا ہوں۔"[1] مدح کی یہ ممانعت اس لئے کی گئی ہے کہ اس سے ممدوح میں عُجب خود بینی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

لیکن اس بیماری کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ کوئی اپنی کسی خوبی کو اپنی کوشش کا نتیجہ نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور عطیہ سمجھے۔ اسی لئے بار بار اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے ذکر میں بندوں کے سامنے اس پہلو کو نمایاں کیا ہے، فرمایا:

(لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ) (حدید ۲۳)   خدا نے جو دیا ہے اس پر اتراؤ نہیں

---

[1] بخاری کتاب الادب باب ما یکرہ من التمادح۔

فضول خرچی

فضول خرچی یہ ہے کہ انسان اپنی حیثیت اور موقع کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرے چونکہ اسلام عرب میں آیا، اور عربوں کی فیاضی فضول خرچی کی حد تک تھی، اس لیے تمام مذہبوں میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے فضول خرچی کو روکا ہے، اور انسان کو اپنی حد میں رہ کر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ فضول خرچی کی عادت سے قومی سرمایہ بہت بری طرح برباد ہو کر فنا ہو جاتا ہے، اور اس بے موقع خرچ سے جماعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، نیز فضول خرچی ہمیشہ فخر و غرور اور نمائش کے پردہ میں ظاہر ہوتی ہے اور ان بداخلاقیوں کی برائی چھپی نہیں۔

اہل عرب جب جلسوں میں شراب پیتے اور جوا کھیلتے تو جوا میں جو کچھ جیتتے نشہ کے ترنگ میں اسی وقت لٹا دیتے، جانور ملتے، تو اسی وقت بے وجہ ذبح کر ڈالتے، جاہلیت کی شاعری میں اس قسم کے فخریہ اشعار بکثرت ہیں، شہرت طلبی کی ایک صورت یہ تھی کہ دو شخص فیاضی کے اظہار کے لیے اونٹ پر اونٹ ذبح کرتے جاتے تھے، یہاں تک کہ دونوں میں ایک کے تمام اونٹ

Marfat.com

ختم ہوجاتے تھے، تو وہ اپنے حریف کے مقابل مین مغلوب سمجھا جاتا تھا، اس کو معاقرہ کہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ریائی فیاضی کو روک دیا،[1]

اہل عرب کی فیاضی کی بنیاد اکثر فخر و غرور اور نام و نمود پر قائم تھی، اور اس نے اُن کی فیاضی مین بے اعتدالی پیدا کردی تھی، اس کا دینی نتیجہ یہ تھا کہ خلوص کے نہ ہونے سے وہ خدا کے نزدیک مقبول نہ تھی، اور دنیوی حیثیت سے بعض اوقات وہ تمام مال و دولت کو اوڑا کر خود مفلس اور قلاش ہوجاتے تھے، پھر اس قسم کی فیاضی کے لئے جائز مال کافی نہین ہوتا تھا تو وہ لوگ لوٹ مار سے مال جمع کرتے تھے، اور نمایش کے موقعون پر اسی مال کو خرچ کرتے تھے، اس بے اعتدالی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حقوق مقرر فرمائے، اور فضول خرچ کو شیطان کے بھائی کا لقب دیا،

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ	اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ	(ہر ایک) کو اس کا حق پہنچاتے رہو
تَبْذِيْرًا، اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ	اور (دولت کو) بیجا مت اڑاؤ، کیونکہ
كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ	دولت کے) بیجا اڑانے والے شیطانون
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا	کے بھائی ہین، اور شیطان اپنے پروردگار
(اسرائیل-۳)	کا بڑا ہی ناشکرا ہی،

آیت کے اخیر ٹکڑے سے ثابت ہی کہ فضول خرچی خدا کی ناشکری ہی، امام رازی اس

---

[1] ابوداؤد ۲ ذباح،

آیت کی تفسیر مین لکھتے ہین :-

"بعض علما، کا قول ہو کہ اس آیت کا مفہوم اہلِ عرب کی عادت کے موافق ہو کیونکہ وہ لوگ لوٹ مار سے مال جمع کرتے تھے، پھر اس کو فخر و غرور کے حاصل کرنے کے لئے صرف کرتے تھے"

آج بھی جو لوگ شادی بیاہ اور خوشی و غم کی تقریبون مین اس قسم کی فضول خرچیون کے مرتکب ہوتے ہین، وہ قرآن کی اصطلاح مین شیطان کے بھائی کہلائین گے، یہ تعلیم فیاضی کے خلاف نہین ہی، کیونکہ فیاضی بخل و اسراف کے درمیان کا نام ہے، اور اسی کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہی، اور بتا دیا ہے کہ فضول خرچی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مفلس اور تہیدست ہو کر کسی کام کے نہین رہو گے، بلکہ الٹے تمھین کو لوگ قابلِ ملامت ٹھرائین گے،

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً	اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ (گویا)
اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا	گردن مین بندھا ہی، اور نہ بالکل اسکو
كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا	پھیلا ہی دو، (ایسا کروگے) تو تم ایسے
مَّحْسُوْرًا،	بیٹھے رہ جاؤگے کہ لوگ تم کو ملامت بھی
(بنی اسرائیل - ۳)	کرین گے (اور) تم تہی دست بھی ہوگے،

چونکہ یہ اعتدال کا وصفِ خاص اسلام کی اخلاقی تعلیم نے پیدا کیا تھا، اس لئے اللہ تعالی نے اس کو مسلمانون کا امتیازی وصف قرار دیا اور فرمایا،

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا	اور خرچ کرنے لگین تو فضول خرچی
وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ	نہ کرین، اور نہ بہت تنگی کرین بلکہ ان کا

Marfat.com

قَوَامًاo (الفرقان-٦٠) خرچ افراط اور تفریط کے درمیان بیچ کا ہو۔

کوئی اس تعلیم کا یہ نتیجہ نہ سمجھے کہ اسلام بدحیثیتی کو پسند کرتا ہے، اور کھانے پینے، پہننے اوڑھنے میں ہر قسم کی کفایت شعاری کا حوصلہ بڑھاتا ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر شخص کو اپنی چادر کے اندر رہنا چاہیئے اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ نہیں کرنا چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی فضول خرچی کا معیار خود اسی کی اپنی ذات ہے۔ سورۂ اعراف میں خدا فرماتا ہے،

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ	اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ
لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَo (اعراف-٣)	فضول خرچی کرنیوالوں کو پیار نہیں کرتا۔

صدقات اور خیرات سے بڑھ کر تو کوئی نیکی کا کام نہیں، مگر اس میں بھی بعض مفسروں کے قول کے مطابق اپنی حیثیت سے بڑھ کر دینا پسندیدہ نہیں،

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ	درخت کے پھل سے جب وہ پھلے تم
اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا	کھاؤ، اور اس کا حق ادا کرو جب فصل
تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ	کٹے اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ اللہ حد سے
(انعام-١٧)	آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا،

Marfat.com

حسد

اگر ایک شخص پر اللہ تعالیٰ اپنا کوئی احسان کرے، مثلاً اس کو علم وفضل، مال ودولت، عزت وشہرت یا اور کوئی دینی یا دنیوی نعمت عطا فرمائے تو ان چیزون کو دیکھ کر اگر کسی دوسرے شخص کے دل مین ان کے حاصل کرنے کی خواہش ہو تو اس کو رشک ومنافست کہتے ہین اور یہ کوئی بد اخلاقی نہین بلکہ دینی امور مین پسندیدہ ہے لیکن اگر وہ ان چیزون کو دوسرے کیلئے پسند نہ کرے، اور اس کی یہ خواہش ہو کہ خدا کی یہ نعمتین اس سے چھین لی جائین تو اسی کا نام حسد ہے اور قرآن مجید سے بھی یہی تعریف مستنبط ہوتی ہے، کیونکہ عہد رسالت مین خدا تعالیٰ نے مسلمانون پر اپنا خاص احسان یہ کیا تھا کہ ان کو قرآن وایمان کی دولت عطا فرمائی تھی جس کو دیکھ کر مسلمانون کے حاسد یہود جلے مرتے تھے،

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ،	یا خدا نے جو اپنے فضل سے لوگون کو نعمت (قرآن) عطا فرمائی ہے اس پر جلے مرتے ہین،
(النسآء - ۸)	

اور اُن کی خواہش تھی کہ یہ دولت مسلمانوں سے چھین لی جائے،

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ	(مسلمانو!) اکثر اہلِ کتاب اپنے
يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ	دلی حسد کی وجہ سے چاہتے ہین کہ
كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم	تمھارے ایمان لائے پیچھے پھر تم کو کافر
(بقرہ-۱۳)	بنا دین،

حسد کی تین قسمین اور درجے ہین،

(۱) یہ کہ ایک شخص کی صرف یہ خواہش ہو کہ دوسرے سے ایک نعمت سلب کر لی جائے گو وہ اُس کو نہ حاصل ہوسکے یا وہ اس کو خود حاصل نہ کرنا چاہے، حسد کی مذموم ترین قسم یہی ہے، اور اسی بنا پر منافقین کی خواہش یہ تھی کہ مسلمان بھی ان ہی کی طرح کافر ہوجائین،

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا	ان منافقون کی خواہش یہ ہو کہ جس
فَتَكُونُونَ سَوَاءً،	طرح خود کافر ہوگئے ہین، اسی طرح
	تم (سچے مسلمان) بھی کفر کرنے لگو (اور
(نساء-۱۲)	وہ) اور تم (سب) ایک ہی طرح کے ہوجاؤ،

(۲) دوسرے یہ کہ اس کی خواہش یہ ہو کہ وہ نعمت اس کو حاصل ہوجائے، اس صورت مین اس کا مقصود بالذات تو صرف اس نعمت کا حاصل کرنا ہوتا ہے، لیکن چونکہ بعض اوقات جب تک وہ نعمت دوسرے سے چھین نہ لی جائے اس کو مل نہین سکتی، اس لئے بالعرض اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ دوسرے سے سلب کرلیجائے،

Marfat.com

(۳) تیسرے یہ کہ ایک شخص خود اسی قسم کی نعمت حاصل کرنا چاہے لیکن اس کی یہ خواہش نہ ہو کہ وہ دوسرے سے سلب کر لی جائے،

ان مین پہلی صورت حسد کی مذموم ترین قسم ہے، دوسری صورت مین چونکہ زوال نعمت بالذات مقصود نہین ہوتا، اس لئے اس کو حقیقی معنون مین حسد تو نہین کہہ سکتے، تاہم قرآن مجید مین ہے :-

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ	اور خدا نے جو تم مین سے ایک کو دوسر
بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ	پر برتری دے رکھی ہے، اس کا کچھ
(النساء - ۵)	ارمان نہ کرو،

اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو نعمت کسی کو حاصل ہو بعینہٖ اس کی خواہش کرنا پسندیدہ نہین ہے، اس لئے یہ بھی مذموم ہے، البتہ اس کے مثل دوسری نعمت کی خواہش کرنا مذموم نہین، اسی لئے فرمایا،

وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (نساء ۵)	اور خدا سے اس کا فضل مانگو،

تیسری صورت بالکل مذموم نہین بلکہ دینی امور مین مستحسن ہے، اور شریعت مین اسی کو مسابقت کہتے ہین،

حسد کے سات اسباب ہین،

(۱) بغض و عداوت، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کے نزدیک دشمن کی برائی اور بھلائی دونون یکسان ہون اس لئے ایک دشمن کی طبعی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کے دشمن پر مصیبت

آئے، اور جب یہ مصیبت آتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے، اس کے بجائے جب خدا اس پر کوئی احسان کرتا ہے، تو وہ اس کو پسند نہیں کرتا، اور اسی کا نام حسد ہے،

کفار اور منافقین کو مسلمانوں کے ساتھ جو عداوت تھی وہ اسی حسد آمیز طریقے سے ظاہر ہوتی تھی،

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ	چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے، دشمنی
الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ	تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو ہی چکی
وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ	ہے، اور (غیظ و غضب) جو ان کے
اَکْبَرُ ؕ	دلوں میں (بھرے) ہیں، وہ اس سے
(آل عمران - ۱۲)	بھی بڑھکر ہیں،
اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ	(مسلمانو!) اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے،
وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا	تو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر تم کو کوئی
بِهَا، (آل عمران - ۱۲)	گزند پہنچے، تو اس سے خوش ہوتے ہیں

بغض و عداوت کی وجہ سے جو حسد پیدا ہوتا ہے اس کے لئے مساوات شرط نہیں بلکہ ایک ادنیٰ آدمی بھی بڑے سے بڑے شخص کا بدخواہ ہوسکتا ہے،

(۲) حسد کا دوسرا سبب ذاتی فخر کا غلط خیال ہے کیونکہ امثال و اقران میں جب ایک شخص کسی بلند منصب پر پہنچ جاتا ہے تو یہ اس کے دوسرے ہم چشموں کو گراں گذرتا ہے، اور وہ اس کے اس ترفع کو پسند نہیں کرتے، اور چاہتے ہیں کہ یہ منصب

اس سے چھن جائے تاکہ وہ ان کے مساوی ہوجائے،

(۳) حسد کا تیسرا سبب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اپنا مطیع و منقاد بنانا چاہتا ہے، اس لئے جب وہ کسی شرف و امتیاز کی وجہ سے اس کے حلقۂ اطاعت سے نکل جاتا ہے، تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا یہ شرف جاتا رہے تاکہ وہ اس کا مطیع و منقاد ہوسکے، کفارِ قریش اسی بنا پر مسلمانوں کی حقیر جماعت کو دیکھ کر کہتے تھے،

أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا،	کیا یہی (ذلیل) لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے (اسلام کی توفیق دیکر)
(انعام-۶)	اپنا فضل کیا ہے،

حسد کا یہ سبب کبر و اشرافت سے تعلق رکھتا ہے، اور اس کے لئے کبر و غرور اور دوسروں کی تحقیر و تذلیل لازمی ہے،

(۴) حسد کا چوتھا سبب یہ ہے کہ لوگ اپنے پندار میں جس کو معمولی آدمی سمجھتے ہیں، اس کو کوئی غیر معمولی شرف حاصل ہوجاتا ہے، تو ان کو تعجب ہوتا ہے، اور اسی تعجب کی بنا پر وہ اس کے اس شرف کا انکار کرتے ہیں، کفار اسی وجہ سے پیغمبروں کی رسالت کا انکار کرتے تھے، اور تعجب سے کہتے تھے،

أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا ؟	کیا خدا نے آدمی (کو) پیغمبر (بنا کر)
(بنو اسرائیل-۱۱)	بھیجا ہے،

(۵) حسد کا پانچواں سبب یہ ہے کہ جب دو شخصوں کا مقصد ایک ہوتا ہے تو دونوں باہم

ایک دوسرے کو رشک وحسد کی نگاہ سے دیکھتے ہین، اوران مین جب ایک کو اس مقصد مین کامیابی حاصل ہوجاتی ہے، تو دوسرا قدرتی طور پراس کا بدخواہ ہوجاتا ہے، ایک شوہر کی متعدد بیویون اور ایک باپ کے متعدد بیٹون مین جو رشک وحسد ہوتا ہے، اس کی وجہ یہی ہوتی ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیون نے اُن کے قتل کرنے کی جو سازش کی تھی اس کا سبب یہی تھا،

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ	جب یوسف کے (بے مات) بھائیون نے
اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ	(آپس مین) کہاکہ باوجودیکہ ہم (حقیقی)
عُصْبَةٌ ۙ	بھائیون کی بڑی جماعت ہین تاہم یوسف
	اور اس کا (حقیقی) بھائی (ابن یامین) ہمارے
(یوسف ـ ۲)	والد کوہم سے البتہ بہت ہی زیادہ عزیز ہین

(۶) حسد کا چھٹا سبب جاہ پرستی اور ریاست طلبی ہے، اس لئے جو لوگ اس حیثیت سے یگانۂ روزگار ہونا چاہتے ہین جب اُن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور شخص اس مین اُن کا شریک وسہیم ہوگیا ہے تو یہ اُن کو سخت گران گذرتا ہے، اور اُن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جس شرف وامتیاز سے دوسرا شخص جاہ ومنزلت مین ان کا شریک ہوگیا ہے، وہ اس سے چھن جائے مسلمانون کے ساتھ یہود اسی لئے حسد رکھتے تھے کہ اسلام سے پہلے اُن کو علمی اور مذہبی حیثیت سے اہل عرب پر تفوق حاصل تھا، لیکن اسلام کی وجہ سے اُن کا یہ تفوق جاتا رہا، اس لئے وہ اسلام ہی کی بیخ کنی پر آمادہ ہوگئے، منافقین مین عبداللہ بن ابی کو اہل مدینہ

اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے، لیکن اسلام نے اس کی اس شاہانہ ریاست کا خاتمہ کر دیا، اس لئے اس کو یہ سخت ناگوار ہوا اور اسی ناگواری کی وجہ سے ایک مجمع میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخانہ پیش آیا[1]

(۷) حسد کا ساتواں سبب خبثِ نفس اور بد طینتی ہے، کیونکہ بعض اشخاص کی فطرت ہی ایسی ہوتی ہے کہ جب کسی کو بہتر حالت میں دیکھتے ہیں تو ان کو ناگوار ہوتا ہے اور جب کسی پر مصیبت آتی ہے تو اُن کو مسرت ہوتی ہے، اس صورت میں حسد کے پیدا ہونے کے لئے اشتراک، رابطہ یا کسی اور خواہش کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس قسم کے خبیث النفس لوگ ہر شخص پر حسد کرتے ہیں،

حسد کے یہ اسباب زیادہ تر اُن لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں کوئی چیز مابہ الاشتراک ہوتی ہے، اس لئے بیگانوں میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا، بلکہ صرف ان لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جن میں باہم ربط و اشتراک ہوتا ہے،

ایک عالم دوسرے عالم پر، ایک عابد دوسرے عابد پر اس لئے حسد کرتا ہے کہ ان میں ایک چیز یعنی علم و عبادت مشترک ہے، اس کے بخلاف ایک عالم یا عابد کو کسی تاجر پر حسد نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں کوئی چیز مابہ الاشتراک نہیں،

اسلام نے مسلمانوں میں باہم اخوت کا رشتہ قائم کر کے نہایت وسیع اور عالمگیر اشتراک پیدا کر دیا تھا، اس لئے اُن میں حسد کا جذبہ نہایت آسانی کے ساتھ پیدا ہو سکتا تھا، اور حسد

---

[1] بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین،

کے جس قدر اسباب و مراتب ہین، وہ سب کے سب اس وسیع برادری مین جمع ہوسکتے تھے، اس لئے اصولاً جو بداخلاقیان اس اخوت کا شیرازہ برہم کرسکتی تھین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب سے مسلمانون کو بچنے کی ہدایت کی اور فرمایا:

ایاکم والظن فان الظن اکذب	بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے
الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا	زیادہ جھوٹی بات ہے، نہ لوگون کے
تحاسدوا ولا تدابروا ولا تباغضوا	عیوب کی ٹوہ لگاؤ، نہ باہم حسد کرو،
وکونوا عباد اللہ اخوانا (بخاری	نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو، نہ
کتاب الادب باب ما ینهی عن التحاسد	باہم بغض رکھو، بلکہ اے خدا کے بندو
والتدابر)	بھائی بھائی ہوجاؤ،

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح مین قرطبی کا یہ قول نقل کیا ہے،

المعنی کونوا کاخوان النسب	اس کے معنی یہ ہین کہ رحم وشفقت،
فی الشفقة والرحمة والمحبة	غمخواری، محبت، اعانت اور خیرخواہی
والمواساة والمعاونة والنصیحة	مین نسبی بھائیون کی طرح ہوجاؤ،

لیکن یہ اخوت اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب ان تمام بداخلاقیون سے احتراز کیا جائے ورنہ اس کے بجائے دشمنی پیدا ہوجائے گی، اور یہ اور اس قسم کے تمام محاسن اخلاق جو اخوت کا لازمی نتیجہ ہین، یا ان سے اخوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، فنا ہوجائین گے، چنانچہ حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح مین لکھتے ہین،

Marfat.com

كأنه قال اذا تركتم هذه المنهيات كنتم اخوانا ومفهومه اذا لم تتركوها تصيروا اعداء ومعنى كونوا اخوانا اكتسبوا ما تصيرون به اخوانا مما سبق ذكره وغير ذلك من الامور المقتضية لذلك نفيا واثباتا
(فتح الباری جلد دهم ص۴۸۳)

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جب تم لوگ ان منہیات کو چھوڑ دوگے تو بھائی بھائی ہو جاؤ گے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب اُن کو نہ چھوڑو گے تو دشمن ہو جاؤگے، اور بھائی بھائی بننے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اخلاقی خوبیاں حاصل کرو جن کی وجہ سے بھائی بھائی بن جاؤ، اور یہ اخلاقی خوبیاں وہ ہیں جن کا ذکر اوپر گذرا اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں، جو اخوت کو نفیاً

ان بداخلاقیوں میں سب سے زیادہ خطرناک چیز حسد ہے، کیونکہ وہ ایک ایسا جذبہ ہے جس سے بمشکل کوئی دل خالی ہو سکتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ کوئی شخص شگون، بدگمانی اور حسد سے خالی نہیں ہو سکتا، کہا گیا کہ ان سے نکلنے کی کیا صورت ہے، فرمایا شگون کا خیال پیدا ہو تو جو کرنا چاہتے ہو اس کی وجہ سے اس کو مت چھوڑو، اور جب بدگمانی پیدا ہو تو اس کو سچ مت سمجھو، اور جب حسد پیدا ہو تو ظلم پر آمادہ نہ ہو جاؤ[1]، لیکن اگر عملی طور پر اس حسد کا اظہار ہوا تو اسلام کے تمام محاسنِ اخلاق کا خاتمہ ہو جائے گا، اور یہ شرارہ خرمنِ اسلام کو پھونک کر خاک سیاہ کر دیگا، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر

[1] مصنف عبدالرزاق بحوالہ فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۰۲ مصر

حسد سے بچنے کی ہدایت کی اور فرمایا،

ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب[1]،	تم لوگ حسد سے بچو، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی حیثیت سے حسد نہایت خطرناک چیز ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ہر مسلمان کو اس کے خطرہ سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے،

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (فلق)	اور بُرا چاہنے والے کی بدی سے جب وہ حسد کرے،

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الحسد،

فحش گوئی

فحش گوئی کی مختلف قسمین ہین، ایک قسم تو قوتِ شہوانیہ سے تعلق رکھتی ہے، اور اس کے مرتکب زیادہ تر رند، بیباک نوجوان اور بے تکلف دوست واحباب ہوتے ہین، مثلاً جب اس قسم کی بے تکلفانہ اور رندانہ صحبتین قائم ہوتی ہین تو عورتون کے حسن وجمال کا ذکر ہوتا ہے، اور اس سلسلہ مین اس قسم کے حالات وواقعات بیان کئے جاتے ہین جو بعض اوقات شرمناک حد تک پہنچ جاتے ہین،

عربی زبان مین اس قسم کی فحش گوئی کو رفث کہتے ہین، اور قرآن مجید کی اس آیت مین

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (بقرہ-۱۵)

حج کے دنون مین نہ شہوت کی کوئی بات کرنی چاہیے نہ گناہ کی اور نہ لڑائی کی،

اسی کی ممانعت کی گئی ہے لیکن زمانۂ حج کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اس زمانہ مین مردون اور عورتون کا عام اجتماع ہوتا ہے، اور اس سفر مین پردے کی پوری پابندی مشکل ہوتی ہے اس لئے اس قسم کے چرچے نہایت آزادی کے ساتھ کئے جاسکتے ہین، حالانکہ یہ زمانہ صرف

Marfat.com

ذکرِ الٰہی کا ہوتا ہے ورنہ حج کی کوئی تخصیص نہین، بلکہ اسلام مین عام طور پر اس قسم کی فحش گوئی ممنوع ہی، چنانچہ سنن ابی داؤد مین ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتون اور مردون کے ایک[1] مجمع مین خطبہ دیا، اور حمد و ثنا کے بعد مردون کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "کیا تم مین کوئی ایسا آدمی ہے جو اپنی بی بی کے پاس جاتا ہے تو دروازہ بند کر لیتا ہے، اور اس پر پردہ ڈال دیتا ہے، اور اس طرح خدا کے پردہ مین چھپ جاتا ہے"؟ لوگون نے کہا "ہان" پھر فرمایا کہ "اس کے بعد لوگون کی صحبتون مین بیٹھتا ہے، تو کہتا ہے کہ مین نے یہ کیا، مین نے یہ کیا"؟ اس پر سب لوگ خاموش ہو رہے، پھر عورتون کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "کیا تم سب اس قسم کے واقعات بیان کرتی ہو"؟ اس پر ایک عورت نے دوزانو بیٹھ کر کہا کہ "ہان مرد اور عورت دونون اس قسم کے واقعات بیان کرتے ہین"، فرمایا "تم لوگ جانتے ہو کہ اس کی کیا مثال ہے؟ اس کی مثال اُس چڑیل کی ہے جو گلی مین ایک شیطان سے ملی، اور اس نے اس سے مباشرت کی حالانکہ لوگ اس کو دیکھ رہے تھے"[2]

مقصود یہ ہے کہ علانیہ کرنا اور کھول کر بیان کرنا دونون کی بے شرمی کی صورت یکسان ہے، اس فحش گوئی کی ممانعت کا فلسفہ یہ ہے کہ حدودِ الٰہی کی حرمت کا تخیل ہر حال مین برقرار رہے، ورنہ جب باتین زبانون پر آئین گی، تو وہ اپنی اہمیت کھو دین گی اور قول عمل کے لئے ایک دن راستہ صاف کر دے گا، یہی سبب ہے کہ اس قسم کی باتون کے بیان کے لئے جب ناگزیر ضرورتین پیش آتی ہین، تو مجاز و استعارہ کی زبان مین ان کو ادا کیا

---

[1] دونون کی نشستیں الگ تھین "س" [2] ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابۃ اہلہ،

جاتا ہی تاکہ مدعا ظاہر ہو، اور شرم کا پردہ بھی ڈھکا رہے، چنانچہ قرآن مجید مین اس قسم کے واقعات مجاز و استعارہ ہی کے پردہ مین بیان کئے گئے ہین مثلاً

وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ	حالانکہ تم ایک دوسرے تک پہنچ چکے
(نساء - ۳)	(یعنی میان بی بی ہم صحبت ہو چکے)
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ،	یا تم نے عورتون کو چھوا ہو، (یعنی اُن سے
(نساء - ۷)	صحبت کی ہو)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ خدا شرمیلا اور شریف ہے، اسی لئے اُس نے جماع کو کنایۃً لمس (چھونے) کے لفظ سے بیان کیا ہے، اسلام نے اس کے لئے اور جو الفاظ پیدا کئے ہین جو فقہی مسائل کی تشریح مین مجبوراً آتے ہین، گو وہ اب عام استعمال کی وجہ سے تصریح کے درجہ کو پہنچ چکے ہین، لیکن درحقیقت وہ سب کے سب کنایے اور استعارے ہین، اسلامی تعلیمات کے مطابق پاخانہ، پیشاب، اور دوسرے نفرت انگیز اور شرمناک امراض کا ذکر بھی کنایۃً کرنا چاہئے، پاخانہ اور پیشاب کے لئے احادیث مین قضاے حاجت کا لفظ مستعمل ہے، جو ایک کنایہ ہی، قرآن مجید مین اس کے لئے غائط کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جو لغت مین نشیب زمین کو کہتے ہین،

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ	یا تم مین سے کوئی پست زمین سے
(نساء - ۷)	(ہوکر) آیا ہو،

چونکہ عام طور پر لوگ اس مقصد کے لئے پست زمین کو پسند کرتے ہین، اس لئے استعارۃً اس سے پاخانہ مراد لیا گیا،

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پاخانہ بھی ایک استعارہ ہے جس کی اصل پائین خانہ ہے چونکہ پاخانے عموماً مکانوں کے کنارے بنائے جاتے ہیں، اس لئے استعارۃً اُن کو پائین خانہ کہا گیا، پھر تخفیف کے اصول کے مطابق پاخانہ ہو گیا، اور اب کثرتِ استعمال سے اس میں استعارہ کی شان باقی نہ رہی، قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے برص کی تعبیر سوء کے لفظ سے کی ہے، جس کے معنی برائی یا عیب کے ہیں۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ	اور اپنے ہاتھ کو سکیڑ کر اپنی بغل میں
تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً	رکھ لو، (اور پھر نکالو) تو وہ بدون اس کے کہ
أُخْرَىٰ،	کسی طرح کا روگ ہو، سفید (براق) نکلیگا
(طٰہٰ - ۱)	(اور یہ) دوسرا معجزہ (ہے)

فحش گوئی کی دوسری قسم کا تعلق قوتِ غضبیہ سے ہے جس کا نام سب و شتم یا گالی گلوج ہے، اور یہ صورت عموماً جنگ و جدل کے موقع پر پیش آتی ہے، زمانہ حج میں چونکہ اعام اجتماع ہوتا ہے اور اس حالت میں لڑائی جھگڑے کا زیادہ امکان ہوتا ہے اس لئے خداوند تعالیٰ نے ایک عام لفظ فسوق سے اس کی ممانعت کی،

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ	حج کے دنوں میں نہ شہوت کی کوئی بات کرنی
فِي الْحَجِّ (بقرہ ۷ - ۲۵)	چاہئے، نہ فسق کی، نہ جھگڑے کی،

گالی گلوج کی مختلف صورتیں ہیں بعض اوقات انسان ایک شخص کے ماں باپ کو برا بھلا کہتا ہے اُس کے نسب میں عیب نکالتا ہے، کبھی خود اس شخص کے عیوب ظاہر کرتا ہے یہانتک کہ

اگر وہ کسی نفرت انگیز مرض مثلاً برص یا جذام مین مبتلا ہو تو اس پر بھی طنز کرتا ہی بعض حالتون مین اگر اس نے کوئی بُرا کام کیا ہی یا اس کے ساتھ کوئی بُرا برتاؤ کیا گیا ہی، تو اس کا اظہار کرتا ہی،

قرآن مجید نے اجمالی طور پر ان تمام صورتون کی ممانعت صرف ایک لفظ سے کی ہی،

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ	اللہ کو بُری بات کا پکار کر کہنا پسند نہین
الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ	مگر جس پر ظلم ہوا ہو (وہ ظلم کو برملا بیان
(نساء - ۲۱)	کرسکتا ہے)

اور قرآن و حدیث مین جا بجا بدزبانی سے بچنے کے حِکَم و مصالح نہایت تفصیل سے بیان کئے گئے ہین

(۱) ایک مصلحت یہ ہے کہ گالی گلوج مین لوگ عموماً تعدی کرتے ہین یعنی اگر ایک شخص ایک گالی دیتا ہے تو دوسرا دو دیتا ہے، اگر ایک شخص کسی کے باپ کو بُرا کہتا ہو تو دوسرا اس کے باپ ماں دونون کو اس مین شامل کر لیتا ہی اس لئے دوسرے کی تعدی سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہی کہ کسی کو گالی نہ دیجائے، خداوند تعالی نے قرآن مجید کی اس آیت مین یہی نکتہ بیان کیا ہی،

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ	اور (مسلمانو!) خدا کے سوا دوسرے جن
دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا	معبودون کو پکارتے ہین اُن کو بُرا نہ
بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ	کہو کہ یہ لوگ (بھی) نادانی سے بڑھکر
(انعام - ۱۲)	خدا کو بُرا کہہ بیٹھین گے،

اسی نکتہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مین اس طرح بیان فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہی کہ آدمی اپنے باپ ماں پر لعنت بھیجے، کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اپنے باپ

Marfat.com

ماں پر کیونکر لعنت بھیج سکتا ہے؟ فرمایا اس طرح کہ جب کوئی کسی کے باپ کو برا بھلا کہے گا تو وہ
بھی اس کے ماں باپ دونوں کو برا بھلا کہے گا۔[1]

(۲) بدزبان آدمی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے فوائد سے محروم ہو جاتا ہے اور لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیتے ہیں، احادیث میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آیا، آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ اپنے قبیلہ میں یہ نہایت برا آدمی ہے، لیکن جب وہ آپ کے پاس بیٹھا تو آپ اس سے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملے جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ جب آپ نے اس کو دیکھا تو برا کہا، پھر اس سے نہایت لطف و محبت کے ساتھ ملے، فرمایا، عائشہ! تم نے مجھ کو بدزبان کب پایا؟ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے برا شخص وہ ہوگا جس کی زبان کے خوف سے لوگ اس کو چھوڑ دیں۔[2]

(۳) بدزبانی دور وحشت و جہالت کی یادگار اور تہذیب و شائستگی کے خلاف ہے، ایک بار حضرت ابوذرؓ نے ایک غلام کو ماں کی گالی دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ تم میں جاہلیت کا اثر باقی ہے،[3] امام بخاری نے ادب المفرد میں اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غلاموں یا نوکروں کو برا بھلا کہنا جائز نہیں،

(۴) رفق و ملاطفت اور شرم و حیا شریفانہ اخلاق ہیں، اور اسلام نے خاص طور پر ان کی تعلیم دی ہے لیکن بدزبانی ان کے بالکل مخالف ہے، ایک بار کچھ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بخاری کتاب الادب باب لا یسب الرجل والدیہ۔ [2] بخاری کتاب الادب باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفحشا
[3] بخاری کتاب الادب باب ما ینہی من السباب واللعن،

خدمت مین حاضر ہوئے اور سلام کے بجائے السّام علیکم "(تم کو موت آئے) کہا حضرت عائشہ نے جواب مین کہا علیکم و لعنکم اللہ وغضب اللہ علیکم یعنی تم کو موت آئے، خدا تم پر لعنت بھیجے، اور تم پر خدا کا غضب نازل ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ اے عائشہ نرمی اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے بچو"[1]

(۵) گالی گلوچ کی ممانعت کا ایک نہایت دقیق نکتہ یہ ہے کہ اس مین عموماً بے شرمی اور بے حیائی کی باتون کو الفاظ کی صورت مین منہ سے نکالا جاتا ہے، اور سنایا جاتا ہے، اس سے سوسائٹی مین ان مکروہ باتون کے سننے اور سنانے کی جرأت پیدا ہوتی ہے، اور بے حیائی کے الفاظ بڑھ کر اعمال کی صورت اختیار کر لیتے ہین، یہی سبب ہے کہ حدیث مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدزبانی کو حیا کے بالمقابل ذکر فرمایا، ارشاد ہے کہ "بدزبانی جس چیز مین شامل ہوتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے، اور حیا جس چیز مین شامل ہو اس کو زینت دے دیتی ہے"[2] اس سے معلوم ہوا کہ بدزبانی اور فحش گوئی حیا کے خلاف ہے۔

(۶) گالی گلوچ سے لوگون کے دلون کو اذیت پہنچتی ہے، حالانکہ مسلمانون کو ایذارسانی سے احتراز کرنا چاہئے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہین،[3] مُردون کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت اسی لئے کی گئی ہے کہ اس سے زندون یعنی مُردون کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے دلون کو اذیت پہنچتی ہے،[4]

[1] بخاری کتاب الادب باب لم یکن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفحشا [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی الفحش [3] مسلم کتاب الایمان باب بیان تفاضل الاسلام وای امورہ افضل [4] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی الشتم

Marfat.com

ماں پر کیونکر لعنت بھیج سکتا ہے؟ فرمایا اس طرح کہ جب کوئی کسی کے باپ کو برا بھلا کہے گا تو وہ بھی اس کے ماں باپ دونوں کو برا بھلا کہے گا[1]

(۲) بدزبان آدمی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے فوائد سے محروم ہوجاتا ہے، اور لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیتے ہیں، حدیث میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آیا، آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ اپنے قبیلہ میں یہ نہایت برا آدمی ہے" لیکن جب وہ آپ کے پاس بیٹھا تو آپ اس سے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملے جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ جب آپ نے اس کو دیکھا تو برا کہا، پھر اس سے نہایت لطف و محبت کے ساتھ ملے" فرمایا، عائشہ تم نے مجھ کو بدزبان کب پایا؟ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے برا شخص وہ ہوگا جس کی بدزبانی کے خوف سے لوگ اس کو چھوڑ دیں[2]"

(۳) بدزبانی دور وحشت و جہالت کی یادگار، اور تہذیب و شائستگی کے خلاف ہے، ایک بار حضرت ابوذرؓ نے ایک غلام کو ماں کی گالی دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ تم میں جاہلیت کا اثر باقی ہے[3]، امام بخاری نے ادب المفرد میں اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غلاموں یا نوکروں کو برا بھلا کہنا جائز نہیں،

(۴) رفق و ملاطفت اور شرم و حیا شریفانہ اخلاق ہیں، اور اسلام نے خاص طور پر ان کی تعلیم دی ہے لیکن بدزبانی ان کے بالکل مخالف ہے ایک بار کچھ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

[1] بخاری کتاب الادب باب لا یسب الرجل والدیہ [2] بخاری کتاب الادب باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفحشا

[3] بخاری کتاب الادب باب ما ینہی من السباب واللعن،

Marfat.com

خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے بجائے السام علیکم "(تم کو موت آئے) کہا حضرت عائشہؓ نے جواب میں کہا علیکم ولعنکم اللہ وغضب اللہ علیکم یعنی تم کو موت آئے، خدا تم پر لعنت بھیجے، اور تم پر خدا کا غضب نازل ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ اے عائشہ نرمی اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے بچو"[1]

(۵) گالی گلوج کی ممانعت کا ایک نہایت دقیق نکتہ یہ ہے کہ اس میں عموماً بے شرمی اور بے حیائی کی باتوں کو الفاظ کی صورت میں منہ سے نکالا جاتا ہے، اور سنایا جاتا ہے، اس سوسائٹی میں ان مکروہ باتوں کے سننے اور سنانے کی جرأت پیدا ہوتی ہے، اور بے حیائی کے الفاظ بڑھ کر اعمال کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، یہی سبب ہے کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدزبانی کو حیا کے بالمقابل ذکر فرمایا، ارشاد ہے کہ "بدزبانی جس چیز میں شامل ہوتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے اور حیا جس چیز میں شامل ہو اس کو زینت دے دیتی ہے"[2] اس سے معلوم ہوا کہ بدزبانی اور فحش گوئی حیا کے خلاف ہے۔

(۶) گالی گلوج سے لوگوں کے دلوں کو اذیت پہنچتی ہے، حالانکہ مسلمانوں کو ایذا رسانی سے احتراز کرنا چاہئے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں[3]، مُردوں کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت اسی لئے کی گئی ہے کہ اس سے زندوں یعنی مردوں کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے دلوں کو اذیت پہنچتی ہے[4]۔

[1] بخاری کتاب الادب باب لم یکن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفحشا [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی الفحش

[3] مسلم کتاب الایمان باب بیان تفاضل الاسلام وای امورہ افضل [4] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی الشتم

(۷) گالی گلوچ لڑائی کا پیش خیمہ ہے، اور مسلمانوں کے ساتھ لڑنا بھڑنا کفر ہے اس لئے جو چیز اس کا ذریعہ بنتی ہو وہ اگر کفر نہیں تو کم از کم فسق تو ضرور ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر[1]

مسلمان کو برا بھلا کہنا گناہ ہے اور اس کے ساتھ لڑنا کفر،

ان تمام مراتب کے پیش نظر رکھنے کے بعد یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بدزبانی اور فحاشی، اسلامی تعلیمات اور اسلامی خصوصیات کے منافی ہے، اس لئے جو شخص صحیح اسلامی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے وہ اس بداخلاقی میں مبتلا رہنا پسند نہ کریگا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لیس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی[2]

جو مسلمان ہے وہ طعن و تشنیع نہیں کرتا، لعنت نہیں بھیجتا، بدزبانی اور فحش کلامی

ایک اور حدیث میں بدزبانی کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے[3]

یہ تمام وجوہ تو انسانوں کی باہمی گالی گلوچ اور لعن وطعن سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن اس قسم کی بدزبانیاں صرف انسانوں تک محدود نہیں ہیں، بلکہ بے جان اور عقل سے خالی چیزوں سے بھی جب نقصان پہنچتا ہے تو لوگ ان کو بھی برا بھلا کہہ بیٹھتے ہیں، مثلاً جب کوئی شخص حوادث زمانہ کا شکار ہوتا ہے تو وہ زمانہ کو برا بھلا کہنے لگتا ہے، یہ نہیں سوچتا کہ اس میں زمانہ کا کیا قصور ہے، جو کچھ ہوتا ہے مشیت الٰہی سے ہوتا ہے، اس بنا پر اسلام نے ان چیزوں کے

---

[1] بخاری کتاب الادب باب ما ینہی من السباب واللعن [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی اللعنۃ [3] بخاری کتاب الایمان باب علامات المنافق،

برا بھلا کہنے کی بھی ممانعت کی ہے، اور اس مفہوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اللہ تعالیٰ کی زبان سے اس طرح ادا کیا ہے کہ "خدا کہتا ہے کہ انسان زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ میں خود زمانہ ہوں اور رات دن میرے ہاتھ میں ہیں"[۵] یعنی زمانہ کو برا بھلا کہنا خود خدا کو برا بھلا کہنا ہے۔

ایک بار ہوا ایک شخص کی چادر کو ادھر ادھر اڑانے لگی، اس نے ہوا پر لعنت بھیجی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس پر لعنت نہ بھیجو، وہ تو صرف خدا کی فرمانبردار ہے"[۲]۔

ایک سفر میں ایک عورت نے اپنی اونٹنی پر لعنت بھیجی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹنی کو الگ کر دیا[۳]، اور یہ اس عورت کی سزا تھی تاکہ وہ دوبارہ اس قسم کا کلمہ نہ کہہ سکے۔

اسلام میں گالی گلوچ کے صرف یہی معنی نہیں کہ کسی کو مغلظات سنائے جائیں، بلکہ ہر وہ بات جس سے کسی کی توہین یا دلآزاری ہو گالی ہے، کسی کو فاسق یا کافر کہنا اگرچہ عرف عام میں گالی نہیں ہے لیکن اسلام میں وہ ایک سخت گالی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو فاسق و کافر نہ کہے، کیونکہ اگر وہ فاسق و کافر نہ ہوگا تو یہ تہمت خود تہمت لگانے والے پر لوٹ آئے گی[۴]۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر وہ شخص فاسق یا کافر ہوگا، تو اس کا کہنے والا فاسق و کافر نہ ہوگا، تاہم اگر اس کا مقصود محض اس شخص کی تفضیح و تحقیر ہو تو وہ گنہگار ضرور ہوگا، بہرحال اسلام ...

---

[۱] بخاری کتاب الادب باب لا تسبوا الدہر، ابوداؤد کتاب الادب باب فی اللعن، [۲] ابوداؤد کتاب الجہاد باب النہی عن البہیمۃ [۳] بخاری کتاب الادب باب ما ینہی من السباب واللعن، مسلم کتاب الایمان [۴] فتح الباری کتاب الادب باب ما ینہی من السباب واللعن۔

جان ومال کی طرح ہر مسلمان کی عزت وآبرو کو بھی محفوظ کر دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدس دن، ایک مقدس مہینہ اور ایک مقدس شہر میں (یعنی حجۃ الوداع میں) ایک خطبہ میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کر دی ہے کہ خدا نے تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزت کو اسی طرح حرام کر دیا ہے، جس طرح تمھارا یہ دن، تمھارے اس مہینہ اور تمھارے اس شہر میں محترم ہے،

Marfat.com

رذائل پر مختصر تبصرہ

گذشتہ صفحوں میں جن رذائل کی تشریح کی گئی ہے اُن کے علاوہ اور بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی بداخلاقیوں اور بُری عادتوں کو گنایا جا سکتا ہے جن کی ممانعت اسلام میں کی گئی ہے مگر اصولی حیثیت سے وہ درحقیقت ان ہی مذکورۂ بالا رذائل میں سے کسی کے تحت میں ہیں اس لئے اُن کے پورے استقصا کی کوشش نہیں کی گئی ہے، اور چونکہ ان رذائل کے اندراج میں خالص فلسفیانہ اصول کی پیروی نہیں کی گئی ہے، اس لئے صرف اُن ہی کے بیان پر قناعت نہیں کی گئی جن کو فلسفۂ اخلاق کے مصنفوں نے رذائل میں شمار کیا ہے، بلکہ مذہبی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اخلاق و عاداتِ ذمیمہ کی یہ فہرست مرتب کی گئی ہے،

اس فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بھید کھل جاتا ہے کہ اسلام نے تین اساسی برائیاں قرار دی ہیں، اور جس قدر رذائل ہیں، ان میں اُن ہی تین میں سے کوئی برائی پائی جاتی ہے،

سب سے پہلی اساسی برائی **عدمِ صدق** ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ دل اور زبان میں یکسانی نہ ہو، جھوٹ، غیبت، خلافِ وعدگی، اتہام، بدگمانی، خوشامد، چغلخوری، دورخاپن، جھوٹی قسم وغیرہ اسی ایک جڑ کی مختلف شاخیں ہیں، دوسری اساسی بُرائی حبِ مال و حبِ مال

سے مقصود دنیا کے مال و دولت سے غیر معمولی محبت ہے، بخالت، حرص وطمع، چوری، غصب، خیانت، غلول، ناپ تول میں کمی بیشی وغیرہ ایک ہی اصل کی مختلف فروع ہیں، تیسری اساسی برائی حبِ ذات ہے، اس سے مقصود اپنی ذات سے غیر معمولی شغف ہے، حسد، تکبر، عُجب، فخر، غیظ و غضب، ظلم، کینہ وغیرہ ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں، اس سے ظاہر ہوا کہ جو شخص ان تینوں اساسی برائیوں سے ہر طرح پاک رہنے کی کوشش کرے گا، وہ ہر قسم کے رذائل سے اپنے کو محفوظ کرے گا، یہ تینوں اساسی بُرائیاں ہوائے نفس یعنی نفس کی غلط اور بے جا خواہشیں ہیں، جو ان سے اپنا دامن بچائے گا وہ جنت میں آرام پائے گا،

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ه	(نازعات-۲)	اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اور اپنے نفس کو غلط خواہش سے بچایا، تو جنت اس کی آرامگاہ ہے،

Marfat.com

آداب

انسانی زندگی کے رات دن کے ضروری مشاغل رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بولنے جالنے، کھانے پینے، سونے، جاگنے، نہانے دھونے کے وہ تمام عمدہ قواعد جو ایک متمدن زندگی کے ضروری جز ہیں، آداب کہلاتے ہیں، ان ہی آداب کی پابندی و عدم پابندی کے بدولت وحشی اور متمدن لوگوں میں امتیاز ہوتا ہے، ان آداب میں خوبی و لطافت ملحوظ رکھنا حسن ادب ہے، اس کی پابندی سے اجتماعی اور معاشرتی امور میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے اور انسان مہذب، شایستہ اور باوقار بن جاتا ہے،

یہ آداب درحقیقت اس اصول پر مبنی ہیں کہ ان روزانہ کے کاموں کے بجالانے میں ایسی خوبی ملحوظ رکھی جائے جس سے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو آرام مل سکے، اور ایک کے کام کا طریقہ دوسرے کی تکلیف یا ناگواری کا باعث نہ ہو جائے، اور یہ کہ وہ کام خوبی، خوبصورتی، اور عمدگی کے ساتھ انجام پائے، پیغمبر اسلام علیہ السّلام نے اپنی عملی و قولی ہدایات سے مسلمانوں کیلئے اس کا بہترین نمونہ قائم کردیا ہے،

دنیا کی دوسری قومیں مذہب ایک جگہ سے اور اپنے آداب وعوائد یعنی ایٹی کیٹ کسی دوسری جگہ سے لیتی رہی ہیں، عیسائی قوموں نے مذہب انجیل سے اور آداب وآئین یونان اور روم سے حاصل کیا لیکن اسلام میں جو مذہب کا سرچشمہ ہے وہی اس کے آداب وعوائد کا ماخذ بھی ہے، اسی لئے اسلام وحشی سے وحشی قوموں میں صرف قرآن اور اپنے پیغمبر کی سیرت لیکر جاتا ہے، اور ان کو چند روز میں مہذب اور شایستہ بنا دیتا ہے،

ہمارے محدثین کرام رحمہم اللہ تعالی نے ان آداب کی نوعیت کو مکارم اخلاق سے الگ کر دیا ہے، اور ان کو کتاب الطہارۃ، کتاب الاطعمہ، کتاب الاشربہ، کتاب اللباس، کتاب الاستیذان، کتاب الآداب، اور کتاب السلام میں درج کیا ہے، ہم صحاح وسنن کی عام کتابوں اور خصوصًا بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداؤد کے ان ہی ابواب سے اس قسم کی تعلیمات کو الگ کرکے ذیل میں لکھتے ہیں،

Marfat.com

فطری آداب

اسلام دین فطرت ہی، اس لئے اُس کے آداب کا بڑا حصہ بھی فطری ہی، یعنی فطرۃً وہ پسندیدہ ہین اور تمام انبیا علیہم السّلام نے اُن کی پیروی کی ہے، یہ ایسے آداب ہین جو انسان کو جانورون سے ممتاز کرتے ہین، انسان کو اپنی برہنگی چھپانی پڑتی ہی، اس کے بال بڑھتے ہین ناخن بڑھتے ہین، بدن گندہ ہوتا ہے، کپڑے میلے ہوتے ہین تو ان سب چیزون کی اصلاح شائستہ اور ناشایستہ انسانون مین فرق پیدا کرتی ہے، چنانچہ حدیث مین ہے کہ چار چیزین تمام پیغمبرون کی سنت ہین، حیا کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا، اور نکاح کرنا،[1] ایک روایت مین ختنہ کو بھی ان مین داخل کیا گیا ہی،

حیا کرنے کا نتیجہ برہنگی کا چھپانا یعنی ستر عورت، اور ضرورت کے وقت پردہ کرنا ہے، عطر لگانا اور مسواک کرنا صفائی اور طہارت کے تمام اقسام کو بتاتا ہی، اور ختنہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور اُن کی مبارک نسل کی سنّت ہے، یہان تک کہ توراۃ کے بیان کے مطابق

[1] ترمذی ابواب النکاح

اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان عہد کی جسمانی نشانی ہو[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام انسانیت کے سب سے پہلے معلم ہین، ان کے عہد مین دنیا اس عمر کو پہنچ چکی تھی جب کہ اس کو تہذیب و وقار کے آداب بتائے جائین، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جسمانی طہارت و نظافت کے مختلف آداب سکھائے گئے جن کو خصال فطرت کہتے ہین، امام بخاری کی ادب المفرد مین ہو کہ حضرت ابراہیمؑ نے سب سے پہلے ختنہ کرایا، موچھین ترشوائین اور ناخن کٹائے[2]، ایک حدیث ہو: ایک صحابی کہتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خصال فطرت پانچ ہین، ختنہ کرانا، موئے زیر ناف اور بغل کے بال صاف کرنا، اور ناخن اور موچھ ترشوانا[3]، ایک دوسری حدیث مین یہ آداب دس تک پہنچ گئے ہین، موچھ ترشوانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک مین پانی ڈالنا، ناخن ترشوانا، انگلیون کے درمیان جو جگہ ہے اس کو دھونا، بغل کے بال بنوانا، موئے زیر ناف کو صاف کرنا، پانی سے استنجا کرنا، راوی کہتا ہے کہ دسوین بات مین بھول گیا، غالباً کلی کرنی ہوگی،[4]

فطرت کے یہ آداب اسلامی طہارت کے اصول بن گئے ہین، چنانچہ وضو مین مسواک کرنا مستحب اور انگلیون کا دھونا، ناک مین پانی ڈالنا اور کلی کرنا واجب قرار دیا گیا ہی،

ناخن ترشوانا، بال بنوانا، موچھین ترشوانا صفائی کے ضروری لوازم ہین، جن کے ناخن بڑھے اور موچھین بڑی ہوتی ہین، وہ کھانے پینے کی ہر چیز کو گندہ کرکے کھاتے پیتے ہین جس سے نہ صرف دوسرون کو کراہت معلوم ہوتی ہے، بلکہ خود ان کو بھی طبی طور پر نقصان پہنچتا ہو، یورپ

[1] توراۃ پیدائش، [2] باب الختان الکبیر [3] صحیح مسلم باب خصال الفطرۃ [4] ایضاً،

ین ناخن بڑھانا اور ان کو ریت ریت کر صاف کرنا، اور اسی طرح بعض لوگوں ہیں بڑی بڑی مونچھیں رکھنا حسن سمجھا گیا ہے، مگر یہ دونوں باتیں صریحاً خلاف فطرت ہیں اور کھانے پینے کی گندگی کا باعث ہیں،

مونچھوں کے بڑھانے کا فیشن یورپ کا آئینہ بدل جانے سے اب کم ہو رہا ہے، مگر داڑھی بڑھانے کے بجائے اس کے منڈانے کا فیشن ابھی اسی طرح قائم ہے، بلکہ اب تو داڑھی اور مونچھ دونوں کے صاف کرنے کا فیشن ترقی پر ہے، یہ تمام باتیں اسلامی شعار کے خلاف ہیں، اور اس شعار کے مخالف ہیں جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی امت کے لئے مقرر کیا تھا،

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "مجوسیوں کے برخلاف تم مونچھیں ترشواؤ، اور داڑھی بڑھاؤ"[1] حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مشرکوں کے برخلاف تم مونچھیں باریک ترشواؤ، اور داڑھی بڑھاؤ"[2] ان تعلیمات کے مطابق اسلامی صورت کو قائم رکھنا غیرمند مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے، اچھی اور بری معلوم ہونے کا تخیل زمانہ کے رسم ورواج کا اثر ہے، جس رنگ کی عینک لگائیے دنیا اسی رنگ کی نظر آئے گی،

---

[1] صحیح مسلم باب خصال الفطرۃ [2] ایضاً،

Marfat.com

طہارت اور اس کے آداب

تہذیب وشائستگی کی باتوں میں سب سے اہم چیز طہارت اور پاکی ہے، گو کہ اسلام ایک ایسے ملک میں ظاہر ہوا جہاں پانی نسبتہً بہت کم تھا، پھر بھی اس نے بعض خاص حالات میں غسل کرنا فرض قرار دیا، زن وشو کی ہمبستری کے بعد جب تک دونوں غسل نہ کرلیں نماز جو فرض ہے ادا نہیں ہوسکتی، فرمایا،

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (مائدہ-۲) — اور اگر تم ناپاک ہو تو نہا کر پاک ہو،

کپڑے شرعی طور سے پاک ہوں، فرمایا،

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (مدثر-۱) — اور اپنے کپڑے کو پاک کر،

اگر پاکی کے لئے پانی نہ مل سکے، یا بیماری کے سبب سے پانی استعمال کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کرنا چاہیے،

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (مائدہ-۲) — تو پاک مٹی کا قصد کرو،

جب نماز پڑھنا چاہیں تو پہلے ہاتھ منہ اور پاؤں دھولیں، اور بھیگے ہاتھوں کو سر پر پھیر لیں،

Marfat.com

اس کا نام وضو ہے،

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا	جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنے منھ اور
وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ	کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو، اور
وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ	اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے
اِلَى الْكَعْبَيْنِ، (مائدہ - ۲)	پاؤں دھوؤ،

جمعہ کے دن نماز سے پہلے نہانے کا حکم دیا کہ لوگ پاک صاف اور نہا دھو کر جماعت میں شریک ہوں تاکہ کسی کی گندگی اور بدبوئی سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، اور پورا مجمع پاکی اور صفائی کی تصویر ہو، قضائے حاجت اور پیشاب کے بعد استنجا اور عضو خاص و مقام خاص سے گندگی کو دور کرنا ضروری ٹھہرایا گیا،

ان احکام سے معلوم ہوگا کہ اسلام میں طہارت اور صفائی کو خاص اہمیت حاصل ہے بلکہ وہ خدا کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے، فرمایا،

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ،	اور (اللہ) طہارت کرنے والوں کو
(بقرہ - ۲۸)	پیار کرتا ہے،

اسی طہارت کی پابندی، اور دلوں میں طہارت کا خیال پیدا کرنے کے لئے مختلف سنن اور طریقے سکھائے گئے، مثلاً

ا۔ آپ نے فرمایا "جب کوئی شخص سو کر اٹھے تو جب تک تین بار ہاتھ نہ دھولے، اس کو پانی کے برتن میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہئے کیونکہ سونے میں معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ کہاں

Marfat.com

کہان پڑا ہے[1]؛ اس حدیث سے معلوم ہو گا کہ ہم کو اپنے جسم کے ہر عضو کی طہارت کا سوتے جاگتے ہر حالت مین خیال رکھنا چاہیئے، سونے مین کسی خواب کی وجہ سے بھی اگر انسان ناپاک ہو جائے تو نہانا ضروری قرار دیا گیا[2]،

ہاتھ کی صفائی پر اس لئے زور دیا گیا کہ برتن سے پانی نکالنے مین ناپاک ہاتھ پانی مین بھیگ کر پانی کو ناپاک نہ کر دے، اس لئے خیال رکھنا چاہیئے کہ ہاتھ پانی کے برتن مین اس وقت تک نہ ڈبوئے جائین، جب تک ہاتھون کی طہارت کا یقین نہ ہو،

۲۔ دانتون کی صفائی جو بہت سی گندگیون اور بیماریون کی جڑ ہے، ضروری بتلائی مسواک کرنا سنت ٹھہرایا، فرمایا، اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو مین ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا[3]، ایک دفعہ کچھ مسلمان حاضر ہوئے جن کے دانت صاف نہ ہونے کی وجہ سے زرد تھے، تو فرمایا کہ تمھارے دانت زرد کیون دیکھ رہا ہون، مسواک کیا کرو،

(مسند احمد ج ا ص ۲۱۴)

۳۔ عام راستون اور درختون کے سایہ مین قضائے حاجت نہین کرنا چاہیئے[4]، یہ اس لئے کہ راستہ چلنے والون اور درخت کے سایہ مین بیٹھنے والے مسافرون کو اس نجاست اور گندگی سے تکلیف نہ ہو،

۴۔ ٹھہرے ہوئے پانی مین پیشاب کر کے پھر اس مین غسل کرنا جائز نہین، ایسے ٹھہرے ہوئے پانی مین غسل جنابت بھی نہین کرنا چاہیئے بلکہ جنب کو چاہیئے کہ اس سے پانی لے کر

---

[1] مسلم کتاب الطہارۃ [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ [3] ایضاً [4] ایضاً،

غسل کرے، کیونکہ ہماری تھوڑی سی سہل انگاری سے وہ پانی دوسروں کے لئے ناپاک یا قابلِ کراہت، بلکہ عالم حالت مین خود اسی کی طبیعت کے لئے گھن پیدا کرے گا،

۵- عام طور سے بے ضرورت کھڑے ہو کر پیشاب نہین کرنا چاہئے، کیونکہ اس حالت مین یہ خوف ہے کہ پیشاب کے چھینٹے جسم پر پڑ جائین، نیز بے ستری کا بھی امکان ہے اور تہذیب و وقار کے بھی خلاف ہے، اگر یہ احتمالات نہ ہون، یا زمین بیٹھنے کے قابل نہ ہو تو جائز ہے،

۶- پیشاب نرم زمین پر کرنا چاہئے، کیونکہ سخت زمین سے پیشاب کے چھینٹے اڑکر جسم پر پڑ سکتے ہین،

۷- غسل خانہ کی زمین مین پیشاب نہین کرنا چاہئے خصوصاً جب کہ وہ کچی ہو، کیونکہ جگہ کی گندگی اور ناپاکی سے پانی کی چھینٹین گندی اور ناپاک ہو کر اڑین گی، اور بدن کو ناپاک کرین گی، یا ناپاک ہونے کا وسوسہ دل مین پیدا کرین گی،

۸- بول و براز کے بعد استنجا کرنا چاہئے، ڈھیلے یا کسی اور پاک و جاذب چیز سے صفائی کے بعد پانی سے دھو لینا چاہئے، استنجا بائین ہاتھ سے کیا جائے، اُس مین داہنا ہاتھ نہ لگایا جائے،

۹- طہارت کے بعد پانی کے علاوہ مٹی سے بھی ہاتھ دھونا چاہئے[۱]،

۱۰- ہفتہ مین ایک روز ہر مسلمان پر غسل کرنا، کپڑے بدلنا، عطر اور تیل لگانا مستحسن ہے

---

[۱] یہ تمام مسائل کتبِ سنن کی کتاب الطہارۃ مین دیکھئے، ۱۲

Marfat.com

بلکہ بعض فقہا اور محدثین کے نزدیک حدیث کے الفاظ کی بنا پر غسل واجب ہی،

اسلام نے اس کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا ہے جو مسلمانون کے عام اجتماع کا دن ہوتا ہے، اور اس کی وجہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے یہ بیان کی ہے کہ عرب کے لوگ سخت تنگدست اور پشمینہ پوش تھے، اور محنت مزدوری کرتے تھے، اُن کی مسجد نہایت تنگ، اور اس کی چھت نہایت پست تھی، جو چھپر کی تھی، ایک بار گرم دن مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے آئے، تو لوگون کو اس پشمینہ مین پسینہ آیا، اُس کی بو کے پھیلنے سے ہر شخص کو تکلیف ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بدبو محسوس کی تو فرمایا کہ لوگو! جب یہ دن آئے تو غسل کر لیا کرو، اور ہر شخص کو جو بہترین تیل اور خوشبو میسر ہو سکے لگائے[۱] جمعہ کے علاوہ معمولاً کسی کو بدبودار چیز مثلاً لہسن یا پیاز کھا کر مسجد مین آنے کی ممانعت بھی فرمائی[۲]،

۱۱- جمعہ کے علاوہ عام حالات مین بھی انسان کو صاف ستھرا رہنا چاہئے، چنانچہ ایک بار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے ہین، تو فرمایا کہ اس کے پاس بال کے ہموار کرنے کا سامان نہ تھا؟ ایک دوسرے شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو پانی نہین ملتا تھا جس سے وہ اپنے کپڑے کو دھو لیتا[۳]،

---

[۱] ابوداؤد کتاب الطہارۃ، [۲] مسلم کتاب الصلوٰۃ [۳] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی غسل الثوب وفی الخلقان،

اسی کے ساتھ اسلام نے طہارت ونظافت کی تعلیم مین سادگی اور بے تکلفی کو بھی ملحوظ رکھا ہے، اور ایسی تعلیم نہین دی ہے جو تشدد، غلو اور وہم و وسوسہ کی حد تک پہنچ جائے اس بنا پر اسلام نے بعض اُن سختیون کو دور کیا ہے جو اس معاملہ مین اور مذاہب مین پائی جاتی تھین، مثلاً یہودیون کے مذہب کے روسے ناپاکون کی پاکی کے لئے ضروری تھا کہ نہانے کے بعد بھی اس دن کا آفتاب ڈوب لے، تب نہانے والا پاک ہو، لیکن اسلامی تعلیمات کے روسے انسان کو اس معاملہ مین صرف اس قدر احتیاط کرنی چاہیئے کہ پیشاب کے چھینٹے جسم یا کپڑے پر نہ پڑنے پائین، اس سے زیادہ احتیاط تشدد اور غلو کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ شدتِ احتیاط کی وجہ سے شیشی مین پیشاب کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بنو اسرائیل کے جسم پر جب پیشاب لگ جاتا تھا تو اس کو قینچی سے کاٹ ڈالتے تھے، لیکن حضرت حذیفہؓ نے اس تشدد کو ناپسند فرمایا اور کہا کہ کاش وہ اس قدر سختی نہ کرتے، کیونکہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معمولی طور پر استنجا کرتے ہوئے دیکھا ہے،[۱]

یہودیون کے یہان یہ بھی دستور تھا کہ جب کوئی عورت ایام سے ہوتی تھی تو اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے، اور اس کو گھر سے بالکل الگ کر دیتے تھے، صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی،

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ اور (اے پیغمبر) لوگ تم سے حیض

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین،

Marfat.com

قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ	کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو ان کو
فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ	سمجھا دو کہ وہ گندگی ہے تو حیض کے دنوں
حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ	میں عورتوں سے الگ رہو، اور جب تک
فَاْتُوْهُنَّ ،	پاک نہ ہولیں ان سے مقاربت نہ کرو،
(بقرہ ۔ ۲۸)	اور جب وہ پاک ہوجائیں تو اُن کے

اس کے مطابق آپ نے حکم دیا کہ وقاع کے علاوہ اُن سے سب کام لے سکتے ہو، اور خود اپنے طرزِ عمل سے اس کی مثالیں قائم کر دیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اس حالت میں آپ کے بالوں میں کنگھی کرتی تھی، اور آپ کے سر کو دھوتی تھی، ایک بار آپ نے مجھ سے کوئی چیز اٹھا کر مانگی، میں نے معذرت کی تو فرمایا یہ ناپاکی تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے[1]

ناپاکی کی حالت میں مقدس مقامات مثلاً مسجد میں نہیں جا سکتے، قرآن مجید کو نہیں چھو سکتے، اسی اصول کی بنا پر بعض صحابہؓ نے حالتِ جنابت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسا مصافحہ کرنے اور اٹھنے بیٹھنے سے اجتناب کیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا[2] یعنی مسلمان جنابت اور حاجتِ غسل سے ایسا نجس نہیں ہو جاتا کہ اس کے چھونے سے کوئی دوسرا آدمی یا چیز ناپاک ہو جائے،

ایک عورت نے حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا کہ میں عورت ہوں اور میرے دامن لمبے ہوتے ہیں، اور میں گندے مقامات میں چلتی ہوں یعنی زمین میں گھسٹنے کی وجہ سے ممکن ہے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب جواز غسل الحائض راس زوجھا۔ [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ،

دامن مین نجاست لگ جاتی ہو، بولین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کے بعد کی زمین اس کو پاک کر دیتی ہے[1] یعنی اس کے بعد جو خشک اور پاک زمین آتی ہے، وہ اُس نجاست کو زائل کر دیتی ہے، ایک عورت نے آپ سے دریافت کیا کہ مسجد کی طرف ہمارا جو راستہ جاتا ہے وہ بدبودار ہے، جب بارش ہو تو ہم کیا کرین، فرمایا کہ اس کے بعد اُس سے اچھا راستہ نہین ہے؟ بولین "ہان" ہے، فرمایا تو وہ اس کی تلافی کر دیتا ہے، غرض اسلام کا اصول یہ ہے کہ خشک زمین پاک ہے، اور وہ پانی کی طرح دوسری چیزون کو بعض حالات مین پاک کر سکتی ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ زمین میرے لئے پاک کر دی گئی ہے اور اسی لئے وہ حالتِ تیمم مین پانی کی قائم مقام ہو جاتی ہے، جوتا زمین پر رگڑ لینے سے پاک ہو جاتا ہے،

اسلام نے اس باب مین سب سے زیادہ جو آسانی پیدا کی وہ یہ تھی کہ تیمم کو غسل اور وضوء کا قائم مقام[2] کر دیا، اور اس کو تمام صحابہ نے ایک برکت سمجھا،

غسل کا طریقہ یہ سکھایا کہ پہلے دونون ہاتھ دھو لئے جائین، پھر کمر سے دھو کر نجاست دور کر لی جائے، پھر سارے بدن پر پانی بہایا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت سے غسل اس طرح فرماتے تھے، پہلے دونون ہاتھ دھوتے، پھر داہنے ہاتھ سے پانی بہا کر بائین ہاتھ سے کمر کے نیچے دونون طرف دھوتے، پھر وضو کرتے لیکن پاؤن نہین دھوتے، پھر سر پر تین بار پانی بہا کر بال کی جڑون کو ملتے، پھر سارے جسم پر پانی بہاتے، اور آخر مین پاؤن

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ [2] بیماری یا پانی نہ ملنے کی صورت مین،

Marfat.com

دھوتے، (مسلم باب صفۃ غسل الجنابۃ)

اسلام میں ہر روز نہانے کا کوئی حکم نہیں ہے، اور نہ عرب جیسے ملک میں یہ ہو سکتا تھا، لیکن اگر کوئی ایسے ملک میں جہاں پانی کی بہتات ہو اور وہ صفائی کے لئے ہر روز نہالے تو مباح ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچوں وقت کی نماز کی تمثیل میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے دروازہ پر نہر بہ رہی ہو، اور اس میں وہ دن میں پانچ دفعہ نہایا کرے تو کیا اس کے بدن پر میل رہ سکتا ہے۔[1]

[1] صحیح بخاری باب الصلوۃ الخمس کفارۃ،

Marfat.com

کھانے پینے کے آداب

(۱) کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھولینا چاہیے. کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے متعلق اگرچہ کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے، لیکن اگر پیالہ مین ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہو تو سو کر اٹھنے کے بعد پانی کے برتن مین بے ہاتھ دھوئے ہاتھ ڈالنا جس طرح منع ہے، اسی طرح بے ہاتھ دھوئے کھانے کے برتن مین ہاتھ ڈالنا اچھا نہین، اور ابو داؤد[۱] مین بھی کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کی ایک ضعیف حدیث موجود ہے۔[۲] ایک حدیث مین ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ مین کھانے کی چکنائی لگی رہ جائے اور وہ سو جائے اور کوئی جانور اس کے ہاتھ کو کاٹ لے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا اسی کی غلطی سے ہوگا، اور اس کو اس تساہلی پر اپنے ہی کو ملامت کرنا چاہیے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ادب کی یہ تعلیم اُس کے لیے ہے جس کی انگلیاں کھانے مین ملوث ہوتی ہون۔

(۲) مسلمانون کا ہر کام خدا کے نام سے شروع ہونا چاہیے. جیسا کہ حدیثون مین

۱؎ ابو داؤد کتاب الاطعمہ ۲؎ ایضاً

Marfat.com

مذکور ہے، اور دنیا کے سب کاموں میں کھانا جو زندگی کی بقا اور جسم کے قیام کا اصلی ذریعہ ہے کتنا بڑا کام ہے، یہ کام خدا کے نام کے بغیر شروع نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ کر لینا چاہیے۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ جب ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تھا تو جب تک آپ کھانا نہ شروع کرتے ہم لوگ کھانے میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے لیکن ایک بار ایک بدو دوڑا ہوا آیا اور کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا، آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر اسی طرح ایک لونڈی آئی اور کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا، آپ نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا، اور فرمایا کہ جس کھانے پر خدا کا نام نہیں لیا جاتا شیطان اس کو اپنے لیے جائز کر لیتا ہے[1] اور اگر کوئی شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائے تو بسم اللہ اولہ وآخرہ کہہ لے[2]۔

(۳) انسان کو ضرورت کے منشا کے مطابق پاک و ناپاک ہر قسم کے کاموں اور چیزوں میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے، صفائی کا اقتضا یہ تھا کہ انسان کے دونوں ہاتھ تقسیم کار کے اصول پر الگ الگ کاموں کے لیے خاص کر دیے جائیں، چنانچہ سب اچھے کاموں کے لیے داہنے ہاتھ کو اور دفع نجاست وغیرہ کے لیے بائیں ہاتھ کو خاص کر دیا گیا ہے، اس تخصیص میں ایک نیچرل اور فطری مصلحت بھی ہے، انسان کے زیادہ تر کام فطرۃً پاک اور مباح ہوتے ہیں، اور دفعِ نجاست وغیرہ کے کام کبھی کبھی ہوتے ہیں، اس لیے زیادہ تر کاموں کے لیے اس پہلو کو خاص کیا گیا ہے، جدھر قلب نہیں ہے یعنی داہاں پہلو تاکہ کام کے جھکولوں اور جھٹکوں سے قلب کو صدمہ نہ پہنچے یہی وجہ

---

[1] ابوداؤد کتاب الاطعمہ [2] ایضاً

ہے کہ ہر انسان فطرۃً سب کام داہنے ہاتھ سے کرتے ہیں اور بایاں ہاتھ صرف اس کی مدد کے لیے لگاتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ داہنے میں زیادہ پھرتی، چستی اور طاقت ہوتی ہے، اسی لیے کھانا پینا بھی داہنے ہاتھ سے چاہیے[1]، صرف کھانے پینے ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ شریعت نے اکثر باتوں میں اس کا لحاظ رکھا ہے، ایک بار آپ کے سامنے دودھ پیش کیا گیا، مجلس میں آپ کے داہنے جانب ایک بدو بیٹھا ہوا تھا، اور بائیں جانب حضرت ابو بکرؓ تھے، آپ نے دودھ پی کر بدو کی طرف پیالہ بڑھایا اور فرمایا کہ ترتیب میں داہنے جانب کا لحاظ ضروری ہے[2]،

ایک بار آپ کے دائیں جانب ایک لڑکا اور بائیں جانب بڑے بوڑھے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، آپ کوئی چیز پی تو لڑکے سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں، اس نے کہا کہ میں آپ کا حصہ کسی کو نہیں دے سکتا، مجبوراً آپ نے پہلے اسی کو دیا[3]،

(۴) کھانا برتن کے کنارے سے کھانا چاہیے، بیچ سے نہیں کھانا چاہیے، کیونکہ اس سے ایک تو کھانے کی وہ مقدار جو کھانے سے بچ جائیگی، گندی نہ ہوگی، دوسرے یہ کہ برتن گندہ نہ ہوگا، اور تیسرے یہ کہ اگر کوئی اس طریق سے نہ کھائے تو اس سے اس کی حرص کا پتہ چلتا ہے، اور حریص آدمی کبھی سیر نہیں ہوتا، اسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برکت سے تعبیر کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ برکت کھانے کے بیچ میں نازل ہوتی ہے[4]،

(۵) اپنے ساتھیوں کی اجازت کے بغیر کھجور یا انگور وغیرہ کو ایک ساتھ دو دو

---

[1] ابوداؤد کتاب الاطعمہ [2] صحیح بخاری کتاب الاشربہ [3] ایضاً [4] ترمذی ابواب الاطعمہ باب ما جاء فی کراہیۃ الاکل فی وسط الطعام

Marfat.com

کرکے نہیں[1] کھانا چاہیے، کیونکہ اخلاقی حیثیت سے اس سے حرص اور لالچ کا اظہار ہوتا ہے، اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھانے والے کا منشا یہ ہے کہ جلدی جلدی اس کو اپنے پیٹ میں پہنچا دے تاکہ کوئی دوسرا آکر شریک نہ ہو جائے، اور اگر وہ چند لوگوں کے ساتھ مل کر اس طرح سے کھا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا منشا یہ ہے کہ وہ جلدی کرکے اپنے سب ساتھیوں سے زیادہ کھالے، یہ جذبہ ایثار کے سراسر منافی اور حرص و طمع پر دال ہے، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اور اگر کسی ضرورت سے کسی شریک کو ایسا کرنا پڑے تو اس کو دوسرے شریکوں سے پوچھ لینا چاہیے،

(۶) کھانے میں عیب نہیں نکالنا چاہیے، کیونکہ اس سے گھر والوں میں اور کام کرنے والوں میں بات بات میں فیہ نکالنے والے کی طرف سے چڑھ اور نفرت پیدا ہوتی ہے، اور اس سے گھر کا کام سدھرنے کی جگہ اور بگڑتا ہے، اس لیے اگر اتفاق سے کھانا بدمزہ پکا ہو تو اگر خواہش ہو تو کھا لینا چاہیے، ورنہ چھوڑ دینا چاہیے[2]

(۷) سب کا مل کر ایک ساتھ کام کرنا تمدن کی بنیاد اور حسنِ معاشرت کا ذریعہ ہے، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا ہے کہ دوست واحباب یا گھر کے لوگ کھانا ایک ساتھ مل کر کھائیں، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے، الگ الگ کھانا بھی جائز ہے اور ایک ساتھ بھی[3]، لیکن ایک ساتھ مل کر کھانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ برکت ہوتی ہے، اس طرح کھانا زیادہ برباد نہیں ہوتا، کوئی تھوڑا کھاتا ہے، کوئی زیادہ

---

[1] سنن ترمذی ابواب الطعام [2] بخاری کتاب الاطعمہ [3] نور - ۸

کھاتا ہے، سب مل کر برابر ہو جاتے ہیں، اور ہر شخص کو تھوڑی بہت ہر چیز پہنچ جاتی ہے، پھر اس سے گھر والوں کا ایثار ثابت ہوتا ہے، اور گھر کے مالک کا تشخص اور امتیاز جو غرور کی نشانی ہے، مٹتا ہے، اس سے گھر والوں اور عزیزوں اور دوستوں میں محبت ہوتی ہے، ایک بار صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کھاتے ہیں لیکن آسودہ نہیں ہوتے، فرمایا شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو، صحابہؓ نے کہا ہاں، فرمایا ایک ساتھ کھاؤ، اور بسم اللہ کرلو تو برکت ہوگی۔[1]

(۸) کھانا ٹیک لگا کے بیٹھ کر یا منھ کے بل سو کر نہیں کھانا چاہیے،[2] کیونکہ روحانی کیفیت کے علاوہ یہ طبی حیثیت سے اس لیے مضر ہے کہ اس طرح غذا معدہ میں اچھی طرح سے بآرام نہیں پہنچتی ہے، کھانے کے لیے بیٹھنے کی مسنون صورتیں یہ ہیں کہ یا تو ایک پاؤں کھڑا کرکے اور دوسرے پاؤں کو گرا کر اسی پر بیٹھ کر کھایا جائے، یا دوزانو بیٹھ کر، اور اگر جگہ کم ہو اور لوگ زیادہ ہوں تو اکڑوں بیٹھ کر،[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ٹیک لگا کر نہیں کھاتا، میں بندہ ہوں، غلاموں کی طرح کھاتا ہوں[4] یعنی خاکساری سے۔

(۹) کھانا اپنے سامنے سے کھانا چاہیے، ادھر ادھر ہاتھ نہیں بڑھانا چاہیے خصوصاً جب کئی آدمی ایک ہی برتن میں ساتھ ہوں، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کھانا ہاتھ سے گندہ نہیں ہوتا، دوسری ہر شخص کا اپنا حصہ الگ ہوجاتا ہے، اور دوسرے کے کھانے

---

[1] ابوداؤد کتاب الاطعمہ [2] ایضاً [3] ابوداؤد کتاب الاطعمہ، ابن ماجہ کتاب الاطعمہ و شرح سفر السعادۃ فیروز آبادی للشیخ عبدالحق محدث دہلوی [4] ابوداؤد و ابن ماجہ مع زرقانی علی السیرۃ ج ۴ ص ۳۹۰،

میں کوئی اچھا ٹکڑا اتفاقاً پڑ گیا ہے تو اس کے لیے لالچ سے بچتا ہے اور ایثار سیکھتا ہے۔

(۱۰) کھانا کھانے کے بعد برتن کو انگلیوں سے اور انگلیوں کو منہ سے اچھی طرح صاف کر لینا چاہیے اور اس کے بعد رومال سے ہاتھ پونچھنا چاہیے۔[1]

(۱۱) پانی ٹھہر ٹھہر کر دو تین سانس میں پینا چاہیے[2] اس طرح پانی پینے سے پوری سیری ہوتی ہے، اور ضرورت کے مطابق انسان پانی پیتا ہے، اور اندر سے نکلنے والی گندی سانس پانی میں نہیں لگنے پاتی۔

(۱۲) پانی کے برتن میں سانس نہیں لینی چاہیے[3] کیونکہ ممکن ہے کہ منہ یا ناک سے تھوک وغیرہ نکل کر برتن میں پڑ جائے اور دوسرے آدمی کو کراہت معلوم ہو، پھر یہ بھی معلوم ہے کہ ہر سانس جو اندر سے باہر آتی ہے وہ بدن کی کثافتوں کو لے کر باہر نکلتی ہے اسلیے اس سانس کو یا اس سانس سے ملی ہوئی چیز کو پھر اندر نہیں کرنا چاہیے۔

(۱۳) پانی بے ضرورت کھڑے ہو کر نہیں پینا چاہیے کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے، اور طبی حیثیت سے بھی مضر ہے۔ البتہ کبھی کبھی اگر کوئی پی لے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی کھڑے کھڑے پانی پی لیا ہے۔[4] مگر اس کی عادت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ پانی پینے میں ضرورت ہے کہ اندر کے پٹھے ذرا ڈھیلے ہو جائیں، اور یہ بات بیٹھ کر پانی پینے سے حاصل ہوتی ہے۔ البتہ زمزم کا پانی برکت، دعا اور شاید تعظیم کی خاطر کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔

---

[1] بخاری کتاب الاطعمہ [2] بخاری کتاب الاشربہ [3] ابوداؤد کتاب الاشربہ [4] ایضاً و موطا امام محمد۔

(۱۴) پانی مشکیزہ کے منہ یا پیالہ کے سوراخ سے نہیں پینا چاہیے کیونکہ اس سے اول تو پانی کی مقدار کا اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنا پانی لیا، پھر یہ دیکھا نہیں جا سکتا کہ اسکے اندر کوئی مضر چیز تو نہیں،

(۱۵) کھانے اور پانی کے برتنوں کو ڈھانک کے رکھنا چاہیے[1] تاکہ ان میں گرد و غبار یا کوئی نجس چیز یا کوئی کیڑا مکوڑا نہ پڑنے پائے، یا کوئی جانور پانی نہ پینے پائے۔

(۱۶) کھانے کے بعد خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے کھلایا اور پلایا، اس موقع پر کی مختلف دعائیں حدیثوں میں آئی ہیں، ان میں سے ایک مختصر دعا یہ ہے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

یعنی اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا[2]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاشربہ [2] عمل الیوم واللیلۃ ... باب ما یقول اذا اکل،

آدابِ مجلس

آداب مجلس مین اصولی بات یہ ہے کہ مجلس مین تہذیب اور وقار کی شکل پیدا ہو اور شرکائے مجلس میں سے ہر ایک کا حق برابر ہو تاکہ یہ مجلس شرکاء کی باہمی محبت بڑھانے کا سبب ہو، ان ہی دو باتون کو قائم رکھنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے نشست و برخاست کے کچھ آداب سکھائے ہین،

(۱) مجلس مین انسان کو جہان بے تکلف پہلے جگہ مل جائے یعنی جہان تک نشست کا دائرہ اسکے آنے تک پہنچ چکا ہو وہیں بیٹھ جانا چاہیے یہ نہ کرنا چاہیے کہ مجمع کو چیر کر خواہ مخواہ آگے بیٹھنے کی کوشش کرے، کیونکہ اس سے ایک تو پہلے سے آنے والون اور بیٹھنے والون کو تکلیف ہوتی ہے، اور دوسرے ایسا کرنے والون مین غرور و نخوت پیدا ہوتی ہے، اور اپنے تشخص کا خیال پیدا ہوتا ہے صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسون مین اسی طریقہ سے بیٹھتے تھے،[۱] انتہا یہ ہے کہ مسجدون مین بعد کے آنے والے نمازیون کے لیے یہ سزاوار نہین کہ وہ لوگون کو روندتے ہوئے آگے کی صف مین

---

[۱] ادب المفرد باب مجلس الرجل حیث انتہی.

Marfat.com

بیٹھنے کی کوشش کریں، جمعہ کی نماز میں یہ خاص طور سے دیکھنے میں آتا ہے، اسی لیے تخطی رقاب یعنی دوسروں کی گردنوں کو روندکر اور زیر قدم لاکر آگے بڑھنے کو جمعہ میں خاص طور سے منع کیا گیا ہے،

(۲) مجلس میں کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہیں بیٹھنا چاہیے[1] کیونکہ اس سے تفوق پسندی اور خود بینی کا اظہار ہوتا ہے اور دوسرے کے دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے،

(۳) اگر کوئی شخص مجلس میں ایک جگہ بیٹھکر کسی ضرورت سے خود اٹھ جائے تو پلٹنے کے بعد وہی اس جگہ کا مستحق ہوگا[2]، دوسرا اس جگہ نہیں بیٹھ سکتا کیونکہ وہ اس پر پہلے قابض ہو چکا تھا، اور اس کا یہ حق عارضی طور سے اٹھ جانے سے جاتا نہیں جاتا،

(۴) اگر مجلس میں دو شخص باہم مل کر بیٹھے ہوئے ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا[3]، کیونکہ اکثر دو شخص اس طرح باہم آپس میں بات چیت کرنے کے لیے یا کسی اور مصلحت باہمی سے بیٹھتے ہیں، اور ان دونوں میں موانست اور بےتکلفی ہوتی ہے اس لیے ان کا الگ کر دینا ان کے تکدر اور وحشت کا باعث ہوتا ہے،

(۵) اگر کچھ لوگ مجلس میں حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوئے ہوں تو کسی کو اس حلقہ کے وسط میں نہیں بیٹھنا چاہیے، ایسے شخص پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے[4] کیونکہ اس حالت میں کچھ لوگوں کی طرف اسکا منہ ہوگا اور کچھ لوگوں کی طرف پیٹھ ہوگی، جو ایک قسم کی بدتمیزی ہے یہ بھی ممکن ہے

[1] ترمذی ابواب الاستیذان باب ما جاء فی کراہیۃ ان یقام الرجل من مجلسہ ثم یجلس فیہ [2] ترمذی ابواب الاستیذان باب اذا قام الرجل من مجلسہ ثم رجع ہو احق بہ [3] ترمذی ابواب الاستیذان باب ما جاء فی کراہیۃ الجلوس بین الرجلین بغیر اذنہما [4] ترمذی ابواب الاستیذان باب ما جاء فی کراہیۃ القعود وسط الحلقۃ

مسخرے لوگ اس طرح بیٹھتے ہوں تاکہ سب کو ہنسا سکیں، اور یہ صورت تہذیب و وقار کے خلاف ہے،

(۶) مجلس میں کسی شخص کے گرد یا سامنے کسی کو کھڑا نہیں رہنا چاہیئے،[1] کیونکہ یہ عجمیوں کی عادت تھی کہ نوکر چاکر آقا کے اور رعایا بادشاہ کے گرد کھڑی رہتی تھی، اور یہ ایک ایسی مبالغہ آمیز تعظیم تھی جس کا ڈانڈا شرک سے مل جاتا تھا، اس طرح ایک شخص گویا خدا بنتا تھا اور دوسرے اس کے آگے اپنی شخصی خودداریوں اور عزتِ نفس کو فنا کر دیتے تھے جو اسلام جیسے مساوات پسند مذہب میں اچھا نہیں سمجھا جا سکتا،

(۷) راستہ میں نہیں بیٹھنا چاہیئے کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے، اور پھر آنے جانے والوں کو تکنا بداخلاقی ہے، لیکن اگر ضرورت مجبور کرے تو ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چند اخلاقی باتوں کی پابندی کر لینی چاہیے، اپنی نگاہ نیچی رکھنا، ضرر رساں چیزوں کو راستہ سے دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا، بری باتوں سے روکنا، راستہ بھولے ہوؤں کو راستہ دکھانا اور مصیبت میں مارے ہوؤں کی مدد کرنا،[2]

(۸) انسان پر سب سے زیادہ صحبت کا اثر پڑتا ہے، اس لیے اپنے ہم نشینوں کے انتخاب میں اس کا ضرور لحاظ رہے کہ وہ ایسے لوگ ہوں جن کی صحبت سے اس کو فائدہ پہنچے، ہر انسان جس کی صحبت کو پسند کرتا ہے اس سے خود انسان کی فطری استعداد اور فطری مناسبت کا پتہ چلتا ہے، اسی نکتہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ روحیں ایک مخلوط فوج تھیں جن میں باہم آشنائی ہوتی ہے،

---

۱ ابوداؤد کتاب الادب باب فی قیام الرجل للرجل ۔ ۲ ابوداؤد کتاب الادب باب فی الجلوس فی الطرقات

ان میں الفت و موافقت پیدا ہو جاتی ہے، اور جن میں بیگانگی ہوتی ہے ان میں تفرق و اختلاف پیدا ہوتا ہے۔[1] ایک مشہور مثل ہے کہ اگر کسی کے اخلاق کا پتہ لگانا ہو تو اس کے دوستوں کے اخلاق کا پتہ لگاؤ۔ اس نکتہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں میں ظاہر کیا ہے کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لیے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔[2] پھر فرمایا کہ اچھے ہمنشین اور برے ہمنشین کی مثال مشک بیچنے والے اور لوہار کی بھٹی کی ہے، مشک بیچنے والے سے تم کو کچھ فائدہ ضرور پہنچے گا، یا اس کو خریدو گے یا اس کی خوشبو پاؤ گے، لیکن لوہار کی بھٹی یا تمہارا گھر یا کپڑا جلائے گی یا تمہارے دماغ میں اس کی ناگوار بو پہنچے گی۔[3]

مجلس میں جو معزز جگہ ہو وہاں بیٹھنے کی از خود کوشش نہ کی جائے، کسی دوسرے کے یہاں جائے تو بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کی معزز جگہ پر بیٹھنے کی کوشش نہ کرے، فرمایا کہ اپنے بھائی کی معزز جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہ بیٹھے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ مجلس میں یہ کوشش کرتے ہیں کہ اگر صدر کی جگہ میں نہیں، تو اس سے جس قدر قریب جگہ ہو اسی میں بیٹھیں، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ صدر نشین کے پاس جگہ بہت تنگ ہو جاتی ہے، اور لوگوں کو وہاں سے ذرا سرکنے اور دوسروں کے لیے جگہ بنانے کے لیے کہا جائے تو وہ برا مانتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا،

---

[1] ادب المفرد ... جامع ترمذی ... بخاری ... باب ... المسک

[3] ترمذی ابواب الاستیذان باب ما جاء ...

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (مجادلہ ۲)

مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی کرو تو کشادگی کرو، اللہ تمہارے لیے کشادگی کرے گا، اور اگر کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ، اللہ انکے رتبے اونچے کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے، اور جن کو علم دیا گیا، اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھتا ہے،

اسی طرح مجلس میں بیٹھ کر اس طرح آپس میں کانا پھوسی نہیں کرنی چاہیے کہ دوسرے حاضرین کو یہ معلوم ہو کہ یہ ان ہی کی نسبت کچھ کہہ رہے ہیں، منافقوں کے اس طرز عمل کی برائی قرآن پاک نے برملا کی ہے،

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا (مجادلہ ۲)

یہ جو بری کانا پھوسی ہے شیطان کا کام ہے کہ دلگیر کرے ایمان والوں کو،

جہاں چند آدمی بیٹھے ہوں، وہاں کوئی دو آدمی آپس میں اگر سرگوشی کرنے لگتے ہیں تو دوسروں کو یہ برا معلوم ہوتا ہے، ایک تو یہ خیال ہوتا ہے کہ انھوں نے ہم کو اس راز کے قابل نہیں سمجھا، دوسرے یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ وہ شاید ہماری ہی نسبت کچھ کہہ رہے ہیں، اسی لیے ارشاد ہوا کہ "تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ اس سے تیسرا غمگین ہوگا"[1]

مجلس کی راز کی باتوں کو برملا نہیں بیان کرنا چاہیے کہ المجالس بالامانۃ قول نبوی ہے[2]

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی التناجی [2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی نقل الحدیث،

آدابِ ملاقات

اسلام میں معاشرتی حیثیت سے دوستوں کی ملاقات کے لیے جانا ایک ثواب کا کام ہے، ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے کسی مریض کی زیارت کی یا اپنے بھائی کی (جس کی اخوت فی اللہ ہو) ملاقات کو گیا تو ایک پکارنے والا اس کو آواز دیتا ہے کہ تم اچھے، تمھارا آنا اچھا اور تم نے جنت میں اپنے لیے ایک مکان بنا لیا۔[1]

اسلام نے ملاقات کے جو آداب مقرر کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) دوستوں کی ملاقات کے وقت چہرہ سے خوشدلی اور مسرت ظاہر کرنی چاہیے، اسی لیے فرمایا کہ "تمھارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی صدقہ ہے"[2] ملاقات کے وقت سب سے پہلے جو کلمہ منہ سے نکلے وہ محبت اور امن وسلامتی کا پیام ہونا چاہیے، اس لیے شریعت نے السَّلَامُ عَلَیْکُمْ (تم پر سلامتی ہو) کے لفظوں میں ترتیب دیا [illegible] کو، بڑے چھوٹے کو سب سے پہلے یہی پیام دینا ہے،

دنیا کی تمام قوموں میں ملاقات کے وقت خوشی اور محبت کے ظاہر کرنے کے لیے

۱؎ ترمذی کتاب البر والصلۃ باب ما جاء فی زیارۃ الاخوان ۲؎ ایضاً باب ما جاء فی صنائع المعروف۔

Marfat.com

کوئی نہ کوئی لفظ یا فقرہ کہنے کا رواج تھا، اور ہے، عرب کے لوگ ملاقات کے وقت انعم اللّٰہ بک عیناً و انعم اللّٰہ بک صباحاً کہتے تھے، یعنی تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، تمہاری صبح خوشگوار ہو، امراء و سلاطین کے لیے دوسرے الفاظ تھے، ایرانی ہزار سال بزی، ہزار برس جیو، کا فقرہ کہتے تھے، یورپ کے لوگوں میں صبح کو "گڈ مارننگ" (اچھی صبح) شام کو "گڈ ایوننگ" (اچھی شام) رات کو "گڈ نائٹ" (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے، مگر اسلام نے ان سب کے بجائے "السلام علیکم" کا لفظ ایجاد کیا، اور اس میں حسب ذیل مصلحتیں ملحوظ رکھیں۔

(۱) یہ تمام انبیاء علیہم السلام کا متفقہ طریقہ ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں اس کے ان فقرات سے جو انبیاء علیہم السلام کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں والسلام علیّ (مریم) یا ان کے متعلق کہے گئے ہیں وسلام علی المرسلین (صفت) ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) اس کی صورت ذکر و دعا کی ہے، دنیوی تمنعات مثلاً طول عمر وغیرہ سے اس کو تعلق نہیں، اور نہ محدود وقتوں اوقات سے مقید ہے، اس میں دائمی اور سرمدی سلامتی کا راز چھپا ہے۔

(۳) اس میں مذہبی شان زیادہ پائی جاتی ہے، کیونکہ اس سلامتی سے مقصود جس کی طرف اسلام کا الف لام اشارہ کرتا ہے وہ سلامتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر نازل ہوتی ہے۔

(۴) اس میں مبالغہ آمیز تعظیم نہیں پائی جاتی جو بندگی، کورنش، آداب عرض اور

دوسرے قسم کے غیر مشروع طریقوں میں پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت قیس ابن سعدؓ نے آپ سے کہا کہ میں نے حیرہ والوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے رئیسوں کو سجدہ کرتے ہیں، تو آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم لوگ آپ کو سجدہ کریں، تو آپؐ نے ان کو اس کی اجازت نہیں دی[1]، ایک اور شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی اپنے بھائی یا دوست سے ملتا ہے تو کیا اس کے لیے جھک جائے، فرمایا "نہیں" اس نے کہا تو کیا اس سے لپٹ جائے اور اس کو بوسہ لے، فرمایا "نہیں"[2] اس نے کہا کہ اس کا ہاتھ پکڑ لے اور اس سے مصافحہ کرے، فرمایا "ہاں"[3]

(۵) دنیا میں انسان کو جو بہتر سے بہتر دعا دی جا سکتی ہے، وہ اس کی سلامتی کی ہے، کہ یہ جان و مال، آل و اولاد، دنیا اور آخرت ہر قسم کی سلامتی کو مشتمل ہے۔

(۶) جب دو انسان آپس میں ملتے تھے تو ایک دوسرے سے بیگانگی کے سبب سے متوحش اور چوکنے ہوتے تھے، اور ڈرتے تھے کہ کہیں غفلت پا کر دشمنی نہ کرے، اب جب کہ اسلام کے قاعدہ کے مطابق دونوں اس لفظ کو اپنے اپنے منہ سے ادا کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کو اپنی ذات سے اطمینان دلاتے ہیں، اور دونوں ایک دوسرے کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں،

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی حق الزوج علی المرأۃ۔ [2] معانقہ اس موقع سے مخصوص ہے، جہاں کوئی شرعی محذور ہو، مثلاً عطفہ والا اگر ہو یا کوئی اور کوئی شہوت اگر صحیح حدیث ہوتے ترمذی [3] کتاب الاستیذان باب ما جاء فی المصافحہ،

(۷) اسلام نے اپنے پیرؤون کے درمیان اس کو گویا آپس مین پہچان کی علامت اور "داچ ورڈ" مقرر کیا ہے، آمنے سامنے جب دونون زبانون سے یہ لفظ نکلتے ہین تو دونون اپنے سینون مین ہزار بیگانگی کے باوجود آشنائی کی ایک لہر پاتے ہین، اور آپس مین محبت کی کشش محسوس کرتے ہین، یہ بتاتا ہے کہ دونون ایک ہی ملتِ محمدیہ کے ایمانی فرزند ہین،

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے جو تعلیم دی وہ یہ تھی:

یا ایہا الناس افشوا السلام	لوگو! باہم سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ
واطعموا الطعام وصلوا	اور جب تمام لوگ سو رہے ہون
والناس نیام تدخلوا الجنۃ	تو نماز پڑھو، یہ سب کروگے تو جنت
بسلام	مین سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤگے۔

ایک دوسری حدیث مین سلام کی غرض وغایت بھی بیان فرمادی اور فرمایا کہ "تم لوگ اس وقت تک جنت مین داخل نہ ہوگے جب تک ایمان نہ لے آؤ، اور اس وقت تک ایمان نہ لاؤگے جب تک آپس مین محبت نہ کرو، مین تم کو ایک ایسی بات بتاتا ہون کہ جب تم اس پر عمل کروگے تو باہم محبت کرنے لگوگے اور وہ یہ کہ باہم سلام کو پھیلاؤ، سلام کرنے کے لیے شناسا، جانے اور انجان کی تخصیص نہین، مرد اور عورت

۱؎ ترمذی ابواب الزہد صفحہ ۴۰۹ ۲؎ ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی افشاء السلام ۳؎ بخاری کتاب الاستیذان باب السلام للمعرفۃ وغیر المعرفۃ،

Marfat.com

کی تفریق نہیں،[1] بڑے اور بچہ کی تمیز نہیں،[2] البتہ اسلام نے سلام کی ابتدا کرنے کیلئے دو اصول کو ملحوظ رکھا ہے جو تمام متمدن قوموں میں رائج تھے، ایک یہ کہ چھوٹا ادب و احترام کا لحاظ کرے اور اس اصول کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو، گذرنے والا بیٹھنے والے کو، اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے دوسرا یہ کہ سلام کے ذریعہ سے تواضع و خاکساری کا اظہار ہو، اس اصول کی بنا پر سلام کی تعلیم یہ ہے کہ سوار کو پیدل چلنے والے کو سلام کرنا چاہیے،[3]

ان مصالح کے لحاظ سے آپ نے اپنے اہل و عیال کو بھی گھر میں جانے کے وقت سلام کرنے کا حکم دیا اور اس کو موجب برکت قرار دیا،[4] مجلس سے اٹھ کر جانے کے وقت بھی لوگوں کو سلام کرنا چاہیے،[5] سلام میں رحمۃ اللہ و برکاتہ کے الفاظ کا اضافہ کرنا اور بھی موجب ثواب ہے، چنانچہ ایک بار ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا "السّلام علیکم" آپ نے فرمایا "اس کو دس نیکیاں ملیں" تیسرا آدمی آیا تو کہا السّلام علیکم ورحمۃ اللہ" آپ نے فرمایا" اس کو بیس نیکیاں ملیں" تیسرا آدمی آیا اور اس نے کہا "السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" آپ نے فرمایا "اس کو تیس نیکیاں ملیں"[6]

جس شخص کو سلام کیا جائے اس کا یہ فرض ہے کہ سلام کا جواب اسی طریق سے بلکہ

---

[1] بخاری کتاب الاستیذان باب تسلیم الرجال علی النساء والنساء علی الرجال [2] بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم علی الصبیان [3] کتاب الاستیذان باب فی تسلیم الراکب علی الماشی [4] ترمذی کتاب الاستیذان باب فی التسلیم اذا دخل بیتہ [5] ترمذی کتاب الاستیذان باب التسلیم عند القیام والقعود [6] ترمذی کتاب الاستیذان باب ما ذکر فی فضل السلام،

اس سے بہتر طریقہ سے دے یعنی سلام کرنے والے نے جو الفاظ کہے ہیں ان پر دوسرے مناسب الفاظ کا اضافہ کرے، ورنہ کم از کم وہی الفاظ دہرا دے، چنانچہ قرآن مجید نے یہ تعلیم دی ہے،

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا	اور (مسلمانو!) جب تم کو کسی طرح پر سلام کیا جائے تو تم (اس کے جواب میں) اس سے بہتر (طور پر) سلام کرو، یا (کم سے کم) ویسا ہی جواب دو،
(نساء - ۱۱)	

اس سے کم الفاظ میں سلام کا جواب دینا اگرچہ فقہاء کے نزدیک جائز ہے لیکن آیت کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ استحساناً یہ ناکافی ہے،

(۳) ملاقات کے وقت اظہار محبت اور اظہار مسرت کا دوسرا ذریعہ مصافحہ ہے، اور اس سے سلام کے اغراض کی تکمیل ہوتی ہے، اس لیے اسلام نے اس کو بھی سلام کا ایک جزو قرار دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام کا تکملہ ہاتھ کا پکڑنا یعنی مصافحہ کرنا ہے[1]، مدینہ میں سب سے پہلے یہ تحفہ اہل یمن لائے[2]، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول کر لیا، اور مسلمانوں کے درمیان محبت اور اتحاد کا ایک ذریعہ قرار دیا، بعض حالات میں ملاقات کے وقت معانقہ کرنے یا بوسہ دینے کی، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ممانعت آئی ہے لیکن اگر کوئی شرعی محذور نہ ہو تو اس کی اجازت بھی ہے، چنانچہ

---

[1] ترمذی کتاب الاستیذان باب ما جاء فی المصافحہ [2] ابو داؤد کتاب الادب باب فی المصافحہ

Marfat.com

ایک بار حضرت زید بن حارثہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو گلے لگا لیا اور ان کا بوسہ لیا،[1]

کسی محبوب و محترم شخص کو آتے ہوئے دیکھ کر جوشِ محبت اور جوشِ عقیدت میں کھڑا ہو جانا بھی ممنوع نہیں، حضرت فاطمہؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتی تھیں تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے، ان کا ہاتھ چومتے تھے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے تھے، اور جب آپ ان کے یہاں آتے تھے تو وہ بھی یہی برتاؤ کرتی تھیں، ایک موقع پر جب حضرت سعدؓ بن معاذ جو بیمار اور زخمی تھے، آئے تو آپ نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ اٹھ کر جائیں اور ان کو لے آئیں۔[2]

دوسری قوموں میں ملاقات اور مجلس کے وقت بعض مشرکانہ قسم کے آداب جاری تھے، اسلام نے ان کو تکلیم منسوخ کر دیا، ایک طریقہ یہ تھا کہ لوگ محبت سے نہیں غلامانہ اور بندگی کی ذہنیت سے اپنے امیروں اور بادشاہوں کے لیے کھڑے رہتے تھے، اور اسی طرح کھڑے رہ جاتے تھے، آپ نے اس سے منع کیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے لیے ایسے نہ کھڑے ہوا کرو، جیسے عجمی کھڑے ہوتے ہیں۔[3]

اس قسم کے موقعوں پر خوش آمدید کے الفاظ مثلاً مرحبا کہنے کی مثال بھی شریعت میں موجود ہے،[4]

---

[1] ترمذی کتاب الاستیذان باب ما جاء فی المعانقۃ والقبلۃ [2] یہ دونوں واقعے ابوداؤد کتاب الادب باب ما جاء فی القیام میں ہیں

[3] ابوداؤد کتاب الادب باب قیام الرجل للرجل [4] ترمذی کتاب الاستیذان باب ما جاء فی مرحبا،

Marfat.com

(۳) ملاقات یا کسی اور کام کے لیے کسی کے گھر میں جانے کے لیے صاحبِ خانہ سے اجازت لے لینا ضروری ہے، اور اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ مجید میں دیا ہے،

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا	مسلمانو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے
بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ	گھروں میں گھر والوں سے پوچھے اور
تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ	ان سے سلام علیک کیے بغیر نہ جایا کرو،
أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ	یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، (یہ حکم تم کو اس
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ، فَإِن	غرض سے دیا گیا ہے کہ) جب ایسا موقع
لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا	ہو تو تم (اس کا خیال رکھو) پھر اگر تم کو
تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ	معلوم ہو کہ گھر میں کوئی آدمی موجود نہیں
وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا	تو جب تک تمہیں (خاص) اجازت نہ ہو
فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ	ان میں نہ جاؤ اور اگر (گھر میں کوئی ہو
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ	اور) تم سے کہا جائے کہ (اس وقت موقع
	نہیں) لوٹ جاؤ تو (بے تامل) لوٹ آؤ،
	یہ لوٹ آنا) تمہارے لیے زیادہ صفائی کی
(نور - ۴)	بات ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اسکو جانتا ہے۔

غیر محرم عورتوں سے ملنے کے لیے ان کے شوہروں سے اجازت لینے کی ضرورت ہے،[1]

---

[1] ترمذی کتاب الاستیذان باب ما جاء فی النہی عن الدخول علی النساء الا باذن ازواجھن،

کسی کے گھر مین داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کے اگرچہ اور بھی بہت سے فائدے ہوسکتے ہین لیکن اس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ انسان بعض اوقات ایسی حالت مین ہوتا ہے کہ وہ یہ پسند نہین کرتا کہ دوسرون کی نگاہ اس پر پڑے، یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے مکان پر جاتے تھے تو چونکہ اس وقت دروازون پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا[1] اس لیے اجازت لینے سے پہلے دروازہ کے دائین یا بائین کھڑے ہوتے تھے، سامنے نہیں کھڑے ہوتے تھے[2] تاکہ اندر کی چیزون پر نگاہ نہ پڑے ایک بار ایک شخص آئے اور آپ کے دروازہ کے سامنے کھڑے ہوگئے، تو آپ نے فرمایا کہ دروازہ کے دائین یا بائین کھڑے ہو کیونکہ اجازت لینے کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ گھر کے اندر کی چیزون پر نگاہ نہ پڑنے پائے[3] ایک حدیث مین ہے کہ اگر بلا اجازت کوئی شخص کسی کے گھر مین تاک جھانک کرے اور کوئی اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر الزام نہین[4] ایک بار کسی نے آپ کے حجرہ مین تاک جھانک کی آپ اس وقت ایک لوہے کی کنگھی سے سر کھجا رہے تھے. فرمایا اگر مین یہ جانتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو اس کو تمہاری آنکھون مین کونچ دیتا، پھر فرمایا انما جعل الاذن من قبل البصر، فرمایا انما جعل الاستیذان من اجل البصر یعنی اجازت کی ضرورت تو اسی لیے ہے

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث [2] ادب المفرد باب کیف یقوم عند الباب
[3] ابوداؤد کتاب الادب فی الاستیذان [4] ترمذی کتاب الاستیذان باب الاستیذان قبالۃ البیت و بخاری کتاب الدیات باب من اطلع فی بیت قوم ففقؤا عینہ فلا دیۃ لہ

کہ اس کو دیکھو نہیں[1]،

اجازت لینے کا طریقہ یہ ہے کہ سلام کرکے یہ کہے کہ مین اندر آسکتا ہون[2]، تین بار سلام کرنے کے بعد اگر اجازت نہ ملے تو واپس جانا چاہیے[3]، البتہ اگر کسی کو خود بلایا جائے تو اس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں[4]، اگر کوئی شخص گھر کے دالان مین بیٹھا ہوا ہو اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو تو اس وقت بھی اجازت لینا غیر ضروری ہے[5]۔ دوکانون مین جانے کے لیے اور اسی قسم کے دوسرے پبلک مقامات مین بھی اجازت لینا ضروری نہیں[6]، خود اپنے گھر کے اندر بھی سلام کرکے جانا چاہیے، اس سے برکت کے علاوہ یہ فائدہ ہوگا کہ اگر گھر مین عورتین بے تکلفی کی حالت مین ہون گی، یا گھر مین غیر محرم عورتین آگئی ہین تو وہ ہوشیار ہو جائین،

یہ آداب تو اجنبی اور ناآشنا لوگون کے لیے تھے، لیکن کچھ لوگ ایسے ہین جن سے پردہ کرنا ضروری نہین، اور وہ ہر وقت گھر مین آتے جاتے رہتے ہین، مثلاً چھوٹے چھوٹے بچے، یا لونڈی غلام، اس لیے اگر ان کے لیے بھی ہر وقت اجازت لینے کی ضرورت ہو تو اس سے بڑی تکلیف ہوگی، البتہ خاص خاص اوقات مین جن مین لوگ اکثر بے پردہ رہتے

---

[1] اس کتاب کے ص ۸۸ مین اس حدیث کے لفظ یہ لکھ گئے ہین انما الاذن لاجل الرویۃ مگر صحیح لفظ یہ ہین جو یہان نقل کیے گئے ہین، دیکھیے صحیح بخاری کتاب الاستیذان باب الاستیذان من اجل البصر وکتاب الدیات باب من اطلع فی بیت قوم [2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الاستیذان [3] ابوداؤد کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان [4] ادب المفرد باب اذا دعی الرجل فجاء ھل یستاذن [5] ادب المفرد باب الاستیذان فیہ [6] ادب المفرد باب الاستیذان فی حوانیت السوق،

ہیں، ان کے لیے بھی اذن طلب کرنا ضروری ہے، اور خود قرآن مجید نے ان اوقات کی تعیین کردی ہے یعنی نمازِ عشا کے بعد سے نمازِ صبح سے پہلے تک کہ کپڑے اتار کر سونے کا وقت ہے اور دوپہر کو جب قیلولہ کے لیے کوئی لیٹے کہ یہ بھی تخلیہ کا وقت ہے، فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ	مسلمانو! تمھارے ہاتھ کے مال (یعنی
الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ	لونڈی غلام) اور تم میں سے جو بلوغ
لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ	کو نہیں پہنچے، تین وقتوں میں تمھارے
مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ	پاس آنے کی تم سے اجازت لیا کریں
وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ	(ایک تو) نمازِ صبح سے پہلے اور (دوسرے
الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ	جب تم دوپہر کو (سونے کے لیے معمول
الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ	کے مطابق) کپڑے اتار دیا کرتے ہو، اور
لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ	(تیسرے) نمازِ عشا کے بعد، (یہ) تین وقت
جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ	تمھارے پردے کے وقت ہیں، ان
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ	(اوقات) کے سوا نہ (تو بے اذن آنے
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ	دینے میں) تم پر کچھ گناہ اور نہ (بے اذن
الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ	چلے آنے میں) ان پر (کچھ گناہ کیونکہ وہ)
وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ	اکثر تمھارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں
الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا	(اور) تم میں سے بعض کو (یعنی لونڈی

Marfat.com

اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ،

(نور - ۸)

غلامون کو) بعض (یعنی تمھارے پاس آنے
جانے کی ضرورت لگی ہی رہتی ہے، (تو بار
بار اذن مانگنے مین تم لوگون کو بڑی تکلیف
ہوگی) یون اللہ (اپنے) احکام تم سے
کھول کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ
جاننے والا حکمت والا ہے، اور (مسلمانو!)
جب تمھارے لڑکے حد بلوغ کو پہنچین
تو جس طرح ان سے اگلے (یعنی ان سے
بڑی عمر کے گھرون مین آنے کے لیے) اذن
مانگا کرتے ہین، اسی طرح ان کو بھی اذن
مانگنا چاہیے۔

آدابِ گفتگو

آدابِ گفتگو میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم نرمی سے گفتگو کریں، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ہدایت ہوتی ہے کہ تم فرعون کے پاس جاؤ تو اس سے نرمی کے ساتھ باتیں کرو،

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ۔۲) تو تم اُن سے نرم بات کہنا،

پھر جو بات کہی جائے وہ بھی اچھی ہو، فائدہ مند، اس کے کہنے میں اپنا یا دوسرے کا نفع ہو، اسی لیے فرمایا،

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (بقرۃ۔۱) اور لوگوں سے اچھی بات کہو،

مجلس میں بیٹھیں تو ایسے فقرے نہ کہیں جن میں کسی پر کوئی طعن چھپا ہو، یا کسی کی تحقیر نکلتی ہو، یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو اسی قسم کی باتیں کہتے اُنظُرنا (ہمارا خیال کیجیے) کی جگہ رَاعِنَا کہتے جس میں تخفیف کا چھپا ہوا پہلو نکلتا، اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو اس سے باز رکھا، فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا اے ایمان والو! راعنا نہ کہو،

رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (بقرہ ۱۳)　　　اُنْظُرْنَا کہو،

اس کی پوری تفصیل سورۂ نسار رکوع ، مین ہے،

باتین ایسی کرنی چاہئین جو منصفانہ اور درست ہون ، اگر جماعت کے بیشتر افراد اس کا لحاظ رکھین تو آپس مین لڑائی جھگڑا بہت کم ہو اور لوگون کے درمیان دشمنی اور عداوت نہ پیدا ہو ، فرمایا ،

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ	اے ایمان والو ، خدا سے تقویٰ کرو ،
وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ	اور بات سیدھی کہو ، اللہ تمھارے
لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ	کامون کو سنوارے گا اور تمھارے
ذُنُوْبَکُمْ (احزاب - ۹)	گناہ معاف کرے گا ،

عورتون کو جب نامحرم مردون سے گفتگو کا اتفاق ہو تو بات مین اور لہجہ مین ایسی نزاکت اور لوچ نہ ہو کہ سننے والے کے دل مین بدی کا خیال پیدا ہو ، فرمایا ،

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ	تو (اے نبی کی بی بیو) دبی زبان سے بات
الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ	نہ کیا کرو ، ایسا کرو گی تو جس کے دل
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا	مین کسی طرح کا کھوٹ ہے وہ خدا جانے
	تم سے کس طرح کے توقعات پیدا کریگا ،
(احزاب - ۴)	اور بات کرو تو معقول بے لاگ

مردون کو نرم معقول اور دلجوئی کے ساتھ باتین کرنے کی تاکید آئی ، اور اس کا ثواب

صدقہ کے برابر بتایا ہے، فرمایا،

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ	نیک بات کہنی اور درگذر کرنا اس
مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى	خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے
(بقرہ-۳۶)	دل آزاری ہو،

بات کی جائے تو آہستگی کے ساتھ، بے موقع چیخ کر باتیں کرنا حماقت کی دلیل ہے، فرمایا

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ	اور کچھ اپنی آواز پست کر کہ سب
اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ	آوازوں میں بری آواز گدھوں
الْحَمِيْرِ (لقمان-۲)	کی ہے،

فضول باتوں سے پرہیز کرنا وقار کی نشانی ہے مسلمانوں کی صفت یہ ہو،

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ	اور جو لغو باتوں سے اعراض
مُعْرِضُوْنَ (مومنون-۱)	کرتے ہیں،

کیونکہ انسان جو بات بھی منہ سے نکالتا ہے، اس پر خدا کا فرشتہ گواہ رہتا ہے، خدا فرماتا ہے،

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ	آدمی کوئی لفظ نہیں بولتا، لیکن ایک
رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق-۲)	نگران اس پر حاضر رہتا ہے،

اس لیے ہر شخص بات منہ سے نکالنے سے پہلے اس کے ہر پہلو کو سوچ لے،

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو اللہ اور آخر

Marfat.com

پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ نیک بات کہے یا چپ رہے"۔[1] اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے کی قید کے ساتھ حضورؐ کا یہ فرمانا ادھر اشارہ کرتا ہے کہ ہم اپنے عمل کی جزا سے غفلت نہ کریں، کیونکہ جب ہم بری بات بولیں گے تو اس کی جزا بھی پائیں گے، ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز سے اس کو مطلب نہ ہو ادھر توجہ نہ دے"۔[2] یہ حدیث اُن جوامع الکلم میں سے ہے جو دیکھنے میں تو بہت مختصر ہیں مگر درحقیقت اس کوزہ میں دریا بند ہے، مسلمان اگر اسی بات کو دھیان رکھیں تو مسلمانوں کے بہت سے کام بنجائیں،

زبان انسان کو اظہار مطلب کے لیے ملی ہے اس لیے ضروری ہے کہ پہلے مطلب یعنی گفتگو کا مقصد و معنی درست اور صحیح ہوں پھر ان کے اظہار کا طریقہ مناسب ہو، اور یہ دونوں باتیں اعراض عن اللغو میں داخل ہیں، اگر کوئی مخاطب ایسا ہو جو ان دو باتوں میں سے کسی ایک میں کمی کرے تو اسلام کی ہدایت ہے کہ ایسے جاہل کا جواب بھی تلخ نہ دیا جائے اور اپنی سلامت روی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے،

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ	اور جب ناسمجھ ان کو خطاب کریں تو وہ
قَالُوا سَلَامًا۔ (فرقان-۶)	جواب میں سلامتی کی بات کہیں،

گفتگو بضرورت کرنی چاہیے احادیث میں ایسے لوگوں کی بہت برائی آئی ہے جو فضول

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الحث علی اکرام الجار والضیف ۔ ۲ موطا و شرح للباجی باب ماجاء فی الصدق والکذب و ترمذی کتاب الزہد،

Marfat.com

باتیں کرتے ہوں، اور بکواس میں مبتلا رہتے ہوں، اور فرمایا ہے کہ ایسے لوگ امت کے بدترین افراد ہیں[1]۔ یہ بھی فرمایا کہ اسی ایک بات سے یا تو اللہ تعالیٰ کی تاقیامت خوشنودی حاصل ہو جاتی ہے اور یا اس کی تاقیامت ناراضی ہاتھ آتی ہے[2]۔ یہ حدیث ہم کو اپنی گفتگو کے ہر لفظ کی اہمیت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ دین اور دنیا کے جستے کاموں کا رخ صرف زبان کے سبب سے ادھر یا اُدھر پھر جاتا ہے، یہی زبان نیکی کا ذریعہ بھی ہے اور یہی برائی کا آلہ بھی ہے، اس سے دین بھی سدھرتا ہے اور دنیا بھی، اور اسی سے دونوں کے کام بگڑ بھی جاتے ہیں، اسی لیے آیا ہے کہ جو دونوں جبڑوں کے بیچ یعنی زبان پر پورا قابو رکھے گا وہ جنت میں جائے گا[3]۔

مخاطب کو جو بات اچھی طرح سمجھانی ہو اس کو صفائی اور سہولت کے ساتھ کہا جائے، بلکہ اس کو دہرا کر کہا جائے تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ جائے، اسی غرض سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کہتے تھے تو تین بار اس کا اعادہ فرماتے تھے[4]، اور گفتگو اتنی جلدی جلدی نہیں کرتے تھے کہ مخاطب ہر لفظ کے مفہوم کو اچھی گرفت میں نہ لا سکے، ایک بار حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے پہلو میں بیٹھ کر حضرت ابوہریرہؓ نے بڑی تیزی کے ساتھ حدیث بیان کرنی شروع کی، حضرت عائشہؓ نے اس پر اعتراض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی تیزی کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے تھے، بلکہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کے گفتگو کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص آپ کے الفاظ کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا[5]، حضرت جابر بن عبداللہؓ

---

[1] ادب المفرد باب فضول الکلام [2] موطا امام مالک باب ما یؤمر بہ من التحفظ فی الکلام [3] موطا امام مالک باب ما جاء فی ما یخاف من اللسان [4] ابوداؤد کتاب العلم باب تکریر الحدیث [5] ابوداؤد کتاب العلم باب فی سرد الحدیث

فرماتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مین ترتیل اور ترسیل پائی جاتی تھی یعنی ہر لفظ جدا جدا ہوتا تھا، اور گفتگو مین عجلت نہین فرماتے تھے، اسی مفہوم کو حضرت عائشہؓ اس طرح ادا فرماتی ہین،

کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلاما فصلا یفہمہ کل من سمعہ[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتا تھا اور جو شخص اسکو سنتا تھا سمجھ لیتا تھا،

گفتگو نہایت مختصر الفاظ مین کرنی چاہیے، ایک بار ایک شخص نے نہایت طویل گفتگو کی یا طویل خطبہ دیا حضرت عمرو بن العاصؓ نے سنا تو فرمایا کہ اگر وہ میانہ روی اختیار کرتا تو اس کے لیے بہتر ہوتا، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ مین گفتگو مین اختصار کرون، کیونکہ اختصار بہتر ہے،[2]

گفتگو یا تقریر سے بعض اوقات فخر و مباہات اور شہرت مقصود ہوتی ہے، بعض اوقات اس کے ذریعہ سے لوگون کو اپنا گرویدہ بنایا جاتا ہے، کبھی اس سے صرف تفریح مقصود ہوتی ہے، ان اغراض کے حاصل کرنے کے لیے لوگ نہایت مسجع مقفی اور تکلف آمیز تقریر کرتے ہین، گفتگو کو طول دیتے ہین چبا چبا کر باتین کرتے ہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتون کی ممانعت کی اور فرمایا کہ "خدا اس بلیغ آدمی کو مبغوض رکھتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح توڑتا مروڑتا ہے جس طرح بیل اپنی زبان کو توڑ مروڑ کے گھاس کھاتا ہے" نیز فرمایا کہ "جو شخص اسلوب کلام

---

[1] ابو داؤد کتاب الادب باب الہدی فی الکلام [2] ابو داؤد کتاب الادب باب ما جاء فی المتشدق فی الکلام

ین اس لیے ادل بدل کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگون کو اپنا[1] گرویدہ بنائے، خدا قیامت کے دن اس کا فدیہ و توبہ نہ قبول کرے گا[2]

جب چند لوگون کے سامنے کوئی بات کہی جائے تو التفات ایک ہی طرف نہ رہے، بلکہ ٹھہر ٹھہر کر ہر ایک کی طرف منہ کیا جائے، تاکہ دوسرون کو عدمِ التفات کی شکایت نہ پیدا ہو جائے،[3]

---

[1] یعنی حق کی تبلیغ نہین بلکہ اپنی تعریف کرانی مقصود ہو [2] ابو داؤد کتاب الادب باب ما جاء فی المتشدق فی الکلام [3] ادب المفرد باب اذا حدیث الرجل لا یقبل علی واحد

باہر نکلنے

اور

چلنے پھرنے کے آداب

آدمی کو راستہ مین متانت، سنجیدگی اور خاکساری کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیے، خدا اچھے مسلمانون کی تعریف مین فرماتا ہے،

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ	اور رحمت والے خدا کے بندے وہ ہین
عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (فرقان۔۶)	جو چلتے ہین زمین پر دبے پانون،

اکڑکر نہین چلنا چاہیے یعنی چال مین غرور اور تبختر کے انداز نہ ہون، فرمایا،

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا	اور زمین مین اکڑکر نہ چل (کہ اس طرح
اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ	چل کر) نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے
لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا	اور نہ پہاڑون تک اونچائی مین
(بنی اسرائیل۔۴)	پہنچ جا سکتا ہے،

دوسری جگہ فرمایا،

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان ۲)

اور زمین مین اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ مغرور اور فخار کو پسند نہین کرتا،

عورت کو بجنے والے زیور مثلاً پازیب، چھڑے یا جھانجھ پہن کر چلنے مین زمین پر زور زور سے پانون نہین رکھنا چاہیے، کیونکہ اس کی آواز سے سننے والون مین انتشار خیال پیدا ہوتا ہے، عرب کی عورتین مردون کے سامنے سے گذرتی تھین تو اپنی پازیب کی آواز سنانے کے لیے زور زور سے زمین پر پاؤن رکھتی تھین، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت کی اور فرمایا،

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ (نور - ۴)

اور (چلنے مین) اپنے پانون ایسے زور سے نہ رکھین کہ (لوگون کو) ان کے اندرونی زیور کی خبر ہو

شریف عورت جب بضرورت گھر سے باہر نکلے تو کسی بڑی چادر یا برقع سے اپنا سارا جسم سر سے پانون تک چھپا لے جس سے اس کی اصلی پوشاک اور زیب و زینت کی ساری چیزین چھپ جائین، اور چادر یا نقاب کا کچھ حصہ منھ پر بھی آجائے تاکہ ہر مرد کو معلوم ہو جائے کہ یہ شریف خاتون ہے، لونڈی نہین، پھر نگاہین شرم سے جھکی رہین،

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

اے پیغمبر اپنی بیویون اور بیٹیون اور مسلمانون کی عورتون کو کہدے کہ نیچے لٹکا لین اپنے اوپر تھوڑی سی

Marfat.com

اپنی چادرین، اس سے لگتا ہے کہ پہچانی[1]	جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓی
پڑین، تو کوئی نہ ستائے،	اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ (احزاب-۸)
اور اے پیغمبر! ایمان والیون کو کہدے	وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ
کہ اپنی آنکھین ذرا نیچی رکھین اور اپنا	مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ
ستر چھپائین اور اپنا سنگار نہ دکھائین	فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ
مگر جو (فطرۃً) کھلا رہتا ہے، اور اپنی	زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
اوڑھنیان اپنے گریبانون پر ڈالے	وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی
رہین، اور اپنا سنگار نہ دکھائین لیکن	جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ
شوہر وغیرہ محرم کو (اخیر تک پڑھیے)	اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الآیۃ (نور-۴)

اسی اصول پر عورت کو کوئی تیز خوشبو لگا کر باہر نہین نکلنا چاہیے[2] کیونکہ اس سے میلانِ طبع پیدا ہوتا ہے، اور عورت کا یہ خیال برملا ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ اس کی طرف توجہ کرین، اور کسی عورت کا ایسا خیال شرافتِ نسوانی کے خلاف ہے۔

راستہ مین مرد اور عورت کو مل جل کر نہین چلنا چاہیے، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو دو عورتون کے درمیان چلنے کی ممانعت فرمائی ہے، عورتون کو وسط راہ سے الگ ہو کر راستہ کے کنارے سے چلنا چاہیے، ایک بار راستہ مین مرد اور عورت باہم

---

۱ یعنی لوگ جان لین کہ یہ شریف خاتونین ہین، ان کو کوئی راستہ مین چھیڑے نہین ۲ سنن ترمذی باب ما جاء فی خروج المرأۃ متعطرۃ۔

مل جل گئے تو آپ نے یہ حکم دیا، اور اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ عورتیں راستہ کی ادھر اودھر کی دیوار سے لگ کر چلنے لگیں[1]۔

راستہ چلنے میں ادب اور وقار کا پورا خیال رہنا چاہیے، یہاں تک کہ اگر مسجد میں جماعت ہو رہی ہو تو بھی جماعت میں ملنے کے لیے متانت کے خلاف دوڑنا نہیں چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مسجد میں تکبیر ہو رہی ہو یا نماز کھڑی ہو چکی ہو تو دوڑ کر اس میں شامل نہ ہو، بلکہ تم متانت اور وقار کے ساتھ آکر جماعت میں ملو[2]۔

مقدور ہو تو پاؤں کے بچاؤ اور طہارت اور پاکیزگی کے لیے جوتے پہنے جائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اکثر جوتے پہنا کرو یعنی جوتے پہنکر چلا کرو کہ جوتا پہننے والا بھی ایک طرح کا سوار ہوتا ہے[3]۔

جوتے دونوں پاؤں میں پہن کر چلنا چاہیے، یا دونوں پاؤں ننگے رہیں یعنی یہ نہیں کرنا چاہیے کہ ایک پاؤں میں جوتا ہو، اور دوسرا پاؤں ننگا ہو[4]، کیونکہ یہ ادب و وقار کے خلاف ہے، ایسے شخص کو لوگ احمق اور سفیہ سمجھیں گے، لیکن اگر گھر میں کوئی اس طرح دو چار قدم چل لے تو کوئی حرج نہیں[5]۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق [2] صحیح مسلم باب استحباب اتیان الصلوٰۃ بوقار [3] ابوداؤد، باب الانتعال [4] ایضاً [5] ترمذی کتاب اللباس باب المشی فی نعل واحدۃ

Marfat.com

آداب سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس زمانہ میں سفر فرمایا، اُس وقت زمانہ کے حالات اور سواریوں کے طریقے اور تھے، اس لیے اس کے آداب عرب کی سرزمین، عرب کی آب و ہوا، اور عرب کی عام اگلی حالت سے موزونیت و مطابقت رکھتے تھے، عرب کی زمین خشک، بنجر اور پتھریلی، پانی کی قلت، ہوا کی گرمی، دھوپ کی تمازت، قتل و غارت گری کی وجہ سے قدم قدم پر جان کا خطرہ ان تمام حالات کو پیش نظر رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کے متعلق چند مفید ہدایتیں کی ہیں جن میں سے بعض کی حالات کے بدل جانے سے اس زمانہ میں پابندی ضروری نہیں تاہم جہاں اب بھی وہ حالات باقی ہیں اُن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، بالخصوص دیہات و قصبات کے لوگ اُن سے زیادہ متمتع ہو سکتے ہیں جن کو زیادہ تر پیدل سفر کرنا پڑتا ہے، اور صحرا و بیابان کے راستوں میں ضروریات زندگی کے وہ ساز و سامان میسر نہیں آتے جن کی اسٹیشنوں اور ہوٹلوں میں بہتات ہوتی ہے۔

۱۔ سفر کے وقت مسافر کو رخصت کرنا چاہیے، اور اس کو خیر و عافیت کی کوئی نیک دعا دینی چاہیے اور ہو سکے تو اس وقت وہ خاص دعا پڑھنا چاہیے جس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

فوج کے رخصت کرتے وقت پڑھا کرتے تھے[1] اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَکُمْ وَ اَمَانَتَکُمْ وَخَوَاتِیْمَ اَعْمَالِکُمْ یعنی تمہارے دین، امانت اور خاتمۂ عمل کو خدا کے سپرد کرتا ہون،

(۲) سفر صبح کے تڑکے کرنا چاہئے[2] اس سے انسان کا وقت ضائع نہین ہوتا، بلکہ پورا دن کام مین آجاتا ہے، اور وہ دھوپ کی شدت اور ہوا کی گرمی سے محفوظ رہتا ہو اور ایک معتدبہ مسافت طے کرکے دوپہر کے وقت آرام کرسکتا ہی،

(۳) سفر تنہا نہین کرنا چاہئے بلکہ کم ازکم تین آدمی ساتھ ہونے چاہئین[3] اس سے انسان بہت سے خطرات سے محفوظ رہتا ہے، اور اسباب سفر کی حفاظت و نگرانی مین سہولت پیدا ہوتی ہے،

(۴) اگر تین آدمی ایک ساتھ سفر کرین تو اُن مین ایک کو اپنا امیر بنا لینا چاہئے[4] اسی شخص کو کاروان سالار کہتے ہین،

(۵) سفر سے آنیکے ساتھ ہی گھر مین داخل نہین ہونا چاہئے، بلکہ گھر والون کو تیاری کا تھوڑا[5] موقع دینا چاہئے،

(۶) اگر کوئی معزز یا محبوب شخص سفر سے واپس آئے تو اس کا استقبال کرنا چاہئے[6]

(۷) سفر رات کو کرنا چاہئے، حدیث مین اس کی مصلحت یہ بتائی گئی ہے کہ رات کو مسافت

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الدعاء عند الوداع [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الابتکار فی السفر [3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل یسافر وحدہ [4] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی القوم یسافرون یومرون احدہم [5] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الطروق [6] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی التلقی،

Marfat.com

خوب طے ہوتی ہے[1] اور درحقیقت لو گرمی، اور دھوپ کے نہ ہونے سے اس وقت آدمی تہا تیزی کے ساتھ چل سکتا ہے، بہرحال عرب کی سرزمین کے لحاظ سے اسلام نے سفر کے لئے دو مناسب وقتوں کا مشورہ دیا ہے، صبح کا وقت اور رات کا وقت،

(۸) مسافر کو سفر میں سواری کے جانوروں کے آرام و آسایش کا خیال رکھنا چاہئے[2]

(۹) رات کو مقام راستہ سے الگ ہو کر کرنا چاہئے، کیونکہ راستہ سے جانور گذرتے رہتے ہیں اور موذی جانوروں کا بھی خطرہ رہتا ہے[3]،

(۱۰) جب سفر کی ضرورت پوری ہو جائے، تو فوراً واپس آجانا چاہئے، کیونکہ سفر بہرحال تکلیف اور بے اطمینانی کی چیز ہے[4]،

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سرعۃ السیر [2] مسلم کتاب الامارۃ باب مراعات مصلحۃ الدواب فی السیر والنہی عن التعریس فی الطریق [3] مسلم کتاب الامارۃ باب السفر قطعۃ من العذاب،

آدابِ خواب

نیند کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات اور احسانات مین شمار کیا ہے اور فرمایا ہی،

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ،	اور خدا کی نشانیون مین سے ایک
(روم-۳)	تمھارا رات کو سونا ہے،

سورۂ فرقان مین فرمایا:-

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ	اور اُسی نے تمھارے لئے رات کو پردہ
لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ	اور نیند کو آرام اور دن اٹھ کھڑے
النَّهَارَ نُشُوْرًا (فرقان ۵)	ہونے کو بنایا،

سورۂ نبا مین ہے،

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا	اور ہم نے نیند کو تمھارے لیے آرام
الَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ	اور رات کو پردہ اور دن کو کاروبار
مَعَاشًا، (نبا-۱)	بنایا،

ان آیتون کا اشارہ یہ ہے کہ نیند کے لئے رات کا وقت ہے، اور دن کا وقت

Marfat.com

کاروبار اور محنت کے لئے ہے یعنی دن کا بڑا حصہ محنت اور کام مین گذرے، البتہ دوپیر کو گرمی کے سبب سے کچھ دیر اہلِ عرب آرام کرتے تھے، جس کو قیلولہ کہتے تھے، جس کا ذکر سورۂ نور۔ ع ۸ مین ہے، حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ، اور رات آرام مین گذاری جائے، اور ہوسکے، تو اس کے کچھ حصّون مین خدا کی یاد کی جائے، جیسا کہ دوسری آیتون مین ہے، غرض یہ ہے کہ جو آرام طلب لوگ دن کو رات، اور جو عیش پسند لوگ رات کو دن بناتے ہین، وہ دونون قدرت کے حکمون کی خلاف ورزی کرتے ہین، یہانتک کہ ساری رات عبادتون مین جاگ جاگ کر کاٹنا بھی پسندیدہ نہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے[1]، یہ تو عام افراد کے لئے ہے، لیکن خاصانِ خدا ایسے بھی ہو سکتے ہین جن کی تعریف اس آیت مین کی گئی ہو،

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ (ذاریات۔۱) یعنی تھے وہ رات کو تھوڑا سوتے،

(۱) سُنّتِ نبوی نے سونے اور جاگنے کے طریقے اور اوقات بتا دیئے ہین، نمازِ عشا پڑھنے سے پہلے سونا نہین چاہئے، کیونکہ اس سے پہلے سو جانا غفلت کی نشانی ہے، اور نمازِ عشا پڑھکر پھر فضول بات چیت نہین کرنی چاہئے، بلکہ ضروری کامون سے اگر کوئی باقی رہ گیا ہو، فارغ ہو کر فوراً سو جانا چاہئے[2]، اس لئے تاکہ صبح تڑکے آنکھ کھل جائے، اور اخیر رات مین خدا کی عبادت مین نیند کی کمی کے سبب سے سُستی نہ ہو،

لیکن اگر کوئی ضروری اور مفید کام پیش ہو تو نمازِ عشار کے بعد اس کے لئے بات چیت

---

[1] بخاری کتاب النکاح [2] ابو داؤد کتاب الادب باب النہی عن السمر بعد العشاء،

Marfat.com

کرنا منع نہیں، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز عشاء کے بعد بعض ضروری کاموں میں مشورہ کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں، اور آپ نے بات چیت فرمائی ہے[1]،

(۲) احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سونے سے پہلے بستر کو جھاڑ لینا چاہیے، پھر داہنی کروٹ لیٹنا چاہیے[2]،

(۳) ایسی چھت پر نہیں سونا چاہیے جس پر منڈیر یا جالی نہ لگی ہو[3]، کیونکہ ایسی حالت میں زمین پر گر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

(۴) پاکی کی حالت میں سونا چاہیے، بلکہ سونے سے پہلے وضو کر لینا اچھا ہے[4]

(۵) پیٹ کے بل نہیں سونا چاہیے، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسی طرح سوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ سونے کا یہ طریقہ خدا کو پسند نہیں ہے[5]

(۶) ایک پاؤں کو اٹھا کر اس پر دوسرے پاؤں کو رکھ کر لیٹنا نہیں چاہیے[6] کیونکہ عرب کے لوگ عموماً تہبند باندھتے تھے، اس لیے اس میں کشفِ عورت کا احتمال ہے، البتہ اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقے سے لیٹے تھے[7]،

[1] صحیح مسلم باب اکرام الضیف [2] ابوداؤد کتاب الادب باب ما یقال عند النوم [3] ایضاً ابواب الادب [illegible]
[4] ایضاً باب ما یقال عند النوم و باب فی النوم علی طہارۃ [5] ایضاً باب فی الرجل ینبطح علی بطنہ [6] ترمذی ابواب الاستئذان باب ما جاء فی کراہیۃ فی ذلک [7] ایضاً باب ما جاء فی وضع احدی الرجلین علی الاخری مستلقیا۔

(۷) سونے کے وقت گھر کا دروازہ بند کرلینا چاہیے، کھانے پینے کے برتن کو ڈھانک دینا چاہیے، چراغ کو بجھا دینا چاہیے، کیونکہ بعض اوقات تیل کی خاطر چوہے چراغ کی بتی کو اٹھالیجاتے ہیں جس سے گھر میں آگ لگنے کا اندیشہ ہے، یہی حال آگ کا بھی ہے، ایک بار مدینہ میں رات کو کسی کے گھر میں آگ لگ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ تمہاری دشمن ہے جب سوؤ تو اس کو بجھا دیا کرو،[1]

(۸) سوتے اور سو کر اٹھتے وقت کوئی مسنون دعا پڑھنی چاہیے سب سے مختصر دعا یہ ہے کہ سوتے وقت کہے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَحْيٰى وَاَمُوْتُ (اے اللہ! میں تیرے نام سے جیتا اور مرتا ہوں) اور جاگے تو کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ[2] (اس کی حمد ہو جس نے مرنے کے بعد مجھے پھر جلایا اور جس کی طرف اٹھ کر جانا ہے) حدیثوں میں اس موقع کے لیے اور بہت سی موثر دعائیں منقول ہیں۔

---

[1] بخاری کتاب الاستیذان باب لا تترک النار فی البیت عند النوم وباب اغلاق الابواب باللیل مگر یہ اس حالت کے متعلق ہے جب گھر کی چھتیں پست ہوں اور بتی کا پرانا دیا جلایا جائے،

[2] ابوداؤد کتاب الادب باب ما یقال عند النوم۔

Marfat.com

آداب لباس

لباس سے اصلی مقصد دو ہین، ایک جسمانی اور دوسرا اخلاقی جسمانی یہ ہے کہ جسم کو سردی اور گرمی کی تکلیفون سے بچایا جائے اور اخلاقی یہ ہے کہ انسان کے بدن کے جن حصون پر غیرون کی نظر نہین پڑنا چاہیے وہ چھپے رہین، اسلام کے علاوہ شاید کوئی اور مذہب نہین جس نے برہنگی کو اعتراض کے قابل سمجھا ہو، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے ستر پوشی کو مذہب کا ایک ضروری جز ٹھہرایا، یہان تک کہ بلا مجبوری اسکے بغیر نماز بھی ادا نہین ہو سکتی،

مردون کے لیے ناف سے لے کر گھٹنون تک کا حصہ اور شریف آزاد عورتون[1] کے لیے سر کے بالون سے لے کر ٹخنون اور گٹون تک اور لونڈیون کے لیے پیٹ اور پیٹھ سے لے کر گھٹنون تک کا حصہ ستر قرار دیا گیا ہے جس کو غیر کے سامنے کھولنا جائز نہین، یہان تک کہ تنہائی مین بھی ان کا بے وجہ کھولنا پسندیدہ نہین، ایک صحابی

---

[1] عورت کا چہرہ، قدم اور ہتھیلیان ستر مین داخل نہین،

Marfat.com

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر ہم تنہائی میں ہوں یعنی کوئی دوسرا دیکھنے والا نہ ہو، فرمایا، خدا تو دیکھتا ہے، اس سے اور زیادہ حیا کرنا چاہیے[1] ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کبھی ننگے نہ ہو، کیونکہ تمھارے ساتھ فرشتے رہتے ہیں، جو بضرورت برہنگی کے وقت تم سے الگ ہو جاتے ہیں، تو ان سے شرم کرو اور ان کا لحاظ رکھو[2]

حضرت آدمؑ اور حواؑ کو بہشت میں جو بہشتی جوڑے ملے تھے، خدا کی نافرمانی کرنے سے، وہ ان کے بدن سے اتر گئے تو وہ فوراً درخت کے پتوں سے اپنی برہنگی چھپانے لگے،

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا	تو جب ان دونوں نے درخت کو چکھا،
سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ	ان کے ستر ان پر کھل گئے تو اپنے اوپر
عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (اعراف ۲)	درخت کے پتوں کو جوڑنے لگے،

اس سے معلوم ہوا کہ ستر پوشی خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت بنائی ہے، مگر دنیا میں آکر یہ فطرت کبھی بگڑ جاتی ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ وحشی جنگلی اور صحرائی قومیں ستر کے حدود کو صرف شرمگاہوں تک محدود کر لیتی ہیں، عرب میں بھی یہی حال تھا، بلکہ حج میں انھوں نے یہ دستور بنایا تھا کہ قریش کے علاوہ دوسرے قبیلوں کے مرد اور عورت خانۂ کعبہ کے طواف کے وقت اپنے کپڑے اتار دیتے تھے، اور اگر قریش اپنے کپڑے دیتے تو وہ پہن لیتے تھے، ورنہ یونہی ننگے پھرا کرتے تھے، وحیِ الٰہی نے انسانوں کو تہذیب و سلیقہ کا سبق دیا،

---

[1] سنن ترمذی ابواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی حفظ العورة [2] ایضاً باب ماجاء فی الاستتار
[3] صحیح مسلم وطبری تفسیر آیات ذیل،

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ	اے آدم کے بیٹو! ہم نے اتاری تم پر
لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ	پوشاک جو ڈھانکے تمھاری ستر اور
رِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ	زینت کا سامان اور پرہیزگاری
خَيْرٌ ۭ (اعراف - ۳)	کا لباس یہ بہتر ہے،
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ	اے آدم کے بیٹو! ہر نماز کے وقت
عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف - ۳)	اپنی زینت (یعنی لباس) اختیار کرو،
قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ	کہدے کہ کس نے اللہ کی اس زینت
الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ	کو جس کو اس نے بندوں کے لیے
(اعراف - ۴)	پیدا کیا ہے، منع کیا ہے،
قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ	کہدے کہ میرے رب نے تو بےحیائی
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ	کی باتوں کو خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی
(اعراف - ۴)	منع کیا ہے۔

ان آیتوں میں جس بےحیائی کی طرف اشارہ ہے، وہ برہنگی ہے، اور جس زینت کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ستر پوشی ہے۔ ان آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کپڑے سے مقصد ستر پوشی کے علاوہ زیب و زینت بھی ہے، پہلی آیت کے آخر میں لباس کے باب میں اصولِ کلیہ کی صورت میں ایک بلیغ فقرہ ہے جو بہت سی جزئیات کو حاوی ہے۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (اعراف - ۳) اور پرہیزگاری کا لباس یہ بہتر ہے۔

Marfat.com

پرہیزگاری کے لباس سے کیا مقصود ہے؟ بعضوں نے مجاز سمجھ کر اس سے ایمان، دوسروں نے اعمالِ صالحہ اور یا شرم و حیا مراد لی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجاز سے پہلے خود حقیقت پر غور کرنا چاہیے، اسی لیے کچھ مفسروں نے اس کو حقیقت ہی پر محمول کیا ہے مشہور تابعی مفسر ابن زید نے اس سے مطلق پوشاک مراد لی ہے، کسی نے زرہ اور خود وغیرہ لڑائی کے سامان کو لباسِ تقویٰ قرار دیا ہے، کسی نے اس سے زہد و ورع کے صوفیانہ کپڑے سمجھے ہیں[1] لیکن یہ بھی حقیقت سے دور ہونا ہے، صحیح یہ ہے کہ لباس التقویٰ سے تقویٰ اور پرہیزگاری کا لباس مراد ہے یعنی وہ لباس پہننا چاہیے جو تقویٰ اور پرہیزگاری کا منشا ہو اور جو لباس تقویٰ اور پرہیزگاری کا منشا ہے، اس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قولی اور عملی تفسیر سے ظاہر فرما دیا ہے۔ شاہ عبد القادر محدث دہلوی اس آیت پر ترجمۂ قرآن کے حواشی میں لکھتے ہیں،

"یعنی وہی لباس پہنو جس میں پرہیزگاری ہو، مرد لباس ریشمی نہ پہنے اور دامن دراز نہ رکھے۔ اور جو منع ہوا ہے سو نہ کرے، اور عورت بہت باریک نہ پہنے کہ لوگوں کو نظر آوے، اور اپنی زینت نہ دکھاوے" (تفسیر اعراف آیت مذکور)

اسلام میں لباس و پوشاک کی حد بندی اس کے سوا کچھ اور نہیں کی گئی ہے۔ اس حد بندی کی تشریح احادیث کے مطابق حسب ذیل ہے،

۱۔ مرد (ایک دو کو چھوڑ کر) نہ تو ریشمی لباس پہنیں نہ رنگین، اور ریشم کا بنا ہوا کپڑا نہیں پہننا چاہیے

---

[1] روح المعانی تفسیر آیۃ مذکور۔

Marfat.com

کیونکہ اس سے زنانہ پن کا اظہار ہوتا ہے، اور وہ اس عیش و تنعم کی زندگی یاد دلاتا ہے جو مردوں کی جد و جہد اور محنت کی زندگی کے خلاف ہے، ضرورت اور مجبوری کی تشریح یہ ہے کہ جیسے لڑائی میں زرہ کے نیچے ریشمی کپڑے پہنتے ہیں تاکہ اس کی لوہے کی کڑیاں بدن میں نہ چبھیں، یا کسی کے بدن میں کھجلی ہو تو سوتی کپڑے کے کھردرا پن سے بدن کے چھل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے ان دونوں موقعوں پر مرد ریشمی کپڑے پہن سکتے ہیں، اگر کوئی دو چار انگل کی ریشمی دھجی کپڑے میں لگا لے تو اس کی بھی اجازت ہے،

۲- مردوں کے لیے عورتوں کی سی پوشاک، اور عورتوں کے لیے مردوں کی سی پوشاک پہننا جائز نہیں، کیونکہ اس سے دونوں کی اخلاقی تنگ دامانی کی کھلی شہادت ملتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر جو مردوں کے لباس اور طور طریق کی مشابہت کریں اور ان مردوں پر جو عورتوں کے لباس اور طور طریق کی نقالی کریں لعنت فرمائی ہے،

۳- عربوں میں لباس کا دامن اتنا لمبا یا تہبند اتنا نیچے رکھنا کہ وہ زمین پر گھسٹتا ہوا چلے بڑائی کی نشانی سمجھی جاتی تھی اسلیے بڑے بڑے امراء اور رئیس اتنے ہی لمبے دامن رکھتے تھے، اور اتنا ہی نیچے تہبند باندھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی اپنا ازار فخر و غرور اور بڑائی کے اظہار کے لیے گھسیٹ کر چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہیں اٹھائے گا۔ اسی لیے دیکھو پائجامہ کی مہریوں اور تہبند کو اتنا نیچا نہیں کرنا چاہیے کہ ٹخنے چھپ جائیں، بلکہ آپ نے پسند فرمایا ہے کہ پائجامہ و تہبند نصف ساق تک

ورنہ کم از کم ٹخنوں سے اونچا رہے۔ فرمایا ازار نیچے لٹکانا غرور کی نشانی ہے اور خدا غرور کو پسند نہیں فرماتا۔ البتہ عورتوں کو دامن یا گھیر نیچے تک لٹکانا بلکہ ایک آدھ بالشت نیچے رکھنا درست ہے۔

۴۔ ایسا لباس جس کی طرف بے اختیار لوگوں کی انگلیاں اٹھیں، پہننا ٹھیک نہیں، خواہ وہ امیروں کی زرق برق پوشاکیں ہوں، یا مولویوں کا نمائشی عبا، جبہ، یا صوفیوں کا گیروا رنگ، کیونکہ ایسے کپڑوں کے پہننے والوں کا اصل منشا اپنے کو دوسروں سے ممتاز بنانے کی چھپی خواہش ہوتی ہے، اور یہ تفوق و امتیاز کی ہوس نفس کا کھلا غرور ہے۔

۵۔ مرد ہو یا عورت کوئی ایسے باریک کپڑے نہ پہنے جن سے ستر دکھائی دے، عورتوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ "کتنی کپڑے پہننے والیاں ہیں جو حقیقت میں ننگی رہتی ہیں۔"

ایسا کپڑا پہننا جس سے پوری ستر پوشی نہ ہو یعنی اس سے ستر کے پورے حدود نہ چھپیں جائز نہیں، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کوئی ایسا ہی کپڑا پہن کر حضورؐ کے سامنے آئیں، تو آپ نے فرمایا، اسے اسماءؓ جب عورت جوان ہوجائے تو اس کو چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان کے سوا کھولنا حلال نہیں۔

۷۔ مرد شوخ رنگ خصوصاً سرخ رنگ کے کپڑے نہ پہنیں، سرخ دھاری کے کپڑے جائز ہیں، ایسی سرخ دھاریوں کی چادر آپ نے اوڑھی ہے، دوسرے رنگ کے کپڑے

ے یا باریک

پہنے جا سکتے ہیں، آپ کبھی زرد رنگ کا پورا لباس پہن لیتے تھے، البتہ زعفرانی کپڑے درست نہیں، اور خوشبو کے لیے بدن پر زعفران کے دھبے ڈالنا جس کا عرب میں رواج تھا، مردوں کے لیے منع ہے، سبز رنگ کی چادر بھی آپ نے اوڑھی ہے، اور اس رنگ کا تہبند بھی آپ نے باندھا ہے، سیاہ رنگ کا عمامہ زیب سر فرمایا ہے،

۸۔ مردوں کے لیے عام طور سے سپید رنگ کے کپڑے آپ نے پسند فرمائے ہیں،

۹۔ آستین والی پوشاک پہنتے وقت پہلے داہنے ہاتھ میں آستین ڈالنی چاہیے،

۱۰۔ نیا لباس پہنتے وقت آپ دعا پڑھا کرتے تھے جس میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا فرماتے تھے، یہ دعا پڑھتے تھے[۱]

الحمد للہ الذی کسانی	اس خدا کی حمد جس نے مجھ کو پہنایا
ھذا ورزقنیہ من غیر	اور روزی کیا میری قوت کے بغیر
حول منی وقوۃ	(یعنی محض اپنے فضل سے)

---

[۱] اس باب کی یہ ساری حدیثیں صحاح اور سنن کی کتاب اللباس میں ہیں، میرے پیش نظر اس وقت ابوداؤد اور ترمذی ہیں، ان مسائل کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی،

Marfat.com

آدابِ مسرّت

انسان کو جن چیزوں پر مسرت حاصل ہوتی ہے ان کی کوئی انتہا نہیں، مال و دولت، علم و فضل، عہدہ و منصب، شادی بیاہ، عید اور تہوار، غرض انسان کو اپنی زندگی میں اظہارِ مسرت کے سیکڑوں موقع پیش آتے ہیں، لیکن یہ مسرت جب حدِّ اعتدال سے بڑھ جاتی ہے تو اس کی سرحد فخر و غرور سے مل جاتی ہے، قارون نے اپنے مال و دولت کی کثرت پر جب اسی قسم کی فخر آمیز مسرت کا اظہار کیا تو اس کی قوم نے ناگواری سے کہا،

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ	جب کہا اس کو اس کی قوم نے اترا مت،
اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (قصص)	اللہ کو نہیں بھاتے اترانے والے۔

اسلام نے چونکہ تمام جذبات میں اعتدال پیدا کرنا چاہا ہے، اس لیے اس نے اس قسم کی مسرتوں کو انسان کی ایک اخلاقی کمزوری قرار دیا ہے،

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا	اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو اپنی طرف سے
رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ	مہر پھر وہ چھین لیں اس سے تو وہ ناامید
اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ، وَلَئِنْ	ناشکر ہو، اور اگر ہم چکھا دیں اس کو

Marfat.com

اَذَقْنٰهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ	آرام بعد تکلیف کے جو پہنچے اس کو تو
مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ	کہنے لگے گئیں برائیاں مجھ سے تو وہ
عَنِّیْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ (ھود-۲)	خوشیاں کرتے بڑائیاں کرتا،

اور اس کی ممانعت کی ہے،

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰکُمْ وَاللّٰهُ	اور نہ اتراؤ اس پر جو تم کو اس نے
لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ	دیا اور اللہ نہیں چاہتا ہے کسی اترانے
(حدید-۳)	بڑائی مارتے کو،

ساتھ ہی اس کے مسلمانوں میں مردہ دلی نہیں پیدا کی ہے، بلکہ معتدل طریقہ پہ اظہار مسرت کی اجازت دی ہے، اور اس کے معتدل طریقے بتائے ہیں،

جب مسلمان کو کوئی مسرت حاصل ہو تو اس کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اسی کے فضل و کرم سے اس کو یہ خوشی حاصل ہوئی، اگر کوئی بڑی خوشی حاصل ہو تو سجدۂ شکر بجالانا چاہیے، تاکہ غایت مسرت کی حالت میں دنیوی فخر و غرور کے بجائے انسان کی نیازمندی کا اظہار ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ایسا مسرت آمیز واقعہ پیش آتا تو سجدۂ شکر بجالاتے۔

ایک بار مکہ سے مدینہ کو جا رہے تھے، جب غزورا کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر پڑے اور تھوڑی دیر تک دعا کی، پھر سجدہ میں گر پڑے، اس کے بعد دیر تک ٹھہرے رہے، پھر ہاتھ اٹھایا اور تھوڑی تک دعا کی، پھر سجدہ میں گر پڑے، اسی طرح تیسری بار بھی دعا کی،

Marfat.com

اور سجدہ میں گر پڑے، اور فرمایا کہ میں نے خدا سے اپنی امت کے لیے شفاعت کی دعا کی، تو اس نے میری ثلث امت کے لیے شفاعت قبول کرلی، اس لیے میں اپنے خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے سر اٹھا کر اپنی امت کے لیے یہی درخواست کی تو اس نے میری ثلث امت کے لیے اور میری درخواست قبول کی، اس لیے میں اپنے خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے یہی التجا کی تو اس نے میری ثلث امت کے لیے اور میری التجا کو قبول کیا تو میں اپنے خدا کے لیے سجدہ میں گر پڑا،[1]

صحابۂ کرام کا بھی یہی دستور تھا، چنانچہ حضرت کعبؓ بن مالک کی توبہ جب قبول ہوئی اور ان کو اس کا مژدہ سنایا گیا تو وہ سجدہ میں گر پڑے، اس قسم کے مسرت آمیز موقعوں پر دوسرے مسلمانوں کا اخلاقی فرض بھی یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کو مبارکباد دے کر اس کی مسرت میں شریک ہوں، چنانچہ اس موقع پر صحابۂ کرام بھی ان کے پاس جوق در جوق آئے اور ان کو مبارکباد دی،[2]

سفر سے واپس ہونے کے بعد بھی انسان کو وطن میں پہنچنے کی مسرت ہوتی ہے، اس موقع پر اعزہ واحباب کی دعوت کی جاسکتی ہے کہ وہ بھی اس مسرت میں شریک ہوں، چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے مدینہ میں آئے تو اونٹ یا گائے ذبح کرکے لوگوں کو کھلایا،[3] اس موقع پر دوسروں کا فرض بھی یہ ہے کہ سفر سے واپس آنے والے

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر۔ [2] بخاری کتاب المغازی حدیث کعب بن مالک۔ [3] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب الاطعام عند القدوم من السفر۔

Marfat.com

کا استقبال کریں تاکہ اس طریقہ سے ان کی مسرت کا اظہار ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو لوگوں نے ثنیۃ الوداع تک جاکر آپ کا استقبال کیا جس میں بچے بھی شامل تھے[1]،

اجتماعی طور پر اظہار مسرت کا عام موقع شادی بیاہ میں پیش آتا ہے، اور اس موقع پر اسلام نے اظہار مسرت کے لیے گانے اور ڈھول بجانے کی اجازت دی ہے تاکہ خوب اعلان ہو اور سب کو اس نکاح کی خبر ہو جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

فصل ما بین الحلال و الحرام الدف والصوت[2]	حلال اور حرام میں دف بجانے اور گانے سے فرق پیدا ہوتا ہے،

یعنی زنا اور نکاح میں فرق یہ ہے کہ دف بجاکر اور راگ گاکر نکاح کا اعلان کیا جاتا ہے تاکہ عام طور سے سب کو معلوم ہو جائے کہ فلاں مرد اور فلاں عورت نے باہم ازدواجی زندگی بسر کرنے کا معاہدہ کیا ہے، اور زنا چھپ کر چھپکے سے کیا جاتا ہے کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے،

حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء کا نکاح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر ان کے پاس بیٹھے، چند لڑکیاں دف بجا بجاکر حضرت ربیع بنت معوذ کے ان بزرگوں کی تعریف میں اشعار گانے لگیں، جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تھے، اسی

---

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی التلقی [2] ترمذی کتاب النکاح باب ما جاء فی اعلان النکاح

عالت میں ایک نے یہ مصرع گایا،

وفینا نبی یعلم ما فی غد — ہم میں ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے،

آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اور جو گا رہی تھیں اسی کو گاؤ۔[1]

ایک بار حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری سے اپنی ایک رشتہ دار عورت کا نکاح کیا اس کو رخصت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ تم لوگوں کے ساتھ گیت نہ تھا کیونکہ انصار کو گیت پسند ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اس کے ساتھ ایک لونڈی کیوں نہیں بھیجی جو دف بجاتی اور گاتی جاتی۔[2]

ایک دفعہ شادی کا موقع تھا، قرظہ بن کعبؓ اور ابومسعود انصاریؓ بیٹھے لڑکیوں کا گانا سن رہے تھے، اتنے میں عامر بن سعد ایک تابعی آ گئے، انھوں نے یہ دیکھا تو اعتراض کیا اور کہا آپ دو صاحب بدری صحابی ہیں، اور آپ کے سامنے یہ ہو رہا ہے، انھوں نے کہا تمہارا جی چاہے تو تم بھی بیٹھ کر سنو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی بیاہ کے موقع پر ہم کو اس کی اجازت دی ہے (نسائی باب اللھو والغنا عند العرس)

عربوں میں رسم تھی کہ دولھا کو بالرفاء والبنین کہہ کر عیش و آرام اور اولاد نرینہ کی دعا دیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جگہ یہ دعا سکھائی،

---

[1] بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح والولیمۃ [2] بخاری کتاب النکاح باب النسوۃ اللتی یھدین المرأۃ الی زوجھا ودعائھن بالبرکۃ مع فتح الباری،

Marfat.com

بارک اللہ لک وبارک	تمھارے لیے اللہ مبارک کرے
علیک وجمع بینکما	تم پر برکت اتارے اور تم دونوں میں
فی خیر[1]	بھلائی میں میل ملاپ رکھے،

شادی بیاہ میں دوستوں اور عزیزوں کی دعوت مسنون ہے، اس کو ولیمہ کہتے
ہیں، جس سے جو کچھ ہو سکے اور جتنا ہو سکے عزیزوں اور دوستوں کو اس موقع پر کھلائے،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور کچھ نہیں تو ایک بکری ذبح کر کے کھلا دو[2]، اور خود
پنیر، گھی اور چھوہارے بھی کھلائے ہیں[3]، اسی طرح دوست اور عزیز کو اس کی شادی میں
تحفہ کے طور پر بھی کچھ بھیج سکتے ہیں (نسائی باب الہدیۃ لمن عرس)

مسلمانوں کے لیے اس سے بھی زیادہ وسیع پیمانہ پر اجتماعی اظہار مسرت کا موقع
عیدالفطر اور عید اضحیٰ کے دن پیش آتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اہل مدینہ نے سال میں
دن مقرر کیے تھے جن میں وہ خوشیاں مناتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لائے تو فرمایا کہ تم لوگ دو دنوں میں خوشیاں مناتے تھے اب خدا نے تم کو
ان سے دو بہتر دنوں سے بدل دیا یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن[4]
دو دنوں کی تعیین میں دوسری مشرک قوموں کی طرح کسی واقعہ اور
مشاہد، کو یادگار کا ذریعہ نہیں بنایا گیا، بلکہ دین حنیف کے عظیم الشان [illegible]

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یقال للمتزوج [2] بخاری کتاب النکاح باب الولیمۃ ولو بشاۃ

[3] نسائی کتاب النکاح باب البناء فی السفر [4] نسائی کتاب صلوٰۃ العیدین۔

Marfat.com

مسرت کے لیے پسند کیا گیا، عید اضحیٰ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی خوشیوں اور خانہ کعبہ کی بنا اور فتح کی، اور عید الفطر اسلام کی آمد اور قرآن پاک کے نزول کی یادگار ہے،

ان دونوں دنوں میں اظہار مسرت کے لیے عمدہ لباس پہننا اور خوشبو لگانا مسنون فرمایا، اس کے علاوہ خوشی و مسرت کا گانا اور دوسری قسم کے جائز کھیلوں کو پسند فرمایا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ عید کے دن میرے پاس انصار کی دو لونڈیاں جو پیشہ ور گانے والیاں نہ تھیں، وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے بعاث کی لڑائی کے متعلق کہے تھے، اسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ آئے اور کہا کہ شیطان کے مزامیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اے ابوبکر! ہر قوم کے لیے عید کا ایک دن ہوتا ہے، اور یہ ہماری عید کا دن ہے"[1]

یعنی اس دن گانا مباح ہے[2]،

حبشی لوگ عید کے دن فوجی کرتب دکھاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پسند فرماتے تھے، ایک بار عید کے دن یہ لوگ اسی قسم کا کرتب دکھا رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عائشہؓ کو یہ تماشا دکھایا، اور حبشیوں سے کہا کہ "ہاں بنو ارفدہ"! اس سے آپ کا مقصد ان میں مستعدی اور نشاط پیدا کرنا تھا، یہاں تک کہ جب حضرت عائشہؓ تھک گئیں تو آپ نے کہا کہ "بس" انھوں نے کہا "ہاں" ارشاد ہوا

---

[1] بخاری باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام [2] بشرطیکہ اس کے مضامین اخلاقی اور مذہبی حیثیت سے برے نہ ہوں،

Marfat.com

تو جاؤ۔[1]

مسرت کے اس طریقۂ اظہار کا نام "تقلیس" تھا جس کے معنی دف بجانے، گانے اور دلچسپی کے لیے شمشیر بازی، نیزہ بازی وغیرہ کے کھیل تماشے دکھانے کے ہیں، بعض لوگوں کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ لڑکے اور لڑکیاں راستوں پر کھڑے ہو کر دف بجا کر اچھلیں کودیں، تماشے دکھائیں۔ عہد رسالت میں عید کے دن اس کا اس قدر رواج تھا کہ جب صحابہ کو کسی جگہ عید کے دن اظہار مسرت کا یہ طریقہ نظر نہیں آتا تو ان کو تعجب ہوتا تھا، چنانچہ ایک بار حضرت عیاض اشعریؓ نے انبار میں عید کی تو فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگ تقلیس کیا کرتے تھے، اس طرح تم لوگ کیوں نہیں کرتے،

حضرت قیس بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو چیزیں تھیں، وہ سب میں نے دیکھ لیں، بجز ایک چیز کے کہ عید کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے "تقلیس" ہوتی تھی،[2]

عیدین کے دن خوشی و مسرت کے اس طریقۂ اظہار کی اجازت کا فلسفہ یہ ہے کہ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ قوم کی زندگی میں سال میں ایک دو موقع ایسے مذہبی و قومی جشن کے آئیں جن میں لوگ کھل کر خوشی کر سکیں اور متین سے متین آدمی کچھ دیر انبساط خاطر کا اظہار کر لے، اسی لیے ان دونوں میں روزے رکھنے کی ممانعت آئی ہے، اور آپ نے فرمایا ہے کہ یہ دن کھانے پینے، اہل و عیال سے لطف اٹھانے اور

---

[1] بخاری باب الحراب والدرق یوم العید [2] ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی التقلیس یوم العید

یاد الہی کے ہین،[1]

اسلام نے خوشی مین بھی اس کو یاد رکھا ہے کہ قلب کو خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو، اسی لیے عید کے دونون موقعون پر دوگانہ ادا کرنا سنت ٹھرایا، تکبیر کہتے ہوے ایک راستہ سے عیدگاہ کو جائین اور دوسرے راستہ سے لوٹین، تاکہ ہر طرف اسلام کی شان و شوکت کا اظہار ہو، اور لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (بقرہ ۲۳-۲۳) کی تعمیل ہو،

---

[1] شرح معانی الآثار طحاوی صفحہ ۴۲۹، یہان بعال کا ترجمہ اہل دعیال سے لطف اٹھانا کر دیا گیا ہے،

Marfat.com

آداب ماتم

خوشی اور غم توام ہین جس طرح انسان خوشی مین بے اعتدالی کرتا ہے، غم کی حالت مین بھی وہ اعتدال سے گذر جاتا ہے، عربون مین فخر و غرور، اور جہالت و وحشت کی وجہ سے تعزیت و ماتم کی عجیب عجیب رسمین قائم ہوگئی تھین، فخر کا خیال موت کے بعد بھی نہین جاتا تھا، اس لیے اظہار فخر کے بہت سے طریقے جاری ہوگئے تھے سب سے مقدم یہ کہ مرنے والا جس درجہ کا ہو اسی شان سے اس کا ماتم ہونا چاہیے، چنانچہ بڑے بڑے سردار جب مرتے تھے تو وصیت کرجاتے تھے کہ ان کا ماتم ان کی شان کے موافق کیا جائے،

ایک شاعر اپنی بیوی سے کہتا ہے،

اذا مِتُّ فابکینی بما انا اھلُہ   وشقی علی الجیب یا ابنۃ معبد

جب مین مرجاؤن تو میرے لیے میرے درجہ کے موافق رونا اور میرے لیے گریبان کو چاک کرڈالنا

منہ پر تھپڑ مارنا، چھاتی کوٹنا، سر کے بال کھول دینا عام رسم تھی، اور شعراء اس کا فخریہ اظہار کرتے تھے،

Marfat.com

من کان مسرورًا بمقتل مالکٍ ❊ فلیات نسوتنا بوجه نہارٖ

جو شخص مالک کے قتل سے خوش تھا ❊ تو ہماری مستورات کو دن دہاڑے آکر دیکھے

یجد النساء حواسرًا یندبنہٗ ❊ یلطمن اوجھھن بالاسحارٖ

وہ دیکھے گا کہ عورتیں سر کھول کر نوحہ کر رہی ہیں ❊ اور صبح کے وقت اپنے گالوں پر طمانچے مار رہی ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان رسوم سے نہایت سختی سے منع کیا، آپ نے فرمایا کہ جو شخص گریبان پھاڑتا، اور گالوں پر طمانچے مارتا، اور جاہلیت کی طرح چیختا اور چلاتا اور بین کرتا ہے، وہ میری امت میں سے نہیں[1] یعنی یہ میری امت کے کام نہیں،

حضرت جعفر طیارؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبت تھی، ان کی شہادت کی جب خبر آئی تو ان کے خاندان کی عورتوں نے نوحہ شروع کیا، آپ نے منع کرا بھیجا، وہ باز نہ آئیں، دوبارہ منع فرمایا، جب پھر نہ مانیں تو آپ نے حکم دیا کہ "ان کے منہ میں خاک بھر دو[2]"

یہ بھی فخر میں داخل تھا کہ میت پر کثرت سے رونے والے ہوں، اس بنا پر دور دور سے عورتیں بلا کر آتی تھیں، رفتہ رفتہ یہ رسم مبادلہ کے طور پر داخلِ مراسم ہو گئی تھی، یعنی کسی میت کے لیے کسی خاندان کی عورتوں نے نوحہ کیا ہے تو اس میت کے خاندان پر گویا یہ ایک فرض ہو جاتا تھا جس کا ادا کرنا ضروری تھا، ایک دفعہ ایک خاتون نے

---

[1] ترمذی کتاب الجنائز باب ما جاء فی النھی عن ضرب الخدود [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب من جلس عند المصیبۃ یعرف فیہ الحزن،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "وہ کونسی بات ہے جس میں ہم کو آپ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے" آپ نے فرمایا کہ "نوحہ نہ کرو" وہ بولیں کہ میرے چچا نے جب انتقال کیا تو فلاں خاندان کی عورتیں آکر روئی تھیں، ان کا یہ قرض مجھ کو ادا کرنا ہے، آپ نے منع فرمایا، لیکن وہ کسی طرح نہ مانیں، بالآخر ان کے بار بار اصرار پر اجازت دی، لیکن وہ خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی منشا سمجھ گئی تھیں، اس لیے پھر کبھی کسی کے نوحہ میں شریک نہیں ہوئیں۔[۱]

دستور تھا کہ جب کوئی مرجاتا تھا تو عام منادی کراتے کہ لوگ کثرت سے آئیں، اسکو عربی میں "نعی" کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا، حضرت حذیفہؓ جب مرنے لگے تو (فرمان نبوی کی اس قدر احتیاط مدنظر تھی کہ) وصیت کی کہ "میرے مرنے کی کسی کو خبر نہ کرنا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان مرگ سے منع کرتے دیکھا ہے، اور شاید خبر کرنا بھی اعلان میں داخل ہو"۔[۲]

جنازہ کے ساتھ نوحہ اور ماتم کرنے والے چلتے، اور بخور دان[۳] جلا کر لے جاتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جنازہ کے پیچھے کوئی آگ اور راگ نہ لیجائے، راگ سے مقصود کفار ہند کی طرح گانا بجانا بھی ہو سکتا ہے، تب یہ مطلب ہوگا کہ جنازہ کے پیچھے کوئی آگ اور باجا نہ لے جائے"۔[۴]

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں شریک تھے، ایک عورت [illegible]

۱؎ ترمذی تفسیر سورۂ ممتحنہ ۲؎ ترمذی کتاب الجنائز باب کراہیۃ النعی ۳؎ باب لا اسلام بیدم بالقبلہ واحمد [illegible]

۴؎ ابوداؤد جلد ۲ کتاب الجنائز باب فی النار یتبع بہا المیت بذل المجہود فی شرح ابی داؤد،

Marfat.com

لیکن ایک بی بی آپ نے اس کو اس زور سے زجر کیا کہ وہ بھاگ گئی،[۱]

جنازہ کے پیچھے چلتے تھے تو چادر پھینک دیتے تھے، صرف کرتہ بدن پر رہ جاتا تھا،

ایک دفعہ آپ نے لوگوں کو اس صورت میں دیکھا تو فرمایا کہ جاہلیت کی رسم پر چلتے ہو، میرا

یہ ارادہ ہوا کہ میں تمھارے حق میں ایسی بد دعا کروں کہ تمھاری صورتیں بدل جائیں، لوگوں

نے فوراً چادریں اوڑھ لیں، اور پھر کبھی کسی نے ایسا نہیں کیا،[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوگ کی مدت بھی مقرر کر دی، اور فرمایا کہ کسی مومن

کے لیے یہ جائز نہیں کہ تین دنوں سے زیادہ کسی کا سوگ کرے، البتہ بیوہ کو چار مہینے دس

دن سوگ کرنے کا حکم دیا، جس میں وہ کوئی رنگین کپڑا نہ پہنے، خوشبو نہ لگائے اور نہ کوئی اور

آرایش و زیبایش کرے،[۳]

کسی عزیز کی موت پر آنکھوں سے آنسو نکلنا جو فطرت کا تقاضا ہے، برا نہیں لیکن

زور زور سے چیخنا چلانا، بین کرنا منع ہے، اور اس پر سخت تہدید فرمائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؑ نے جب وفات پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے

آنسو کے چند قطرے نکل آئے، اور فرمایا کہ اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے مغموم ہیں، لیکن

زبان سے وہی نکلے گا جو رب کی مرضی ہے،[۴]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مردہ پر اس کے اعزہ کے رونے سے عذاب ہوتا ہے"

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۹۵ مصر [۲] ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی النھی عن التسلب مع الجنازۃ [۳] ترمذی کتاب الطلاق باب ماجاء فی عدۃ المتوفی عنہا زوجہا [۴] مسلم کتاب الفضائل باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال،

Marfat.com

صحابہ اور محدثین کے درمیان اس حدیث کے مطلب میں اختلافات ہیں جس بات پر سب کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ عرب میں جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا کہ لوگ فخر و غرور کے لیے حسبِ حیثیت ماتم کرنے کی وصیت کر جاتے تھے، اسی وصیت کے مطابق اس پر رونے سے اس کو عذاب ہوتا ہے[1]

ہمدردی کا تقاضا ہے کہ جب کسی مسلمان کے گھر میں کوئی موت ہو، تو مناسب ہے کہ عزیز، دوست یا محلہ کے لوگ اس کے ہاں کھانا بھیجیں، کیونکہ غم کے سبب سے اس کے گھر میں کھانا پکانے کا سامان مشکل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کی شہادت کے موقع پر ان کے گھر کھانا بھجوانے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ ان کے گھر کے لوگوں کو آج کھانا پکانے کا موقع نہ ملے گا[2]

ایک مسلمان کا فرض مشکلات میں صبر اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے صبر اور دعا، دفعِ غم کا وہ نسخہ ہے جس کو قرآن نے مسلمانوں کے لیے تجویز کیا ہے

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرہ۔۵) صبر کا موقع حادثہ کے شروع ہی میں ہے، یہ نہیں کہ شروع میں خوب رو پیٹ لیا جائے اور پھر آخر میں مجبوری کا صبر کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو جو اپنے بچہ کی موت پر رو رہی تھی سمجھایا، مگر وہ نہ مانی، بعد کو جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو معذرت کرنے آئی اور صبر کا کلمہ ادا کیا، آپ نے فرمایا کہ صبر صدمہ کے

---

[1] فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ [2] ابوداؤد کتاب الجنائز باب صنعۃ الطعام لاہل المیت

Marfat.com

شروع میں کرنا چاہیے،[1]

خدا فرماتا ہے کہ اچھے مسلمان وہ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پیش آئے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے، قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ (بقرہ - ۱۹) اسی لیے مسلمانوں میں دستور ہے کہ جب غم کی کوئی خبر سنتے ہیں تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ پڑھتے ہیں اور یہ دستور مستحسن ہے،

تقدیر کا عقیدہ غم کا چارۂ کار ہے، جو کچھ ہوا خدا کے حکم اور مصلحت سے ہوا، یہ اسلام کی حکیمانہ تعلیم ہے، اور اس تعلیم کا فائدہ بھی قرآن نے بتا دیا ہے،

لِكَيۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ (حدید - ۳) — تاکہ تمہارے ہاتھ سے جو جاتا رہے اس پر غم نہ کرو،

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصبر عند الصدمۃ،

متفرق آداب

انسان کی بعض جسمانی حالتیں ادب، تہذیب اور وقار کے خلاف ہوتی ہیں، ان کو دیکھ کر ناگواری پیدا ہوتی ہے، مثلاً جماہی لینے میں انسان کا منہ کھل جاتا ہے، آہ آہ یا ہاہ ہاہ کی ناگوار آواز منہ سے نکلتی ہے، اور چہرے کی قدرتی ہیئت بدل کر ایک مضحکہ انگیز شکل پیدا ہو جاتی ہے، اسی مفہوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"جماہی شیطان کی جانب سے ہے، اور جب کوئی اس حالت میں آہ آہ کہتا ہے تو شیطان اس کے پیٹ کے اندر سے اس پر ہنستا ہے"[1] بعض حدیثوں میں ہے کہ جب تم میں کوئی جماہی لے تو اپنے منہ کو بند کر لے، کیونکہ شیطان اس کے منہ کے اندر گھس جاتا ہے[2] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس میں حقیقت و مجاز کی اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ شیطان کھی یا مچھر کو اوڑا کر اس کے منہ کے اندر داخل کر دیتا ہے[3]، اس لیے اسلام نے مختلف طریقوں سے اس بدنمائی کو دور کیا ہے،

---

[1] ترمذی کتاب الاستیذان باب ما جاء ان اللہ یحب العطاس و یکرہ التثاؤب [2] ابوداؤد کتاب الادب باب ما جاء فی التثاؤب [3] حجۃ اللہ البالغہ آداب الصحبۃ،

(۱) پہلا حکم تو یہ ہے کہ جمہائی روکنے کی چیز ہے، اسلیے جہانتک ممکن ہو اس کو روکنا چاہیے اور ہاہ ہاہ نہیں کہنا چاہیے، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہیے[1]۔

(۲) جمہائی کے برخلاف آپ نے چھینک کے روکنے کی کوئی ہدایت نہیں کی ہے، بلکہ اس کو خدا کی جانب سے بتلایا ہے[2]، ہمارے شرّاحِ حدیث اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ چھینک بدن کے ہلکے پھلکے ہونے، مسامات کے کھلنے اور بہت زیادہ نہ کھانے سے آتی ہے لیکن جمہائی بدن کے ثقل اور کسل وسستی کا نتیجہ ہے، اس لیے چھینک عمل کے لیے نشاط اور جمہائی اس کے لیے کسل پیدا کرتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ چھینک سے دماغی ابخرے نکلتے ہیں، اور اس طریقہ سے وہ شفا کا ذریعہ بن جاتی ہے اس بنا پر شریعت نے چھینکنے والے کو حکم دیا ہے کہ وہ اس پر خدا کا شکر کرے، اور "الحمد للہ" کہے، دوسرے لوگ اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہیں[3]،

(۳) تاہم وہ ایک بُرا چیز ہے، بعض اوقات اس حالت میں ناک سے بلغم نکل آتا ہے، اس لیے چھینکتے وقت منھ کو ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانک لینا چاہیے، اور اس طریقہ سے چھینک کی آواز کو پست کرنا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا[4]،

(۴) انگڑائی اور ڈکار کے متعلق اگرچہ آپ نے کوئی خاص حکم نہیں دیا ہے، تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام مجمع میں انگڑائی اور ڈکار لینا تہذیب کے خلاف ہے، خصائص کی بعض

---

[1] ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء ان اللہ یحب العطاس ویکرہ التثاوب [2] ایضاً [3] ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء کیف تشمیت العاطس [4] ابو داؤد کتاب الادب باب فی العطاس،

کتابوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمہائی اور انگڑائی نہیں لیتے تھے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان حدیثوں کو نقل کیا ہے، اور ان کی تضعیف و تردید نہیں کی ہے، بلکہ بعض کی تائید کی ہے[1]، بہرحال یہ حدیثیں صحیح ہوں یا نہ ہوں، لیکن ان سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ انگڑائی لینے میں جسم کی جو حالت ہوتی ہے وہ بدنمائی پیدا کرتی ہے، اس لیے مجمع عام میں اس سے احتراز کرنا چاہیے،

ڈکار کے متعلق صحیح ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے ڈکار لی تو آپ نے فرمایا کہ اپنی ڈکار کو روکو، کیونکہ جو لوگ دنیا میں بہت زیادہ پیٹ بھر لیتے ہیں وہ آخرت میں سب سے زیادہ بھوکے رہیں گے[2]، اس حدیث سے پرخوری کی ممانعت کے ساتھ ضمناً ڈکار کی کراہت بھی ثابت ہوتی ہے،

آداب کا فلسفہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ان آداب کی خصوصیات پر ایک نہایت عمدہ تبصرہ کیا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے

تمام متمدن ملکوں کے باشندوں نے خورد و نوش، نشست و برخاست اور وضع و لباس وغیرہ کے متعلق اجتماعی و معاشرتی حالات میں فطرۃً چند آداب کی پابندی کا لحاظ رکھا ہے، اس میں مختلف طریقے اختیار کیے ہیں،

(۱) بعض لوگوں نے ان کی بنیاد حکمت طبعی کے قواعد پر رکھی ہے، اور ان آداب کو اختیار کیا ہے جو طب اور تجربہ کے رو سے مفید ہیں،

[1] فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۵۰۶ [2] ترمذی ابواب الزہد صفحہ ۴۰۳

Marfat.com

(۲) بعض لوگون نے ان کو مذہبی اصول پر قائم کیا ہے، اور اس مین اپنے مذہب کی پابندی کی ہے،

(۳) بعض لوگون نے اس معاملہ مین اپنے بادشاہون حکیمون اور راہبون کی تقلید کی ہے۔ ان کے علاوہ اور اصول وقواعد بھی ہین جنمین بعض مفید اور بعض مضر ہین اور بعض مین نفع ونقصان کچھ بھی نہین ہے، اس لیے جو مفید تھے وہ اس بات کے مستحق تھے کہ ان کی پابندی کا حکم دیا جائے اور جو مضر تھے ان کی ممانعت کی جائے، اور جن مین نفع ونقصان کچھ بھی نہ تھا وہ اپنی اباحت کی حالت مین قائم رکھے جائین، ان مصلحتون کی بنا پر شریعت نے ان سے بحث کی اور اس مین امور ذیل کا لحاظ رکھا،

۱۔ ایک تو یہ کہ ان آداب کی پابندی سے بعض اوقات خدا بھول جاتا ہے اور دل کی صفائی باقی نہیں رہتی اسلیے شریعت نے ان سے پہلے، ان کے بعد اور ان کے ساتھ چند دعائین مسنون کر دین جو خدا کو یاد دلاتی ہین،

۲۔ بعض افعال واشکال شیطانون کے مزاج سے مناسبت رکھتے ہین، مثلاً ایک جوتہ پہن کر چلنا اور بائین ہاتھ سے کھانا، اس لیے شریعت نے ان کی ممانعت کی ہے، اس کے بخلاف بعض باتین ایسی ہین جو فرشتون سے قریب کر دیتی ہین، مثلاً گھر مین داخل ہونے اور نکلنے کے وقت دعا پڑھنا، اس لیے شریعت نے ان کی ترغیب دی ہے،

۳۔ بعض چیزین ایسی ہین جن سے تجربۃً تکلیف پہنچتی ہے، مثلاً ایسی چھت پر سونا جس پر کوئی آڑ یا جالی نہ ہو یا سوتے وقت چراغ کو جلائے رکھنا، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ چوہے چراغ کی بتی سے گھر میں آگ لگا دیتے ہیں،

۴۔ بعض آداب ایسے ہیں جن سے عجمیوں کے مسرفانہ اور عیاشانہ تمدن کی مخالفت مقصود ہے، مثلاً حریر، تصویردار کپڑوں اور چاندی سونے کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت،

۵۔ بعض چیزیں وقار اور تمدن کے منافی ہیں، اور انسان کو بالکل وحشیوں اور بدوؤں میں شامل کر دیتی ہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ممانعت فرمائی، تاکہ افراط اور تفریط کے درمیان توسط و اعتدال کی راہ نکل آئے[1]،

اس تفصیل کے پیش نظر رکھنے کے بعد یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا کی تمام مہذب قوموں کے اجتماعی و معاشرتی آداب کی بنیاد جن اصولوں پر قائم تھی، اسلام کے احکام میں اور رسولِ انام علیہ السلام کے آداب میں وہ سب ملحوظ ہیں، اور مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور طبی غرض ہر قسم کے فوائد و منافع پر مشتمل ہیں یعنی ان آداب کی پیروی سے خدا کی رضا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، روح اور جسم کی پاکیزگی، گھر کی صفائی، اخلاق کی طہارت اور بلندی، معاشرت کی اچھائی صحت کی حفاظت اور ترقی، بزرگوں کے آزمودہ اصولِ کار، اور طریق زندگی کی ہدایت نصیب ہوتی ہے، اور ان ہی کے مجموعہ کا نام اسلام کا خاص تمدن و معاشرت ہے،

اسلام نے ان آداب میں بڑی لچک رکھی ہے یعنی ان میں جو اصلی اور بنیادی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۳۶۳

باتین ہین، ان کی تو قرآن پاک اور احادیث نبویہ مین پوری تاکید کر دی ہے، اور اسی تاکید سے ان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے لیکن ان مین بعض ایسے امور بھی ہین جو وقتی مصلحت، عرب کی ملکی معاشرت اور زمانہ کے حالات کے بدلنے سے بدل سکتے ہین، اسی لیے ان کے متعلق کوئی ایسی تاکید نہین کی جس سے ان کا شعار اسلامی ہونا ظاہر ہو، یا ان کے چھوڑنے پر کوئی وعید فرمائی گئی ہو، اور اسی لیے ان کے دنیوی مصالح اور فائدے بھی بتا دیے گئے ہین، اس کے معنی یہ ہین کہ اگر ان مین کچھ ایسا تغیر کیا جائے جس سے اصل مقصد فوت نہ ہو بلکہ اسکی خوبی اور زیادہ بڑھ جائے تو وہ برا نہین، جیسے جہان ہاتھ دھونے مین اصل مقصد صفائی اور پاکیزگی ہے وہان اگر مٹی کی جگہ صابون استعمال کیا جائے، تولیے کام مین لائے جائین، کھانے مین ہاتھ کے بجائے چمچون سے کھانا نکالا جائے، چھری سے گوشت[۲] کاٹا جائے، پلیٹین بدلی جائین یا صفائی اور ستھرائی کے اور دوسرے طریقے اختیار کیے جائین، یا ہر ملک کے رہنے والے اپنے ملکی طریقہ کا جائز لباس پہنین، حلال کھانا کھائین، بیٹھنے اور سونے کے مناسب سامان استعمال کرین تو اس کی پوری اجازت ہے، لیکن اس اجازت کے باوجود ایک مرتبہ عشق و محبت کا ہے، جو لوگ اس راہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا عزم رکھتے ہون، ان کے لیے زمانہ کچھ ہی بدل جائے مگر ان کی نظر مین وہی ادائین محبوب ہین جو محبوب سے نسبت رکھتی ہین،

---

[۱] ہمارے فقہا نے ہی کو سنن الہدیٰ اور سنن زوائد کی اصطلاحون مین بیان کیا ہے [۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری سے کاٹ کر گوشت کھایا ہے،

Marfat.com

حکمتِ ربانی کا چشمۂ نو

یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

ناظرین! آپ نے کتاب کا ایک ایک صفحہ پڑھ لیا، اسلام کی اخلاقی تعلیموں اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی اخلاقی ہدایتوں کا ایک ایک حرف آپ کی نظر کے سامنے آگیا، آپ نے دیکھا کہ اسلام کا فلسفۂ اخلاق کتنا مکمل، اس کی تعلیم کتنی کامل، اس کے تہذیب وتمدن کے اصول کتنے اعلیٰ اور اس کی اخلاقی تربیت کے نظریے کتنے بلند ہیں، اور یہ سب کچھ ایک نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا، اگر حضور علیہ السلام کی صداقت کی کوئی اور دلیل نہ بھی ہوتی تو یہی ایک چیز کافی تھی کہ جس بلندی تک حکمائے زمانہ، فلاسفۂ روزگار اور قوموں کے معلم سوچنے سے عاجز رہے، معلم امی صلے اللہ علیہ وسلم کسی انسانی تعلیم کے سہارے کے بغیر وہاں تک پہونچ گئے۔

اگرچہ یہ بات خود بھی اپنی جگہ پر بہت بڑی ہے لیکن اس سے بھی بڑی یہ ہے کہ ایک قوم کو جو تہذیب وتمدن سے ناآشنا، اخلاقی عالیت سے بیگانہ، اور سلیقہ وشعور سے

عاری تھی، نہ صرف اخلاق و تمدن کے ایسے بلند حکیمانہ اصول اور نظریے سکھائے بلکہ اپنی تعلیم و تربیت کے صیقل سے ان میں ایسی جلا پیدا کر دی کہ دنیا ان کے اخلاقی جلووں کو دیکھ کر ششدر رہ گئی، اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ دعا قبول ہوئی یا یہ کہیے کہ وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو اسماعیلی نسل کے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے لیے کی گئی تھی، یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔ "یعنی ایسا نبی جو ان اُمیوں کو اللہ کے احکام اور اخلاق و حکمت سکھائے اور ان کو اپنی تعلیم و تربیت سے پاک و صاف کر کے نکھار دے۔" یہ نکھارنے والا آیا، اور نکھار کر دنیا کو پُر بہار بنا گیا صلی اللہ علیہ وسلم

اُمیدوارِ رحمت

سید سلیمان ندوی

۲۹ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ

اس کتاب کے جملہ حقوق نقل و ترجمہ و طباعت دار المصنفین کے حق میں محفوظ ہیں، مہتمم صاحب کی اجازت کے بغیر کوئی صاحب اقدام نہ فرمائیں

Marfat.com